فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

جلد ۱

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاویٰ محمودیہ

فتاویٰ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

کل صفحات ——— ۷۱۲

تعداد ——— گیارہ سو

ناشر

ادارہ الفاروق کراچی

فتاویٰ محمودیہ

Graphix & Composing: Irfan Anwar Mughal

سن طباعت بار اول............۱۴۲۶ھ، مطابق ۲۰۰۵ء

سن طباعت بار دوم............۱۴۲۹ھ، مطابق ۲۰۰۸ء

ملنے کا پتہ

ادارہ الفاروق کراچی

جامعہ فاروقیہ، پوسٹ بکس نمبر 11009 شاہ فیصل کالونی نمبر 4، کراچی، پوسٹ کوڈ نمبر 75230

فون: 4599167, 4571132، ای میل: info@farooqia.com

www.farooqia.com

——— مطبع......القادر پرنٹنگ پریس ———

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری گزارش

الحمدللہ فتاویٰ محمودیہ کا (تبویب، تخریج اور تعلیق شدہ) دوسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے، حسبِ ضرورت نظرِ ثانی بھی کردی گئی ہے، انسانی استطاعت کے مطابق ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی نہ رہے، حوالہ جات لکھنے میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ حوالہ جات جواب کے مطابق ہوں، صریح جزئیہ نہ ملنے کی صورت میں قریب ترین جزئیہ تحریر کیا گیا ہے، پروف ریڈنگ اور تصحیح کرنے پر بھی خاص توجہ دی گئی ہے۔

تاہم انسان سے غلطی اور سہو کا صادر ہونا عین ممکن ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی کم علمی اور بے مایگی کا اعتراف بھی ہے اس لئے اگر قارئین کرام کو ایسی غلطی نظر آجائے جو قابلِ اصلاح ہو تو اس کی نشاندہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

لجنۃ المشرفین

دارالافتاء، جامعہ فاروقیہ کراچی

اجمالی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

☆......☆......☆

کتاب الإیمان والعقائد

مایتعلق بالإیمان

(ایمان کا بیان)

ما یتعلق بالقدر

(تقدیر کا بیان)

مایتعلق بالسعادة والنحوسة

(نیک شگونی اور بدشگونی کا بیان)

باب العقائد

مایتعلق باللّٰہ تعالیٰ و صفاتہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان)

مایتعلق بالإشراک باللّٰہ تعالیٰ وصفاته

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کا بیان)

مایتعلق بالاستمداد بغیر اللہ تعالیٰ

(غیر اللہ سے مدد مانگنا)

مایتعلق بالأنبیاء علیهم السلام و أتباعهم

(انبیائے کرام اوران کے متبعین)

مایتعلق بعلم الغیب

(علم غیب کا بیان)

مایتعلق بالحاضر والناظر ، والنور والبشر

(حاضر وناظر اور نور وبشر کا بیان)

مایتعلق بالمعجزة والکرامة والإلهام

(معجزہ، کرامت اور الہام کا بیان)

مایتعلق بحیاۃ الأنبیاء وسماع الموتی

(حیاتِ انبیاء اور سماعِ موتی کا بیان)

مایتعلق بالتوسل فی الدعاء

(دعاء میں توسل کا بیان)

مایتعلق بأحوال القبور والأرواح

(روح اور قبر کے احوال کا بیان)

مایتعلق بالجزآء والعقوبة

(جزاء اور سزا کا بیان)

مایتعلق بالجنة و نعیمها

(جنت اوراس کی نعمتوں کا بیان)

متفرقات العقائد

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم العالیہ

الحمدللّٰہ الذی رفع درجات حَمَلة الشرع المبین، ومن أراد بہ خیراً فقھہ فی الدین، أشھد أن لا إلہ إلا ھو، وحدہ لا شریك لہ فی الدنیا والدین، فإیاہ نعبد وإیاہ نستعین، وأشھد أن سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ سید الأنبیاء والمرسلین، صلی اللّٰہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعھم صلاۃً دائمةً بدوام السماوات والأرضین۔

أما بعد!

یہ بات تو کسی پر مخفی نہیں کہ انسانی زندگی سے متعلق تمام احکامِ شرعیہ کا تذکرہ تفصیلی طور پر قرآن مجید میں موجود نہیں، بلکہ حلال وحرام کے اصولی قواعد وضوابط اور کلیات پر قرآن پاک حاوی اور مشتمل ہے اور یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث قرآن پاک کی تشریح ہے، بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پوری زندگی، آپ کا ہر قول وفعل قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام ارشادات اور فرمودات درجہ کے اعتبار سے مختلف ہیں، بعض میں ضروری مسائل کا حکم بتایا گیا ہے، بعض میں اس سے کم درجے کا، بلکہ بعضے احکام نہایت ہی ضروری تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی زیادہ تاکید فرمائی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضراتِ فقہائے کرام اور مجتہدین کو جزائے خیر عطاء فرمائے جنہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں احکامِ شرعیہ کے مراتب حلال وحرام، مکروہ تحریمی وتنزیہی، فرض،

واجب، سنت موکدہ اور مستحب مباح کی تعیین کر کے امتِ مسلمہ کے لئے آسانی کردی۔ یقیناً یہی حضرات درحقیقت رازدانِ شریعت کہلانے کے مستحق ہیں۔ اہلِ علم یہ بھی جانتے ہیں کہ نصوصِ شرعیہ محدود ہیں اور انسانی زندگی میں نئے پیش آنے والے مسائل کا ایک طویل سلسلہ ہے جو کسی موڑ پر رُکنے والا نہیں، چنانچہ کہا گیا ہے کہ

"النصوص محدودة والحوادث ممدودة"۔

ہر زمانہ کے فقہائے کرام نے اپنے زمانہ میں نئے پیش آنے والے مسائل کو نصوصِ شرعیہ کے ساتھ جوڑ کر کس طرح حل کیا ہے، ان تفصیلات کے لئے کتبِ فقہیہ کی مراجعت کے بعد اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

پھر شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو کہ جس کا بعینہ یا اس کی نظیر کا حل فقہ میں موجود نہ ہو، خاص طور پر فقہ حنفی کو اللہ تعالیٰ نے جو جامعیت عطا فرمائی ہے اس کے پیشِ نظر یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حیاتِ انسانی کے تقریباً تمام پہلوؤں میں سے کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں جس کا جواب اور حل فقہ حنفی میں موجود نہ ہو، خاص طور پر فقہ تقدیری (وہ مسائل جن کا اُس زمانہ میں وجود نہیں تھا ان کی فرضی صورتیں اور ان کا حکمِ شرعی بیان کیا گیا ہے) کا باب دوسرے فقہاء کے ہاں اتنا وسیع نہیں جتنا فقہ حنفی میں ہے، پھر بسا اوقات بعضے مسائل ایسے بھی سامنے آتے ہیں کہ ان کا جواب اور حل اگر کسی ایک مجتہد کے مذہب میں نہیں تو اس کے حل کے لئے دوسرے کسی مجتہد کے قول کو لیا جاتا ہے، لیکن اس عمل کو سرانجام دینا ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے مفتی کے طویل تجربے اور اس کے فقہ میں ماہر ہونے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے ماہرینِ فقہ وفتویٰ سے بھی مشاورت کی جائے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب سے برِصغیر پاک و ہند کو مرکزِ علم بننے کا شرف حاصل ہوا تو برصغیر کے علماء نے اس شرف کو برقرار رکھنے کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دیں، فتاویٰ عالمگیری انہی حضرات کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ متاخرین حنفیہ کے طویل دور کے اندر برصغیر پاک و ہند میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے علمائے دیوبند کو جو علمی مقام عطاء فرمایا ہے اس کا انکار شاید ہی کوئی انسان کرتا ہو ورنہ دیکھنے اور سننے میں آج تک یہ نہیں آیا کہ دنیا کا کوئی علمی ذخیرہ اور ادارہ ہو اور اس میں علمائے دیوبند کے علوم سے استغناء برتا گیا ہو۔

یوں تو علمائے دیوبند نے ہر علم وفن میں اپنی جامعیت کا لوہا منوایا لیکن علمِ فقہ کے ساتھ ان کے تعلق اور لگاؤ کی شان ہی نرالی ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ، امداد الفتاویٰ، فتاویٰ محمودیہ، امداد الاحکام، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند،

فتاویٰ خلیلیہ ، کفایت المفتی ، فتاویٰ رحیمیہ اور جدید مسائل کے متعلق لکھے گئے مستقل مقالات اور رسائل سے علمِ فقہ میں ان حضرات کی تبحرانہ شان کی جھلک محسوس کی جاسکتی ہے۔

علمائے دیوبند نے فتاویٰ کے ضمن میں جس طرح علم فقہ کو منقح ومہذب انداز میں پیش کیا اور مفتی بہ اقوال کی تعیین کی اور نئے پیش آنے والے مسائل کو سابقہ اصول اور تفریعات پر منطبق کیا اسے دیکھ کر اگر کہا جائے کہ علمائے دیوبند فقہ حنفی کے مجدّد ہیں تو اس کی صحت میں تامل نہیں ہونا چاہیے۔

مذکورہ بالا فتاویٰ میں سے ہر ایک کی اپنی خصوصیت اور شان ہے، لیکن ''فتاویٰ محمودیہ'' کو جو حضرت اقدس ، فقیہ الامت، مفتی اعظمِ ہند مفتی محمود حسن گنگوہی کے نام منسوب ہے اپنی جامعیت ، اعتدال ، آسان ودلنشین انداز کی بناء پر ایک منفرد وممتاز مقام حاصل ہے۔ انہی خصوصیات کی بناء پر حضرت مفتی صاحب مرجع العوام تو تھے ہی لیکن اہلِ علم حضرات کی نگاہیں بھی آپ پر مرکوز رہتی تھیں۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ فتاویٰ محمودیہ کو جدید انداز میں تبویب وتخریج کے ساتھ پیش کیا جائے تاکہ اس سے استفادہ آسان وممکن ہو، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کے اساتذہ ومتخصصین مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا اور نہایت ہی قلیل عرصے میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ محمودیہ میرٹھ انڈیا نے جو حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذِ خاص ہیں، فتاویٰ محمودیہ کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ ہم نے مفتی محمد فاروق صاحب مدظلہم سے باقاعدہ فتاویٰ محمودیہ کو جدید انداز میں تبویب وتخریج کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت طلب کی اور بحمداللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف نے جامعہ فاروقیہ کراچی کو اس کی اجازت عطا فرمائی اور اپنی مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ فالحمدُللّٰه تعالیٰ علیٰ ذلك۔

اسی طرح کراچی میں کتب خانہ مظہری نے فتاویٰ محمودیہ کو شائع کیا تھا اور اب وہ تبویب وتخریج کے ساتھ دوبارہ شائع کرنے کا ارادہ کررہے تھے تو ہم نے مولانا حکیم محمد مظہر مدظلہم سے ملاقات کرکے ان کو بتایا کہ تبویب وتخریج کا کام جامعہ فاروقیہ کراچی میں مکمل کرلیا گیا ہے اور مفتی محمد فاروق صاحب کی اجازت سے اس کی طباعت شروع کی جارہی ہے اگر آپ جامعہ فاروقیہ کراچی کی اس کوشش کو پذیرائی عطا فرماتے ہوئے اپنے یہاں تخریج وتبویب کے عمل کو شروع نہ کریں تو بہتر ہوگا۔ جناب مولانا حکیم محمد مظہر نے اخلاقِ کریمانہ کے مطابق اس

درخواست کو منظور فرمایا اور اُسی وقت متعلقہ حضرات کو ہدایت کی کہ جامعہ فاروقیہ کراچی میں عمدہ پیمانے پر خاص اہتمام کے ساتھ تبویب وتخریج کا کام ہو چکا ہے اب آپ اس کی کوشش نہ کریں اور تبویب وتخریج کا کام بند کردیں۔

اللہ رب العزت اس عمل کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرمائے، حضرت مفتی صاحب اور ہم سب کے لئے اسے رفعِ درجات کا ذریعہ بنائے۔

آمین!

سلیم اللہ خان

۱۵/۲/۱۴۲۶ھ

۲۶/۳/۲۰۰۵م

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقیہ الامہ مفتی أعظم هند

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

مفتی عبدالباری صاحب☆

کے

حالاتِ زندگی

....

دنیا میں ہر روز ہزاروں انسانوں کا اضافہ ہوجاتا ہے جو اپنی زندگی جی کر چلے جاتے ہیں، مگر دنیا کو نہ ان کے آنے سے دلچسپی ہوتی ہے نہ جانے سے۔ بعض لوگ اپنی صلاحیت سے کوئی مقام اپنے لئے بنالیتے ہیں تو ان کے چلے جانے پر یقیناً غم کا اظہار کیا جاتا ہے، جانے کے کچھ عرصہ بعد نہ ان کے لئے کوئی بے چین ہوتا ہے نہ ان کی یادیں عمومی طور پر دلوں کو بے قرار رکھتی ہیں، لیکن اسی عالمِ فانی میں کچھ شخصیات ایسی بھی آتی ہیں جو جانے کے بعد لاکھوں انسانوں کو اپنے فراق کے ایسے غم دے جاتی ہیں جو کبھی نہیں بھرتے، محفلوں میں ان کے تذکرے مسلسل ہوا کرتے ہیں (☆)۔

یہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس امتِ مرحوم کو تاریخ کے کسی بھی دور میں عظیم تر شخصیات سے بانجھ نہیں رکھا، اسلام کی آغوش سے ایسی ایسی بلند قامت شخصیات ظاہر ہوئیں جنہوں نے اپنی گرمیٔ نفس سے

☆......رفیق شعبۂ افتاء جامعہ فاروقیہ، کراچی

(☆) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے حالات ''حیاتِ محمود'' سے لئے گئے ہیں مزید تفصیل کے لئے ''حیاتِ محمود'' ملاحظہ فرمائیں۔

انجمنِ عالم کو زندگی وبندگی کی روشنی سے منور کردیا، آج صدیاں گذرنے کے باوجود ان کی یادیں، ان کے تذکرے اوران کی خدمات نہ صرف کاغذ کے سفینوں میں موجود ہیں بلکہ انسانیت کے سینوں کو مسلسل حرارتِ ایمانی دے کراپنی ہستیاں منوا رہی ہیں۔

چنانچہ ہماری تاریخ عظیم ہستیوں اور عبقری شخصیات کا ایک خوبصورت کہکشاں ہے، اس لڑی کا ہر دانہ دیدۂ بینا کے لئے ایک دُرِّ آبدار ہے، جس پر امتِ مرحوم تا قیامت فخر کرتی رہے گی اوراس کی جلا سے تاریک دل روشنی پاتے رہیں گے۔قریب کی ہندوستانی تاریخ میں حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ سے لے کر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند تک اور پھر حضرت تھانوی سے لے کر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تک فرزندانِ جلیل اسلام کی آغوش سے نکلے، ان کی فکر، اخلاص اور بے کراں خدمات سے یہ بقعۂ عالم رہتی دنیا تک تابناکیاں حاصل کرتا رہے گا۔

لیکن نورِنبوت کا یہ فیضان نہ کسی شخصیت پہ آ کے رکا ہے نہ انشاء اللہ رکے گا، قافلۂ اسلام کی راہ میں ہزاروں سنگ میل آئے اور ہر سنگ میل پر اتنے مینار ہائے نور اس راہ کو روشن رکھنے کے لئے ملے کہ اس کاروانِ خیر کے کسی ہمرکاب کو تاریک رات کا مسافر نہیں کہا جاسکتا، بلکہ راہ ہدایت کے یہ راہی اپنی منزل کی طرف مسلسل گامزن رہے ہیں اور رہیں گے انشاء اللہ۔

ان ہی دینی رہنماؤں کے سلسلۃ الذہب میں ایک روشن نام حضرت شیخ مفتیٔ اعظم ہند، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور ماضی قریب میں ایک عرصہ دراز تک اپنی طویل متاعِ گراں مایہ دینی رہنمائی کے ساتھ اصلاحِ امت کی زبردست خدمات سرانجام دیتے رہے۔

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ میزبانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، اسی خانوادۂ ایوبی کے چشم و چراغ اور بدرمنیر ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کو ہجرت کے موقع پر مدینۂ منورہ میں سرورِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور ناقۂ مبارکہ ان کے مکان کے دروازہ کے سامنے بیٹھ گئی، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سامان اپنے گھر لے گئے اور آں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے مکان پر چند ماہ قیام فرما کر ان کے مکان کو

رشکِ خلد بنادیا(۱)۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

نام ونسب

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ کا نام ونسب یہ ہے:

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة، فنزل فى علو المدينة فى حيٍ يقال لهم: بنو عمر وبن عوف، فأقام فيهم أربع عشرة ليلةً، ثم أرسل إلى بنى النجار فجاؤ وامتقلدين سيوفهم، فقال أنس : فكأنى أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على راحلته وأبوبكر ردفه وملأ بنى النجار حوله حتى أقر بفناء أبى أيوب رضى الله تعالىٰ عنه". (سنن أبى داؤد، باب فى بناء المساجد، ص: ۷۷، رقم الحديث: ۴۵۳، دار السلام)

(الحديث أخرجه البخارى فى كتاب الصلاة، باب: هل ينبش قبور مشركى الجاهلية؟: ۱/۶۱، قديمى)

(ومسلم فى كتاب المساجد، قبيل باب تحويل القبلة من القدس إلى الكعبة: ۱/۲۰۰، رقم الحديث : ۱۱۷۳، قديمى)

وقال البيهقى رحمه الله تعالىٰ: " أخبرنا أبو الحسن بن الفضل القطان ببغداد (وذكر الواقعة بطولها: ثم قال:) وقال مجَمِّع بن يزيد: مكث رسول الله صلى الله عليه وسلم فينا اثنين وعشرين ليلةً، وكانت الأنصار قد اجتمعت، فتلقوه قبل أن يركب من بنى عمرو بن عوف، فمشوا حول ناقته لا يزال أحدهم ينازع صاحبه زمام الناقة شحّاً على كرامة رسول الله صلى الله عليه وسلم وتعظيماً له، وكلما مرّ بدارٍ من دُور الأنصار دعوه إلى المنزل، فيقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: " دعوها، فإنها مأمورة، إنما أنزِلُ حيث أنزلنى الله تعالىٰ". فلما انتهت به الناقة إلى باب بنى أيوب، بركت على الباب، فنزل فدخل بيت أبى أيوب، فنزل عليه، فأنزله فى سفل بيته وظهرأبو أيوب إلى أعلى البيت (إلى قوله): فلم يزل أبو أيوب يتضرع إليه حتى انتقل النبى صلى الله عليه وسلم إلى العلو، وأقام رسول الله صلى الله عليه وسلم ساكناً فى بيتِ أبى أيوب، ينزل عليه القرآن ويأتيه فيه جبريل حتى ابتنى رسول الله صلى الله عليه وسلم مسجده ومسكنه". (دلائل النبوة، جماع أبواب المبعث، باب من استقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم وصاحبه من أصحابه : ۲/۵۰۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی بن مولانا حامد حسن بن حاجی خلیل بن ولی محمد بن قلندر بخش بن محمد علی بن غلام رسول بن عبدالحمید بن قاضی محمد فاضل بن جمیل محمد بن قاضی محمد خلیل بن قاضی ولی محمد بن قاضی کبیر بن قاضی امن بن خواجہ فریدالدین بن خواجہ محمد فاضل بن خواجہ محمد ہاشم بن خواجہ علاؤالدین بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ نجم الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ عبدالحمید بن خواجہ کبیر بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ تاج الدین بن خواجہ منہاج الدین بن خواجہ ہاشم بزرگ بن خواجہ اسماعیل بن شیخ الاسلام خواجہ ابواسماعیل عبداللہ انصاری بن خواجہ ابومنصور بن علی بن محمد بن احمد بن علی بن جعفر بن ابومنصور بن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میزبانِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت مفتی صاحب کے دادا جناب حاجی خلیل احمد صاحب قدس سرہ

حضرت والا قدس سرہ کے جد امجد حاجی خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ نیک، صالح اور متبع سنت بزرگ تھے، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ سے بیعت تھے، اَوراد، اشغال ووظائف کے نہایت پابند تھے، تہجد گذار اور گوشہ نشین تھے، حضرات علمائے کرام وصلحا اور اتقیاء سے محبت کرتے تھے۔

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ ''دردنامہ غمناک'' بہت کثرت سے پڑھتے تھے اور پڑھتے پڑھتے کثرت سے رویا کرتے تھے، رسالہ کے شروع میں یہ نظم ہے:

''سنو یارو عجب قصہ ہمارا سناتا ہے تمہیں جو غم کا مارا''(۱)

حضرت نانوتوی قدس سرہ کی وفات کے بعد اس میں اَور اضافہ ہوگیا اور حضرت رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے باقاعدہ بیعت وارادت کا تعلق قائم فرمالیا، حضرت گنگوہی کی مجالس میں اکثر وبیشتر حاضر رہا کرتے تھے اور حضرت گنگوہی کو بھی ان سے حد درجہ دلی تعلق تھا، اور ان پر بڑا اعتماد واطمینان فرمایا کرتے تھے۔

حاجی صاحب اپنے ہونہار سعادت مند پوتے (حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ) سے بہت شفقت فرماتے تھے اور اپنے ساتھ رکھ کر کھلاتے تھے، مگر حضرت مفتی صاحب کی کم عمری میں دادا صاحب کا سایہ سر سے

(۱) دیکھئے: (کلیاتِ امداد، رسالہ، دردغمناک، ص: ۱۹۵، دارالاشاعت، کراچی)

اٹھ گیا، دادا کی وفات کے وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر تقریباً پانچ، چھ سال تھی، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

والد محترم حضرت مولانا حامد حسن گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت مولانا حامد حسن گنگوہی قدس سرہ دہلی کے کسی مدرسہ میں پڑھتے تھے، اس مدرسہ میں مطبخ کا انتظام نہیں تھا، طلبہ کو وظیفہ ملتا تھا اور وہ اپنے طور پر کھانے کا انتظام کرتے تھے، حضرت مولانا کو روزانہ مدرسہ کی طرف سے ایک آنہ وظیفہ ملا کرتا تھا اسی میں سے کھانے کا بندوبست کرتے تھے، قحط اور تنگدستی کا زمانہ تھا، ایک عرصہ حضرت مولانا ایک ہی وقت کے کھانے پر اکتفاء فرماتے رہے۔

اس محنت، صبر وقناعت پر اللہ تعالیٰ نے ان کو کن کن نعمتوں سے نوازا؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، البتہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے ایک ملفوظ سے کسی قدر اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کتنا احسان فرمایا اور کتنا اکرام کیا؟ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ میں نے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے کہا: جتنی کتابیں آپ نے پڑھیں، میں نے بھی پڑھیں اور مطالعہ میں نے زیادہ کیا ہے، مگر آپ نے جس صبر وقناعت اور تقویٰ کے ساتھ پڑھا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں احادیث آپ کو ازبر ہیں، میرا حال یہ ہے کہ رات کو دیکھتا ہوں اور صبح کو بھول جاتا ہوں، غرض قناعت، صبر اور تقویٰ کے ساتھ جو علم حاصل کیا جاتا ہے اس میں بڑی برکت ہوتی ہے''۔

فراغت وتدریس

حضرت مولانا حامد حسن صاحب قدس سرہ کی فراغت دار العلوم دیوبند سے تھی اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے، فراغت کے بعد حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے اپنے مدرسہ (جو قصبہ نہٹور ضلع بجنور میں تھا) میں درس وتدریس کے لئے بھیجا، حضرت مولانا کا وہاں تقریباً پچاس سال قیام رہا، جس مکان میں مدرس بنا کر بٹھایا تھا اسی مکان سے ان کا جنازہ نکلا۔

امر بالمعروف اور احتیاط

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ اس قدر زیادہ تھا کہ اگر کوئی واعظ، وعظ وبیان میں کوئی مسئلہ یا روایت غلط بیان کرتا، فوراً وعظ کے دوران کھڑے ہوجاتے اور اس کی تغلیط فرماتے اور جو روایت اور مسئلہ صحیح ہوتا

اس کو بیان فرماتے کہ صحیح روایت اس طرح ہے، صحیح مسئلہ اس طرح ہے، وعظ ختم ہونے کا انتظار نہیں فرماتے تھے۔ مزاج میں احتیاط بہت زیادہ تھی، خاص طور پر کھانے کے معاملہ میں بہت زیادہ محتاط تھے، کوشش فرماتے کہ کوئی مشتبہ لقمہ حلق میں نہ چلا جائے، اسی لئے اگر کوئی شخص دعوت کرتا تو عامۃً دعوت میں جانے سے معذرت فرمادیتے، البتہ اگر کوئی ان کے مکان پر ہی کھانا بھیج دیتا تو اس کو واپس بھی نہ فرماتے تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو، لیکن وہ کھانا خود بھی تناول نہ فرماتے نہ اپنے گھر والوں کو کھلاتے بلکہ پڑوس میں ایک غریب آدمی تھا کھانا ان کے ہاں بھیج دیتے۔

بیعت وارادت

اپنے استادِ محترم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا حامد حسن صاحب کا بہت گہرا ربط وتعلق تھا، اس غیر معمولی تعلق کی بناء پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت بھی ہیں، خود حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کا بھی یہی گمان تھا، ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے بیعت کے متعلق ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کن سے بیعت ہیں؟ حضرت نے جواب میں فرمایا:

"ارے! کہاں بیعت؟ جب فارغ ہوکر ملازمت کے لئے جانے کا وقت آیا تو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت! یہ ملازمت پر جارہے ہیں ان کی بیعت فرمالیں، حضرت اس وقت نماز فجر پڑھا کر مصلّٰی سے اٹھ گئے تھے، سردی کا موسم تھا، رضائی اوڑھے ہوئے تھے، فرمایا: تم تو اپنے ہی ہو اور ہاتھ رضائی کے اندر ہی سے بڑھا کر میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، اس طرح کہ رضائی درمیان حائل رہی، بس یہ بیعت تھی"۔

حضرت مفتی صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کو غایت درجہ اطمینان تھا کہ باقاعدہ بیعت ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

علالت ووفات

اخیر عمر میں جب ضعف زیادہ ہوگیا تو حضرت مفتی صاحب نے والدِ محترم سے ملازمت ترک کرکے مکان پر قیام کرنے کی درخواست کی، لیکن حضرت نے انکار فرمایا، چنانچہ وہیں ان کا انتقال ہوا اور اسی مکان سے جنازہ نکلا۔

حضرت مفتی صاحب کے والدِ محترم کو یکم محرم الحرام ۱۳۷۱ھ سے بخار ہوا، اور بخار کا یہ سلسلہ طویل ہوگیا اور اسی بخار کی وجہ سے ۲۱ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ کو دن میں نو بجے کے قریب انتقال ہوگیا اور قصبہ نہٹور ہی میں ان کی تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ

ولادت باسعادت

آفتابِ رشد وہدایت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی وفات کے ٹھیک دو سال بعد اسی مہینہ کے اسی دن اور اسی تاریخ میں ماہتابِ رشد وہدایت فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ ۸ یا ۹ / جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ (اذان جمعہ کے بعد) بوقت ساڑھے بارہ بجے دن، اٹھتر سال، سات مہینہ اور تین دن کی عمر میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے اور ۸ یا ۹ / جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ کو ہی شبِ جمعہ میں اسی خانوادہ کے چشم و چراغ اور بدر منیر حضرت مولانا محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کی ولادت ہوئی۔

بسم اللہ

بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ سے بچوں کی ''بسم اللہ'' کرانے کا دستور دینی وعلمی گھرانوں میں ہے، تاکہ ان اولیاء اللہ واھل اللہ کی دعاء اور توجہ کے اثرات وبرکات بچے تک پہنچ جائیں، اس لئے بزرگوں سے بسم اللہ کرانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ایک موقع پر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری قدس اللہ اسرارہما گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے اور بھی چند بزرگ وعلماء ساتھ تھے، حضرت مفتی صاحب کے والد محترم حضرت مولانا حامد حسن صاحب قدس سرہ نے اپنے فرزند ارجمند کی بسم اللہ ان دونوں بزرگوں سے کرائی۔

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ اپنی ''بسم اللہ'' کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:

''میری بسم اللہ کا قصہ یوں ہوا کہ میں ایک بار گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، والد صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر لے گئے، دیکھا کہ دروازہ پر چند بزرگ جمع ہیں ان میں سے کسی ایک صاحب نے مجھ سے کچھ کلمات کہلوائے، میں نے زور سے کہے نہیں، آہستہ آہستہ کہے، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ میری ''بسم اللہ'' تھی اور بسم اللہ

کرانے والے حضرت شیخ الہند رحمہ تعالیٰ اللہ تھے اور ان کے ہمراہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ تھے''۔

ابتدائی تعلیم

حضرت مولانا حامد حسن صاحب کے مکان کے قریب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صاحبزادی صفیہ کا مکان تھا، اسی کی بیٹھک میں ایک مکتب قائم تھا، اسی مبارک مکتب میں حضرت مفتی صاحب کو ابتدائی تعلیم کے لئے بٹھایا گیا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صاحبزادی صاحبہ ولیۂ کاملہ تھی اور اپنے زمانہ کی رابعہ بصریہ، حضرت گنگوہی نے ان کے متعلق فرمایا: ''اگر عورت کو بیعت کی اجازت ہوتی تو میری صفیہ بیعت لیا کرتی'' اور حضرت نے ہی ایک بار یہ بھی ارشاد فرمایا:

''الحمد للہ میری بیٹی کو دنیا کی محبت بالکل نہیں اور انصاف سے دیکھئے تو اصل ولایت یہی ہے۔'' تذکرۃ الرشید۔

حضرت مفتی صاحب کے بچپن کی تعلیم وتربیت کے لئے ایسے نورانی ومبارک ماحول کا انتخاب پھر حضرت گنگوہی کی جگر گوشہ، تربیت یافتہ کی صحبت وتوجہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس ہونہار فرزند کو کسی مخصوص وبلند مقام کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

بالائے سرش زِ ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

حفظِ قرآن کریم

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے صاحبزادی صفیہ صاحبہ کی ہی بیٹھک میں حافظ کریم بخش صاحب (جو نابینا تھے) کے سامنے کلام پاک حفظ کیا، کلام پاک کے ختم ہونے میں صرف سترہ سطر باقی تھیں کہ حافظ صاحب کا انتقال ہوگیا، حافظ صاحب کی وفات کے بعد حافظ عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی۔

درس نظامی

کلام پاک حفظ مکمل کرنے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے حضرت مولانا فخر الدین گنگوہی قدس سرہ سے ''آمدنامہ'' شروع کیا تھا، مگر ابھی آمدنامہ کا ایک ہی صفحہ ہوا تھا اور بوستان کے چند اشعار کہ حضرت کے والد محترم مولانا حامد حسن صاحب قدس سرہ نہٹور تشریف لے گئے اور اپنے ساتھ اس ہونہار فرزند کو بھی لے گئے، نہٹور ہی میں حضرت قدس سرہ نے اپنے والد محترم کی زیرنگرانی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور مولانا امتیاز حسین صاحب (جو حضرت والد صاحب کے مدرسہ کے فارسی کے استاذ تھے) سے ''آمدنامہ، حمد باری تعالیٰ، مصدر فیوض، کریما اور پندنامہ'' پڑھیں اور والد صاحب سے ''میزان، منشعب، مالا بدمنہ اور بوستان'' کے چند سبق پڑھے۔

مظاہر علوم میں حاضری

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم تشریف لاکر داخلہ لیا، اس وقت محدثِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ یہیں تھے، حضرت کے فیوض و برکات، علوم ظاہرہ کی تکمیل کے ساتھ تزکیۂ نفس اور باطنی تربیت کے لئے دور دراز سے لوگ آیا کرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے یہاں رہ کر مختلف فنون کی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے مظاہر علوم میں حاضر ہوکر میزان منشعب کا امتحانِ داخلہ دیا اور پھر صرف میر بعدہ علم الصیغہ، بعدہ فصول اکبری، بعدہ مراح الارواح سب کتب حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسی سے پڑھیں، اور پنج گنج، زبدہ، دستور المبتدی صرف اور نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو مولانا عبدالرحمٰن اورنگ آبادی سے پڑھیں۔

نورالایضاح بعدہ قدوری مولانا مفتی ضیاء احمد صاحب سے، بعدہ کافیہ حضرت مولانا ظہورالحق صاحب سے پڑھیں اور شرح جامی بحثِ فعل، کبری، تہذیب اور شرح تہذیب حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب اورنگ آبادی سے پڑھیں۔

قطبی، سلم، مقامات، سبعہ معلقہ اور میبذی مولانا اخلاق احمد صاحب سہارنپوری اور تلخیص المفتاح

مولانا ذکریا قدوسی صاحب سے پڑھیں۔

مختصر المعانی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کیمل پوری سے پڑھی، مگر حضرت قدس سرہ دورانِ سال دو دفعہ سخت بیمار ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے کتاب ناقص رہ گئی اس لئے آئندہ سال پھر مختصر المعانی پڑھی، ہدایہ اولین بھی مولانا عبدالشکور صاحب کیمل پوری ہی سے پڑھی، جلالین شریف، متنبّی اور حماسہ مولانا اسعد اللہ صاحب سے پڑھیں۔

مفید الطالبین، مرقاۃ ایک ہفتہ میں اور قصیدہ بردہ بھی حضرت مولانا سے ہی خارج اوقات میں پڑھیں۔

فارسی کی تعلیم کا سلسلہ جلالین شریف پڑھنے تک جاری رہا: اخلاق جلالی، گلستان، اخلاق محسنی، انشاء بہارِعجم، بوستان، انشاء خلیفہ رقعات، ملا حسینی، سکندر نامہ اور انوار سہیلی فارسی کی سب کتابیں حضرت مولانا عبدالمجید صاحب سے پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں حاضری

مظاہر علوم سہارنپور میں سات سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۴۸ھ میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دارالعلوم دیوبند میں حاضر ہوئے اور یہاں تین سال رہ کر مختلف کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

سال اول ۱۳۴۸ھ

ہدایۂ ثالث اور بیضاوی شریف حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ سے، مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب سے، شرح عقائد اور خیالی حضرت مولانا ابراہیم صاحب سے پڑھیں۔

سال دوم ۱۳۴۹ھ

ابوداؤد شریف حضرت مولانا قاری میاں اصغر حسین صاحب سے مسلم شریف حضرت مولانا رسول خان صاحب سے، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، صدرا، شمس بازغہ، علامہ ابراہیم صاحب سے پڑھیں۔

سال سوم ۱۳۵۰ھ

بخاری شریف، ترمذی شریف حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب (مدنی) قدس سرہ سے پڑھیں، اس سال دو کتابیں ہی پڑھیں۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سفر حج پر تشریف لیجانے کی وجہ سے تین ماہ چھٹی رہی، سفر سے واپس تشریف لاکر کتابیں ختم کرائیں اور ترمذی ثانی کا سبق عصر کے بعد ہوتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں درسِ حدیث مکمل کرنے کے بعد دوبارہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے، والد محترم، اپنی خواہش اور حضرت شیخ الحدیث مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی اجازت سے دوبارہ حدیث کی کتابیں پڑھیں، اس سے حضرت مفتی صاحب کا حدیث کے ساتھ شوق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ایک مرتبہ حدیث کی کتابیں پڑھنے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ مکرر حدیث کی کتابیں پڑھ لیں۔

بیعت

بازارِ عشق و شوق ومحبت کے جان فروش
لپکیں کہ چل چلاؤ ہے دنیائے دون کا
سیکھیں طریقِ وصل ولقائے خدائے پاک
دل بیچ کر خرید لیں سودا جنون کا

اللہ جل جلالہ عم نوالہ نے اپنے عشق ومحبت کی چنگاری بچپن سے آپ کے قلب مبارک پر رکھی تھی، خاندان اور گنگوہ کے عشق ومحبت کے نورانی ماحول نے اس کو اَور زیادہ روشن کیا تھا، علومِ نبوت کی تحصیل نے تو اس شرابِ محبت کو مزید دوآتشہ بنادیا تھا جس کی بناء پر عشق ومحبت کی حرارت رگ وپے میں سرایت کرتی اور پھیلتی جارہی تھی اور قدرت نے بھی ولایت کا مقام آپ کے مقدر میں لکھا تھا اور وقت کا ولی کامل اور شیخ ہونا آپ کے لئے مقدر فرمایا تھا اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ بغیر شیخِ کامل اور رہبر صادق کی صحبت اور رہنمائی کے یہ گراں مایہ دولت میسر نہیں آتی جس طرح دنیا کے دیگر فنون بھی استاد کی صحبت ورہنمائی کے بغیر عموماً حاصل نہیں ہوتے، اس لئے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے قلب مبارک میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ وہ کسی شیخ کامل کے مبارک ہاتھ میں ہاتھ دے کر، اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر کے مقصودِ زندگی حاصل کریں۔

انتخابِ شیخ

چنانچہ اس وقت مشائخ کاملین حکیم الامت، اشرف العلماء، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، شیخ الاسلام وشیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب محدث سہارنپوری رحمہم اللہ تعالیٰ موجود تھے اور سب کی خانقاہیں آباد تھیں۔

مگر اس کے باوجود حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بوجوہِ مختلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا انتخاب فرمایا، حالانکہ حضرت شیخ الحدیث ان سب اکابر میں سے کم عمر تھے اور شہرت بھی اس وقت اتنی زیادہ نہ تھی مگر:

ہمہ شہر پُر زِخوبان منم وخیال ماہے
چہ کنم کہ چشم خودبیں نکند بکس نگاہے

بیعت کی درخواست اور حضرت شیخ کا امتحان

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے بیعت کی درخواست کی، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے حضرت مدنی قدس سرہ سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا، حضرت مفتی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی جانب اپنے طبعی میلان کا ذکر کیا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے استخارہ مسنونہ کا حکم فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر استخارہ کے ذریعہ بھی شرح صدر نہ ہو تو دہلی، رائے پور اور سہارنپور کا سفر کریں اور ہر ایک کی مجلس میں بیٹھیں، پھر جس کی طرف رجحان اور میلان ہو ان سے بیعت ہو جائیں۔

غرضیکہ کئی ماہ تک حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے بیعت نہیں فرمایا، اسی طرح ٹالتے رہے اور طلبِ صادق کا امتحان فرماتے رہے، آخر جب طلب صادق کا یقین ہوگیا تب بیعت فرمایا۔

پھر حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی بیعت کوئی رسمی بیعت نہیں تھی، بلکہ وہ ایک حقیقی بیعت تھی کہ انہوں نے مکمل طور پر اپنے آپ کو حضرت شیخ کے حوالہ اور سپرد فرمایا، ہر کلی وجزئی کام میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے مشورہ کو ضروری جانا، اور حضرت کی مرضی ومنشاء کی کبھی مخالفت نہیں کی اور یوں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اس شعر کا مصداق ہوگئے:

سپردم بتو مایۂ خویش را　　　تو دانی حساب کم وبیش را

شیخ کے ساتھ ربطِ قلب اور محبت وتعظیم کے ساتھ تھوڑے عمل پر بھی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے وہ کچھ عطاء ہوتا ہے جو بڑے مجاہدات پر بھی میسر آنا مشکل ہوتا ہے۔ حضرت والا قدس سرہ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے ساتھ دلی ربط ومحبت اور قلبی تعلق قائم کرنے کے ساتھ ساتھ مجاہدات بھی اتنے کئے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے اسی بناء پر حق تعالیٰ شانہ نے جس قرب واختصاص اور انوار وکیفیات سے نوازا ان کے ثمرات واثرات روز روشن کی طرح ظاہر وباہر ہیں۔

اجازت وخلافت

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ فراغت اور مظاہر علوم میں قیام کے چند سال بعد ہی اجازت وخلافت سے سرفراز کردیئے گئے، حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ علاج ومعالجہ کی غرض سے سہارنپور میں قیام پذیر تھے، ان کی عیادت کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

اجازت وخلافت ملنے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ گنگوہ میں ایک عورت تھی جو اوراد ووظائف کی بہت پابند تھی، اس کے پیر کا انتقال ہوا، اس نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے بیعت سے انکار فرمایا اور یہ خیال کیا کہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ جب گنگوہ تشریف لائیں گے ان سے بیعت کرادوں گا، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے سفرِ گنگوہ کے بارے میں حضرت شیخ قدس سرہ سے دریافت کیا اور بتایا کہ گنگوہ میں ایک عورت ہے، بیعت ہونا چاہتی ہے اس کو بیعت کرانا ہے، اس پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے حضرت والا کو اس کو بیعت کرنے کا حکم فرمایا اور اجازتِ بیعت مرحمت فرمائی۔

تدریس وافتاء اور مظاہر علوم میں تقرری

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا تقرر ۱۳۵۱ھ میں مظاہر علوم میں معینِ مفتی کی حیثیت سے دس روپیہ ماہوار مشاہرہ پر ہوا۔ تقرری اس طرح ہوئی کہ مفتی اعظم مظاہر علوم مفتی سعید احمد صاحب قدس سرہ حج کے لئے تشریف لے گئے اور معین مفتی حضرت مولانا ضیاء احمد صاحب گنگوہی طویل رخصت لے کر حیدر آباد تشریف لے گئے، دار الافتاء خالی رہ گیا، اربابِ مظاہر علوم کو بڑی فکر ہوئی کہ مظاہر علوم جیسی مرکزی اور عالمی جگہ، جس کے

دارالافتاء سے مختلف ممالک اور اندرونِ ملک ہر جانب سے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے رجوع کرتے ہیں، بعض پیچیدہ اور مشکل مسائل میں مفتیانِ کرام بھی اس مرکزِ علمی سے رجوع تشفی چاہتے ہیں، یہ بہت بڑا منصب اور بڑی ذمہ داری ہے، اس منصب کے لئے ہر عالم یا ہر مفتی کا تقرر مناسب نہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہ ناظم مظاہر علوم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ محدث مظاہر علوم نے باہمی مشورہ سے از خود ہی حضرت قدس سرہ کو منتخب فرمایا اور پھر خود ہی اربابِ شوریٰ سے اس کی منظوری بھی حاصل کرلی، جبکہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اس مکمل کارروائی سے بے خبر تھے اور حضرت مفتی صاحب اس وقت حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری سے عقود رسم المفتی پڑھ رہے تھے اور فتویٰ نویسی کی تمرین بھی جاری تھی۔

تقرری کے بعد حضرت مولانا سعید احمد صاحب قدس سرہ کی حج سے واپسی تک تمام خطوط کے جوابات حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے اور پھر حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کو دکھایا کرتے، حضرت ناظم صاحب تصحیح فرماتے، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو بھی بعض خطوط کے جوابات دکھاتے، اصلاح کی ضرورت شاذ ونادر پیش آتی جبکہ فتاویٰ کے ساتھ دیگر علمی مسائل بھی انجام دیتے۔

فتاویٰ سنانے میں ایک خاص معمول

حضرت مفتی صاحب تمام سوالات کے جوابات جامع المنقول والمعقول حضرت مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہ کو دکھاتے اور بالاستیعاب سنایا کرتے۔ حضرت ناظم صاحب کے اسفار بہت ہوتے تھے، اس لئے حضرت ناظم صاحب اسٹیشن تک پہنچنے کے لئے تانگہ میں بیٹھتے تو حضرت مفتی صاحب کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے اور تانگہ میں بیٹھتے ہی فتاویٰ سنانے کا سلسلہ شروع ہوجاتا، اسٹیشن تک یہ سلسلہ جاری رہتا اور اگر گاڑی آنے میں کچھ دیر ہوتی تو گاڑی کے آنے تک یہ سلسلہ جاری رہتا، اس کے بعد حضرت ناظم صاحب سفر میں تشریف لے جاتے اور حضرت مفتی صاحب واپس مظاہر علوم تشریف لاتے۔

بے مثال تواضع وکسرِ نفسی

حضرت مفتی قدس سرہ کا تقرر ''معین مفتی'' کی حیثیت سے کیا گیا تھا، دوسرے سال ہی آپ کو نائب

مفتی تجویز کیا گیا اور تقریباً بیس برس مظاہر علوم میں قیام رہا، اس پوری مدت میں تفقہ ومہارت کے باوجود اپنے آپ کو معین مفتی لکھتے رہے، اپنے آپ کو مفتی تو در کنار کبھی نائب مفتی بھی لکھنا گوارہ نہ کیا، حالانکہ حضرت نے بے شمار فتاویٰ لکھے، جن میں بعض فتاویٰ مستقل رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں (۱)۔

شدتِ علالت کی بناء پر مظاہر علوم سے استعفیٰ

مظاہر علوم سہانپور کے زمانہ قیام میں آپ کو مختلف عوارض نزلہ، زکام، دردسر اور بخار کا عارضہ لاحق ہوا، ہچکیوں کی بھی تکلیف ہوئی، یہ کیفیت کم وبیش چھ ماہ رہی، اطباء اور معالجین کی رائے تھی کہ مرض پر قابو پانے کے لئے تبدیلی آب وہوا ضروری ہے اس لئے آپ عارضی رخصت لے کر اپنے وطن گنگوہ تشریف لے گئے، رجب شعبان اور رمضان ۱۳۷۱ھ وطن میں گزار کر واپس تشریف لائے، کچھ عرصہ بعد پھر مرض کی شروعات ہوئی تو اپنے معالجین کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سہارنپور کا قیام بادلِ ناخواستہ ترک کیا، اس موقع پر آپ نے تحریر حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ناظم مدرسہ کو ارسال فرمائی۔

بہر حال بجبوری استعفاء منظور کیا گیا اور حضرت والا قدس سرہ تبدیلی آب وہوا کے لئے گنگوہ تشریف لے گئے اور پھر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حسبِ منشا رائے پور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں ایک عرصہ قیام رہا، اس کے بعد پھر گنگوہ تشریف لے آئے۔ گنگوہ کے قیام کے دوران مختلف علمی ودینی اداروں کی جانب سے حضرت والا کو اپنے یہاں آنے کی دعوت اور پیش کش ملتی رہی، اس موقع پر بھی حضرت والا برابر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے صلاح ومشورہ اور مسلسل استصوابِ رائے فرماتے رہے۔

مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں قیام

بارہ جمادی الثانیہ ۱۳۷۲ھ میں بمشورہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بغرض تبدیلی آب وہوا ہردوئی تشریف لے گئے، وہاں حضرت شاہ ابرار الحق صاحب زید مجدہم کو ایک طویل سفر درپیش تھا۔ حضرت مولانا زید مجدہم نے

---

(۱) دیکھئے: (كتاب الإيمان والعقائد، مايتعلق بالمودودية، جماعت اسلامی اورتنقید) اور (باب البدعات، والرسوم، میں میلاد اور سیرت کی محافل کا بیان، قیامِ میلاد، میلاد مفصل) اور (كتاب الصلوٰة، باب الجمعة، جمعه في القرىٰ) کہ تمام مفصل رسائل ہیں۔

اس موقع کو غنیمت سمجھا، اس لئے اپنے متعلقین سے فرما گئے کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو کسی طرح روک لینا جانے نہ دینا، چنانچہ وہاں کے حضرات نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے قیام پر اصرار فرمایا جس کو حضرت نے منظور فرمالیا۔ وہاں کے قیام کے دوران ہدایہ وغیرہ کا درس بھی دیا، طلبہ کی تعلیمی وتربیتی نگرانی بھی فرمائی، عوام وخواص کے افادہ کے لئے عشاء کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ بھی شروع فرمایا جس میں مشکوٰۃ شریف سے کوئی حدیث پڑھ کر سناتے اس کی تشریح فرماتے اور ایک روز تمام اہلِ بستی کے لئے مقرر فرمایا، بستی کی ایک مسجد میں شنبہ کے روز بعد عشاء قرآن پاک کی تفسیر بیان فرماتے جس میں اہلِ بستی ذوق وشوق سے جمع ہوتے اور دامنِ مراد بھرتے۔

پونہ میں قیام

اواخر شوال میں تبدیلیٔ آب وہوا کی غرض سے پونہ تشریف لے گئے، حضرت والا کے کوئی اہلِ تعلق اپنے یہاں لے گئے، انھوں نے وہاں حضرت والا کو روکنے کے لئے ایک دار العلوم قائم کرنے کا ارادہ کیا مگر اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی اور عربی کی اونچی کتابوں کا بندوبست نہ ہوسکا جس کی وجہ سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے وہاں کے قیام کو پسند نہیں فرمایا۔ گو وہاں حضرت والا قدس سرہ کے ذریعہ کچھ اصلاحات ہوئیں اور بہت سی غیر اسلامی رسومات وبدعات ان کی زندگیوں سے نکل گئیں۔ ادھر بمبئی بھی کسی ادارہ کی طرف سے حضرت والا کے لئے اصرار رہا تھا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے بمبئی کو ترجیح دی۔

جامع العلوم کانپور کیلئے حضرت فقیہ الامت کا انتخاب

مدرسہ جامع العلوم محلّہ پٹکاپور کانپور میں حکیم الامت، اشرف العلماء، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا چودہ برس قیام رہا، جس کی وجہ سے مدرسہ جامع العلوم کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھی اور دور دراز سے طلبہ کھنچ کھنچ کر آنے لگے اور پورے علاقہ میں مواعظ کے ذریعہ بہت کچھ اصلاحات ہوئیں، بدعات ختم ہوئیں، سنتیں زندہ ہوئیں، ہزاروں بندگانِ خدا نے معاصی سے توبہ کی، طاعات پر کمربستہ ہوئے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کو اللہ پاک نے عجیب وغریب مقبولیت ومحبوبیت سے نوازا تھا، کانپور

کے پورے علاقہ میں آپ کی بڑی مقبولیت ومحبوبیت تھی جس کی وجہ سے عمومی طور پر دینی معاملات میں آپ کی طرف ہی رجوع کیا جاتا تھا۔غرض کہ ایک بڑی مخلوق حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے فیوض سے فیضیاب ومستفیض ہوئی اور پورے علاقہ میں دین کی ایک لہر دوڑ گئی مگر چودہ برس تک اس علاقہ کو سیراب فرمانے کے بعد جب حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے کانپور کا قیام ترک فرما کر تھانہ بھون مستقل سکونت اختیار فرمائی اور وہاں اپنی جگہ اپنے شاگردِ خاص مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی کو مقرر فرمایا تو مولانا موصوف نے بڑی محنت وجانفشانی سے کام کیا اور مدرسہ کو سنبھالے رکھا مگر موصوف کے بعد ان شعبوں میں اضمحلال شروع ہو گیا اور دن بدن کمزوری آنے لگی۔

ذمہ داران جامع العلوم کو اس کا احساس ہوا کہ مدرسہ دوبارہ ترقی کرے، اہلیانِ شہر وعلاقہ کے اربابِ فکر کو شہر وعلاقہ کی فکر ہوئی اور ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی جامع شخصیت ہو جو حکیم الامتؒ کی قائم مقامی کے فرائض انجام دے سکے، اربابِ بصیرت کی نظر فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ پر پڑی، چوں کہ وہ حضرت قدس سرہ کی خداداد صفات وکمالات اور صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے کہ حضرت قدس سرہ اعلیٰ علمی استعداد اور تفقہ وافتاء میں اعلیٰ مہارت کے ساتھ ساتھ ان ابھرنے اور جنم لینے والے بیسیوں فتنوں کی سرکوبی کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے ہیں۔مظاہر علوم کے حضرات سرپرستان سے درخواست کی گئی کہ حضرت قدس سرہ کو کانپور جامع العلوم میں بحیثیتِ صدر مدرس منتخب فرما کر بھیج دیا جائے اور مدرسہ کو ضائع ہونے سے بچالیا جائے۔مدرسہ اور علاقہ کی ضرورت واہمیت کے پیشِ نظر درخواست قبول کر لی گئی اور حضرت قدس سرہ کی کانپور تشریف بری تجویز کردی گئی، چوں کہ سہارنپور کی آب وہوا موافق نہ ہونے کی بناء پر حضرت والا بعض شدید امراض میں مبتلا ہو گئے تھے اس لئے تبدیلی آب وہوا کی بھی ضرورت تھی اسی بناء پر بعض دوسری جگہوں پر بھی جانا ہوا۔

حضرات سرپرستان کی تجویز پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے اور جامع العلوم کی بحالی ودرستگی اور ترقی میں ہمہ تن مصروف اور شہر وعلاقہ کی اصلاحی تدابیر اور کوششوں میں مشغول ہو گئے۔

جامع العلوم کانپور کے لئے اصلاحی مساعی

حضرت والا قدس سرہ جامع العلوم کانپور، ربیع الاول ۱۳۷۳ھ میں تشریف لے گئے اس وقت مدرسہ جامع العلوم کس مپرسی کی حالت میں تھا، اساتذہ بھی بعض رہ گئے تھے، کتب خانہ بھی غیر مرتب، گویا کچھ کتابوں کا

ڈھیر بعض بوریوں میں اور بعض صندوقوں میں بند، بعض اسی طرح کباڑہ کی طرح بکھری ہوئی، جلدیں ٹوٹی ہوئی، اوراق پھٹے ہوئے جن کا رجسٹر میں باقاعدہ اندراج تک نہ تھا، ادھر مدرسہ کا خزانہ بھی خالی۔ ایسی حالت میں حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ نے جس تندہی و جانفشانی سے رات دن مشغول رہ کر کام کیا اور نہ صرف مدرسہ کی اصلاح ودرستگی فرمائی بلکہ مدرسہ کو ترقی دے کر ممتاز اداروں کی صف میں ممتاز مقام پر لا کھڑا کیا، یہ حضرت قدس سرہ کا بڑا کارنامہ ہے۔

غرض کہ حضرت والا نے کانپور پہنچ کر طلبہ کی تعلیم کا صحیح بندوبست فرمایا، طلبہ کو توجہ دلا کر جماعتوں کا باقاعدہ نظام بنایا، اساتذہ کم ہونے کی وجہ سے چودہ چودہ اسباق ایک دن میں پڑھاتے، اس کے علاوہ آئے ہوئے فتاویٰ کے جوابات تحریر فرماتے، طلبہ کی ضروریات کی اکثر خود ہی کفالت فرماتے، طلبہ پر وہ شفقت فرماتے جس کی وجہ سے کچھ ہی عرصہ میں طلبہ کی چہل پہل رہنے لگی اور ذی استعداد طلبہ دور دراز سے جمع ہونے لگے حتی کہ طلبہ حضرت قدس سرہ کی وجہ سے بعض بڑے مدارس کو چھوڑ کر مدرسہ جامع العلوم حاضری کی کوشش کرتے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوری قدس سرہ مفتی مظاہر علوم نے جامع العلوم حاضر ہو کر ہی فتویٰ نویسی کی حضرت قدس سرہ سے مشق کی اور اس سے متعلق اور دیگر کتب حمد اللہ، صدرا، توضیح تلویح وغیرہ پڑھیں۔ مولانا مفتی منظور احمد صاحب قدس سرہ مفتی وقاضی شہر کانپور اور مولانا مفتی نصیر صاحب زید مجدہم مفتی جامع العلوم، مولانا ظہیر الاسلام صاحب ہردوئی زید مجدہم نے بھی جامع العلوم میں ہی حضرت قدس سرہ سے فتویٰ نویسی کی مشق کی اور کتنے حضرات نے کسبِ فیض کیا اور جید علماء بنے۔ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب زید مجدہم داماد حضرت شیخ الحدیث نور اللہ تعالیٰ مرقدہ واستاذ حدیث مظاہر علوم سہارنپور نے جو اس وقت مظاہر علوم سہارنپور میں طالب علم تھے، مظاہر علوم چھوڑ کر جامع العلوم کانپور حاضر ہو کر حضرت - رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً - سے مشکوٰۃ شریف پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند نہ فرمایا کہ مظاہر علوم چھوڑ کر کانپور حاضر ہوں۔

جامع العلوم کانپور سے مظاہر علوم سہارنپور واپسی کی تجویز

مظاہر علوم کے بعض اساتذۂ حدیث کے سانحۂ ارتحال کی بناء پر ضرورت ہوئی کسی کہنہ مشق تجربہ کار استاذ حدیث کی جو مظاہر علوم جیسی علمی وروحانی درس گاہ کے شایانِ شان بھی ہو۔ حضرات سرپرستان مظاہر علوم: حضرت

مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ ، حضرت مولانا حکیم محمد ایوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مراقدہم کی نظریں حضرت والا قدس سرہ پر گئیں۔

دارالافتاء دارالعلوم دیو بند کیلئے تقرر وانتخاب

اکابر مظاہر علوم کی طرف سے مظاہر علوم بلانے کے لئے برابر اصرار ہو رہا تھا اور حضرت مولانا امیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی شدید علالت اور پھر وفات پر یہ اصرار وتقاضا اَور زیادہ بڑھ گیا کہ مرکز العلوم دارالعلوم دیو بند کے دارالافتاء کیلئے حضرت والا قدس سرہ کی شدید ضرورت محسوس کی گئی اور صورتِ حال بھی ایسی پیش آئی کہ مولانا قاضی مسعود احمد صاحب کی وفات ہوگئی، مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تقریباً لکھنے پڑھنے سے معذور ہو گئے، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی پیرانہ سالی اور انتہائی ضعف اور پھر فالج کے حملہ سے تقریباً معذور ہی ہو چکے تھے۔

دارالعلوم کے لئے ضروری ہوا کہ کسی تجربہ کار و پختہ کار کثیر المطالعہ، صائب الرائے وصاحب البصیرت ایسی عظیم شخصیت کو (جس کو حدیث وتفسیر میں کمالِ درک کے ساتھ فقہ میں امتیازی مقام حاصل ہو) دارالعلوم میں بلایا جائے اور دارالافتاء کی مسند کو اس کے ذریعہ زینت بخشی جائے۔ اکابر دارالعلوم نے دور نزدیک سب پر نظر ڈالی مگر کہیں یہ صفات نظر نہ آئیں، اس لئے سب کی نظریں حضرت والا قدس سرہ پر پڑیں، اور دارالافتاء دارالعلوم کے لئے حضرت والا قدس سرہ کی تشریف آوری کو ضروری سمجھا۔ حضرت والا قدس سرہ چوں کہ جامع العلوم کانپور میں افتاء ودرسِ حدیث اور رشد وہدایت، دعوت وتبلیغ اور اس نوع کی بیسیوں خدمات انجام دے رہے تھے مگر ان سب کے مقابلہ میں دارالعلوم کے دارالافتاء کی ضرورت کو اہم اور مقدم سمجھا گیا اور اراکینِ شوریٰ دارالعلوم دیو بند نے باتفاقِ رائے حضرت والا قدس سرہ کی دارالعلوم میں تشریف آوری کی تجویز پاس کی اور چونکہ جامع العلوم اور اہلِ علاقہ کی ضروریات کی بناء پر حضرت والا قدس سرہ کے لئے اس تجویز کو منظور فرمانا معمولی اور سہل امر نہ تھا، اس لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کو واسطہ بنایا کہ حضرت والا قدس سرہ کے لئے سفارشی خط لکھ دیں۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی خواہش یہ تھی کہ اگر دارالعلوم دیو بند میں آمد ہو تو حضرت شیخ نور اللہ

مرقدہ کے حکم پر ہو، چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت نے آپ کو بطور حکم خط تحریر فرمایا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے والا نامہ کے ساتھ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا سفارشی خط حضرت والا قدس سرہ کی خدمت میں پہنچا اور دارالعلوم دیوبند کے بعض اکابر نے کانپور جاکر ملاقات بھی کی، مگر جامع العلوم کانپور اور اہلِ علاقہ میں خدمات وضروریات کے پیشِ نظر وہاں سے تشریف لانے کی صورت میں بظاہر نا قابلِ تلافی نقصان ہونے کے خطرہ کی بناء پر حضرت والا قدس سرہ نے تشریف آوری سے معذرت فرمادی اور تشریف آوری کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حکم پر محول فرمادیا۔ حضرت والا قدس سرہٖ کے معذرت نامہ کو لے کر حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا حمید الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں پہنچے اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ پر زور دیا کہ حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کو بطورِ حکم تحریر فرمادیں، چنانچہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنی عادت ومعمول کے برخلاف حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو دیوبند تشریف آوری کے سلسلہ میں حکم نامہ تحریر فرمایا۔

آخر مجبور ہوکر اکابر دارالعلوم کے اصرار اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حکم کی تعمیل میں دارالعلوم میں قیام کا فیصلہ منظور کرنا ہی پڑا، اہلِ کانپور کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو ان کے حزن وملال کی انتہا نہ رہی۔

دارالعلوم دیوبند تشریف آوری

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذاتی فکر ولگن، مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے اجتماعی فیصلے اور دیگر حضرات اکابر کی جدوجہد واہتمام اور پھر سب سے آخر میں حضرت اقدس مخدوم العالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے ارشاد بلکہ حکم پر بروز جمعرات ۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۳/ستمبر ۱۹۶۵ء آپ کی تشریف آوری دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اس موقع پر اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''آج صبح مفتی محمود صاحبؒ کانپور سے دہلی پہنچے، مولوی اسعد صاحب سے ملاقات کے بعد رات کو دیوبند پہنچے، بدھ کی صبح کو مہتمم صاحب، علامہ ابراہیم صاحب وغیرہ حضرات سے ملاقات ہوئی، سب نے بہت زیادہ اعزاز واکرام کیا، جمعرات کی صبح کو افتاء کا چارج لے لیا''۔

قیام گاہ

ابتداء میں آپ کا قیام مہمان خانہ میں رہا پھر مسجد دارالعلوم سے متصل کمرہ (یہ کمرہ حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسکن بھی رہا) احاطہ مسجد میں رہا، پانچ چھ سال یہاں تشریف فرما رہے۔ یہاں کے قیام میں ایک مرتبہ یہ لطیفہ پیش آیا کہ ایک دن حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اور علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے راستہ میں ملاقات ہوگئی، حضرت مہتمم صاحبؒ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ ''کیا کروں فرصت نہیں ملتی ورنہ جی چاہتا ہے کہ کچھ آپ سے استفادہ کے لئے حاضر ہوا کروں اور علامہ ابراہیم صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت! یہ تو بخیل ہے، آج تک اس نے اپنا کمرہ بھی نہیں دکھایا''، حضرت مفتی صاحب نے جواباً فرمایا کہ ''حضرت میں تو مفلس ہوں جو کچھ میرے پاس ہے وہ حضرت ہی کا عطیہ ہے''، اس پر حضرت مہتمم صاحبؒ نے ہنس کر فرمایا کہ ''میں یہاں تک نہیں پہنچا تھا''۔

دارالعلوم دیوبند میں درسِ بخاری شریف

دارالعلوم دیوبند ایک عالمی دینی درسگاہ ہے وہاں کے درسِ حدیث بالخصوص درسِ بخاری شریف کی بڑی اہمیت رہی ہے اور اس کے لئے عظیم ترین شخصیتوں کا انتخاب ہوتا رہا ہے۔

حضرت اقدس مدنی نوراللہ مرقدہ کی وفات (بارہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ ۵/دسمبر ۱۹۵۷ء) کے بعد دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ نے صحیح بخاری شریف کے درس کے لئے فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب کیا، آپ نہایت نیک نامی وکامیابی کے ساتھ علمِ حدیث کی اس بلند پایہ کتاب کا درس دیتے رہے۔

وصال سے چار پانچ سال قبل جب ضعفِ طبع اور کمزوری وعلالت حد سے بڑھ گئی تو آپ نے شدت کے ساتھ یہ محسوس کیا کہ درس بخاری کی ذمہ داری کا یہ بوجھ کسی حد تک کم ہوجائے، اس کے لئے آپ کی نگاہِ انتخاب حضرت مفتی صاحب قدس سرہ پر پڑی اور آپ نے محرم الحرام ۱۳۸۷ھ سے حضرت مفتی صاحب پر اصرار شروع کیا اور بخاری شریف جلد ثانی شروع کرادینے کی تاکید فرمائی، متعدد مرتبہ اس مقصد سے حضرت مفتی صاحب کے پاس ان کے کمرے میں تشریف لا کر اصرار بھی فرمایا۔ مفتی صاحب بعض مصالح کی وجہ سے معذرت

اور انکار فرماتے رہے، غرض اصرار اور انکار دونوں چلتے رہے یہاں تک کہ انکار پر اصرار غالب آگیا اور ۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ (۱۳/ اگست ۱۹۶۸ء) میں آپ کے یہاں باب غزوة ذی الخلصہ سے بخاری شریف شروع ہوئی۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے کم وبیش بارہ سال دارالعلوم دیوبند میں بخاری جلد ثانی کا درس دیا، حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کے وصال کے سال بخاری جلد اول بھی مکمل آپ نے کرائی اور ان کے وصال کے بعد حضرت مہتمم صاحب کے پاس تشریف لے جاکر فرمایا کہ "اب تک حضرت مولانا فخر الدین صاحب کی رعایت اور ان کے حکم پر بخاری شریف پڑھاتا تھا لیکن میں اس کا اہل نہیں، اس لئے معذور ہوں، کوئی دوسرا انتظام فرمالیا جائے"۔

کیفیت درس

حضرت والا کے درس کی تقریر اکابر کے طرز پر بہت مختصر ہوتی تھی مگر انتہائی جامع مانع، نہایت پُر مغز اور خیر الکلام ما قل ودل کا پورا مصداق، درس کے لئے متعلقہ شروح وحواشی کے مطالعہ کا اہتمام فرماتے، چنانچہ فتح الباری، لامع الدراری تو تقریباً بالاستیعاب دیکھتے اور بضرورت دیگر شروحِ بخاری بھی ملاحظہ فرماتے۔ غزوات سے متعلق سیرت ابن ہشام، سیرت النبویہ لسید زینی دحلان وغیرہ کتبِ سیرت کے مطالعہ کا بھی اہتمام تھا، اس زمانہ میں ایسا بھی ہوتا کہ حضرت والا قدس سرہ کے کمرہ پر قفل لگا دیا جاتا جس سے آنے والے سمجھیں کہ حضرت والا یہاں نہیں ہیں اور حضرت والا کمرہ کے اندر مطالعہ میں مشغول ہوتے۔

طلباء درس میں اشکالات کی بھرمار کرتے، مگر حضرت والا نہایت متانت اور سنجیدگی سے سب کے جوابات عنایت فرماتے اور اتنے تسلی بخش جواب ہوتے کہ گویا ان اشکالات کا آپ کو پہلے سے علم ہوگیا تھا اس لئے آپ ان کی گویا پوری تیاری کر کے لاتے ہیں، حالانکہ یہ خالص اللہ پاک کی مدد اور نصرتِ خاص تھی کہ طلبہ بہت جوش سے اعتراضات کرتے مگر جوابات سن کر حیران رہ جاتے اور آہستہ آہستہ ان کے قلوب میں بھی حضرت والا کے تبحرِ علمی کی عظمت وعقیدت بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ سوالات کی کثرت اور بوچھاڑ کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

دورانِ درس طلبہ پر عجیب کیفیت طاری رہتی، معلوم ہوتا حق تعالیٰ شانہ اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعشق کو قلوب میں انڈیلا جارہا ہے جس کی وجہ سے بہت سے خوش نصیب درس ہی کی وجہ سے دولتِ

احسانی سے مالامال ہوجاتے۔

دارالعلوم سے مظاہر علوم مراجعت

اجلاسِ صد سالہ کے بعد جب اکابر دارالعلوم دیوبند میں اختلاف پیدا ہوا، اور حدودِ آداب سے تجاوز کرکے جب اس نے شدت اختیار کرلی تو حضرت والا قدس سرہ اس سانحہ کے عظیم صدمہ کی تاب نہ لاکر اور فریقین کے اختلاف سے بچنے کی غرض سے بیرونِ ملک تشریف لے گئے، تقریباً سات ماہ مختلف بیرونی ممالک میں قیام رہا، یہ پورا وقت سانحۂ دارالعلوم پر کرب و بے چینی میں گذرا۔ سفر سے واپسی پر بھی فریقین کا باہمی نزاع شباب پر تھا اور مصالحت و مفاہمت کی کوششیں بھی ناکام ہوچکی تھیں، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ "مفتی جی! کب تک اس طرح پھرتے رہوگے کہیں ایک جگہ بیٹھ کر کام کرو"، مفتی صاحب نے عرض کیا "کہاں بیٹھوں"؟ ارشاد فرمایا "یہیں مظاہر علوم میں قیام کرو" عرض کیا "بہت اچھا" اور مظاہر علوم میں رہ کر کام شروع کردیا اور ہفتہ میں ایک دن ارباب دارالعلوم کے اصرار پر دارالعلوم دیوبند کے لئے تجویز فرمادیا۔

اس طرح ۱۴۰۲ھ میں حضرت اقدس مخدوم العالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے پھر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو مظاہر علوم کے لئے مخصوص ومنتخب فرمالیا۔

جامعہ مظاہر علوم میں تشریف آوری

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خواہش کے احترام اور اراکینِ مجلس شوریٰ کی متفقہ تجویز پر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ جامعہ مظاہر علوم میں تشریف لے آئے، مفتی اعظم کا منصب آپ کے لئے تجویز کیا گیا اور آپ کے لئے علیحدہ سے ایک مستقل قیام گاہ اور مستفیدین اور مسترشدین کے لئے ایک علیحدہ سے خلوت گاہ بنوائی گئی جس کا صرفہ خود حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ادا فرمایا۔

۱۳/ رجب ۱۴۰۲ھ (۷/ مئی ۱۹۸۲ء) میں حضرت مفتی صاحب اس جدید قیام گاہ میں رونق افروز ہوئے، جس سے مہمانوں کو بڑا سکون ملا اور حضرت شیخ کی منشاء اور خواہش کے مطابق دار الافتاء کی نگرانی، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ کے تحریر فرمودہ فتاویٰ کی ترتیب وتکمیل اور اس پر نظر ثانی، طالبین کی روحانی تربیت وتعلیم، طلباء کی علمی اور اخلاقی رہنمائی کے ساتھ کتبِ فقہ واصولِ فقہ اور حدیث پاک

کا درس شروع فرمایا، الاشباہ والنظائر، اور حدیث پاک میں نسائی شریف وغیرہ آپ کے زیرِ درس رہیں، جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا طالبانِ بیعت اور ذکر وفکر کرنے والوں کا حلقہ بھی وسیع ہو رہا تھا اور اس طور پر مظاہر علوم علم نبوت اور نورِ نبوت کا مرکز بنتے ہوئے اس خلا کو بتدریج پر کر رہا تھا جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مدینہ منورہ قیام کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔

مظاہر علوم سے دار العلوم مراجعت

یکم شعبان ۱۴۰۲ھ کو شیخ المشائخ قطب عالم حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا وصال ہو گیا اور گویا وہ آہنی حصار اور مضبوط دیوار منہدم ہو گئی جو مظاہر علوم کو اندرونی اور بیرونی بہت سے فتنوں سے محفوظ کئے ہوئے تھی جس کے منہدم ہوتے ہی ایسا عظیم فتنہ (باہمی نزاع واختلاف کی شکل میں) رونما ہوا جس نے دار العلوم کے اختلاف کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ دار العلوم کے سانحہ کا صدمہ ہی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ مظاہر علوم کے اس حادثہ نے اس میں اور اضافہ کر کے حضرت والا قدس سرہ کے مجروح قلب کو اَور زیادہ بے چین بنا دیا اور جو چیز دار العلوم سے مظاہر علوم مراجعت کا سبب بنی تھی وہی چیز مظاہر علوم سے دار العلوم تشریف آوری کا ذریعہ بن گئی، چنانچہ ۱۵/ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ ۸/جنوری ۱۹۸۵ء کو حضرت والا دار العلوم تشریف لے گئے اور چند دن قیام فرما کر پھر بیرون ملک کے طویل سفر پر تشریف لے گئے۔ حضرت والا قدس سرہ دار العلوم دیوبند تشریف لے آئے، وہاں دار العلوم کی شوریٰ کا اجلاس ہو رہا تھا، اکابر دار العلوم پہلے سے خواہشمند تھے کہ کسی طرح پھر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دار العلوم مستقل قیام قبول فرمالیں اور اس کے لئے برابر کوشاں تھے، یہ موقع ان کے لئے غنیمت تھا، چنانچہ ارکانِ شوریٰ دار العلوم دیوبند نے باتفاقِ رائے حضرت والا قدس سرہ کے مستقل دار العلوم میں قیام کی تجویز پاس کی اور شوریٰ کے تمام اراکین قیام گاہ پر تشریف لائے اور سب نے اپنی اس تجویز کے منظور فرمانے پر اصرار کیا۔ حضرت والا قدس سرہ نے بہت معذرت کی، مگر وفد کے متکلم حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جن کی دلداری دیگر وجوہ کے علاوہ استاذ زادہ (گویا شاہزادہ) ہونے کی بنا پر زیادہ مقدم تھی، اس لئے دار العلوم میں مستقل قیام منظور فرمالیا گیا۔ اراکین شوریٰ نے یہ چیز بھی منظور فرمالی کہ مظاہر علوم کے حالات درست ہونے پر مظاہر علوم قیام کی اجازت دے دی جائے گی۔

دارالافتاء

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دارالافتاء عموماً اول وقت پہنچ جاتے اور فتاویٰ کے جوابات تحریر فرماتے، کچھ دیر کے لئے حضرت مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہم کے پاس ان کی مسند پر تشریف لیجاتے اور کسی فتویٰ سے متعلق گفتگو فرماتے، حضرت مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہم بھی اپنا تحریر فرمودہ فتویٰ پیش فرماتے اور حضرت کچھ دیر گفتگو فرما کر اپنی مسند پر تشریف لے آتے اور کام میں مشغول ہو جاتے۔ جن طلبہ کی تمرین حضرت سے متعلق ہوتی وہ اپنی اپنی کاپیاں لے کر اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ دکھانے کے لئے جمع ہو جاتے، سب کو بغور ملاحظہ فرماتے اور مناسب اصلاح فرماتے اور کسی کو کسی کتاب کی رہنمائی فرماتے کہ اس کو فلاں کتاب میں دیکھو، اس کو فلاں کتاب میں دیکھو، کبھی خود کتاب کھول کر بتاتے: ''دیکھو یہ مسئلہ یہاں ہے اس پر یہ بحث کی گئی ہے''۔ درمیان درمیان کوئی تفریحی جملہ بھی ارشاد فرما دیتے، کبھی کوئی شعر سنا دیتے، جس سے سب طلبہ کھل پڑتے، بعض دفعہ ہنسی کو قابو نہ رکھ پاتے، کوئی طالب علم سخت غلطی کرتا، اس پر تنبیہ بھی فرماتے، غصہ کا اظہار بھی فرماتے، گو اس کی نوبت بہت کم آتی ورنہ عموماً اصلاح بھی تفریحی جملوں کے ذریعہ ہی ہوتی۔

طرزِ درس اور طلبہ سے بے تکلفی

تمرینِ افتاء کے طلبہ کی عموماً دو کتابیں ''شرح عقود رسم المفتی'' اور ''الاشباہ والنظائر'' حضرت کے یہاں ہوتیں، ابتداءً تو ان کتابوں کا درس دارالافتاء ہی میں ہوتا تھا، بعد میں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے حضرت کے کمرہ میں ہوتا تھا۔

حضرت والا مدرسہ کے اخیر وقت تک بلکہ کچھ بعد تک دارالافتاء میں رہتے مگر جب کمرہ میں درس تجویز ہو گیا، درس کے لئے کمرہ میں تشریف لے آتے۔

حضرت والا کے یہاں تقریر بہت مختصر ہوتی، کتاب کو اصل عبارت سے حل کرنے کا ہی معمول تھا، اس میں کبھی کچھ کمی نہ کی جاتی، کتاب کی مناسبت سے واقعات ولطائف بھی سنائے جاتے اور حسب موقع کبھی اشعار بھی سناتے جس سے سب طلبہ باغ و بہار ہو جاتے۔

افتاء وتفقہ

اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿یؤتی الحکمة من یشاء، ومن یؤتی الحکمة فقد أوتی خیراً کثیراً، وما یذکر إلا أولو الألباب﴾(۱)۔

''دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں''۔ (بیان القرآن)۔

اللہ پاک جس بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو فقیہ فی الدین بناتے ہیں، یعنی اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: "من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین".(۲)۔

''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو فقیہ فی الدین بناتے ہیں'' (اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں)

فقیہ فی الدین کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''فقیہ واحد أشد علی الشیطان من ألف عابد''. (مشکوٰۃ شریف، ص: ۳٤)(۳)۔

''ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے''۔

نیز ارشاد فرمایا:

"نعم الرجل الفقیه فی الدین، إن احتیج إلیه نفع، وإن استغنی عنه أغنیٰ نفسه". رواه رزین". (مشکوٰۃ شریف، ص: ۳٦)(٤)۔

''بہترین مرد ہے فقیہ فی الدین کہ اگر اس کی طرف ضرورت لائی جائے نفع پہنچائے اور اگر اس سے

---

(۱) (البقرة: ۲٦۹)

(۲) (مشکوٰة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الأول، ص: ۳۲، قدیمی)

(ورواه البخاری فی صحیحه فی کتاب العلم، باب من یرد الله به خیراً اهـ: ۱٦/۱، قدیمی)

(والترمذی فی أبواب العلم، باب إذا أراد الله بعبد خیراً اهـ: ۹۳/۲، سعید)

(۳) (مشکوٰة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، ص: ۳٤، قدیمی)

(وأخرجه الترمذی فی أبواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة: ۹۷/۲، سعید)

(٤) (مشکوٰة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث، ص: ۳٦)

بے پرواہی کی جائے اپنے آپ کو مستغنی بنالے''۔

جو حضرات تفقہ فی الدین حاصل کرتے ہیں ان کی فضیلت بیان فرمائی اوران کے ساتھ خیر کا سلوک کرنے کی وصیت وتاکید فرمائی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"إن الناس لكم تبعٌ، وإن رجالاً يأتونكم من أقطار الأرض يتفقهون في الدين، فإذا أتوكم فاستوصوا بهم خيراً". رواه الترمذي". (مشكوٰة شريف، ص: ٣٤)(١)۔

ترجمہ: ''بیشک لوگ تمہارے تابع ہوں گےاور بیشک کچھ لوگ تمہارے پاس روئے زمین کے مختلف اطراف سے آئیں گے جو تفقہ فی الدین حاصل کریں گے، پس جب وہ تمہارے پاس آئیں ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنے کی وصیت قبول کرو''۔

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا کو تفقہ فی الدین میں وہ عظیم مقام عطا فرمایا جو لاکھوں کروڑوں علماء میں کسی خوش نصیب کو عطا ہوتا ہے، علومِ درسیہ کی تکمیل اور فراغت کے بعد سے اخیر تک زندگی کا تمام وقت درس وتدریس اور دیگر دینی خدمات کے ساتھ تفقہ فی الدین اور فتویٰ نویسی میں ہی بسر ہوا۔

بصیرت وتیقظ اور فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق میں کمالِ درک، مطالعہ کی کثرت ووسعت اور گہرائی وگیرائی، علوم کا استحضار رسوخ فی العلم ورسوخ فی الدین، کتاب وسنت، فقہ واصولِ فقہ میں اختصاصی مہارت، اس کے ساتھ طبعِ سلیم، فہمِ مستقیم، فطرتِ صحیحہ، پھر قدیم وجدید علمی ذخیرہ پر اطلاع وواقفیت کے ساتھ اہلِ زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت، عرف سے بھی باخبری کو فقہاء نے بڑی اہمیت دی ہے(٢) نیز تیسیر کے حدود کی نگہداشت

---

(١) (مشكوٰة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، ص: ٣٤، قديمي)

(ورواه الترمذي في أبواب العلم، باب ماجاء في الإستيصاء بمن يطلب العلم: ٢/٩٣، سعيد)

(٢) قال العلامة ابن عابدينؒ: " فللمفتي اتباع عرفه الحادث، وكذا في الأحكام التي بناها المجتهد على ماكان في عرف زمانه ...... لكن بعد أن يكون المفتي ممن يكون له رأي ونظرٌ صحيح ومعرفةٌ بقواعد الشرع ...... وهذا صريح فيما قلنا من أن المفتي لا يفتي بخلاف عرف أهل زمانه، ويقرب منه مانقله في الأشباه عن البزازية من أن المفتي يفتي بما يقع عنده من المصلحة ...... والتحقيق أن المفتي في الوقائع لا بدله من ضرب اجتهاد، ومعرفته بأحوال الناس ...... فينظر إلى صاحب الواقعة ...... قلت: يعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغيرات العرف وأحوال الناس، وما هو الأرفق بالناس، وما ظهر عليه التعامل وما =

اور عمومِ بلویٰ کی صحیح تعریف اور اس کے لحاظ سے فقہی شرائط سے آگاہی اہلِ زمانہ کے عقود و معاملات اور تعلقات کی نوعیت، نوایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت تغیراتِ زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت اور ان کے لحاظ سے حدود سے آگاہی، مقاصدِ شریعت اور حکمتِ تشریع کا علم جو استنباط مسائل کی روح اور قیاس و استحسان اور مصالحِ مرسلہ کی نگہبان و پاسبان ہے اور اس پر جذبۂ خدمتِ خلق اور کمالِ اخلاص وللّٰہیت، صلاح وتقویٰ، امانت ودیانت وہ آپ کا وصفِ ممتاز اور موہوبِ خداوندی ہے، جس نے آپ کو تمام اَقران و امثال میں ممتاز ومخصوص مقام پر لا کھڑا کیا۔

ہندوستان کے اسلامی علوم وفنون کے دو عظیم مرکز: دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ہر دو کے دار الافتاء کے مفتیٔ اعظم ہوئے اور دیگر متعدد مدارس کے دارالافتاؤں کی سرپرستی اور مکمل رہبری ورہنمائی کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی۔ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے مفتیان کرام تیار ہوئے اور انھوں نے اپنے اپنے مقام پر پہلے سے قائم شدہ دارالافتاؤں کو سنبھالا، یا نئے قائم کئے اور فتویٰ نویسی کے ذریعہ اشاعتِ دین اور مخلوق کی رہبری وہدایت میں مشغول ومصروف ہوئے کہ آج دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، شاہی مرادآباد، مدرسہ تعلیم الدین، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، جامعہ رحمانیہ، ہتھورہ ضلع باندہ اور دیگر ملکی اور بہت سے غیر ملکی اداروں کے دارالافتاء کی مسند کو زینت دینے والے اکثر حضرت والا کے تربیت یافتہ اور تلامیذ ہی ہیں۔

فتاویٰ پر اکابر کا اعتماد

حضرت والا قدس سرہ کے فتاویٰ پر اکابر کو اعتماد ابتدا ہی سے رہا، اسی کمالِ اعتماد کی بناء پر اکابر مظاہر علوم سہارنپور: حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانیٔ تبلیغ، حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نور اللہ مراقدہم نے فتویٰ نویسی کے عظیم منصب پر مظاہر علوم میں تقرر فرمایا، اور جامع العلوم کانپور تشریف بری کے بعد یہ تمام اکابر مظاہر علوم واپسی کے لئے برابر کوشاں اور ساعی رہے اور اسی کمالِ اعتماد کی بناء پر مرکز العلوم دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی

= قوي بوجهه ...... اهـ". (شرح عقود رسم المفتي، تحت قوله: قال في المستصفى: العرف والعادة اهـ، ص: ۹۷، میر محمد کتب خانه)

صدارت اور مفتی اعظم کے عظیم منصب کے لئے اکابرِ دار العلوم دیوبند: حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب صدر مفتی دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نور اللہ مراقدہم اور دیگر اکابر شوریٰ دار العلوم دیوبند نے تقرر فرمایا اور انتہائی کوشش کے بعد جامع العلوم کانپور سے دار العلوم دیوبند بلالیا گیا۔ دیگر مفتیان کرام کی آراء اگر کسی مسئلہ میں مختلف ہوتیں تو حضرت والا کی رائے اور تحقیق ہی عام طور پر آخری رائے اور فیصلہ کن اور قابلِ اعتماد سمجھی جاتی۔ قطبِ عالم حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو خود ذاتی طور پر کسی مسئلہ میں تحقیق کی ضرورت پیش آتی تو حضرت والا قدس سرہ کی طرف ہی رجوع فرماتے اور حضرت کے فتویٰ پر ہی کامل اعتماد فرماتے۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں- زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً - قیام کے دوران حضرت مولانا قاری محمد عباس بخاری نور اللہ مرقدہ نے گھوڑے کا گوشت حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بھیجا، حاضرینِ مجلس میں باہم چہ میگوئیاں اس کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں ہوئیں، حضرت شیخ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے دریافت فرمایا، حضرت نے جواب دیا، جائز ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا: ''بھئی! مجھ کو تو میرے مفتی نے فتویٰ دے دیا، میں تو کھاؤں گا، جس کا جی چاہے کھائے، جس کا جی چاہے نہ کھائے''۔

حضرت اقدس مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی تدفین اور ہندوستان جنازہ کے منتقلی کے سلسلہ میں ہندوپاک کے علماء ومفتیانِ کرام میں سخت اختلاف ہوا، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے بھی دریافت کیا گیا، بلکہ بہت سے حضرات نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی رائے پر ہی فیصلہ موقوف کر دیا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو کانپور پوری تفصیل لکھ کر فتویٰ طلب کیا اور پھر اسی فتویٰ کو اپنی رائے قرار دے کر لکھ کر بھیج دیا اور اسی کے مطابق عمل درآمد کیا گیا۔

اس نوع کا سوال بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو رنگون سے دہلی لال قلعہ میں منتقل کرنے کا پیش آیا، بعض اربابِ حکومت اس میں کافی شدت پر تھے۔ جنرل شاہنواز نے اس سلسلہ میں استفتاء مولانا محمد میاں صاحبؒ ناظم جمعیۃ العلمائے ہند کی خدمت میں بھیجا، انہوں نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے استفسار کیا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے استفتاء مع مکتوب حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے اس کا تحقیقی جواب تحریر فرمایا جس کو ان سب اکابر نے تسلیم کیا اور اسی

کے مطابق عمل کیا گیا کہ بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو منتقل کرنے کا ارادہ ختم کر دیا گیا، اس موقع پر حضرت مفتی صاحب نے جو جواب تحریر فرمایا وہ مندرجہ ذیل ہے:

الجواب حامداً ومصلیاً:

''اصل یہ ہے کہ آدمی کا جس بستی میں انتقال ہوا اس بستی میں اس کو دفن کیا جاوے، اگر اس نے وصیت کی ہو کہ مجھ کو فلاں جگہ دفن کرنا تو اس وصیت پر عمل لازم نہیں، شرعاً یہ وصیت باطل ہے:

"يندب دفنه في جهة موته: أي في مقابر أهل المكان الذي مات فيه أو قُتِل اه". (شامی)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انتقال کے بعد دوسرے مقام پر لے جا کر دفن کیا گیا، جہاں انتقال ہوا وہاں دفن نہیں کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سفر میں جاتے ہوئے جب ان کی قبر پر گزریں تو فرمانے لگیں کہ ''اگر میرا بس چلتا تو تم یہاں دفن نہ کئے جاتے، بلکہ جہاں انتقال ہوا تھا وہیں دفن ہوتے''۔

تاہم اس مسئلہ میں اتنی تنگی نہیں، امام محمدؒ نے میل دو میل مقامِ وفات سے حسبِ مصالح دور لے جا کر دفن کرنے کی گنجائش بتائی ہے:

"ولا بأس بنقله قبل دفنه، قيل: مطلقاً، وقيل: إلى ما دون السفر. وقيده محمد بقدر ميل أو ميلين؛ لأن مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة، فيكره فيما زاد. قال في النهر عن عقد الفرائد: هو الظاهر اه"۔

لیکن دفن کے بعد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی: ''وأما نقله بعد دفنه، فلا مطلقاً اه". (شامی)۔

طحطاوی نے دفن کے بعد منتقل کرنے کی تین صورتیں لکھی ہیں: ایک یہ کہ میت کو کسی غیر کی زمین میں بغیر اجازتِ مالک دفن کر دیا گیا ہو جس سے وہ حصۂ زمین غصب ہو گیا اور مالک کسی طرح میت کے یہاں رہنے پر رضامند نہیں ہے، بلکہ اس کے نکالنے پر مصر ہے تو ایسی حالت میں مجبوراً دوسری قبر میں منتقل کر دیا جائے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ دوسری صورت یہ کہ میت کو دوسرے قبرستان میں منتقل کرنا مقصود ہے (خواہ میت کی عظمت ومحبت کی وجہ سے یا اس کی تمنا اور وصیت کی خاطر) یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی قبر پر پانی غالب آجائے جس سے میت محفوظ نہ رہ سکے، اس صورت میں بعض حضرات نے میت کو

منتقل کرنے کی اجازت دی ہے، بعض نے منع کیا ہے۔

واقعہ مسئولہ دوسری صورت میں داخل ہے جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ یہ تاویل کہ دوڈھائی گز زمین کھود کر اٹھالی جائے کارآمد نہیں، کیوں کہ اصل مقصود نعش کو منتقل کرنا ہے اور جو کچھ مٹی ساتھ آئے گی وہ نعش کے تابع ہو کر منتقل ہوگی، جس طرح کہ میت کے ساتھ کفن، تابوت ہو کہ وہ تابع میت ہے، نہ کہ مقصود اصل، لہٰذا اس منتقل کرنے کو بھی کہا جائے گا کہ میت کو منتقل کیا گیا ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ قبر کی مٹی منتقل کر کے لائے ہیں۔

پھر دہلی لاکر شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے گا یہ بناء علی القبر ہے جس کی حدیثِ پاک میں ممانعت آئی ہے اور فقہاء نے اس کو حرام لکھا ہے: "فی الشرنبلالی عن البرهان: یحرم البناء علیه للزینة، ویکره للإحکام بعد الدفن اهـ". (طحاوی)۔

تنبیه: شہنشاہ کا لفظ غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اس طرح جو بھی اہم تحقیقی سوالات حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں آتے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے پاس بھیج دیتے اور مرسِل کو لکھ دیتے کہ میں نے آپ کا خط اپنے معتمد مفتی محمود صاحب کے پاس بھیج دیا اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ ان کے جوابات تحریر فرماتے۔

نقولِ فتاویٰ کے رجسٹروں کو ملاحظہ فرمانے کی تجویز

اسی کمال اعتماد کی بنا پر قیام کانپور کے دوران حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے یہ تجویز فرمایا کہ ماہ مبارک (رمضان) میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ مظاہر علوم کے نقولِ فتاویٰ کے رجسٹروں کو بالاستیعاب ملاحظہ فرمایا کریں اور کسی فتویٰ میں سقم رہ گیا ہو تو اس کی نشان دہی فرمایا کریں۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"رمضان میں حضرت مفتی محمود صاحب حسبِ معمول یہاں رمضان گزارنے کے لئے آئے، زکریا نے ان سے درخواست کی کہ صاحب کے فتاویٰ پر جو درج رجسٹر ہیں ایک گہری نظر ڈال لیں اور جو مسائل غلط لکھے گئے

---

(۱) مسئلہ مذکورہ کے لئے ملاحظہ ہو (کتاب الجنائز، فصل فی القبر والدفن، عنوان: "میت کو بعد الدفن منتقل کرنا" اور عنوان "بہادر شاہ ظفر کی قبر سے منتقلی")

ہوں ان کی نشاندہی کردیں انھوں نے اس کی تعمیل کی''۔(ملخصا)(دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم،ص:۷۸)

مظاہر علوم کے اہم فتاویٰ کے بارے میں تجویز

اسی طرح حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے دارالعلوم دیوبند قیام کے دوران حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے تجویز فرمایا کہ مظاہر علوم کے اہم فتاویٰ حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کے مشورہ اور استصوابِ رائے بلکہ دستخط کے بغیر روانہ نہ کئے جائیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب صدر مفتی مظاہر علوم تو حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کے کانپور کے دوران بھی اہم فتاویٰ کے جوابات حضرت والا سے استصوابِ رائے کے بغیر نہیں لکھتے تھے، ڈاک سے سوال لکھ کر دریافت فرماتے جواب آنے پر ہی اس کا جواب تحریر فرماتے، اور دارالعلوم قیام کے زمانہ میں حضرت اقدس قدس سرہ حسبِ معمول جمعرات کو مظاہر علوم تشریف لے جاتے تو حضرت مفتی یحییٰ صاحب قدس سرہ ہفتہ بھر کے اہم فتاویٰ جمع کر کے رکھتے اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی مظاہر علوم تشریف آوری پر مشورہ کر کے ہی جوابات لکھتے۔

رائے کی پختگی

حضرت والا قدس سرہ جس مسئلہ میں دلائل کی روشنی میں جو رائے قائم فرماتے، جب تک دلائل کی روشنی ہی میں اس رائے کا مرجوح یا کمزور ہونا معلوم نہ ہو جائے آپ اس پر قائم رہتے اور کسی عظیم شخصیت سے محض شخصیت کی بناء پر مرعوب نہ ہوتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک مسئلہ دریافت کیا گیا اس کا جواب حضرت والا نے تحریر فرمایا، اسی مسئلہ کا جواب حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا جو حضرت والا کے جواب کے خلاف تھا اور وہ صورت کا اختلاف تھا، حضرت تھانوی قدس سرہ نے جو جواب تحریر فرمایا وہ دوسری صورت سے متعلق تھا، استفتاء میں جو صورت تھی اس سے مختلف وہ دوسری صورت تھی۔ وہ جواب حضرت والا کے سامنے آیا، محض شخصیت سے مرعوب ہو کر حضرت نے اپنی تحقیق سے رجوع نہیں فرمایا، بلکہ وضاحت فرمادی کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی نقل فرمودہ عبارات دوسری صورت سے متعلق ہیں، سوال میں جو صورت ہے وہ اس سے

مختلف ہے، اس کا حکم وہی ہے جو یہاں سے تحریر کیا گیا۔

فتویٰ نویسی سے متعلق چند عادات مبارکہ

۱...... حضرت والا کی خدمت میں جب ڈاک پیش کی جاتی تو اولاً اس کو سرسری نظر سے ملاحظہ فرماتے اور دیکھتے کون سا استفتاء ہے، کون سا ذاتی خط ہے، ہر ایک کو الگ الگ فرماتے اور نشان کے لئے استفتاء پر ''ف'' بنادیتے اور جواب لکھ کر ''ف'' کے نیچے ''م'' بنادیتے ''ف''، ''م''۔ ''ف'' سے اشارہ فتویٰ کی طرف اور ''م'' سے محمود کی طرف اشارہ ہے۔ پلاسٹک کے دو تھیلے حضرت کے پاس ہوتے، ایک میں ذاتی خطوط رکھتے ایک میں فتاویٰ اور چمڑہ کا ایک تھیلا رہتا اس میں یہ دونوں تھیلے ہوتے، جہاں موقع ملا تھیلے سے ڈاک نکالی اور جوابات لکھنا شروع فرمادیتے، سفر میں بھی یہ تھیلا ساتھ رہتا، بس میں، ریل میں، قیام گاہ پر جہاں موقع ملتا ڈاک شروع ہوجاتی جن کے جوابات لکھے جاچکے ہوتے ان خطوط کو جواب لکھے ہوؤں سے الگ رکھتے۔

۲...... اولاً استفتاء کے جوابات لکھتے بعد میں ذاتی ڈاک، البتہ اگر کوئی استفتاء تفصیل طلب ہوتا اور اس کے لئے مراجعت کتب کی ضرورت ہوتی اور اس وقت اس کا موقع نہ ہوتا یا انشراح نہ ہوتا تو ذاتی ڈاک پہلے لکھ دیتے۔

۳...... جب تک مکمل انشراح نہ ہوتا استفتاء کا جواب نہ لکھتے خواہ کتنی مراجعتِ کتب کرنا پڑے۔

۴...... عموماً جوابات مختصر لکھتے مگر تحقیقی اور خیر الکلام ما قل ودل کے مطابق، البتہ کسی مسئلہ میں تفصیل مطلوب ہوتی تو پھر تفصیل سے بھی گریز نہ فرماتے حتی کہ بعض فتاویٰ نے مستقل رسالہ کی شکل اختیار کرلی۔

۵...... عبارت صاف اور عام فہم لکھتے جس سے سائل کو الجھن اور پریشانی نہ ہو خود خط بھی حضرت والا کا بہت صاف تھا۔

۶...... جوابات لکھنے میں ترتیب کا لحاظ فرماتے جس ترتیب سے خطوط آتے اسی ترتیب سے جوابات تحریر فرماتے، الّا یہ کہ کسی کا فوری تقاضا ہوتا تو اس کی ضرورت اور اہمیت کی بنا پر اس کا جواب پہلے تحریر فرمادیتے۔

۷...... عموماً یہ کوشش فرماتے کہ ہر روز کی ڈاک ہر روز نمٹ جائے جب تک ڈاک پوری نہ ہوتی برابر فکر مند رہتے، حتی کہ ایک دفعہ مظاہر علوم میں حضرت ناظم صاحب نے فرمایا: ''کل سفر میں جانا ہے'' ڈاک کافی جمع تھی، پوری رات لکھ کر اس کو نمٹایا، پھر علی الصباح سفر میں تشریف لے گئے۔

۸...... محض قواعد واصول کو سامنے رکھ کر حضرت والا جواب لکھنے کو کافی نہ سمجھتے، بلکہ ہر مسئلہ کے لئے

فقہاء کی عبارات میں جزئیۂ صریحہ تلاش فرماتے خواہ کتنی بھی محنت کرنا پڑے، بعض دفعہ کسی جزئیہ کی تلاش میں بیسیوں بلکہ بعض دفعہ پچاسوں کتب کی ورق گردانی کرنی پڑتی اور اس کے لئے راتوں کو جاگنا پڑتا مگر کبھی ہمت نہ ہارتے (۱) اور جزئیہ مل جانے پر وہ مسرت محسوس فرماتے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت کی لذت ومسرت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے اور جب تک جزئیہ نہ ملتا برابر فکر مند رہتے حتی کہ ایک مرتبہ ایک جزئیہ کی تلاش میں کئی روز ہو گئے برابر کتابیں دیکھتے رہے مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ اسی فکر اور بے چینی میں دوپہر کو سو گئے سو کر اٹھے تو دیکھا کہ ایک آنکھ کا پردہ پھٹ گیا ہے، ڈاکٹروں کو دکھایا گیا، ڈاکٹر نے بتایا آنکھ پر کوئی بوجھ پڑا ہے جس سے پردہ پھٹ گیا ہے، ڈاکٹر سے کہا گیا بوجھ تو نہیں پڑا، ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ بوجھ کسی فکر اور سوچ کا بھی ہوتا ہے وہی بوجھ پڑا ہے جس سے پردہ پھٹ گیا ہے، یہی وہ محنت اور جفاکشی تھی کہ جب آنکھیں جاتی رہیں ایک آنکھ کا پردہ پھٹ گیا ایک میں موتیا اتر آیا، (گو بعد میں موتیا کا آپریشن ہو کر کامیابی ہو گئی)۔

ارشاد فرمایا: ''الحمد للہ یہ حسرت نہیں رہی کہ آنکھوں سے کام نہیں لیا، الحمد للہ کام خوب لیا''۔

۹...... کسی استفتاء کا جواب لکھتے ہوئے کسی دوسری جانب متوجہ ہونا ناپسند فرماتے اس حالت میں کوئی اپنی جانب سلام، مصافحہ میں مشغول کرنا چاہتا وہ بھی ناگوارِ خاطر ہوتا۔

۱۰...... آپ کو فتاویٰ سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا کہ اس کو زندگی کا بڑا مقصد تصور فرماتے اور اسی انہماک ومشغولی میں خوش ہوتے اور اس میں جان تک چلے جانے کی پرواہ نہ کرتے، چنانچہ ایک دفعہ سخت زلزلہ آیا حضرت والا ایک فتویٰ لکھنے میں مشغول تھے، زلزلہ کے سہم سے سب حضرات دار الافتاء سے باہر نکل آئے کہ کہیں یہ عمارت نہ گر جائے، مگر حضرت والا کو دیکھا گیا کہ برابر بیٹھے ہوئے اطمینان سے جواب لکھنے میں مشغول ہیں، بعد میں حضرت والا سے پوچھا گیا کہ آپ باہر کیوں نہیں نکلے فرمایا کہ مجھے فکر ہوئی کہ کہیں فتویٰ درمیان میں نہ رہ جائے اس لئے سوچا کہ فتویٰ تو پورا کر لوں۔

۱۱...... حضرت والا اس کا بھی اہتمام فرماتے کہ حضرت والا کا تحریر فرمودہ جواب دوسرے حضرات بھی ملاحظہ فرمالیں، حتی کہ اپنے تلامذہ بھی حاضر ہوتے تو ان کو بھی بتاکید دیکھنے کو فرماتے اور اگر کوئی کچھ مشورہ دیتا تو

---

(۱) دیکھئے: (كتاب الإيمان والعقائد، باب الفرق الباطلة، ما يتعلق بالروافض، عنوان: خلافتِ يزيد) اس مسئلہ میں حضرت نے خود تقریباً سو (۱۰۰) کتابوں کے مطالعہ کا ذکر فرمایا ہے۔

اس کو بہت غور سے خوش ہو کر سنتے ، اگر معقول بات ہوتی تو تسلیم فرما لیتے ، ورنہ خوبصورتی کے ساتھ اس کو سمجھا دیتے۔

۱۲......آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے کہ فتاویٰ لکھنے کے بعد جلد روانہ کیے جائیں، اس لئے محرر کو تاکید فرماتے کہ رجسٹر میں جلد نقل کر کے ڈاک میں ڈال دے اگر نقل ہونے میں تاخیر ہوتی یا سستی کی بناء پر ڈاک میں ڈالنے میں تاخیر ہو جاتی تو حضرت والا کو سخت ناگوار گزرتا اور خوبصورتی کے ساتھ مناسب طریقہ پر اس پر تنبیہ فرماتے ، ایک دفعہ ایک طالب علم ایک خط کسی کتاب میں رکھ کر بھول گیا اور کئی روز بعد وہ خط ملا، حضرت کی ناراضگی کے خیال سے چپکے سے وہ خط حضرت کے خطوط میں رکھ کر آ گیا، حضرت نے جب اس کو دیکھا تو سخت ناراض ہوئے یہ حرکت کس نے کی ہے؟ کس نے یہ خط چھپائے رکھا؟ اور سب طلبہ سے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ خط لکھنے والا کیا معلوم کیا ضروری بات لکھتا ہے اور اس کے جواب کا منتظر رہتا ہے یہ سخت غلط حرکت ہے، آئندہ پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اس سلسلہ میں کوتاہی کریں۔

ایسے ہی ایک دفعہ کسی طالب علم سے کوئی استفتاء گم ہو گیا، حضرت نے تلاش کرایا، نہیں ملا، حضرت کو بہت فکر ہوئی ، ڈاک رجسٹر بھی منگایا اور اس میں تمام ڈاک کو دیکھا اور اس کی مدد سے معلوم کیا کہ فلاں خط کا جواب نہیں دیا گیا، رجسٹر میں مستفتی کا پتہ دیکھ کر خط لکھا کہ آپ کا استفتاء گم ہو گیا لہٰذا دوبارہ استفتاء بھیج دیں اس کے بعد جواب لکھ کر ارسال فرمایا تب حضرت کو اطمینان ہوا۔

۱۳......آپ محرر کو بھی تاکید فرماتے کہ رجسٹر میں صاف و مکمل نقل کریں، بعض صاحبان رجسٹر میں صرف خلاصہ نقل کر دیتے، حضرت والا قدس سرہ کو اس سے سخت تکلیف ہوتی۔

۱۴......حضرت والا کی خواہش ہوتی کہ دار الافتاء سے کسی مفتی کا جواب کسی دوسرے مفتی کے خلاف نہ چلا جائے ، اس لئے کوشش فرماتے کہ ہر مفتی کا جواب ہر مفتی کی نظر سے گزر جائے اور کسی کو کوئی اشکال ہو تو اس کو سمجھ لیا جائے یا اس کی اصلاح کر دی جائے۔

۱۵......حضرت اس کی بھی کوشش فرماتے کہ پورے عملہ میں اتفاق ، باہم قلبی تعلق ہو اس کے لئے آپ روزانہ چائے منگواتے اور سب کو بلوا کر چائے پلاتے ، تاکہ اس بہانہ سے سب جمع ہو جائیں اور باہم گفتگو ہو جائے ، کسی کو کسی سے رنجش ہو وہ بھی دور ہو جائے ، تھوڑی دیر ہنسی خوشی گفتگو ہو کر یہ مجلس ختم ہو جاتی اور اس کے

اچھے اثرات قائم ہوتے۔

۱۶......ایک خصوصی کمال یہ ہے کہ باوجودیکہ حضرت والا کے تحریر فرمودہ فتاویٰ بڑے جامع اور استدلالی ہوتے ہیں کہ کہیں کوئی کیسا ہی نازک جزئیہ یا اہم مسئلہ پیش آجائے اس کا اتنی شائستگی وعمدگی کے ساتھ مختصر اور جچے تلے الفاظ میں جواب تحریر فرماتے کہ پڑھنے والا اور سیکھنے والا آپ کے تبحرِ علمی، فقہی دسترس اور علم ومطالعہ کی کثرت ووسعت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہتا، مگر اس کے باوجود وصف تواضع وفروتنی اور اپنی شرعی ذمہ داری کے احساس کا یہ عالم ہے کہ جس مسئلہ کی پوری تحقیق مستحضر نہیں ہوتی اس کے متعلق برملا مجمع میں کہہ دیتے کہ مجھے اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق نہیں، مجھے اس کا علم نہیں اور اس میں آپ کو ذرہ برابر حجاب نہ ہوتا اور اہلِ علم حضرات کی شان یہی ہوتی ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک نقل کیا گیا ہے:

"إن من العلم أن يقول لما لا يعلم: لا أعلم". (الحديث)(۱)۔

"بے شک علم (کی نشانی میں) سے یہ ہے کہ نہ جانی ہوئی چیز کے بارے میں کہہ دے میں نہیں جانتا"۔

دوسرے مفتی صاحب کے فتویٰ کی تصدیق

۱۷......کسی دوسرے مفتی صاحب کا تحریر فرمودہ فتویٰ برائے تصدیق لایا جاتا جب تک اس پر پورا اطمینان نہ ہوجاتا ہرگز دستخط نہ فرماتے، اطمینان ہونے پر تصدیق فرمانے سے کبھی اعراض بھی نہ فرماتے۔

تمرینِ فتاویٰ

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں جو طلباء شعبۂ افتاء میں داخل ہوتے ان کو مشق وتمرین فتاویٰ کے لئے مفتیانِ کرام میں تقسیم کردیا جاتا اور ان کی مختلف جماعتیں بنادی جاتیں، ان کے اسباق مختلف مفتیانِ کرام کے پاس رکھے جاتے، ہر سبق میں تمام طلباء شریک ہوتے، مگر فتویٰ نویسی کی مشق ہر جماعت الگ الگ مفتی صاحب کے پاس کرتی۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے پاس عموماً رسم المفتی، الاشباہ والنظائر ہوتی اور کبھی قواعد الفقہ بھی

---

(۱) "عن عبدالله قال: "يأيها الناس! من علم شيئاً فليقل به، ومن لم يعلم فليقل: الله أعلم، فإن من العلم أن تقول لما لا تعلم: الله أعلم ...... اهـ"۔ (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثالث، ص: ۳۷، قديمي)

ہوتی، حضرت والا سبق میں مختصر تقریر فرماتے، مگر اس طرح کہ کتاب کا مطلب پورے طور پر سمجھ میں آجائے، ہر مسئلہ کو کچھ مثالوں سے ضرور سمجھاتے جن سے طلبہ کو فن سے پوری مناسبت ہوجاتی، درمیان میں کوئی لطیفہ بھی سنادیتے جس سے طلبہ اکتاتے نہیں اور موقع کی مناسبت سے اشعار بھی سناتے۔ تمرین فتاویٰ کے لئے طلبہ کو سوالات لکھوادیتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ ان کے جوابات لکھ کر لائیں، طلبہ کے ان سوالات کے جوابات بغور ملاحظہ فرماتے، ضروری مشورہ دیتے، اصلاح فرماتے، حوصلہ افزائی فرماتے جس سے خوب محنت کرنے کا جذبہ وشوق پیدا ہوتا، کتابیں مطالعہ کے لئے عنایت فرماتے، جن طلبہ کو ہونہار دیکھتے ان کے لئے فتاویٰ سے متعلق کتب شامی وغیرہ خرید کر عنایت فرماتے اور درمیانی سال میں بھی کچھ ضروری کتابیں سب طلبہ کو تقسیم فرماتے اس تقسیم کتب کی سال کے اندر کئی بار نوبت آتی۔

تمرین ومشق فتاویٰ کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت واصلاح کی بھی پوری فکر فرماتے، کسی بزرگ سے بیعت ہونے کی طرف متوجہ فرماتے، جو حضرت سے بیعت کی درخواست کرتے استخارہ مسنونہ کا حکم فرماتے پھر بھی ان کا اصرار ہوتا تو بیعت فرمالیتے اور ان کے لئے اذکار واشغال ان کے حسب حال تجویز فرمادیتے، اس طرح ان کو ذکر وشغل سے بھی مناسبت پیدا ہوجاتی کہ پھر بعد فراغت اس کو مزید بڑھاتے۔

سال کے اخیر میں طلبہ کا امتحان ہوتا ہے حضرت والا کی خواہش تھی کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں امتحان ہو، تاکہ رمضان اور رویت ہلال سے متعلق مسائل سے بھی مناسبت اور واقفیت ہوجائے اس کو تجویز بھی کردیا گیا تھا مگر اس پر عمل کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ پھر شعبان ہی میں امتحان کا سلسلہ شروع ہوگیا، مگر اب ایک سال کے بجائے، دوسال تمرین فتاویٰ کے لئے تجویز کردئے گئے۔

امتحان سے فراغت پر دارالعلوم کی طرف سے طلبہ کو افتاء کی سند بھی دیجاتی، حضرت والا بھی اس پر دستخط فرماتے، اپنی خصوصی سند دینے کا حضرت والا کا دستور نہیں رہا اور سند کا زیادہ شوق بھی حضرت کو پسند نہیں تھا، جس طالبِ علم میں سند کا شوق دیکھتے اس کو حضرت تھانویؒ کا قصہ سناتے کہ جب مدرسہ والوں نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو سند دینے اور دستار بندی کا ارادہ فرمایا تو ان حضرات نے درخواست دی کہ ہم نے سنا ہے کہ اربابِ مدرسہ ہم کو سند دینا اور دستار بندی کرنا چاہتے ہیں ایسا ہرگز نہ کیا جائے، چوں کہ اس سے دارالعلوم بدنام ہو جائے گا کہ ایسے نااہلوں کو سند دی اور ان کی دستار بندی کی، ہم ہرگز اس کے اہل نہیں۔

کوئی حضرت والا سے سند کی درخواست کرتا تو اس کو بھی یہی ارشاد فرماتے ''میرے پاس سند کا کوئی پُرزہ بھی نہیں، کسی نے آج تک پوچھا بھی نہیں کہ تیرے پاس سند ہے یا نہیں، پوری زندگی بلا سند ہی گزر گئی''۔

فراغت کے بعد جب طلبہ اپنے وطن واپس جاتے ان کو معمولات کی پابندی اور درس وتدریس شروع کرنے کی تاکید فرماتے، بعض خواص کے لئے خود سے جگہ تجویز فرما کر وہاں بھیج دیتے، بقیہ کے لئے بھی برابر فکر فرماتے اور آنے جانے والوں سے حالات دریافت فرماتے رہتے، بعض مدرسہ والوں کو از خود بھی متوجہ فرماتے کہ فلاں کو اپنے یہاں رکھ لو۔ اگر مدرس کی جگہ خالی نہ ہوتی تو فرماتے کہ بلا تنخواہ ہی فلاں کو رکھ لو اور دو چار کتابیں اس کو دے دو تا کہ ابتدائی کتابیں نکل جائیں اور کتابوں سے کچھ مناسبت ہو جائے، ان کو دوسری جگہ بھیجنا ہے اس کے بعد پھر کسی دوسری جگہ کے لئے تجویز فرما کر بھیج دیتے۔ جو طلبہ کسی جگہ کام شروع کرتے ان کی بھی پوری خبر گیری رکھتے، مفید مشوروں سے نوازتے رہتے اور کتابوں کی ضرورت ہوتی تو بڑی بڑی قیمتی کتب خرید کر عنایت فرماتے۔

فقہ وفتاویٰ میں مناسبت پیدا ہونے کی تدبیر

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ فتویٰ کی مشق کرنے والے طلبہ میں فقہ وفتاویٰ سے کمالِ مناسبت پیدا ہو جائے، ان کو ترغیب دیتے، رہنمائی فرماتے، ترغیب کے لئے کوئی مسئلہ بیان فرماتے ہوئے کتابیں کھول کر دکھاتے اور ضعف کے باوجود کوئی سستی نہ کرتے، فوراً کتاب اٹھا کر لاتے اور مسئلہ نکال کر دکھاتے، بعض مرتبہ متعدد بار اس کی نوبت آتی۔

فقہ میں مناسبت اور مہارت پیدا ہونے کے لئے بدائع الصنائع، شامی، فتح القدیر زیلعی شرح کنز (تبیین الحقائق) کے مطالعہ کی تاکید فرماتے اور فرمایا کرتے۔

اصول اور لِم کے لئے بدائع الصنائع، جزئیات کے لئے شامی، تعارضِ ادلہ کے لئے فتح القدیر، اور استدلال بالحدیث کے لئے زیلعی کا مطالعہ بہت مفید ہے، تفسیر میں مہارت ومناسبت کے لئے تفسیر مظہری، تفسیر عزیزی، تفسیر روح المعانی، احکام القرآن للجصاص اور تفسیر کبیر للامام رازی کی تاکید فرماتے۔

فرقِ باطلہ کی تردید کے لئے طلباء کی تیاری

فرقِ باطلہ کی تردید وبیخ کنی حضرت والا قدس سرہ کی زندگی کا اہم مشغلہ رہا ہے(۱)، حضرت والا طلباء کو بھی اس کی طرف توجہ دلاتے اور ان کی ذہن سازی فرماتے، فرق باطلہ کے ساتھ اپنی گفتگو اور مکالمات بڑی دلچسپی کے ساتھ تفصیل سے سناتے، اپنے اور دیگر اکابر علمائے حق کے مناظروں کے واقعات وحالات بھی تفصیل سے سناتے، متعلقہ کتب کی طرف رہنمائی بھی فرماتے، جو طلباء باذوق اور ذہین ہوتے ہیں ان پر خاص توجہ فرماتے جس کی وجہ سے طلبہ میں فرقِ باطلہ کی تردید وبیخ کنی کا خاص ذوق ومزاج پیدا ہوجاتا اور اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ کر دیگر مشاغل کے ساتھ اس نوع کے فتنوں کی سرکوبی سے بھی غفلت نہ کرتے۔ چنانچہ آج کثیر تعداد ان اصحابِ افتاء کی ملک وبیرون ملک میں موجود ہے جنھوں نے حضرت قدس سرہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور حضرت سے فتویٰ نویسی کی تمرین ومشق کی اور اب وہ فقہ وفتاویٰ کی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں، بلکہ خود دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، شاہی مرادآباد، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، جامعہ رحمانیہ ہتورہ باندہ اور ملک کے دیگر بڑے مدارس میں اور غیر ممالک میں بھی متعدد مدارس میں مسندِ افتاء کو زینت بخشنے والے عموماً حضرت والا قدس سرہ کے تلامیذ ومسترشدین ہی نظر آتے ہیں۔ ان اصحابِ افتاء کی بھی خاصی تعداد ہے جنھوں نے افتاء کی تمرین ومشق تو حضرت قدس سرہ سے نہیں کی، البتہ استفادہ کیا اور حضرت والا نے ان کی سرپرستی اور رہنمائی فرمائی، مشوروں سے نوازا اور انھوں نے فقہ وفتاویٰ کی عظیم خدمات انجام دیں یا انجام دے رہے ہیں۔

زندۂ جاوید ہیں تیرے فدائی، جاں نثار
جن کے دم سے آئی اس صحرائے اعظم میں بہار
جن کے خونِ دل سے تاریخیں بنی ہیں زرنگار
شاہدِ عظمت ہے جن کی گردشِ لیل ونہار

---

(۱) اس کا اندازہ (كتاب الإيمان والعقائد، باب الفرق الباطلة) سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

امراض وتکالیف

قبض اور ہچکیوں کی تکلیف

بچپن میں حضرت والا کو قبض کی بھی سخت تکلیف ہوئی، جس کی وجہ سے حضرت کو مسہل دیا جاتا تھا، جو سخت بدبودار ہوتا تھا۔

ہچکیاں

ہچکیوں کی تکلیف بھی حضرت والا کو کئی مرتبہ ہوئی، یہ تکلیف بہت سخت ہوتی تھی کسی طرح سکون نہیں ہوتا تھا جس کی وجہ سے نیند بھی نہیں آسکتی تھی، کئی کئی روز بلکہ بعض دفعہ ہفتہ دو ہفتہ تک اس کا سلسلہ شب وروز چلتا تھا کہ کسی کروٹ چین نہ ملتا۔

آنکھ کا آپریشن

۱۹۷۶ء میں ایک دفعہ ایک مسئلہ کی تلاش تھی، کئی روز ہوگئے، متعدد کتابوں میں تلاش کیا، نہیں ملا، ایک روز صبح سے ہی اس کو تلاش کرنا شروع کیا تلاش کرتے کرتے دوپہر ہوگئی نہیں ملا، اسی فکر میں لیٹ گئے، نماز ظہر کے لئے اٹھے تو بائیں آنکھ میں درد تھا، ڈاکٹر کو دکھایا اس نے معائنہ کرکے بتایا کہ آنکھ کا پردہ پھٹ گیا اور آنکھ پر کسی چیز کا وزن پڑا ہے جس کی وجہ سے پردہ پھٹا ہے، اس کو بتایا گیا کہ وزن تو کوئی نہیں پڑا، ڈاکٹر نے کہا وزن کسی چیز ہی کا نہیں ہوتا بلکہ فکر کا بھی وزن ہوتا ہے، کسی فکر کا بوجھ پڑا ہے، بتایا گیا کہ ایک مسئلہ کی تلاش تھی اس کی فکر تھی تلاش کرتے کرتے دوپہر ہوگئی اسی فکر میں سوگئے، سوکر اٹھے تو آنکھ کی یہ حالت تھی۔

ڈاکٹر نے بتایا اسی فکر کا بوجھ پڑا جس سے پردہ پھٹ گیا، گویا اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر آنکھ جیسی عزیز اور قیمتی چیز کو قربان کردیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت مبارک ایک موقع پر زخمی ہوگئی اور خون نکل آیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت مبارک کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"هل أنت إلا أصبع دميت وفي سبيل الله مالقيت"(۱)

"تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوگئی ہے اور اللہ کے راستہ ہی میں ہے جس سے تو نے ملاقات کی"۔
یعنی جو کچھ پیش آیا اللہ کے راستہ ہی میں پیش آیا۔

حضرت والا بھی آنکھ کا پردہ پھٹنے کے باوجود انتہائی مطمئن تھے اور بزبانِ حال گویا:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت والا قدس سرہ آپریشن کے لئے تیار نہ تھے جب کوئی اصرار کرتا تو فرماتے: حق تعالیٰ شانہ نے آنکھ لینے پر جنت کا وعدہ فرمایا ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "إذا ابتليتُ بحبيبتيه ثم صبر، عوّضتُه منهما الجنة" –يريد عينيه–"۔ (رواه البخاری) (مشكوٰة شريف، ص: ۱۳۵)(۲)

ترجمہ: "میں جب اپنے کسی بندہ کو اس کی دو محبوب چیزوں (آنکھوں) میں مبتلا کرتا ہوں (بینائی لے کر) پھر وہ صبر کرتا ہے میں اس کو ان کے بدلہ میں جنت عطا کرتا ہوں"۔

میں اس عظیم بشارت کو کیوں چھوڑ دوں۔ اور فرمایا کرتے:

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی بینائی جاتی رہی انھوں نے آپریشن نہیں کرایا، ان سے کہا گیا تو یہی جواب دیا تھا کہ آنکھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی بشارت ہے، میں اس بشارت کو کیوں چھوڑ دوں۔

عرض کیا گیا کہ آپ کی آنکھوں سے مخلوق کو بہت فائدہ پہنچتا تھا وہ ختم ہوگیا، اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: "اس میں میرے کس اختیار کو دخل ہے، جب تک اللہ کو منظور ہوا کام لیا، جب منظور نہیں ہوا نہیں لیا، میں

(۱) "عن جندب بن سفيان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعض المشاهد، وقد دميت أصبعه، فقال : (شعر) "هل أنت إلا أصبع دميت ...... اهـ". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب من ينكب أويطعن في سبيل الله: ۱/۳۹۳، قديمي)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المريض، قبيل الفصل الثاني، ص: ۱۳۵، قديمي)

(وأخرجه البخاري في صحيحه في كتاب المرضى، باب فضل من ذهب بصره، عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه : ۲/۸۴۴، قديمي)

بشارت کو کیوں چھوڑوں''۔ بالآخر مدت العمر اسی طرح رہے اور آپریشن نہیں کرایا، اس لئے میں ہی کیوں کراؤں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے آپریشن کے لئے فرمایا تب بھی یہی جواب دیا، اس پر حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے فرمایا: ''میں تو اپنی آنکھوں کا کام بھی آپ کی آنکھوں سے ہی لیتا ہوں۔''

چوں کہ حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کی بینائی بھی جاتی رہی تھی اور کسی تحقیق کی ضرورت پیش آتی تھی تو حضرت قدس سرہ کو ہی اس کا حکم فرمایا کرتے تھے، حضرت والا قدس سرہ اس کو تلاش کر کے حضرت شیخ قدس سرہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی خواہش اور حکم کی تعمیل میں آپریشن کرانے پر رضامند ہوئے۔

دوسرا آپریشن

۱۹۷۷ء حج میں تشریف لے گئے، مکہ مکرمہ -زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً- سے منیٰ جاتے ہوئے راستہ میں دائیں آنکھ کا پردہ پھٹا وہاں حج کی مشغولی میں کسی ڈاکٹر کو دکھا بھی نہ سکے، حج کے ایام اسی حالت میں پورے کئے، حج سے فراغت پر مدینہ طیبہ -زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً- حاضری ہوئی، وہاں اس ڈاکٹر نے آنکھ کا معائنہ کیا، جس نے حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کا آپریشن کیا تھا۔

حج کے بعد حضرت قدس سرہٗ کا برطانیہ کا سفر طے تھا، حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب زید مجدھم، مہتمم دارالعلوم بری، یوکے، کا بہت سخت اصرار تھا کہ آپریشن برطانیہ ہی میں ہو اور وہاں حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب زید مجدہم نے دارالعلوم بری سے قریب ہی شہر مانچسٹر ہسپتال میں آپریشن تجویز کیا۔ ہسپتال میں حضرت کو داخل کر دیا گیا اور ابتدائی مراحل کے بعد آپریشن کیا گیا، دو ماہ تقریباً ہسپتال میں رہنا پڑا مگر آپریشن میں کامیابی نہیں ہوئی اور آنکھ میں روشنی نہیں آسکی۔

تیسرا آپریشن

جب برطانیہ میں آپریشن میں کامیابی نہ ہوسکی اور طویل قیام اور ڈاکٹروں کی کوشش کے باوجود آنکھ میں روشنی نہ آسکی تو یہ طے ہوا کہ کلکتہ کے ڈاکٹروں کی نگرانی میں علاج جاری رکھا جائے، چنانچہ برطانیہ سے سیدھے

کلکتہ تشریف لے گئے اور وہاں میڈیکل ہسپتال میں داخل کئے گئے، وہاں کے ڈاکٹروں نے برطانیہ کے ڈاکٹروں کو ناکامی کا ذمہ دار قرار دیا اور قصوروار ٹھہرایا اور اسی دائیں آنکھ کا جس کا آپریشن برطانیہ میں ہو چکا تھا دوبارہ آپریشن کر دیا مگر کامیابی نہ ہو سکی۔

چوتھا آپریشن

اس لئے ڈاکٹروں کی رائے ہوئی کہ پھر دوبارہ آپریشن ہو چنانچہ ڈاکٹروں نے دوبارہ آپریشن کیا، بہت کوشش کی مگر تقدیر خداوندی کے سامنے سب عاجز و بے بس ہیں، ان تینوں آپریشن میں تقریباً سو دن صرف ہوئے، اور بار بار آپریشن کی وجہ سے آنکھ بالکل بیٹھ گئی اور آئندہ آپریشن کے قابل نہ رہی۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

پانچواں آپریشن

اللہ پاک کی قدرت کہ ۱۹۷۹ء میں پھر اسی بائیں آنکھ میں موتیا اتر آیا، آپریشن کے لئے مختلف جگہوں سے پیش کش کی گئی، مدرسہ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا سعید احمد صاحب بزرگ قدس سرہ اور استاد حدیث و مفتی محترم مولانا مفتی احمد خان پوری دامت برکاتہم اور دیگر متعلقین کی طرف سے اصرار ہوا کہ ڈابھیل کے قریب قصبہ نوساری میں آپریشن ہو کہ وہاں ہم سب کو خدمت کا موقع ملے گا اور نوساری ہسپتال میں سب انتظامات بھی طے کرا لئے اور وہاں کے انتظامات اور سہولتوں کی تمام تفصیل حضرت والا کو لکھ کر دعوت پیش کی۔

ادھر کلکتہ کے حضرات کا پھر اصرار ہوا کہ کلکتہ ہی آپریشن ہو اور وہاں کے احباب کا ایک وفد آ پہنچا، تا کہ حضرت سے طے کرالیں کہ کب تشریف لے جائیں گے، تا کہ اس وقت آ کر حضرت کو کلکتہ لے جائیں اور وہاں آپریشن کرائیں، چنانچہ حضرت والا قدس سرہٗ کلکتہ تشریف لے گئے اور وہیں ہسپتال میں یہ آپریشن بھی ہوا۔

فالج کا حملہ اور آپریشن کے ذریعہ مشین کی فٹنگ

۱۴۱۱ھ میں کلکتہ کا سفر ہوا وہاں سے بنگلہ دیش کا سفر تھا کہ نماز کے دوران فالج کا حملہ ہوا، ہسپتال میں داخل ہو گئے اور الحمدللہ افاقہ ہوا، اور پھر بنگلہ دیش کے سفر پر جو علالت کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا تھا تشریف لے گئے۔ سفر سے واپسی پر کلکتہ ڈاکٹروں کو پھر دکھلایا، ڈاکٹر کی رائے ہوئی کہ دہلی میں ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب سے

معائنہ کرا کر مشورہ ضرور کرلیا جائے چنانچہ کلکتہ سے واپسی پر دہلی ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب سے معائنہ کے لئے ہسپتال میں داخل ہوئے، ڈاکٹر صاحب کی رائے ہوئی کہ دل کے ایک وال نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، اسی وجہ سے بیٹھ کر اٹھتے ہوئے دل میں خون کا دوران صحیح نہ ہونے کی وجہ سے چکر آتا ہے اور کسی وقت بھی کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے اس لئے فوراً آپریشن ضروری ہے۔

بعض احباب کی رائے آپریشن کی نہیں تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے اصرار کیا کہ آپریشن ضروری ہے اس لئے بجبوری آپریشن کرنا پڑا، دائیں سینہ پر آپریشن کر کے ایک مشین اندر رکھ دی اور اس کا تعلق دل سے کردیا کہ اگر کسی وقت دل کا وال کام نہ کرے وہ کام کرے گی۔ یہ آپریشن تو زیادہ اہم نہ تھا لیکن تکلیف سخت ہوئی۔

غیر اختیاری سنت پر عمل اور سحر کا اثر

حضرت والا قدس سرہ پر سحر بھی کیا گیا اور بار بار کیا گیا اور سخت خطرناک کیا گیا جس کی وجہ سے سخت تکالیف برداشت کرنا پڑیں، اللہ کا فضل ہے اللہ پاک نے حفاظت فرمائی، گو حضرت والا قدس سرہ خود زبردست عامل تھے اور ہزاروں بندگانِ خدا جنات وسحر سے پریشان، حضرت قدس سرہ کے تعویذ یا دم (یا ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتادیا) سے شفایاب ہوئے، مگر سحر تو خود حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کیا گیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر بھی ہوا اور اس کے علاج کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے معوذتین (قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس) نازل فرمائیں (۱)۔

حضرت والا قدس سرہ جو زندگی میں پیش آنے والی ہر ہر جزئی میں اتباع سنت کو اختیار فرماتے تھے اور

(۱) قال الإمام ابن كثير: "ورواه الإمام أحمد أيضاً عن إبراهيم بن خالد ...... (إلى قوله): فدبت إليه اليهود، فلم يزالوا به حتى أخذ مشاطة رأس النبي صلى الله عليه وسلم وعدةً من أنسانِ مشطه، فأعطاها اليهود، فسحروه فيها، ...... فمرض رسول الله صلى الله عليه وسلم، وانتثر شعر رأسه، ولبث ستة أشهر يرى أنه يأتي النساء ولا يأتيهن، وجعل يذوب ولا يدرى ماعراه (إلى قوله) فأنزل الله تعالىٰ السورتين، فجعل كلما يقرأ آيةً انحلّت عقدة، ووجد رسول الله صلى الله عليه وسلم خفةً حين انحلت العقدة الأخيرة". (تفسير ابن كثير؛ قبيل سورة الناس: ۴/ ۷۴۶، ۷۴۷، مكتبه دارالسلام رياض)

(وكذا في روح المعاني، تحت قوله تعالىٰ: (ومن شر النفاثاتِ في العقد): ۳۰/ ۲۸۲، ۲۸۳، داراحياء التراث العربي، بيروت)

ان کی پوری زندگی اتباعِ سنت کے نور سے منور تھی اور سنت سے ادنیٰ انحراف بھی گوارا نہ کیا، مشیتِ ایزدی کا تقاضا ہوا کہ غیر اختیاری سنتوں کے انوار وفوائد سے بھی ان کو مستنیر ومستفید کیا جائے، انھیں غیر اختیاری سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ پر سحر بھی کیا گیا اور آپ پر اس کا اثر بھی ہوا۔

سحر کا اثر ہندوستان میں، بالخصوص دیوبند قیام کے دوران زیادہ محسوس ہوتا تھا، بیرونِ ہند کے سفر پر جاتے ہی افاقہ ہوجاتا تھا، بعض دفعہ طویل سفر پر رہے، کوئی اثر نہ ہوا، طبیعت بہت اچھی رہی اور سفر سے واپسی پر ہندوستان پہنچے اور اثر شروع ہوگیا اور دیوبند پہنچ کر اس میں اَور شدت ہوجاتی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ پر بھی سحر کیا گیا تھا، حضرت مدنی قدس سرہ کا مقولہ بھی حضرت والا قدس سرہ نے سنایا کہ حضرت مدنی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''دیوبند کے اتنے میل کے اندر اندر اثر ہوتا ہے اس حد سے باہر چلا جاتا ہوں اثر نہیں رہتا'' اور فرمایا کرتے تھے: ''ہر وقت ارواحِ خبیثہ کا ہجوم رہتا ہے، کچھ پڑھتا رہتا ہوں سکون رہتا ہے، پڑھنا چھوڑا فوراً ان کا حملہ شروع ہوجاتا ہے''۔

اس ضرورت اور پریشانی کی وجہ سے بھی مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدہم بعض دفعہ حضرت قدس سرہ کو بیرونِ ہند کے سفر پر لے جاتے۔

۱۴۱۴ھ میں دہلی ہسپتال میں برائے علاج قیام کے دوران حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی زِیدَ مجدہم کو خواب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے حضرت والا قدس سرہ پر سحر اور اس کے علاج کی طرف توجہ دلائی، حضرت مولانا زید مجدہم نے سحر کا علاج فرمایا اور اپنے معتمدِ خاص محترم مولانا ارشاد احمد صاحب قدس سرہ مبلّغ دار العلوم دیوبند کو ہسپتال میں بھیج کر وظیفہ پڑھوایا، موصوف ہر روز بلا ناغہ پڑھتے، اللہ پاک نے اس کی برکت سے حضرت والا قدس سرہ کو افاقہ دیا، صحت یابی کے شکرانہ میں حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب زِیدَ مجدہم نے ایک بکرا ذبح کیا۔

اس کے بعد حضرت اقدس قدس سرہ کا سفر عمرہ بھی صحت یابی کے شکرانہ میں تھا۔

شدتِ علالت اور آپریشن

ہندوستان سے افریقہ تشریف لے جانے کے بعد ابتداءً طبیعت اچھی رہی اور حسبِ سابق تمام معمولات جاری رہے۔

حضرت قدس سرہ کے گردہ میں پہلے سے تکلیف تھی جس کا پہلے سے علاج جاری تھا، نیز گردہ سے مثانہ کی جانب جانے والی نالی میں غدود پیدا ہوگئے تھے ان کا علاج بھی جاری تھا، غدود بڑھ کر مثانہ میں پھیل گئے اور کینسر کی شکل اختیار کر گئے جس سے تکلیف میں شدت پیدا ہوکر نا قابلِ برداشت حد کو پہنچ گئی کہ ان سے پیشاب کا راستہ بند ہوکر گردہ متاثر ہونے لگا، ڈاکٹروں سے مشورہ برابر جاری رہا، کوشش کی گئی کہ دواؤں کے ذریعہ سے اس کا علاج ہوجائے۔

حضرت قدس سرہ کے معالجِ خصوصی ڈاکٹر عبدالحی بُلبلیا امریکی بھی امریکہ سے سفر کر کے خاص طور پر اسی مقصد کے لئے حاضر ہوگئے انھوں نے معائنہ کیا، ادھر حضرت قدس سرہ کے دوسرے معالجِ خصوصی ڈاکٹر محمد لہر صاحب افریقی ہر دو صاحبان نے گردہ کے ماہر ڈاکٹر محمد خان صاحب کے ساتھ مل کر غدود کی صفائی کی جو الحمد للہ کامیاب رہی، پھر چار ہفتے تک ہر ہفتہ اس کی صفائی ہوتی رہی۔ ابھی ایک صفائی اَور ہونا باقی تھی کہ ڈربن شہر کا سفر ہوگیا، چوں کہ ڈربن شہر اور اس کے اطراف میں حضرت قدس سرہ کے اہلِ تعلق وارادت کثیر تعداد میں ہیں اور ابھی تک وہاں کا سفر اس موقع پر نہیں ہوسکا تھا ان سب کی تمنا وخواہش بلکہ اصرار تھا کہ وہاں سفر ضرور ہو، اس لئے اس خیال سے کہ ڈربن کے سفر کے بعد ایک صفائی جو باقی ہے ہوجائے گی اور پھر مجوزہ نظام کے مطابق سفر پر روانہ ہوجائیں گے۔

۱۶/ جولائی کو حضرت قدس سرہٗ صوبہ ناٹال کے شہر ڈربن تشریف لے گئے، وہاں اکثر قیام مدرسہ تعلیم الدین اسپنگو بیچ مفتی ابراہیم صالح جی کے مدرسہ میں رہا، وہاں سے مرکزِ تبلیغ اور مختلف اداروں میں اور مدرسوں میں تشریف بری ہوتی رہی۔

۷/ اگست کو سابقہ امراض کے ساتھ ایک نئی صورتحال پیدا ہوگئی، کچھ فالج کا اثر بھی ہوگیا جس کی وجہ سے غذا کا نگلنا اور کھانسی کے وقت بلغم کا نکالنا مشکل ہوگیا، اس کے ساتھ ساتھ غذا اور پانی، سانس کی نالی کے ذریعے پھیپھڑہ مین پہنچنا شروع ہوگیا، جس کی مشین کے ذریعہ صفائی کی جاتی رہی، اس درمیان کبھی کچھ افاقہ اور کبھی کچھ اضافہ دونوں صورتیں ہوتی رہیں۔

آخری دعاء اور آخری حدیث شریف

اس سب کے باوجود تین مجالس اہتمام سے ہوتی رہیں: فجر کے بعد مجلسِ ذکر، بعد عصر مجلسِ عام، عشاء کے بعد مجلسِ صلوٰۃ وسلام۔ مجلسِ صلوٰۃ وسلام کے بعد حضرتؒ خود ہی دعاء فرمایا کرتے تھے۔ ۱۷/ اگست کو حضرتؒ نے آخری دعاء فرمائی۔ ۱۸/ اگست بروز اتوار کو کچھ علمائے کرام عیادت کے لئے حاضر ہوئے ان میں سے بعض نے حسنِ خاتمہ کا عمل دریافت کیا، حضرتؒ نے چند لمحے سکوت فرمانے کے بعد یہ حدیث پاک سنائی:

"من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة".(۱) "جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا"۔ یہ آخری حدیث ہے جو آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئی۔ ۱۸/ کی شب میں مرض میں اضافہ ہوگیا، ڈاکٹر لہر صاحب نے پانی وغیرہ نکالا، ۱۹ر کو کچھ افاقہ محسوس ہوا۔

دنیا سے انقطاعِ کلی

اس درمیان دنیا سے انقطاعِ کلی کی سی کیفیت طاری رہتی تھی، محسوس ہوتا تھا کہ دنیا سے بالکل تعلق ختم کرکے مکمل طور پر آخرت کی طرف متوجہ ہیں اور گویا منتظر ہیں کہ کب ملک الموت تشریف لاتے ہیں اور اس دارِ فانی سے دار البقاء کی طرف دروازہ کب کھلتا ہے۔

کبھی غنودگی اور ربودگی کی سی کیفیت ہوتی عموماً خاموش لیٹے رہتے، کچھ افاقہ ہوتا تو زبان پر ذکر اللہ جاری رہتا، تلاوتِ کلام اللہ فرماتے، کبھی مکمل سکوت، کبھی سلام کرنے والوں کا جواب بھی مرحمت فرماتے۔

مکمل سکوت کی حالت میں بھی محسوس ہوتا کہ ذکرِ "پاس انفاس" برابر جاری ہے۔

مرض الوفات

۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ، ۲/ ستمبر بروز دوشنبہ (پیر) طبیعت اچانک زیادہ بگڑ گئی، ضعف انتہائی درجہ کو پہنچ گیا اور آفتاب غروب ہونے کے کچھ دیر بعد (۲/ ستمبر ۱۹۹۶ء کو ہندوستان میں ۱۷ر ربیع الثانی تھی، گویا ۱۸/ کی شب جب کہ افریقہ میں ۱۹/ کی شب تھی) ۱۹/ ربیع الثانی منگل کی شب میں ساڑھے سات بجے، ہندوستان میں

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب مایقال عند من حضره الموت، الفصل الثانی، ص: ۱۴۱، قدیمی)

(وأخرجه أبو داؤد فی سننه فی کتاب الجنائز، باب فی التلقین: ۲/۸۸، امدادیه)

ساڑھے دس بجے یہ آفتابِ رشد وہدایت بھی غروب ہوکر علمی دنیا کو اندھیر کر گیا۔

جس نے خدائے پاک کے دین کی خاطر زندگی کا ایک ایک لمحہ قربان کیا تھا، اپنی اس مستعار زندگی کو بھی اس کے سپرد کر دیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون۔

گویا آپ کا رواں رواں پکار رہا تھا ؎

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تم پر
مگر یہ زندگی ہے مستعار رکھتے ہیں

اور جو شخصیت دین کی خاطر ہمیشہ بے قرار رہتی تھی، زندگی کا آخری لمحہ تک دین پر نثار کرنے کے بعد جان جانِ آفریں کے حوالہ کر کے آخر اس بے قرار شخصیت کو قرار آ ہی گیا۔ ؎

جان دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

"إن لله ما أخذ، وله ما أعطى، وكل شئ عنده بأجل مسمى". (مسند احمد، رقم: ۲۱۲۶۹)

نماز جنازہ

لوگوں کی خواہش تھی نماز جنازہ مولانا ابراہیم صاحب زید مجدہم پڑھائیں، کیوں کہ وہی اس منصب کے سب سے زیادہ اہل تھے لیکن غم واندوہ کی تصویر بنے ہوئے مولانا ابراہیم صاحب شدتِ غم سے اتنے نڈھال تھے کہ وہ اس امر کے لئے تیار نہ ہوسکے، آخر کار مشورہ سے ہندوستان سے آئے ہوئے مہمانِ خصوصی حضرتؒ کے تلمیذ رشید وخلیفہ ومجاز حضرت مولانا مفتی ابو القاسم صاحب بنارسی زید مجدہم شیخ الحدیث مدرسہ جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس ورکنِ شوریٰ دار العلوم دیوبند کا نام تجویز کیا گیا، نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔

نماز جنازہ کے دوران مجمع شدتِ غم سے بے قابو تھا لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں، نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں کے مجمع کا اندازہ تقریباً دس ہزار کا تھا، سرزمینِ افریقہ نے شاید ہی اس سے قبل کسی جنازہ میں اتنا مجمع دیکھا ہوگا۔

جنازہ میں جنوبی افریقہ کے علاوہ بعض غیر ملکی حضرات نے بھی شرکت کی، بالخصوص مولانا عبد الرحیم

صاحب متالا زید مجدہم مع رفقاء زمبیا سے، مولانا بدر عالم صاحب زید مجدہم ری یونین سے، مولانا مفتی ابو القاسم صاحب زید مجدہم ہندوستان سے جو پہلے سے جنوبی افریقہ حضرتؒ کی خدمت میں پہنچے تھے، بھی شریک ہوئے۔

نمازِ جنازہ قبرستان میں ادا کی گئی اور جہاں نماز جنازہ ہوئی اس جگہ سے قبر شریف قریب ہی تھی، لیکن ہجوم بے قابو تھا بڑی مشکل سے راستہ بنا کر قبر تک جنازہ لایا گیا۔

تدفین

حضرت کی تدفین ہیزل ڈین سے ۳/ کلومیٹر فاصلہ پر ایلسبرگ کے قبرستان میں ہوئی، جہاں مولانا ابراہیم صاحب زید مجدہم کے والدین مرحومین اور اہلِ خاندان کی قبریں ہیں۔ حضرتؒ کی قبر مبارک مولانا ابراہیم صاحب کی والدہ کی قبر کے دائیں جانب بنائی گئی۔ قبر میں اترنے والوں میں مولانا ابراہیم صاحب پانڈور، مولانا موسیٰ صاحب پانڈور، مفتی ابراہیم صالح جی صاحب مہتمم مدرسہ اسپنگو بیچ، مفتی رضاء الحق صاحب مفتی دار العلوم زکریا اور مفتی اسماعیل عبد الرحیم صاحب مہتمم مدرسہ دار البنات و مہتمم جامعہ محمودیہ اسپرنگس شامل تھے۔

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے فتاویٰ پر تصحیح و تصویب کی غرض سے بہت سے حضرات علمائے کرام کے دستخط ثبت ہیں، لیکن جن حضرات کی دستخط اکثر فتاویٰ میں ہیں ان کے حالاتِ زندگی کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے، وہ حضرات یہ ہیں:

۱- حضرت مولانا الحاج سید عبد اللطیف صاحب، ناظم مظاہر علوم سہارنپور۔
۲- حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب، مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔
۳- حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب، مفتی دار العلوم دیوبند۔
۴- حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب، مفتی دار العلوم دیوبند۔

حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

آپ کے والد ماجد کا نام مولانا جمعیت علی صاحب ہے، آپ کی ولادت پور قاضی ضلع مظفرنگر میں ہوئی، تحقیقی طور پر آپ کا سنِ پیدائش معلوم نہیں، تخمینی اندازہ ۱۲۹۹ھ کا ہے۔

قرآن پاک اپنے وطن میں حافظ امانت علی صاحب بگھروی کے پاس رہ کر حفظ کیا، حافظ صاحب موصوف مدرسہ تعلیم القرآن جامع مسجد پورقاضی میں پڑھاتے تھے۔ حفظ القرآن کے بعد ابتدائی کتب فارسی اپنے والد محترم سے بہاولپور جاکر پڑھیں۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بہاولپور تشریف لے گئے تو اس موقع پر والد محترم نے مولانا کو دینی تعلیم کے لئے حضرت اقدس سہارنپوری کے حوالہ کردیا اور آپ اس طرح حضرت کے ہمراہ سہارنپور آگئے ۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۳۱۵ھ میں آپ کا داخلہ جامعہ مظاہر علوم میں ہوا، اس وقت آپ کی عمر سولہ ۱۶/ سال تھی۔

۱۳۲۲ھ میں آپ نے کتبِ صحاح کے ساتھ بیضاوی، ہدایہ آخرین اور قاضی مبارک پڑھ کر فراغت پائی۔ ۱۳۲۳ میں شعبۂ فنون میں داخلہ لے کر توضیح تلویح، دیوان متنبّی، صدرا پڑھی۔

آپ نے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ شریف حضرت اقدس سہارنپوریؒ سے، نسائی شریف حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ سے اور مشکوٰۃ شریف مولانا ثابت علی صاحبؒ سے پڑھی ہیں۔

دورۂ حدیث کے امتحان سالانہ میں موصوف اپنی تمام جماعت میں اول نمبر پر آکر کامیاب ہوئے جس پر آپ کو منجانب مدرسہ بطورِ انعام تفسیر بیضاوی شریف، سورہ بقرہ، مسامرہ شرح مسایرہ، تاریخ تیموری فتوح الشام دی گئیں۔

درس وتدریس

فراغت کے بعد ۱۳۲۳ھ میں آپ اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کی تجویز کے مطابق مظاہر علوم کے استاذ بنائے گئے۔

شوال ۱۳۳۹ھ میں آپ استاذ حدیث بنائے گئے، چوں کہ اس زمانہ میں حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ بذل المجہود کی تالیف میں مشغول تھے، اس لئے صبح کے وقت کے تمام اسباق دوسرے اساتذہ پر تقسیم

کئے گئے، مولانا کے پاس بخاری شریف اور ترمذی شریف کے اسباق آئے، اس طور پر پہلی مرتبہ حدیث کی ان دو کتابوں کا درس مولانا کے حوالہ ہوا۔

مولانا موصوف جید الاستعداد علماء میں سے تھے، ہرفن کی کتب بلا تکلف پڑھاتے، درس نظامی کی تمام کتابوں پر آپ کو عبور حاصل تھا لیکن آپ کی محنت کا اصل میدان حدیث شریف تھا، فنِ حدیث کی بلند وبالا کتاب بخاری کا درس سالہا سال تک آپ نے دیا ہے۔ ۱۳۲۴ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوریؒ حجاز تشریف لے جارہے تھے تو صحاح ستہ کے اسباق حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ پر تقسیم کئے گئے، حضرت شیخ قدس سرہٗ جب مدینہ منورہ سے واپس آئے تو وہ بھی اساتذۂ حدیث کی اس بزم میں شامل ہوئے۔ ۱۳۴۶ھ سے لے کر ۱۳۷۲ھ تک بخاری شریف جلد ثانی کا درس حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کے یہاں ہوتا تھا۔

اہتمام وانتظام

حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ جب ۱۳۳۳ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو عارضی طور پر آپ مظاہر علوم کے ناظم بنائے گئے، آپ نے اس موقع پر انتہائی تیقظ اور بیدار مغزی کے ساتھ اہتمام کے فرائض انجام دیئے اور اپنی اہلیت وصلاحیت کا اعتراف اپنے اکابر سے کرایا۔

۱۳۴۷ھ تک حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب نوراللہ مرقدہٗ مہتمم اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ ناظم رہے۔ ۲۰/ جمادی الثانیہ، ۱۳۴۷ھ میں حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ کے وصال پر یہ دونوں عہدے حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کو تفویض کئے گئے۔

بیعت تو آپ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے تھے مگر اجازت وخلافت حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے حاصل ہوئی۔

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ (مفتی محمود حسن گنگوہیؒ) نے آپ سے باقاعدہ تو کچھ نہیں پڑھا البتہ مظاہر علوم کے زمانۂ قیام میں طویل عرصہ تک فتاویٰ لکھ کر دکھاتے اور سناتے تھے اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نوراللہ مرقدہٗ اصلاح فرماتے تھے، اس اعتبار سے حضرت ناظم صاحبؒ کو فقیہ الامت قدس سرہٗ کے اساتذہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد نور اللہ مرقدہٗ

ولادتِ سعید

عید الاضحیٰ ۱۳۲۳ھ کا مبارک اور مسعود دن تھا، ہر طرف نور اور رحمت برس رہی تھی، لوگ اپنے روحانی باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور طریقے کی یاد تازہ کر رہے تھے، ایسے پُر سرور ماحول میں ضلع میرٹھ کے قصبہ اجراڑہ (جو ایک تاریخی اور قدیم قصبہ ہے) میں ایک خدا ترس، برگزیدہ شخصیت، باکمال و بااخلاق، دینداری میں ممتاز، اکابر وعلمائے کرام سے والہانہ عقیدت رکھنے والے فردِ فرید منشی نور محمد صاحبؒ کے یہاں فرزند کی ولادت ہوئی۔ کس کو خبر تھی کہ یہ معصوم بچہ آگے چل کر علامۂ وقت بنے گا، اور ہزاروں لوگ اس سے فیض یاب ہوں گے..............؟؟؟

حضرت مولانا محمد مظہر الحق صاحب چاند پوریؒ (خلیفۂ حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ) نے آپ کا نام محمد سعید تجویز فرمایا تھا، لیکن بڑے ہو کر کسی مصلحت کی وجہ سے ذرا ترمیم فرماتے ہوئے آپ نے اپنا نام ''سعید احمد'' کر لیا اور اسی نام سے شہرت پائی۔

ابتدائی تعلیم

چونکہ گھرانہ دیندار اور بزرگوں سے ربط وتعلق رکھنے والا تھا، خود حضرت مفتی صاحب کو تعلیم کی جانب بچپن ہی میں رغبت تھی، آپ کے چچا ملا عبد المجید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ سعید کو ابتداء سے پڑھنے کا شوق تھا کھیل کود میں جی نہیں لگاتے تھے۔ انہوں نے تعلیم کا آغاز اپنے جدِ امجد جناب منشی نصیب اللہ صاحبؒ سے کیا، قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھنے کے بعد تکمیل حضرت حافظ شاہ محمد حسین صاحبؒ سے کی جو قطب العالم حضرت گنگوہیؒ کے خادمِ خاص اور مولانا الیاس صاحبؒ کے خاص دوستوں میں تھے، حضرت شیخ کا نکاح ثانی انہوں نے ہی کرایا تھا، صاحبِ کشف وکرامت نہایت مخلص، بردبار، متقی، غلط رسومات سے سخت مجتنب اور اوصافِ حمیدہ کے پیکر تھے۔

حفظ مکمل ہوجانے کے بعد فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں بھی موصوف ہی کے مدرسہ اسلامیہ اجراڑہ میں پڑھیں۔

تعلیم کے دوران بڑے صبر آزما اور مشقت کے دور سے گزرے، سب سے عظیم حادثہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ جانا تھا، لیکن ایسے نازک موقعہ پر بھی بلند ہمتی سے کام لیا اور بڑے استقلال ومضبوطی کے ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھی۔ ۱۳۳۶ھ میں مظاہر علوم سہارنپور بغرضِ تعلیم داخل ہوئے اور بڑی مستعدی کے ساتھ تعلیم میں منہمک ہوگئے۔

حضرت مفتی صاحب کے چھوٹے فرزند حضرت مولانا اطہر حسین صاحب مدظلہ آپ کے زمانۂ طالب علمی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

''آپ نے عام طلبہ کی طرح زمانۂ طالب علمی نہیں گزارا بلکہ نہایت محنت اور شوق ورغبت کے ساتھ تعلیم حاصل کی، اپنی جماعت میں آپ اکثر اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کرتے رہے، اساتذہ کا ادب و احترام ہمیشہ پیشِ نظر رہتا، کبھی کسی استاد کو آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ طبیعت میں یکسوئی تھی، اس لئے طلبہ سے اختلاط پسند نہ تھا۔ موصوف ہم کو اور اپنے تلامذہ کو وقتاً فوقتاً ہدایت کیا کرتے تھے کہ زیادہ تعلقات ہرگز نہ بڑھاؤ، اس میں بڑے مفاسد ہیں، زمانہ طالب علمی میں آپ پر جو حالات گزرے وہ ہم نااہل طلباء کے لئے قابلِ عبرت ہیں۔

والد صاحبؒ نے ایک روز سنایا کہ بیٹے! جب ہم مظاہر علوم میں آئے تو یہاں مطبخ نہ تھا، صرف چار روپیہ یا اس سے کم نقد وظیفہ ملتا تھا، مدرسہ کے قریب ایک باورچی رہتا تھا اس سے کچھ طلباء کھانا خریدتے تھے، ہم نے بھی اس سے کھانا لینا شروع کیا، مگر وہ اس قدر چربی ڈالتا تھا کہ ایک دو روز کھانے کے بعد ہی گلا بالکل بیٹھ گیا اور آواز بالکل نہیں نکلتی تھی، اس لئے مجبوراً ہم نے کھانا بند کردیا اور کچھ چنے لاکر پسوائے ایک روٹی بناکر کھالی، سالن وغیرہ کا بھی کوئی اہتمام نہ تھا، ناشتہ وغیرہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔

تجوید وقرأت مدرسہ کے مجوّدِ اعلیٰ جناب قاری عبدالعزیز صاحب کاکوری (جنھوں نے مدینہ طیبہ میں فنِ تجوید وقرأت حاصل کیا تھا) سے پڑھی، مظاہر کے اساتذہ سے علوم وفنون کی تکمیل کی۔ حدیث شریف کے لئے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا ثابت علی نور اللہ مرقدہما کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

مظاہر علوم میں تقرر اور ایک خاص واقعہ

مظاہر علوم سے درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۳ھ میں افتاء سے فراغت حاصل کی، چونکہ علم کے ہر میدان میں آپ کو ملکۂ راسخہ اور پورا عبور حاصل تھا، اس لئے حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور کی درخواست پر حضرتِ اقدس سہارنپوریؒ نے خط تحریر فرما کر آپ کو سہارنپور بلایا جس کو حضرت مولانا اطہر حسین صاحب مدظلہٗ اس طرح ارقام فرماتے ہیں:

> ''حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرمانے لگے کہ بھائی تمہاری صلاحیت وقابلیت کی بناء پر میری رائے تمہارے متعلق اجراڑہ رہنے کی نہیں ہے بلکہ کسی مدرسہ میں جہاں درسی کتابیں ہوں ملازمت کرلو، اس وقت دو ملازمت آئی ہیں (غالباً ایک لکھنؤ کی تھی، دوسری کوئٹہ کی) ایک چالیس روپے ماہوار کی ہے اور ایک ساٹھ روپے ماہوار کی ہے اور بھائی! ہمارے یہاں تنخواہوں کا معیار بہت گرا ہوا ہے، میرے خیال سے تم بڑی جگہ ساٹھ روپے کی ملازمت پر چلے جاؤ، کیوں کہ لوگ مولویوں کو مطعون کرتے ہیں کہ ان کو کوئی معقول ملازمت نہیں ملتی۔ والد صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت! مجھے بڑی تنخواہ مطلوب نہیں، معمولی تنخواہ پر اگر حضرت کی خدمت میں رہنے کا موقع مل جائے تو میرے لئے بسا غنیمت ہے۔ حضرت اس جواب سے مسرور ہوئے اور حسبِ روئیداد مدرسہ ہٰذا ۱۳۴۳ھ درجہ تجوید میں مدرس درجۂ دوم مقرر کردیئے گئے''۔

سفرِ حجاز اور صدر مفتی کے عہدہ پر فائز ہونا

۱۳۵۱ھ میں آپ نے زیارتِ حرمین شریفین کے لئے حجاز کا پہلا سفر فرمایا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو فتاویٰ نویسی میں بھی خصوصی مقام عطا فرمایا تھا، ہم عصر علماء کے ساتھ اکابرِ علماء بھی آپ کے تفقہ کے معترف تھے، فقہ آپ کی فطرتِ سلیمہ میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ گویا آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی، اس کمال کے باعث آپ ۱۳۵۱ھ میں ہی مظاہر علوم کے صدر مفتی کے عہدہ پر فائز کردیئے گئے۔ اس کے علاوہ ۱۳۶۸ھ سے اخیر عمر تک مظاہر علوم کے صدر مدرس رہے، اور حسنِ انتظام وخوش اسلوبی سے اس فریضہ کو انجام دیا، ۱۳۵۲ھ میں آپ نے

دوسرا حج کیا۔

بعض عظیم المرتبت شخصیات کے اعترافات

اپنے دور کے اصحابِ بصیرت علمائے کرام آپ کی صلاحیت، محققانہ انداز، جزئیات پر خاص بلکہ تبحر فی العلم اور آپ کے فتاویٰ نویسی میں غایتِ احتیاط کے معترف تھے، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باوجود آپ کے شیخ ومرشد ہونے کے آپ کی تحقیقی تحریرات کی بنیاد پر اپنی بعض آراء سے رجوع فرمایا ہے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ اپنے ایک مکتوب میں آپ کی وسعت نظری کے قائل ہونے کے ساتھ آپ کے تفقہ فی الدین کا بھی اعتراف فرماتے ہیں، مزید برآں یہ کہ بعض جلیل القدر اہلِ علم پر اس باب میں آپ کو فوقیت دیتے رہے، نیز اکثر مسائل میں آپ کی جانب رجوع فرماتے تھے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ ترتیب دے کر آپ کی خدمت میں بغرضِ اصلاح ترمیم ارسال فرمائے، چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرما کر حسبِ ضرورت مفید مشورے دیئے جن کو مفتی صاحبؒ نے بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور مستقل "امداد المفتیین" کے مقدمہ میں اس کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

قاضیٔ شہر مختلف آراء سامنے آجانے کے بعد آپ ہی کے فیصلہ پر اعتماد فرماتے تھے، گویا آپ کا فیصلہ قطعی اور حتمی ہوتا تھا اسی لئے پورے شہر سہارنپور اور آس پاس اطراف میں آپ کا ہی فیصلہ نافذ ہوتا تھا۔

فقیہ الاسلام حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ سنایا کہ حضرت ناظم صاحبؒ (مولانا اسعد اللہ صاحبؒ) اپنے اہم امور میں حضرت والد صاحبؒ سے ہی مشورہ کیا کرتے تھے، والد صاحبؒ، حضرت ناظم صاحبؒ کے مشیر خاص تھے، اسی لئے بعض حضرات آپ کو نظام میں دخیل سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ کا دوستانہ تعلق

حضرت شیخ (مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ) کے متعلقین اور وہ احباب کہ جن کے زیرِ مطالعہ حضرتؒ کی

آپ بیتی رہی وہ بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ اہلِ تعلق احباب میں سے جس کو جو خوبی یا خامی سامنے آئی بلا تکلف حضرت شیخ نے اس کا اظہار فرما دیا، شیخ اپنے دوستوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جو تحریر فرماتے ہیں وہ ملخصاً پیش ہے:

''میرے بہت سے مخلص دوست و عزیز جن سے مجھے انتہائی تعلق اور محبت تھی ان سے مدرسہ کے حقوق میں کوتاہی کی وجہ سے مجھے بہت ہی تکدّر اور قلق رہا، اس کے بالمقابل میرے کئی دوست ایسے ہیں جن سے مجھے ابتداء میں تعلق نہیں تھا، امورِ مدرسہ میں احتیاط و اہتمام سے وہ میرے محبوب دوست بن گئے، انہیں میں سے قاری مفتی سعید احمد مرحوم بھی ہیں۔ ۴۷ھ میں جب وہ نائب مفتی ہوگئے اور یہ ناکارہ حجاز سے واپس آیا تو مرحوم سے درخواست کی کہ بعد ظہر میرا ایک سپارہ قرآن پاک کا رمضان میں سن لیا کریں، انہوں نے بہت صفائی سے کہہ دیا کہ وہ مدرسہ کا وقت ہے (کہ اس زمانہ میں غیر رمضان کی طرح رمضان میں بھی دفتر اور افتاء دونوں کا وقت صبح و شام ہوتا تھا) اگر ناظم صاحب فرمادیں گے تو سنوں گا ورنہ نہیں، ناظم صاحب (حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ) کی جو شفقتیں اس سیہ کار پر تھیں ان کے لحاظ سے اس میں ذرا بھی تامل نہ تھا کہ میں ان سے عرض کروں تو وہ بہت زور سے حکم نامہ جاری فرمادیں لیکن مجھے مرحوم کا یہ جواب بہت ہی اچھا معلوم ہوا اور میں نے ان سے کہا کہ جزاک اللہ، تم نے بہت اچھا جواب دیا''۔

محتاط زندگی گزارنے کا عجیب و غریب قصہ

''چند ماہ بعد ایک قصہ یہ پیش آیا کہ یہ ناکارہ اور ناظم صاحب مدرسہ عربیہ اجراڑہ کے سرپرست تھے اور سالانہ جلسہ میں بڑے اہتمام سے جاتے تھے، اس سال میں تو پہلے ہی عذر کر چکا تھا، حضرت ناظم صاحب کا ارادہ تشریف لے جانے کا تھا مگر عینِ وقت پر ان کو بھی عذر پیش آگیا، بعد مشورہ قاری صاحب مرحوم کو بھیجنا طے ہوا، وہ حکماً چلے گئے۔ اس ناکارہ کی صحت اس زمانے میں بہت اچھی تھی، اس لئے دیگر امور کے ساتھ مدرسین کی حاضری کا رجسٹر بھی اہتمام سے دیکھتا تھا، اس دن میں نے رجسٹر میں قاری سعید احمد

صاحب مرحوم کی ان ایام میں رخصت دیکھی، میں نے کتب خانہ والوں سے دریافت کیا کہ قاری سعید احمد مرحوم ہمارے بھیجے ہوئے بکارِ مدرسہ اجراڑہ گئے ہیں ان کی رخصت کیوں ہے؟ کتب خانہ والوں نے کہا کہ انہوں نے خود اپنی رخصت لکھوائی ہے۔ میں نے کتب خانہ سے واپسی پر راستہ میں قاری سعید احمد مرحوم سے مطالبہ کیا کہ آپ نے رخصت کیوں لکھوائی ہے؟ مجھے اپنا مطالبہ اوران کا جواب اوراپنا جواب الجواب خوب یاد ہے، انہوں نے فرمایا کہ میرا گھر بھی تو وہیں ہے، بہرحال میں اپنے گھر بھی گیا تھا، مجھے اپنے الفاظ خوب یاد ہیں، میں نے کہا کہ تُو تو بڑا اچھا ونڈا نکلا، کل سے دوپہر کی روٹی میرے ساتھ کھایا کر۔ اللہ تعالیٰ اس مرحوم کو بہت ہی بلند مراتب عطا فرمائے، ترقیات سے نوازے۔

میری اس پیش کش کو مرحوم نے ایسا نبھایا کہ جب تک وہ اپنے مرض الوصال میں چارپائی پر سے اٹھنے سے معذور نہ ہوگئے، کبھی بھی دوپہر کا کھانا میرے ساتھ نہ چھوڑا بلکہ ان کے ذاتی مہمان بھی اگر آجاتے تو ان کا بھی کھانا گھر سے منگا کر میرے ساتھ ہی ان کو کھلاتے تھے اور میرے جو خصوصی مہمان آتے تھے ان کے ساتھ شام کو بھی بجائے میرے وہ ہی میزبانی کرتے تھے اور تعلق دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا، اور پھر تو میرے سفر وحضر کے مصاحب بن گئے، اور انہوں نے بہت ہی حقِ دوستی ادا کیا۔ مرحوم کے لئے بہت ہی دعائیں کرتا ہوں، مرحوم بہت عرصہ تک شدید بیمار رہے۔

مرحوم کا ایک معمول بہت اہتمام کے ساتھ یہ بھی تھا کہ عیدالفطر کی صبح کو مدرسہ قدیم سے فجر کی نماز پڑھا کر پہلے اس ناکارہ کے مکان پر آتے اور وہاں سے کھجور سے افطار اور چائے وغیرہ پینے کے بعد اوراسی دوران ان کے گھر سے مزیدار پلاؤ بھی آجاتی تھی اس کو بھی مجلس میں ہم لوگ لقمہ لقمہ کرکے ختم کردیتے، اس سے نمٹ کر وہ اپنے گھر جاتے تھے۔

یکم شوال ۶ ۷ ھ کو مرحوم کا ایک دستی پرچہ میرے نام آیا کہ ۴۸ھ سے اب تک ۲۸/ سال کے عرصہ میں کوئی عید ایسی نہیں گزری کہ میں نے نماز صبح کے بعد آپ کے یہاں

حاضری نہ دی ہو، افسوس کہ آج میں اپنی شدید بیماری کی وجہ سے محروم ہوں، مجھے اس کا جس قدر افسوس ہے اس کا بھی آپ کو علم ہوگا۔ میں اس پرچہ کو پڑھ کر بے تاب ہوگیا اور اسی وقت عید سے پہلے مرحوم سے مل کر آیا اور مرحوم خوب مل کر روئے اور مجھے بھی رلایا، اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند درجات عطا فرماوے۔ ان کی خوبیاں اگر لکھوں تو مستقل ایک دفتر چاہیے، میرے رائے پور کے سفر کا تو آخر زمانہ میں مستقل رفیق بن گیا تھا اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کو بہت ہی شفقت ہوگئی تھی، اگر مرحوم کے بغیر جانا ہوتا تو حضرت دریافت فرماتے کہ تمہارے دوست نہیں آئے''۔

بیعت وارشاد

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے زمانۂ طالب علمی سے ہی عقیدت و محبت پیدا ہوگئی تھی، اسی لئے قبل البلوغ ہی حضرتؒ سے بیعت و اصلاح کا تعلق قائم کرلیا تھا، آپ کے قلبِ مبارک میں حضرت محدثؒ کی بے پناہ الفت و محبت رچ بس گئی تھی، بالغ ہونے کے بعد اپنی بیعت کی تجدید فرمائی، آپ حضرت کی اطاعت اور تعمیلِ ارشاد کو باعثِ سعادت سمجھتے تھے، آپ کے حکم کے منتظر اور حریص رہتے تھے۔

آپ کے قلب میں حضرت کے فرمان کی اس قدر اہمیت تھی کہ ایک مرتبہ کا فرما دینا ہی کافی ہوتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت قدس سرہٗ نے آپ کو مدرسہ قدیم کی مسجد کی امامت کے لئے فرمایا، آپ نے زندگی کے آخری لمحات تک تقریباً تیس سال اس کو اہم فریضہ سمجھا، مزید خوبی یہ کہ پوری عمر اس پر کچھ معاوضہ نہیں لیا، کیسی ہی تاریکی، طوفان اور بارش ہوتی لیکن آپ کے لئے مانع نہ بنتی، اس قدر اہتمام فرماتے کہ بعض مرتبہ بہت سویرے مسجد تشریف لاتے اور مؤذن کو آپ ہی بیدار فرماتے۔

بچوں کی تربیّت کا انوکھا انداز

بابِ تربیت میں بھی آپ کو ملکہ حاصل تھا اور اصولِ تربیت سے آپ کو اچھی طرح واقفیت تھی، فطرتاً آپ مزاح کے عادی نہ تھے، اسی لئے بچوں کے ساتھ زیادہ بے تکلف نہ ہوتے تھے، حتی الوسع یہ سعی فرماتے تھے کہ بچہ

بغیر زدوکوب کے ہی طریقِ مضر سے باز رہے، ضرورت پیش آنے پر ڈانٹ ڈپٹ بھی فرمادیتے۔ بچہ کو پیسے وغیرہ عنایت فرمانے میں انوکھا طریق یہ تھا کہ اس کے کسی کام پر بطورِ انعام کہہ کر دیتے تاکہ ترقی کی جانب رغبت پیدا ہو، آپ بچوں سے زیادہ مزاح نہ فرماتے، اسی لئے بچوں کو بھی اولاً آپ کے روبرو بے ادبی اور بولنے کی جرأت نہ ہوتی، اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی تلقین فرماتے اور عملی طریقے سے ان کو اس کا عادی بناتے، انبیاء وصالحین کے قصے سنانے کا بھی معمول تھا، کبھی قصۂ یوسف-علیہ الصلوۃ والسلام- سناتے اور کبھی اَور۔

آپ کے درس کی خصوصیات

آپ کے درس کی بعض خصوصیات جداگانہ اور ممتاز ہیں، آپ مزاح کے عادی نہ ہونے کے باوجود درس میں فرحت وانبساط سے رہتے، کبھی مزاح بھی فرماتے، تاکہ طالب علم مرعوب نہ ہو اور ہر شخص سوال کرسکے، اسی لئے ہر طالب علم کے سوال کا جواب ضرور دیتے خواہ وہ کیسا بھی بے حقیقت اور غیر موزوں ہو مگر اس کی دلداری کی خاطر جواب دیتے۔

آپ ہمیشہ درس کی تمام جزئیات پر گہری نظر رکھتے، کسی بحث کو ادھوری نہ چھوڑتے، ہر باب کی واضح پُرمغز اور موثر تقریر فرماتے، مطالعہ کے عادی تھے، بلامطالعہ نہ پڑھاتے تھے، بلکہ تحریر میں ضبطِ مطالعہ کی بھی عادت تھی، مشکوٰۃ وجلالین پر خصوصاً ترقیمات ثبت ہیں جو کہ بمنزلۂ شرح کے کہی جاسکتی ہیں، مشکوٰۃ کی مستقل اردو میں بھی تفصیلی کاپیاں بڑی محنت سے لکھی تھیں، جو عبداللطیف حصاری لے گئے تھے اور پھر تقسیمِ ہند کی صورت ہوئی تو وہ واپس نہ کرسکے۔

آپ رسوم وبدعات اور آج کل کے صوفیہ کی خوب خبر لیتے تھے۔ مشکوٰۃ وجلالین کے طلبہ کو اسمائے حسنی حفظ کرنے کی ترغیب دیتے اور یاد کرنے پر کچھ انعام بھی عنایت فرمادیتے، طلبہ کی نگہداشت اور تربیت کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے، ہمیشہ باوضو ہوکر درس میں تشریف لے جاتے۔ ایک بار ۷۳ھ میں بخاری کے درس میں اس معمول کا ذکر حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ قاری (مفتی سعید احمدؒ) کی یہ ادا مجھے بہت پسند آئی کہ میں اپنے کمرہ سے دیکھتا کہ وہ قاری ترمذی کے درس میں جاتے تو پہلے وضو کرتے اور پھر دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر درس کے لئے روانہ ہوتے تھے۔

سالہا سال تک اپنے درسِ حدیث سے تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے رہے، آپ کے درس میں مسائلِ

حاضرہ پر گفتگو اور درسِ جلالین میں طنطاوی پر رد بھی ہوتا تھا۔

تواضع، سادگی اور فقیرانہ زندگی

مزاج میں نہایت سادگی تھی، لباس موٹا اور سنت کے مطابق ہوتا، لانبا کرتا، نصفِ ساق تک کا اونچا پائجامہ، مغلئی ٹوپی، اکثر دوپلی گاہے گول، اور سر پر عمامہ بھی ہوتا تھا۔ اخیر زمانہ میں عمومی طور پر عمامہ نہ باندھتے تھے، لیکن پھر بھی بوقتِ ضرورت لنگی ہی سے عمامہ کا کام لے لیتے۔ سفر میں کوئی ہینڈ بیگ یا اٹیچی نہ رکھتے، بلکہ کپڑوں کو لنگی میں لپیٹ کر بغل میں دبا لیتے تھے، باوجودِ قدرت کے عمر بھر آپ کی سادگی کا یہی حال رہا اور اسی کی قولاً وعملاً ہمیشہ ترغیب دی۔

آپ اپنا کام خود کیا کرتے تھے، طلبہ یا اپنے پاس رہنے والوں سے اکثر خدمت نہ لیتے، بازار سے غلہ یا گھر کی دیگر ضروری اشیاء خود ہی خریدتے اور صاحبزدگان کو ساتھ لے جاتے، اور اس طرح کام کرنے کو معیوب نہ سمجھتے اور سب کو خود ہی کام کرنے کی ترغیب دیتے اور اکثر " كان محمد يدور على الصواغين" کے الفاظ کے ساتھ امام محمدؒ کا معمول نقل فرماتے کہ امام علیہ الرحمۃ زرگروں کے پاس چکر لگاتے اور ان کے معاملات دیکھ کر پھر احکام لکھتے تھے۔

آپ کی سادگی تواضع ومسکنت کے بارے میں سیدی ومرشدی فقیہ الاسلام حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''میرے والد صاحب (مفتی سعید احمدؒ) نے بڑی سادہ زندگی گزاری ہے جب کہ اللہ نے خوب نوازا تھا، حضرت مدنی اور حضرت تھانویؒ رحمہما اللہ تعالیٰ بڑا احترام فرماتے تھے، گھر میں بجلی نہیں تھی بلکہ پوری زندگی چراغ وغیرہ سے کام لیا جاتا رہا، ایک پڑوسی نے کہا کہ میرے یہاں سے تار لے لیا جاوے لیکن والد صاحب نے بڑی سختی سے منع فرما دیا۔
>
> سہارنپور میں اپنا مکان نہیں بنایا، ہمیشہ کرائے کے مکان میں رہے، ایک بار والدہ صاحبہ نے کہا بھی، فرمایا ہمارا یہاں کون ہے، خاندان نہیں، رشتہ دار نہیں، محض ملازمت ہے، کیوں ملازمت کی وجہ سے مکان بنایا جائے، آج اگر اہلِ مدرسہ منع کردیں یا ہمیں ہی مدرسہ چھوڑنا پڑ جائے تو کل یہاں سے جانا پڑے گا''۔

دو خاص نصیحتیں

حضرت والا آگے تحریر فرماتے ہیں:

''میرے والد صاحب دل کے مریض تھے، لیٹے ہوئے تھے، حاجی عرفان (منّی) صاحب آگئے، کہنے لگے، حضرت! دارالعلوم دیوبند میں تنخواہوں کی افراط ہے اور آپ کے یہاں مظاہر علوم میں تفریط، یعنی آپ کی تنخواہیں قلیل ہیں کچھ اضافہ ہونا چاہیے، یہ سن کر والد صاحب بہت روئے، حاجی صاحب کو خیال ہوا کہ مفتی صاحب دل کے مریض ہیں اور میرے کہنے سے ان کی حالت بگڑتی نظر آرہی ہے، یہ اچھا نہیں ہوا۔ پھر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ حاجی جی! مدارس میں امداد کا پیسہ بہت کم آتا ہے، زیادہ زکوٰۃ وصدقات کا آتا ہے، جو ''أوساخ الناس'' یعنی لوگوں کا میل کچیل ہے، بہتر تو یہ ہے کہ مدارس میں بغیر تنخواہ کے کام کیا جاوے اور اگر تنخواہ لی جاوے تو کم از کم ہونی چاہیے۔

والد صاحب نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ دیکھو دو باتیں یاد رکھنا: ایک تو تنخواہ میں اضافہ کی درخواست مت دینا، دوسری بات یہ ہے کہ اہلِ مدرسہ سے یہ مطالبہ نہ کرنا کہ فلاں کتاب دیدی جاوے، الحمدللہ آج تک اس پر عمل ہے''۔

حضرت والا نے ایک موقعہ پر سنایا:

''والد صاحبؒ کی خدمت میں بحالتِ مرض الموت ہم لوگ حاضر تھے، فرمایا: میرے ذمہ کسی کا قرض نہیں، کبھی بعد میں یہ خیال کریں کہ باپ تو مزے لے کر چلا گیا اور ہمیں قرض میں دبا دیا۔ دوسرے یہ کہ گھر میں جو سامان ہے، سب کا سب تمہاری والدہ کا ہے، انہوں نے اپنے خرچ سے بچا بچا کر جمع کیا ہے، اس لئے اس میں کسی اَور کا حصہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ میرے پاس اپنی ذاتی رقم یا سامان نہیں ہے کہ ترکہ ہو اور اس میں جھگڑا بنے۔ رہی یہ بات کہ میرے بعد بچوں کا کیا ہوگا، سو اس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا فرمان پیش نظر ہے کہ ان سے مرض الوفات میں کسی نے عرض کیا، حضرت! آپ کے بعد بچوں کا کیا ہوگا؟ فرمایا: ''میرے بچے اگر نیک رہے تو اللہ ان کی کفالت خود فرمائے گا: ﴿وھو یتولی

الـصـالـحـين﴾ اور ’’وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی‘‘۔ جب اللہ کا وعدہ ہے تو مجھے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر یہ نیک نہ رہے تو اللہ کو ان کی پرواہ نہیں، جب اللہ کو پرواہ نہیں تو میں کیوں ان کی پرواہ کروں۔

یہ سنانے کے بعد میرے حضرت آبدیدہ ہوگئے اور کچھ دیر سکوت رہا، پھر دوسری بات شروع ہوگئی اور پہلی حالت عود کر آئی‘‘۔

اوصافِ حمیدہ

آپ اپنے اساتذہ اور شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے منظورِ نظر، علم و کمال میں یکتا، تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت، تواضع و انکساری، دقتِ نظر، استغنائیت و خودداری اور خلوص وللٰہیت کے پیکر تھے۔

حدیث و تفسیر، فقہ و فتاویٰ اور دقیق مسائل پر بیک وقت مکمل عبور حاصل تھا، اوقات و معمولات کے پابند، تصنع اور تکلف سے متنفر ﴿وما انا من المتكلفين﴾ کے مصداق تھے، ذاتی کام کے لئے مدرسہ کی بجلی استعمال نہ کرتے بلکہ ایک لالٹین جلتی، اسی میں بچوں کو پڑھنے لکھنے کا حکم تھا، سنجیدگی اور وقار قدم بقدم ظاہر ہوتا تھا، دینی خدمت کا جذبہ پورے طور سے کارفرما تھا، حلم و بردباری اور حکمتِ عملی سے کام لیتے۔

آپ کسی سیاسی سرگرمی میں مستقل حصہ نہ لیتے، ہاں افکار و رجحانات میں حضرت مدنی قدس سرہٗ کے ہم ذوق تھے، ضرورت پیش آنے پر حمایت اور تعاون فرماتے، قرآن کریم کی خدمت کرنا اپنی سعادت سمجھتے اور مشاغل کثیرہ کے باوجود ایسی تعلیمی تحریکوں میں اپنی علمی و عملی سرگرمیوں اور انتہائی کوششوں کے ساتھ حصہ لیتے۔

تالیفات و تصنیفات

درس و تدریس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف و تالیف کے خاص ذوق اور سلیقہ سے بھی نوازا تھا، اپنے ذمہ قرآن کریم کا حق سمجھتے ہوئے اولاً آپ نے تجوید و قرأت پر قلم اٹھایا، چنانچہ ’’فیض العزیز‘‘، ’’القلائد الجوہریہ‘‘، ’’شرح جزری‘‘، ’’شرح خلاصۃ البیان‘‘ (عربی) کی تصنیف ’’شرح شاطبیہ‘‘ (عربی) کی تصنیف اور ’’فوائد مکیہ‘‘ پر حاشیہ ارقام فرمایا۔

علم فقہ میں بھی آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں، چنانچہ مناسکِ حج کے سلسلہ میں ''معلم الحجاج'' آپ کی وہ مایہ ناز کتاب ہے کہ جس کی تصنیف کے زمانہ میں بعض صالحین نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدرسہ کے کتب خانہ میں تشریف فرما ہیں اور حضرت مفتی صاحب کتابوں کا گرد وغبار صاف کررہے ہیں، بعض معبرین نے اس خواب کو سن کر فرمایا کہ یہ حضرت مفتی کا تصنیفی کارنامہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اس کام کے مقبول ومبرور ہونے کی علامت ہے۔

علاوہ ازیں ''نوٹ کی حقیقت''، ''الکحل آمیزادویہ''، ''احکام الصید''، ''الحج المبرور''، ''رباء القرض''، ''اغلاط الحجاج''، ''اقوال الأخیار فی حسنات الکفار'' اور ''عربی حاشیہ بہشتی زیور'' بلا شرکتِ غیرے بھی موصوف کی تصنیف ہے جو اولاً مطبع مجتبائی سے طبع ہوا پھر بعد میں دوسرے مطبع والوں نے کسی قدر اضافہ کے ساتھ شائع کیا۔

''مشرقی کا اسلام''، ''آئینۂ نماز''، ''فتاویٰ مظہریہ''، ''آداب السلام'' اور ''حاشیۂ مختصر المعانی'' مطبوعہ مجتبائی بھی آپ کے قلم کا فیضان ہے، آپ کی زندگی نے وفا نہ کی اس لئے ''آداب الإفتاء'' کی تکمیل نہ فرما سکے۔

نور الایضاح پر بھی حاشیہ تحریر فرمایا، ان کے علاوہ حدیث، تفسیر، فقہ کی کتابوں پر ترقیمات بھی ثبت فرمائیں، جن میں ''ترمذی، مشکوٰۃ، نسائی، جلالین، بذل المجہود، ہدایہ، کنز الدقائق، بدائع الصنائع'' اور فقہ حنفی کی بنیادی حیثیت رکھنے والی عظیم الشان کتاب ''شامی'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کی تصانیف: ''تبلیغی نصاب، اوجز المسالک'' وغیرہ کی اصلاحات کے ساتھ آپ نے مفید مشورے بھی دیئے، دیگر اربابِ علم وفضل مصنفین بھی آپ کی خدمت میں اپنی کتاب بغرضِ اصلاح وتقریظ پیش کرتے جن پر آپ اصلاحی نظر فرماتے رہے۔ حضرت شیخ کی ''اوجز المسالک'' پر تقریظ بھی تحریر فرمائی ہے، اور مسئلہ امارت جس پر شیخ الحدیث صاحب نے ''معارف الشیخ'' کے نام سے ایک جز شائع کیا ہے، اس کی تیاری بھی حضرت مفتی صاحب ہی نے فرمائی ہے جیسا کہ مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ کی روایت ہے۔

علالت، وفات اور آخری وصیت

آپ ایک سال تک متواتر امراض میں مبتلا رہے، مختلف علاج اور دوائیں کی گئیں لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا، بالآخر پیمانۂ عمر لبریز ہوا اور وہ آفتابِ علم وہدایت جو برسہا برس سے اپنے علمی وعرفانی انوار کی بارش کرتا رہا، وہ پرہیزگار ومتقی بزرگ جو اپنے اندر جذبۂ شاہین اور استقامتِ جبل لئے ہوئے تھا، وہ خلوص وللّٰہیت کا پیکر جو فطرتاً

شریف اور فہیم وحکیم تھا بالآخر ۲/صفر المظفر / ۱۳۸۸ھ بمطابق ۱۹/ اگست/ ۱۹۵۷ء کو اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملا۔

إنالله وإنا إليه راجعون۔

دارِ جدید کے وسیع میدان میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی جس میں کثیر مجمع نے شرکت کی، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہٗ کے بائیں جانب تدفین ہوئی، جہاں مولانا عنایت الٰہیؒ، مولانا ثابت علیؒ، مولانا یحییٰؒ اور مولانا پیر محمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے استاد مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا اسعد اللہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ اکابر علمائے مظاہر علوم مدفون ہیں۔

آپ کی سب سے آخری وصیت اور نصیحت آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور ہم سبھوں کے لئے درس کی حیثیت رکھتی ہے۔فرمایا:

''میں اپنے دوستوں اور ملنے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ زندگی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کریں''۔

اللہ تعالیٰ حضرت اقدس مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی قبر کو پُر نور اور اپنی رحمتوں کے سایہ میں رکھے، درجاتِ عالیہ عطاء فرمائے۔آمین!

☆......☆......☆......☆

استاذ الفقہاء حضرت مولانا مفتی مہدی حسن رحمہ اللہ تعالیٰ

شاہ جہاں پور آپ کا وطن ہے، ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے، تعلیم کی تکمیل ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں کی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے ممتاز تلامذہ میں تھے، دار العلوم دیوبند کے ۱۳۲۸ھ کے جلسۂ دستار بندی میں ان کی بھی دستار بندی ہوئی تھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مفتی صاحب نے انہیں مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت بھیج دیا، وہاں طویل مدت تک افتاء اور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اہلِ گجرات پر ان کے علم وفضل کا بڑا اثر تھا۔

فقہ حنفی میں بے نظیر مہارت کے ساتھ حدیث اور اسماء الرجال پر بھی ان کی نظر بڑی گہری تھی۔

۱۳۶۷ھ میں انہیں دار العلوم کے دار الافتاء میں صدر مفتی کے منصب پر مامور کیا گیا، ۱۳۸۷ھ میں اپنی طویل علالت اور ضعف وکمزوری کی وجہ سے دار العلوم سے سبکدوش ہو کر وطنِ مالوف شاہ جہاں پور'' چلے گئے۔ ان کے زمانۂ صدارت میں دار الافتاء دار العلوم سے ۵۳۲۴، فتاویٰ جاری ہوئے۔

مفتی مہدی حسن صاحب زاہد ومتقی، متواضع اور فیاض طبع تھے، اس کے ساتھ صاف گو اور اظہارِ حق میں بے باک تھے، شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے اور آزادؔ تخلص تھا، حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے، مگر اجازت و خلافت حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ مولانا شفیع الدین مکی سے حاصل ہوئی۔

مفتی مہدی حسن صاحب کئی اہم کتابوں کے مصنف ومرتب ہیں، جن میں حدیث کی شرح معانی الآثار للطحاوی کی عربی شرح قلائد الازهار کے نام سے ۶/ جلدوں میں ہے، اس کی دو جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ فقہ میں امام محمدؒ کی کتاب الحجہ پر- جو ۴/ جلدوں میں ہے- ان کی تصحیح وتعلیق کے ساتھ دائرۃ المعارف میں اس کی ابتدائی دو جلدیں چھپی ہیں، یہ کتاب بڑی نایاب تھی، اس کا ایک نسخہ استنبول میں موجود تھا، یہ فقہ حنفی کی

بنیادی کتابوں میں سے ہے، مفتی صاحب نے اس کے مسودے کی تصحیح وتعلیق میں ۲۰/ سال صرف کئے ہیں۔

امام محمد کی کتاب الآثار پران کی تعلیقات گراں قدر علمی سرمایہ ہیں۔ نخبة الفکر کی شرح بھی انہوں نے لکھی ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ یہ کتابیں عربی زبان میں ہیں، ان کے علاوہ اُردو میں دو درجن سے زائد رسائل انہوں نے لکھے ہیں، جو طبع نہیں ہو سکے۔

مفتی مہدی حسن صاحب نے طویل علالت کے بعد اپنے وطن شاہجہاں پور میں ۲۸/ ربیع الثانی/ ۱۳۹۶ھ کو وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی علمی خدمات کو ان کے لئے اور ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے۔ آمین!

☆......☆......☆......☆......☆

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی نظام الدین دامت برکاتہم العالیہ

ولادت باسعادت

ماہِ ذیقعدہ/ ۱۳۲۸ھ، مطابق ماہِ نومبر ۱۹۱۰ء بمقام اوندر، ضلع اعظم گڑھ (مئو) میں ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت

حضرت والا نے دس سال کی عمر میں پرائمری درجہ چار پاس کیا، اس سے قبل چند ماہ سخت علیل رہے۔ فرماتے ہیں کہ بیماری میں اکثر حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو دیکھتا کہ حضرتؒ مجھے بلا کر اپنے سامنے بٹھاتے اور کچھ دعائیں دیتے، دعائیں تو یاد نہیں کہ کیا دیتے اور کیا فرماتے، صرف اتنا احساس ہے کہ ان کی طرف کشش بہت ہوتی اور جی چاہتا کہ ایسا ہی ہو جانا چاہیے، اسی طرح اکثر و بیشتر خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کو بھی دیکھتا، وہ بھی اسی طرح شفقت فرماتے، اور حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو تو کبھی کبھی سبز رنگ کے تختِ طاؤس پر جلوہ افروز دیکھتا وہ بھی سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے۔

اسی زمانہ میں حضرت والا کے سب سے چھوٹے ماموں حاجی عبدالقیوم صاحبؒ جو اس وقت انجمنِ اسلامیہ گورکھپور میں پڑھتے تھے، وہاں انجمن کے سالانہ جلسہ میں علمائے دیوبند تشریف لاتے ان کے بیانات وواقعات ماموں صاحبؒ بیان کرتے، اس سے بھی کشش ہوتی کہ ایسا ہی ہو جانا چاہیے۔

غالباً یہی سب باتیں باعثِ کشش بن گئیں کہ درجہ چار (پرائمری) پاس کرنے کے بعد حضرت والا نے طے کر لیا کہ اب عربی فارسی پڑھ کر عالم بننا چاہیے۔ والد مرحوم جناب مولانا محمد رفیع صاحبؒ نے بہت ترغیب دی کہ ایک مسلم آبادی موضع یوسف پور میں اپنی زمین داری اور چھاؤنی ہے تم وہیں جا کر اس کے قریب موضع فتح پور کے مڈل اسکول میں پڑھو اور اپنی چھاؤنی میں رہو اور فرمایا کہ اس موضع کی پوری آمدنی سے جتنا پڑھنا چاہو

پڑھاؤں گا۔ ادھر حضرت والا کا پورا خاندان انگریزی داں تھا اور کم وبیش چھ پشت سے کوئی عربی داں نہیں تھا، البتہ شاہی دور میں خاندان کے لوگ مفتی، قاضی، قاضی القضاۃ، صدر الصدور وغیرہ ملتے ہیں مگر انگریزی دور میں سب انگلش تعلیم میں منہمک ہو چکے تھے اور یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ عربی تعلیم کہاں ہوتی ہے، مگر حضرت والا کا اصرار تھا کہ عربی تعلیم ہی حاصل کروں گا۔

اتفاق سے حضرت والا کی منجھلی خالہ (جن کے کوئی اولاد نہیں تھی) تشریف لے آئیں اور عربی پڑھنے کی خواہش دیکھ کر اپنے ہمراہ قصبہ مبارک پور اعظم گڑھ لے گئیں، بحمد اللہ وبفضلہٖ وہاں مدرسہ احیاء العلوم میں دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ بہت سے علماء حضرات تھے، اب احیاء العلوم میں تعلیم کا آغاز ہوا، اردو بقدرِ ضرورت پڑھ کر فارسی پڑھی، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز ولی صفت اور واقعی اللہ کی نعمت تھے، بڑی شفقت سے ایک دو ہی سال میں فارسی کا نصاب مکمل کرا کر عربی شروع کرادی۔ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحبؒ اور مولانا شکر اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ احیاء العلوم اور دیگر اساتذہ بڑی شفقت ومحبت رکھتے تھے اور بہت جلد ہی علم الصیغہ وغیرہ کتابیں شروع کرادیں۔

اسی دوران حضرت والا کے شیخ ومرشد عارف باللہ حضرت مولانا الشاہ محمد وصی اللہ علیہ الرحمہ خلیفۂ ارشاد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ احیاء العلوم میں مدرس ہو کر تشریف لائے۔ حضرت والا اپنے شیخ وملجاء کی خدمت کو لازم پکڑ کر موصوف ہی کے پاس رہے اور ابتدائی تعلیم کے بعد تین سال بہار شریف کے مدرسہ عزیزیہ میں تعلیم حاصل کر کے دہلی مدرسہ عالیہ فتحپور تشریف لے گئے، پھر وہاں سے ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند میں تشریف لا کر ۱۳۵۲ھ میں فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اولاً مدرسہ جامع العلوم جین پور ضلع اعظم گڑھ میں تقریباً پانچ سال تدریسی خدمات انجام دیں، بعدہ مدرسہ جامع العلوم محلّہ دھمال ضلع گورکھپور میں ۳/ سال تک اپنے علوم بیکراں و بے پایاں سے طلبۂ علومِ نبوت کو مستفیض کیا۔ اس کے بعد پھر بحکمِ شیخ دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں تشریف آوری ہوئی اور تقریباً پچیس سال کے عرصہ دراز تک درس وتدریس اور فتاویٰ نویسی کی خدمات جلیلہ انجام دیں۔

دارالعلوم مئو کے قیام کے دوران ہی حضرت مولانا الشاہ محمد وصی اللہ صاحبؒ نے اجازتِ بیعت وتلقین سے بھی نوازا۔

حضرت والا اور شاہ صاحب کا جانبین سے جو والہانہ اور عاشقانہ تعلق تھا اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، حضرت والا کا شمار شاہ صاحب کے اخص الخواص خدّام میں ہوتا تھا، حتی کہ گھریلو اور خانگی معاملات میں بھی شاہ صاحبؒ کے مشورہ اور حکم کے مطابق قدم اٹھاتے تھے۔

دارالعلوم مئو کے قیام کے بعد حضرت والا کی تشریف آوری ماہ رجب ۱۳۸۵ھ میں بحکمِ شیخ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں ہوئی اور فتاویٰ نویسی کے عہدہ پر فائز کئے گئے اور اب تک اسی خدمت عظمت کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

تصانیف:

یوں تو حضرت والا کے تحریر کردہ فتاویٰ ہزاروں سے زائد رجسٹروں میں محفوظ ہیں، اسی کے ساتھ "أنوار السنة لرواه الجنه المعروف به فتح الرحمن فی إثبات مذهب النعما ن" کی تبییض کا اہم کارنامہ انجام دیا، یہ کتاب علمِ حدیث میں ایک عجیب انداز کی کتاب ہے، مشکوٰۃ پڑھنے والوں کو عموماً یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ احناف کے پاس سرمایۂ حدیث نہیں ہے اگر ہے تو بہت کمزور اور بہت کم ہے، اس کتاب سے یہ خلجان بالکلیہ رفع ہوجاتا ہے اور واضح ہوجاتا ہے کہ احناف کی تائید واثبات میں جس قدر احادیثِ صحیحہ ہیں کسی دوسرے کے پاس نہیں ہیں۔ یہ کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز کی آخری تصنیف ہے، كما لا يخفى على من طالعه۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کی وجہ تصنیف میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ جب میں ہدایہ پڑھتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ احناف کے پاس سرمایۂ حدیث نہیں ہے اگر ہے تو بہت کمزور ہے، پھر مشکوٰۃ پڑھنے لگا تو معلوم ہونے لگا کہ واقعی مسلکِ احناف میں احادیث کا سرمایہ نہیں ہے یہاں تک کہ میں نے طے کرلیا کہ شافعی بن جاؤں، یہ خیال اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے بیان کردیا تو شیخ نے فرمایا کہ احناف کی تائید میں جتنا مضبوط

اور کثیر سرمایۂ حدیث ہے اتنا کسی کے پاس نہیں ہے، تم فلاں فلاں کتابیں دیکھ لو پھر مجھ سے کہنا۔

چنانچہ ان کتابوں کا مطالعہ کر لینے کے بعد میری یہ غلط فہمی رفع ہوگئی، پھر میں نے احناف کی شروحِ مشکوٰۃ دیکھنا شروع کیں تو مجھے کہیں یکجا سرمایہ ایسا نہیں ملا جس سے مشکوٰۃ پڑھنے سے پیدا شدہ یہ خلجان رفع ہو جائے تو اسی وقت سے یہ خیال تھا کہ ایک کتاب مشکوٰۃ ہی کے طرز پر ایسی ہونی چاہیے جس سے خود یہ خلجان ختم ہو جائے۔ چنانچہ مشکوٰۃ ہی کے طرز پر یہ کتاب حضرت دہلویؒ نے تالیف کی ہے۔

واقعی یہ کتاب عجیب ہے بالکل مشکوٰۃ کے طرز پر اور شرحِ حدیث بالحدیث ہے۔ اس کتاب کا کمال یہ بھی ہے کہ بالکل مشکوٰۃ کے طرز پر ایک باب قائم کرتے ہیں پھر اس باب میں جتنے مذاہب معتبرہ وارد ہیں سب کو بیان کرتے ہیں، سب سے قوی مذہب پہلے بیان کرتے ہیں پھر اس کے بعد اس سے کمزور مذہب، پھر اسی طرح اس سے کمزور مذہب پھر اسی طرح سب سے کمزور مسلک سب سے اخیر میں نقل کرتے ہیں۔

نیز اولاً سب سے کمزور مسلک کی احادیث وروایات نقل کرتے ہیں پھر اس کے بعد اس سے قوی مذہب کی احادیث اور سب سے اخیر میں سب سے قوی مذہب کی احادیث وروایات اس طرح جمع کرتے ہیں کہ بعد کی احادیث وروایات اپنے ماقبل کا خود جواب بنتی ہیں اور شرح حدیث بالحدیث کا لطف بھی حاصل ہوتا رہتا ہے۔

اس لئے بھی شیخ کی یہ تالیف نوادراتِ روزگار میں سے ہے اور اس درجہ میں ہے کہ ہدایہ ومشکوٰۃ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کو سبقاً سبقاً پڑھا جائے۔

یہ کتاب "فتح الرحمن فی إثبات مذهب النعمان" حضرت حکیم محمود صاحبؒ معروفی کے (جو ایک علمی خاندان کے فرد تھے) کتب خانہ کے مخطوطات سے جو نہایت بوسیدہ کرم خوردہ تھی، ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مئوی محدثِ کبیر کے ذریعہ سے حاصل ہوئی اور حضرت موصوف ہی کے ایماء وامر سے حضرت والا نے مسلسل ڈھائی سال کی محنت اور کاوش کے بعد اس کی تبییض کی، اس طرح یہ قابلِ اشاعت ہوئی۔ اس کا کوئی نسخہ مخطوطہ بھی نہیں ملتا تھا، بڑی کاوش اور تلاش سے جامعہ ملیہ دہلی کے مخطوطات کے گٹھر سے برآمد ہوئی، اس

کے ٹائیٹل پر "فتح الرحمن فی تائید مذهب النعمان" لکھا ہوا ہے، بقیہ عبارتیں حرف بحرف یکساں ہیں اور اس نسخہ کا سراغ بھی خلیق نظامی کی کتاب سے جو کہ شیخ عبدالحقؒ کے حالات میں لکھی ہے اس سے ملا۔ حضرت والا نے مختصر تعلیقات کے ساتھ طبع کرا کر اس کو زندہ کر دیا ہے۔

بقیہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)　نظام الفتاویٰ

(۲)　اقسام الحدیث فی اصول التحدیث

(۳)　اصول حدیث (اردو مترجم)

(۴)　آسان علمِ صرف جز اول معروف بہ اردو میزان

(۵)　آسان علم صرف جز دوم معروف بہ اردو منشعب

(۶)　آسان علم نحو معروف بہ اردو نحو میر

(۷)　آسان علم نحو معروف بہ معلم سواد خوانی (عربی)

(۸)　رویتِ ہلال کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، الهادي إلى صراطه المستقيم، والصلاة والسلام على خاتم النبيين محمد النبي الأمّي الأمين، المبعوث رحمةً للعالمين، الذى أرسى قواعد الدين، ورسم معالم التشريع الحكيم، وعلى آله وصحبه وعِترته ومن تبعه بإحسان إلى يوم الدين۔

امابعد!

فقہ علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ وسیع اور دقیق علم ہے، اس لئے کہ فقہ کے لئے ایک طرف قرآن وعلوم قرآن، حدیث ومتعلقاتِ حدیث، اقوالِ صحابہ، ارشاداتِ ائمہ، اجتہاداتِ فقہاء، اور جزئیات وفروع کے باریک امتیازات پر وسیع نظر، مرجوح وغیر مرجوع پر وسیع اطلاع، امت کی واقعی ضروریات کا ادراک، احوالِ زمانہ کی مکمل بصیرت اور بدلتے ہوئے حالات میں مسائلِ دین کو امت کے مزاج اور دین کی روح کو ملحوظ رکھ کر تطبیق دینے کی پختہ دسترس مطلوب ہے تو دوسری طرف یہی فقہ ہے جو طہارت ونظافت کے جزوی مسائل سے لے کر عبادات، معاملات، معاشرت، آداب واخلاق اور اُن تمام امور کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جن کا تعلق حلال وحرام اور اباحت وحرمت سے ہے۔

فقہ پر دسترس کے لئے لازم ہے کہ فی الجملہ تمام علوم اسلامیہ پر ماہرانہ رسوخ حاصل ہو، اس لئے کہ ہر عصر کے ہر قسم کے مسائل کا شرعی حل پیش کرنا فقیہ ہی کا کام ہے، یہ نہ مفسر ومحدث کی ذمہ داری ہے اور نہ مؤرخ

وسیرت نگاری، یہ صرف فقیہ کی ذمہ داری ہے اور دیگر تمام اس کے مُمد ومعاون ہیں، چنانچہ ہر مفسر ومحدث کے لئے فقیہ ہونا لازم نہیں، جب کہ ہر فقیہ کو کبھی مفسر، کبھی محدث، کبھی مؤرخ اور کبھی سیرت وسوانح نگار بننا پڑتا ہے۔

پھر فتاویٰ کا میدان فقہ سے اور زیادہ وسیع ہے، اس لئے کہ فتاویٰ میں ایمانیات وعقائد، فرق، تاریخ، سیرت نبوی وسیرت صحابہ، تصوف وسلوک، اخلاق وآداب، حقوق، عبادات، معاملات، سیاسیات، معاشرت، قدیم وجدید مسائل کا حل، اصولی وفروعی مسائل کی تشریح اور تطبیق وغیرہ تمام فتاویٰ کے شعبہ جات اور مندرجات ہیں، اس لئے مفتی ان تمام شعبوں اور مسائل سے صرفِ نظر کرکے اپنی ذمہ داری نہیں نبھا سکتا، پھر مفتی کو کبھی امتِ اسلامیہ کی مشکلات میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے حدودِ شرعیہ کا خیال رکھتے ہوئے نرم مزاج اور کبھی مزاجِ شریعت کی حفاظت اور خلافِ شرع طرز اپنانے والوں کے لئے سخت مزاج بھی بننا پڑتا ہے۔

حضراتِ علمائے دیوبند میں فقہ وفتاویٰ کا سلسلہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے شروع ہوا اور پھر اس سلسلۃ الذہب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، حضرت مفتی مہدی حسن، حضرت مفتی سعید احمد، حضرت مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا ظفر احمد عثانی، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی جیسی نابغۂ روزگار شخصیات منسلک ہیں۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی کی ذاتِ گرامی اس حیثیت سے سب سے ممتاز ہے کہ برصغیر میں کسی بھی مفتی کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا اتنا بڑا مجموعہ منظر عام پر نہیں آیا، چنانچہ شائع شدہ بیس مجلدات کے علاوہ بے شمار فتاویٰ منتظرِ اشاعت ہیں اور پھر فقہ کے متداول ابواب کے علاوہ حظر واباحت کی بے شمار جزئیات، مدارسِ اسلامیہ کے مسائل جدیدہ، مختلف فرقوں کے متعلق مفصل ومدلل فتاویٰ، تبصرۂ کتب، بعض شخصیات کی جرح وتعدیل، دعوت وتبلیغ کی حقیقت، اس کی شرعی حیثیت اور اس کے مسائل فتاویٰ محمودیہ کا طرۂ امتیاز ہیں۔

بہرحال فتویٰ اور مفتی سے متعلق چند ضروری باتیں مقدمۃ العلم کے طور پر ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

فتویٰ کی لغوی تعریف

لفظ ''فتویٰ'' فاء کے فتحہ کے ساتھ بھی منقول ہے اور فاء کے ضمہ کے ساتھ بھی، لیکن صحیح فاء کے فتحہ کے ساتھ

ہے جس کے معنی ہیں: کسی بھی سوال کا جواب دینا، چاہے وہ شرعی سوال ہو یا غیر شرعی، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ يأيها الملاء أفتوني في رؤياى إن كنتم للرّؤ يا تعبرون﴾. (سورة يوسف: ١٢، ٤٣)

ترجمہ: ''اے درباروالو! اگر تم تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کے بارے میں مجھ کو جواب دو''۔

﴿يوسف أيها الصديق أفتنا في سبع بقراتٍ سمانٍ﴾. (سورة يوسف: ١٢، ٤١)

ترجمہ: ''اے یوسف! اے سچے! اے صدق مجسم! آپ ہم لوگوں کو اس کا جواب دیجئے''۔

﴿وقُضى الأمر الذى فيه تستفتيان﴾. (سورة يوسف: ١٢، ٤٢)

ترجمہ: ''جس بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو چکا''۔

﴿ يأيها الملاء أفتوني في أمرى﴾. (سورة النمل: ٢٧، ٣٢)

ترجمہ: ''اے اہل دربار! تم مجھ کو میرے اس معاملہ میں رائے دو''۔

مذکورہ بالا آیات میں لفظ فتویٰ مطلق جواب حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے، کوئی شرعی حکم دریافت کرنے کے لئے نہیں۔

لیکن بعد میں لفظ ''فتویٰ'' شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے خاص کیا گیا، یعنی شرعی مسئلہ پوچھنے کو فتویٰ کہا گیا اور قرآن کریم میں بھی اس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ويستفتونك فى النساء، قل الله يفتيكم فيهن﴾. (سوره النساء: ٤، ١٢٧)

ترجمہ: ''اور لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں''۔

﴿يستفتونك، قل الله يفتيكم في الكلالة ﴾ . (سورة النساء: ٤، ١٧٦)

ترجمہ: ''لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے''۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی لفظ ''فتویٰ'' شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

''أجرؤكم على الفتيا أجرؤكم على النار'' .(أخرجه الدار مى فى سننه: ١/١٥٧)(١)۔

(١) (سنن الدارمی، باب الفتيا ومافيه من الشدة، رقم الباب: ٢٠، رقم الحديث: ١٥٧، قديمی)

(والجامع الصغير للسيوطی رحمه الله تعالىٰ: ١/٣٠٠، رقم الحديث: ١٨٣، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

"الإثم ماحاك فی صدرك وإن أفتاك الناس وأفتوك"(۱)۔

اصطلاحی تعریف:

"الإخبار بحكم الله تعالیٰ عن مسئلةٍ دينيّةٍ بمقتضی الأدلة الشرعية لمن سئل عنه فی أمر نازل علی جهة العموم والشمول، لاعلی وجه الإلزام". (المصباح، ص: ۱٦)(۲)۔

---

(۱) رواه الإمام أحمد بن حنبلؒ بلفظ: "عن وابصة بن معبد قال: أتيت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، وأنا أريد أن لاأدع شيئاً من البرّ والإثم إلاسألته عنه، .... فقلت: يا رسول الله! فأخبرنی، قال: "جئت تسألنی عن البرّ والإثم"؟ قلت: نعم، فجمع أصابعه الثلاث، فجعل ينكت بها فی صدری ويقول: "ياوابصة! استفت نفسك البر: ما اطمأنّ إليه القلب واطمأنّت إليه النفس، والإثم ماحاك فی القلب، وتردّد فی الصدر وإن أفتاك الناس". قال سفيان: "وأفتوك". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند وابصة بن معبد الأسدی: ۲٦۸/۵، رقم الحديث: ۱۷۵۴۰، دارإحياء التراث، بيروت)

(۲) (المصباح فی رسم المفتی ومناهج الإفتاء، ثالثاً: الإفتاء اصطلاحاً: ۱٦/۱، ماريه اكادمی كراچی)

وقال العلامة المناویؒ: "والإفتاء بيان حكم المسئلة، قال فی الكشاف: الفتوی الجواب فی الحادثة، اشتقّت علی طريق الاستعارة من الفتی فی السّنّ". (فيض القدير علی الجامع الصغير: ۳۰۰/۱، تحت رقم الحديث: ۱۸۳، مكتبه نزارمصطفیٰ الباز)

فتویٰ کا تاریخی پسِ منظر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فتویٰ

رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود مفتی الثقلین تھے اور منصبِ افتاء پر فائز تھے، وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کے فتاویٰ جوامع الکلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فتاویٰ (یعنی احادیث) اسلام کا دوسرا ماخذ ہیں (۱)، ہر مسلمان کے لئے ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور سرِ مو کسی کو انحراف کرنے کی اجازت نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ما اتا کم الرسول فخذوه، وما نها کم عنه فانتهوا﴾. (الحشر: ۵۹، ۷)

ترجمہ: ''رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو''۔

﴿فإن تنازعتم فی شئی فردوه إلی اللّٰه والرسول﴾ (۲)۔

ترجمہ: ''پھر اگر کسی امر میں باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالہ کر دیا کرو''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ زریں میں کوئی دوسرا فتویٰ دینے والا نہیں تھا، ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو دور دراز علاقوں کے لئے کبھی کبھی مفتی بنا کر بھیج دیتے، تو وہ منصبِ قضاء وافتاء پر فائز ہوتے اور

---

(۱) " وأيضاً أن إمام المفتيين ورسول رب العالمين وخاتم النبيين عليه التحية والتسليم تولّى هذا المنصب العظيم، وكان بمقتضى الرسالة قائماً بهذه الوظيفة الشريفة؛ لأنها نوع من البيان الذى هو وظيفة الرسول صلى الله عليه وسلم، كماقال الله سبحانه: ﴿وأنزلنا إليک الذكر لتبيّن للناس مانزّل إليهم، ولعلهم يتفكرون﴾". (المصباح فى رسم المفتى والإفتاء، الإفتاء ومكانته فى الشريعة الإسلامية: ۱/۲۴، ماريه اكادمى كراچى)

(۲) (النساء: ۵۹)

لوگوں کی صحیح رہنمائی فرماتے، جیسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر روانہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن، حدیث اور قیاس واجتہاد کے ذریعے سے فتویٰ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی (۱)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فتاویٰ کے ذریعے سے مسلمانوں کی ہر چیز میں یعنی: عبادات، معاملات، اخلاقیات، آداب اور معاشرت سب چیزوں میں صحیح رہنمائی فرمائی، ہر بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ وارشادات موجود ہیں اور مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

---

(۱) "وعن معاذ بن جبل رضی الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بعثه إلى اليمن، قال: "كيف تقضي إذا عرض لک قضاء"؟ قال: أقضي بكتاب الله، قال: " فإن لم تجد في كتاب الله"؟ قال: فبسنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: " فإن لم تجد في سنة رسول الله"؟ قال: أجتهد برأيي ولا آلو، قال: فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدره، وقال: "الحمدلله الذى وفّق رسول رسولِ الله لما يرضى به رسول الله". رواه الترمذى وأبوداؤد والدارمى". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب العمل في القضاء والخوف منه، الفصل الثانى، ص: ۳۲۴، قديمى)

(ومسند الإمام أحمد، مسند معاذ بن جبل، رقم الحديث: ۲۱۵۹۵، ۱/۳۲۱، دارإحياء التراث)

(وسنن أبى داؤد، كتاب القضاء، باب اجتهاد الرأى فى القضاء: ۲/۱۴۹، امداديه ملتان)

(وجامع الترمذى، أبواب الأحكام، باب ماجاء فى القاضى كيف يقضى: ۱/۲۴۷، سعيد)

قال الملا على القاريؒ: " (قال: أجتهد برأى) : أى أطلب حكم تلک الواقعة بالقياس على المسائل التى جاء فيها نصّ، وأحكم فيها بمثل المسئلة التى جاء فيها نص لما بينهما من المشابهة ...... قال الخطابى: لم يُرِدبه الرأى الذى يسنح له من قبل نفسه أو يخطر بباله على غير أصل من كتابٍ أو سنة، لابل أراد ردّالقضية إلى معنى الكتاب والسنة من طريق القياس، وفى هذا إثبات للحكم بالقياس. قال المظهر: أى إذا وجدتُ مشابهةً بين المسئلة التى أنا بسددها، وبين المسئلة التى جاء نص فيها من الكتاب أو السنة، حكمتُ فيها بحكمها ...... "وقال: الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسوله" : أى لما يُحبّه ويتمنّاه من طلب طريق الصواب. قال الطيبى: فيه استصواب منه صلى الله عليه وسلم لرأيه فى استعماله، وهذا معنى قولهم: "كل مجتهد مصيب اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب العمل فى القضاء والخوف منه، الفصل الثانى: ۳۰۸/۷، ۳۰۹، رشيديه)

صحابہ کرام کے دور میں فتویٰ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دارفانی سے وصال فرما جانے کے بعد فتویٰ کے کام اور ذمہ داری کو صحابہ کرام نے سنبھالا اور احسن طریقے سے انجام دیا، حضرات صحابہ کرام میں سے جو فتویٰ دیا کرتے تھے ان کی تعداد ایک سوتیس سے کچھ زائد تھی، جن میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔

البتہ زیادہ فتویٰ دینے والے سات تھے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (۱)۔

ان کے علاوہ وہ صحابہ کرام جو ان سے کم فتویٰ دیا کرتے تھے ان کی تعداد بھی بہت ہے، ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ام سلمہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سلمان فارسی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابوبکرہ، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (۲)۔

---

(۱) "ثم قام بالفتوى بعد النبي صلى الله عليه وسلم الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم، وقد ذكر ابن القيم فى "إعلام الموقّعين" أن الذين حُفِظت عنهم الفُتيا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مأة ونيّف وثلاثون نفساً مابين رجل وامرأة، فكان المُكثرون منهم سبعاً: عمر بن الخطاب، وعليّ بن أبى طالب، وعبدالله بن مسعود، وعائشة أم المؤمنين، وزيد بن ثابت، وعبدالله بن عباس، وعبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين". (أصول الإفتاء، الفتوىٰ فى عهد الصحابة، ص: ۵)

(۲) " وأما المتوسطون من الصحابة فيما روى عنهم من الفُتيا، فعددهم أكثر، منهم: أبوبكر الصديق، وأمّ سلمة، وأنس بن مالك، وأبوسعيد الخدرى، وعثمان بن عفان، وأبوهريرة، وعبدالله بن عمر بن العاص، وعبدالله بن الزبير، وأبو موسى الأشعرى، وسعد بن أبى وقّاص، وسلمان الفارسى، وجابر بن عبدالله، ومعاذ بن جبل، وطلحة، والزبير، وعبدالرحمٰن بن عوف، وعمران بن حصين، وأبوبكرة، =

تابعین کے دور میں فتویٰ

تعلیم وتربیت اور فقہ وفتویٰ کا سلسلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد کہیں جا کر رکا نہیں، بلکہ اس ذمہ داری کو حضرات صحابہ کرام کے شاگردوں نے احسن طریقے سے سنبھالا اور دل وجان سے اس کی حفاظت کر کے آنے والی نسل تک کما حقہ پہنچایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دورِ مبارک میں بفضلِ خداوندی بہت فتوحات حاصل ہوئیں، اس وجہ سے حضرات تابعین مختلف بلادِ اسلامیہ میں دینِ متین کی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ اکثر بلاد اسلامیہ میں ایسے حضرات مقرر تھے جو لوگوں کی رہنمائی کرتے: مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن المسیب، حضرت ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عروۃ بن الزبیر، حضرت عبیداللہ، حضرت قاسم بن محمد، حضرت سلیمان بن یسار اور حضرت خارجہ بن زید، انہی کو فقہائے سبعہ بھی کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی جگہ ابوبکر بن الحارث بن ہشام کا تذکرہ کیا ہے(۱) ان کے اسماء کو کسی شاعر نے شعر میں جمع کیا ہے:

ألا كل من لا يقتدى بأئمة فقسمته ضيزىٰ عن الحق خارجه

فخذ هم عبيدالله عروة قاسم سعيد أبوبكر سليمان خارجة(۲)

مکہ مکرمہ میں عطا بن ابی رباح، علی بن ابی طلحہ اور عبدالمالک بن جریج یہ کام کیا کرتے تھے۔ کوفہ میں

= وعبادة بن الصامت، ومعاوية بن أبى سفيان رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين". (أصول الإفتاء، الفتوىٰ فى عهد الصحابة، ص: ۵،۶)

(۱) "وانتُصِب فى كل بلد من البلاد الإسلامية إمام يتّبعه كثير من الناس فى الفقه والفتوىٰ، وكان فى المدينة سعيد بن المسيّب، وأبو سلَمةَ بن عبدالرحمٰن بن عَوف، وعروة بن الزبير، وعبيد الله، وقاسم بن محمد، وسليمان بن يسار، وخارجة بن زيد رحمهم الله تعالىٰ، ويقال لهم: الفقهاء السبعة، وقد ذكر بعضهم أبابكر بن الحارث بن هشام من جملتهم عوضاً عن أبى سلمة بن عبدالرحمٰن". (أصول الإفتاء، الفتوىٰ فى عهد التابعين، ص: ۷)

(۲) (أصول الإفتاء، الفتوىٰ فى عهد التابعين، ص: ۷)

ابراہیم نخعی ابن ابی سلیمان، عامر بن شراحیل، علقمہ، شعبی، سعید اور مرہ ہمدانی۔ بصرہ میں حضرت حسن بصری، یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں حضرت مکحول، ابوادریس الخولانی، شراحبیل بن السمط عبداللہ بن ابی زکریا الخزاعی، قبیصہ بن ابی ذویب الخزاعی، عبد بن امیہ، سلیمان بن الحبیب المحاربی، حارث بن عمیر الزبیدی، خالد بن معدان، عبدالرحمٰن بن غنم الاشعری، جبیر بن نفیر، عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر، عمر بن عبدالعزیز اور رجاء بن حیوۃ اس کام میں مصروف تھے۔ ان کے اکثر فتاویٰ جات مؤطات، سنن، اور مسندات وغیرہ میں موجود ہیں۔

امام ابوحنیفہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تابعین میں سے ہیں، آپ کی پیدائش کے وقت کچھ صحابہ کرام کوفہ میں موجود تھے، اور وہ حضرات صحابہ کرام یہ ہیں: حضرت ابن نفیل، حضرت واثلہ، حضرت عبداللہ بن عامر، حضرت ابن ابی اوفی، حضرت عتبہ، حضرت مقداد، حضرت ابن بسر، حضرت سہل بن سعد، حضرت انس، حضرت عبدالرحمٰن ابن یزید، حضرت محمود بن لبید، حضرت محمود بن الربیع، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوالطفیل، حضرت عمرو بن حریث، حضرت عمرو بن سلمہ، حضرت ابن عباس، حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا اجمعین۔

(ردالمختار، مقدمہ: ۱/ ۱۴۹، ۱۵۰، طبع جدید، بیروت)(۱)۔

آٹھ صحابہ کرام سے آپ نے روایت نقل کی ہے اور وہ یہ ہیں:

حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابی اوفی، حضرت عامر، حضرت ابن انیس، حضرت واثلہ، حضرت ابن جزء، حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہم اجمعین۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفيؒ: "وصح أن أباحنيفة سمع الحديث من سبعة من الصحابة، كما بسط في أواخر منية المفتي، وأدرك بالسِّنّ نحو عشرين صحابياً، كما بسط في أوائل الضياء". وقال العلامة ابن عابدين: "هم: ابن نفيل، وواثلة، وعبدالله بن عامر، وابن أبي أوفى، وابن جزء، وعتبه، ومقداد، وابن بسر، وابن ثعلبة، وسهل بن سعد، وأنس، وعبدالرحمٰن بن زيد، ومحمود بن لبيد، ومحمود بن الربيع، وأبوأمامة، وأبو الطفيل، فهؤلاء ثمانية عشر صحابياً". وقال المصحّح: (قوله: ثمانية عشر) هكذا بخطه، والذي ذكره ستةُ عشر، فقط، فليحرر اهـ". (ردالمحتار على الدر المختار، المقدمة، مطلب فيما اختلف فيه من رواية الإمام عن بعض الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه: ۱/ ۶۳، ۶۴، سعيد)

علامہ شمس الدین محمد ابوالنصر بن عرب شاہ الانصاری الحنفی نے اپنی کتاب ''جواہر العقائد ودرالقلائد'' میں اُن صحابہ کرام کے نام کو شعر میں بیان فرمایا ہے جن سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''معتقداً مذهب عظيم الشان	أبي حنيفه الفتى النعمان
التابعي سابق الأئمة	بالعلم والدين سراج الأمة
جمعاًمن أصحاب النبي أدركا	أثرهم قداقتفى ومسلكاً
طريقه واضحة المنهاج	سالمة من الضلال الداجي
وقدروى عن أنس و جابر	وابن أبي أوفى كذا عن عامر
أعني أبا الطفيل ذا ابن واثلة	وابن أنيس الفتى واثلة
عن ابن جزء قدروى الإمام	بنت عجرد هي التمام
رضي الله الكريم دائماً	عنهم وعن كل الصحاب العظما

(الدرالمختار، مقدمہ، ص:۱۵۰،۱۵۲)(۱)

کچھ دیگر صحابہ بھی ہیں جن سے امام صاحب کی روایت منقول ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

حضرت سہل بن سعد، حضرت سائب بن یزید بن سعید، حضرت عبداللہ بن بسر، حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

''وزاد (أي ابن الحجر الهيثمي) على من ذُكر هنا ممن روى عنهم الإمام فقال: منهم سهل بن سعد ووفاته: سنة ۸۸، وقيل: بعدها، ومنهم: السائب بن يزيد بن سعيد، ووفاقه سنة إحدى أو اثنتين أو أربع وتسعين، ومنهم عبدالله بن بسر ووفاقه سنه ۹٦، ومنهم محموذ بن الربيع ووفاقه ۹۹''. (ردالمحتار، مقدمه: ۱/۱۵۲)(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار، المقدمة: ۱/٦٤، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المقدمة، قبيل مطلب في مولد الأئمة الأربعة ووفاتهم ومدة حياتهم: ۱/٦٢، سعيد)

استنباطِ مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ استنباط مسائل میں حد درجہ احتیاط فرماتے تھے، آپ اپنے زمانے کے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت جمع کرتے اور اس جماعت میں ہر فن کے ماہر شریک ہوتے تھے جو اپنے علم وفن میں کامل رسوخ رکھنے کے ساتھ خدا ترسی وفرض شناسی اور دیگر اوصافِ حمیدہ کے ساتھ متصف تھے، خود امام صاحب اس جماعت کے صدر کی حیثیت رکھتے، کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تو سب مل کر بحث ومباحثہ اور غور وخوض کرتے تھے، جب سب علماء کسی مسئلے پر متفق ہوجاتے تو امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف کو فرماتے کہ اس کو فلاں باب میں داخل کرو۔

”روی الإمام أبوجعفر الشيرابازی (وفی نسخة: الشيرامازی) عن شقيق البلخی أنه كان يقول : كان الإمام أبوحنيفة من أورع الناس وأعبد الناس، أكرم الناس، أكثرهم احتياطاً فی الدين، وأبعدهم عن القول بالرأی فی دين الله عزوجل، وكان لايضع مسئلةً فی العلم حتی يجمع أصحابه عليها، ويعقد عليها مجلساً، فإذا اتفق أصحابه كلهم علی موافقتها للشريعة، قال لأبی يوسف أو غيره: ”ضعها فی الباب الفلانی اهـ“. كذا فی الميزان للإمام الشعرانی قدس سرهٗ۔

ونقل ط: عن مسند الخوارزمی: أن الإمام اجتمع معه ألف من أصحابه، أجلّهم وأفضلهم أربعون، قد بلغوا حد الا جتهاد، فقربهم وأدناهم، وقال لهم: إنی ألجمت هذا الفقه وأسرجته لكم فأعينونی، فإن الناس قد جعلونی جسراً علی النار، فإن المنتهی لغيری واللعب علی ظهری، فكان إذا وقعت واقعة شاورهم، ناظرهم وحاورهم وسألهم، فيسمع ما عندهم من الأخبار والآثار، ويقول ماعنده، ويناظر هم شهراً أوأكثر حتی يستقر آخر الأقوال، فيُثبتهٗ أبو يوسف، حتی أثبت الأصول علی هذا المنهاج شوریٰ، لاأنه تفرد بذلك كغيره من الأئمة اهـ“.

(ردالمحتار، مقدمه: ۱۵۲/۱، دارإحياء التراث بيروت)(۱)۔

---

(۱) (ردالمحتار، المقدمة، مطلب فی مولد الأئمة الأربعة الخ، تحت قول الدر: فحينئذٍ قال لأصحابه الخ: ۶۷/۱، سعيد)

امام صاحب کے شاگرد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام صاحب کو ایسے شاگرد عطا فرمائے تھے جنہوں نے شاگردی کا حق ادا کیا اور امام صاحب کے علوم کو دنیا کے چاروں اطراف تک پہنچایا، ان اطراف میں امام صاحب کے علاوہ کسی دوسرے امام کے مسلک سے لوگ واقف نہیں تھے۔

"حسبك من مناقبه إشتهار مذهبه"

"قوله: اشتهار مذهبه: أى فى عامة بلاد الإسلام، بل فى كثيرٍ من الأقاليم والبلاد لايعرف إلا مذهبه كبلاد الروم والهند والسند وماورا إلنهر وسمرقند".

(ردالمحتار: ۱/ ۱٤۰، دار إحياء التراث بيروت)(۱)۔

علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق ان شاگردوں کی تعداد چار ہزار ہے۔

"وروى أنه نقل مذهبه نحو من أربعة آلاف نفر". (حواله بالا) (۲)۔

فقہ حنفی بطور قانون

خلفائے عباسیہ کے دور سے لے کر گزشتہ صدی کے شروع ہونے تک اکثر اسلامی ممالک میں فقہ حنفی قانونی شکل میں نافذ ورائج رہی ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"فالدولة العباسية وإن كان مذهبهم مذهب جدّهم، فأكثر قضاتهاومشايخ إسلامها حنفية، يظهر ذلك لمن تصفّح كتب التواريخ، وكان مدة ملكهم خمسة سنةً تقريباً، وأما السلجوقيّون وبعد هم الخوارزميون فكلهم حنفيون وقضاة ممالكهم غالباً، وأما ملوك زماننا سلاطين آل عثمان— أيد الله دولتهم ما كر الجديدان— فمن تاريخ تسعمائة إلىٰ يومنا هذا لايولّون

---

(۱) (ردالمحتار، المقدمة: ۱/ ۵٦، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

وقال القاريؒ: "وروى عنه عبدالله بن المبارك، ووكيع بن الجراح، وخلائق لايحصون".

(مقدمة مرقاة المصابيح، ترجمة الإمام أبى حنيفةؒ: ۱/ ۷۵، رشيديه)

القضاء وسائر مَناصِبهم إلا للحنفية". (ردالمحتار، مقدمه: ١٤١/١، دارإحياء التراث)(٣)۔

سلطنت مغلیہ کے بعد فتویٰ

سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد فتویٰ کا کام مدارسِ دینیہ کی طرف منتقل ہوگیا اور اب بھی یہ کام دینی مدارس ہی میں ہوتا ہے اس لئے کہ دینی مدارس ہی دین اور تعلیماتِ نبویہ کی آماجگاہ ہیں۔

جنگِ آزادی کے بعد اسلام کے تحفظ اور فتویٰ کے کام کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے جانشین علماء نے سنبھالا، ان میں اکابر علمائے دیوبند: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کے فتاویٰ مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔

فتویٰ کی اہمیت

افتاء کا منصب ایک عظیم الشان منصب ہے، اس کی فضیلت واہمیت ہر شخص پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور فقہائے کرام اور مفتیانِ عظام کی وہ جماعت جنہوں نے اپنے آپ کو استنباطِ احکام اور استخراجِ مسائل کے لئے مختص کیا اور حلال وحرام کو معلوم کرنے کے لئے قواعد وضوابط مرتب کیے وہ تاریک رات میں ستاروں کی مانند ہیں اور یہی لوگ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی وارث ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:

" العلماء ورثة الأنبياء، وإن الأنبياء لم يورّثوا دينارًا ولا درهمًا، وإنما ورّثوا العلم، فمن أخذبه فقد أخذ بحظ وافر". (رواه الترمذى فى كتاب العلم، باب ماجاء فى فضل الفقه على العبادة، رقم: ٢٦٨٢)(١)۔

---

(٣) (ردالمحتار المصدر السابق)

(١) (جامع الترمذى، أبواب العلم، باب ماجاء فى فضل الفقه الخ: ٩٧/٢، سعيد)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، باقى حديث أبى الدرداءؓ: ٢٥٤/٦، رقم الحديث: ٢١٢٠٨، دارإحياء التراث بيروت)

قرآن کریم میں ﴿أولو الأمر﴾ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو واجب اور ضروری قرار دیا گیا، ایک تفسیر کے مطابق "أولو الأمر" سے مراد حضراتِ علماء اور فقہاء ہیں۔

علامہ ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

"اختلف في تأويل "أولي الأمر"، فروی عن جابر بن عبدالله وابن عباس رواية، والحسن وعطاء ومجاهد أنهم أولو الفقه والعلم". (أحكام القرآن، باب في طاعة أولي الأمر: ۲/ ۲۱۰) (۱)۔

اس طرح بعض آیتوں میں علماء کی اتباع اور امورِ شرعیہ کے معلوم کرنے میں ان کی طرف مراجعت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾. الآية (۲)۔

ترجمہ: "اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے"۔

دوسری جگہ ہے:

﴿واتبع سبيل من أناب إليّ﴾. الاية (۳)

ترجمہ: "پیروی کر اس شخص کے راستے کی جس نے میری طرف رجوع کیا ہے"۔

لہٰذا ہر شخص پر ضروری ہے کہ جب مسئلہ کے متعلق دینی رہنمائی مطلوب ہو تو حکم خداوندی معلوم کرنے کے لئے مفتیانِ کرام کی طرف رجوع کرے جیسا کہ حضراتِ صحابہ کرام اپنے درپیش دینی مسائل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کیا کرتے تھے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"وفي الآية دلالة على وجوب المراجعة إلى العلماء فيما لايعلم"۔

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، باب في طاعة أولي الأمر، تحت قوله تعالىٰ: (يأيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم): ۲/ ۲۱۰، دار الكتاب العربي، بيروت)

(۲) (النحل: ۴۳) وأيضاً (الأنبياء: ۷)

(۳) (اللقمان: ۱۵)

فتویٰ کے کام کی عظمت واہمیت اس سے بھی واضح ہے کہ یہ سنت الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنی طرف بھی کی ہے، چنانچہ "کلالہ" کے متعلق امت کے استفتاء کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یستفتونك ، قل اللّٰه یفتیکم فی الکلالة﴾ الآیة (۱)۔

اور عورتوں کے متعلق سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿یستفتونك فی النساء قل اللّٰه یفتیکم فیهن وما یتلی علیکم فی الکتاب﴾ الآیة (۲)۔

یہ کام امام المفتین، محبوب رب العالمین، خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زندگی بھر کیا اور بیشمار فتاویٰ صادر فرمائے، کتبِ احادیث آپ ﷺ کے فتاویٰ سے بھری پڑی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وأنزلنا إلیك الذکر لتبیّن للناس مانزل إلیهم، ولعلهم یتفکرون﴾ الآیة (۳)۔

ترجمہ: ''اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ، جوان کے لئے اتاری گئی ہے اور تا کہ لوگ (خود بھی) غور وفکر کریں''۔

اسی اہمیت وعظمت کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ امت کا ایک طبقہ قرآن وسنت اور تفقہ فی الدین میں مہارت حاصل کر کے امت کے باقی طبقات کی رہنمائی کے فرائض انجام دے اور آیت قرآن کریم:

﴿فلولا نفر من کل فرقةٍ منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین﴾ الایة .(٤) کا تقاضا بھی ہے۔

مفتی کا مقام

امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مقام مفتی پر طویل اور مفصل بحث فرمائی ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مفتی امت میں افتاء، تعلیم اور تبلیغ کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"المفتی قائم فی الأمة مقام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ، والدلیل علی ذلك أمور:

---

(۱) (النساء: ۱۷۶)

(۲) النساء : ۱۲۷)

(۳) (النحل: ۴۴)

(۴) (التوبة: ۱۲۲)

أحدها: النقل الشرعی فی الحدیث: "أن العلماء ورثة الأنبیاء". وبُعث النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نذیراً بقوله تعالیٰ: ﴿فلولا نفرمن کل فرقة﴾. والثانی: أنه نائب فی تبلیغ الأحکام. والثالث: أن المفتی شارع من وجه؛ لأن مایبلغه من الشریعة إما منقول عن صاحبها، وإما مستنبط من المنقول، فالأول یکون فیه مبلّغاً، والثانی یکون فیه شارعاً من وجه، فهو من هذا الوجه واجب اتباعه والعمل علی وفق ما قاله، وهذه هی الخلافة علی التحقیق، وقدجاء فی الحدیث: "أن من قرأ القرآن فقد استد رجت النبوة بین جنبیه۔

وعلی الجملة فالمفتی مخبر عن اللّٰه تعالیٰ کالنبی، ونأخذ أمره فی الأمة بمنشور الخلافة کالنبی، ولذاسُمّوا "أولی الأمر"، وقرنت طاعتهم طاعة اللّٰه وطاعة الرسول فی قوله تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین اٰمنوأطیعواللّٰه وأطیعوا الرسول، وأولی الأمر منکم﴾. (الموافقات للشاطبی: ٤/٢٤٤، ٢٤٥)۔

مفتی کے شرائط

مفتی کے لئے حضرات علماء کرام نے چند شرائط بیان کی ہیں، مفتی میں ان کا پایا جانا ضروری ہے، وہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱- مکلّف ہو یعنی عاقل ہو بالغ ہو۔

۲- ثقہ ہو۔

۳- گناہ اور منکرات سے پوری طرح اجتناب کرنے والا ہو۔

۴- بداخلاق اور بے مروت نہ ہو۔

۵- فقیہ النفس ہو۔

۶- مسائل میں غور وفکر کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۷- بیدار مغز ہو۔

۸- متقی اور پرہیز گار ہو۔

۹- دیانت داری میں مشہور ومعروف ہو۔

۱۰-مسائل غیر منصوصہ میں استنباط وتخریج پر قادر ہو۔

علامہ نووی المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

”شرط المفتي كونه مكلفاً، مسلماً، ثقةً، مأموناً، متنزّهاً عن أسباب الفسق وخوارم المروة، فقيه النفس، سليم الذهن، وصين الفكر، صحيح التصرف والاستنباط، متيقظاًاهـ“.

(باب آداب الفتوىٰ والمفتي والمسفتي : ۱/۴۱)(۱)۔

”فصل: قالوا: وينبغي أن يكون المفتي ظاهر الورع مشهوراً بالدّيانة الظاهرة والصيانة الباهرة“. (باب آداب الفتوى المفتي والمستفتي: ۱/۴۱) (۲)۔

اسی طرح مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس نے کسی ماہر مفتی کے زیر نگرانی کام کیا ہو اور قواعدِ فقہ، زمانہ کے عرف اور اس کے احوال سے واقف ہو اور اپنے امام کے مذہب پر پورا عبور رکھتا ہو اور اس کی ظاہری ہیئت بھی شرع کے موافق ہو۔

مفتی کا فریضہ

مفتی چونکہ احکام خداوندی کا ترجمان اور اللہ تعالیٰ ومخلوق کے درمیان واسطہ ہے اس لئے اس پر لازم ہے کہ فتویٰ دیتے وقت پوری بصیرت سے کام لے اور اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے سوچ سمجھ کر جواب دے، مسئلہ اگر معلوم نہ ہو تو محض اٹکل سے جواب دے کر اپنی آخرت خراب نہ کرے(۳)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”جو شخص کسی چیز کا علم رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے بیان کرے اور جسے علم نہ ہو اسے کہنا چاہیے کہ اللہ

---

(۱) (المجموع شرح المهذب للنووي، باب آداب الفتوىٰ والمفتي والمستفتي، فصل بعد فصلين: ۱/۷۰، دارالفكر، بيروت)

(۲) (المجموع شرح المهذب، المصدر السابق، فصل بعد فصل)

(۳) قال النوويؒ: ” اعلم أن الإفتاء عظيم الخطر، كبير الموقع، كثير الفضل؛ لأن المفتي وارث الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم، وقائم بفرض الكفاية، لكنه معرض لخطأ، ولهذا قالوا: المفتي موقع عن الله تعالىٰ. وروينا عن ابن المنكدر قال: العالم بين الله تعالىٰ وخلقه ، فلينظر كيف يدخل بينهم“. (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتوىٰ والمفتي والمستفتي: ۱/۶۸، دارالفكر، بيروت)

تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیونکہ یہ بھی علم ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے کہ: ’’آپ فرمادیں کہ میں تم سے اجرت کا خواہاں نہیں اور نہ تکلف کرنے والوں میں سے ہوں‘‘۔

”یـأیهاالناس !من علم شیئاً فلیقل به، ومن لم یعلم فلیقل: اللّٰه أعلم، فإن من العلم أن تقول لما لاتعلم: اللّٰه أعلم. قال اللّٰه تعالیٰ لنبیه: ﴿قل ماأسئلکم علیه من أجر وما أنا من المتکلفین﴾ متفق علیه“. (مشکوٰة، کتاب العلم) (۱)۔

اسی طرح مفتی کو چاہیے کہ جواب دیتے وقت خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کو سامنے رکھتے ہوئے پوری تحقیق کے ساتھ جواب دے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفتی جب کسی سوال کا جواب دینا چاہے تو اسے چاہیے کہ جواب سے قبل اپنے آپ کو جنت اور دوزخ پر پیش کرے اور یہ سوچ لے کہ آخرت میں اس کی نجات کیسے ہوگی؟ پھر جواب تحریر کرے۔

”وکان مالك یقول: من أحبّ أن یجیب من مسئلة، فلیعرض نفسه قبل أن یجیبه علی الجنة والنار، وکیف یکون خلاصه فی الاٰخرة، ثم یجیب“. (المجموع شرح المهذب، ص:٦٩ (٢)۔

فتویٰ دینے میں احتیاط

فتویٰ نویسی کا کام عظیم الشان اور باعثِ اجر وثواب ہونے کے ساتھ ساتھ نازک بھی ہے، اس لئے کہ مفتی اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہے، اگر مسئلہ درست بتایا تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوکر اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور اگر خدانخواستہ مسئلہ غلط بتایا تو مستفتی کے عمل کا وبال بھی اسی پر ہوگا، اسی بناء پر فتویٰ

(۱) (مشکوٰة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث، ص: ۳۷، قدیمی)

(والمجموع شرح المهذب للنووی، باب آداب الفتویٰ والمفتی الخ: ۱/۶۸، دارالفکر، بیروت)

(۲) (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتویٰ الخ: ۱/۶۹، دارالفکر، بیروت)

دینے میں احتیاط بہت ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بغیر حجت اور دلیل کے فتویٰ دے گا اس پر عمل کرنے والے کا گناہ بھی اسی مفتی پر ہوگا''۔

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: " من أفتیٰ بفتيامن غير ثبت، فإنما إثمه علی من أفتاه". (أخرجه الدار می فی باب الفتيا وما فيها من الشدة: ۱/۸۳، رقم: ۱۶۱ (۱)۔ والحاكم فی كتاب العلم: ۱/۱۲۶ (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانے میں) اس طرح نہیں اٹھالے گا کہ لوگوں (کے دل ودماغ) سے اسے نکال لے بلکہ علم اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھالے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، لہٰذا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے''۔

"عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: "إن الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من الناس، ولكن يقبضه بقبض العلماء حتی إذا لم يبق عالماً، اتخذالناس رؤساً جهالاً، فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلّوا وأضلّوا". (أخرجه البخاری فی كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم(۳)، ومسلم : ۲/۳٤۰) (٤)۔

---

(۱) (سنن الدارمی، رقم الباب : ۲۰، رقم الحديث: ۱۶۱، قديمی)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثانی، ص: ۳۵، قديمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، مسند أبی هريرةؓ: ۲/۲۱۶، رقم الحديث: ۸۰۶۷، دارإحياء التراث، بيروت)

(وبمعناه فی سنن أبی داؤد، كتاب العلم، باب التوقی فی الفتيا: ۲/۱۵۹، امداديه، ملتان)

(۳) (صحيح البخاری، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم: ۱/۲۰، قديمی)

(۴) (الصحيح لمسلم، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه الخ: ۲/۳۴۰، قديمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، مسند عبدالله بن عمر: ۲/۳۴۶، رقم الحديث: ۶۴۷۵، دارإحياء التراث، بيروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"جوشخص ہر پوچھی گئی بات کا جواب دیدے تو وہ پاگل ہے":

"ان من أفتى الناس فى كل مايسئلونه عنه لمجنون". (المجموع شرح المهذب، ص:٦٩) (١)۔

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے ابوالفرج کے حوالے سے مرفوع اثر نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جوشخص بغیر علم کے فتویٰ دیدے تو اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں"۔

"من أفتىٰ الناس بغير علم، لعنته ملائكة السماء وملائكة الأرض".

(اعلام الموقعین :۲/۲۵۶)۔

امام شعبی، حسن بصری اور ابوحسین تابعی رحمہم اللہ سے منقول ہے وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بعض مرتبہ ایسے مسئلہ کے بارے میں فتویٰ دیتے ہو کہ اگر اس جیسا مسئلہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش آتا تو وہ اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے تمام اہل بدر کو جمع فرماتے اور اکیلے اپنی رائے پر اعتماد نہ فرماتے:

"وعن الشعبى والحسن وأبى حصين (بفتح الحاء) التابعين قالوا: إن أحدكم ليفتى فى المسئلة، ولو وردت على عمر بن الخطاب رضى الله عنه لجمع لها أهل بدر". (المجموع شرح المذهب، باب آداب الفتوىٰ والمفتى والمستفتى: ١/ ٤٠) (٢)۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ: "اگر علم ضائع ہونے کا خوف اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا کہ وہ عافیت میں ہوں اور بوجھ مجھ پر ہو"۔

"وقال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ: لولا الفرَق من الله تعالىٰ أن يضيع العلم، ماأفتيت

---

(١) (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتوىٰ الخ: ١/ ٦٩، دارالفكر، بيروت)

(٢) (المجموع شرح المهذب ، باب آداب الفتوىٰ الخ: ١/ ٦٩، دارالفكر، بيروت)

يكون لهم المهنأ وعليّ الوزر". (حواله بالا)(١)۔

حضرت سفیان بن عینیہ اور حضرت سحنون رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''لوگوں میں فتویٰ دینے پر سب سے زیادہ جسارت وہ شخص کرتا ہے جو سب سے کم علم رکھتا ہو''۔

"وعن سفيان بن عينية وسحنون رحمهما الله تعالىٰ: أجسرُ الناس على الفتيا أقلّهم علماً". (حواله بالا)(٢)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منصب افتاء کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے اس راہ پر پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہیے۔

"لاادری"

تحقیق اور تتبع وتلاش کے بعد اگر مسئلہ کا حکم معلوم نہ ہو یا حکم معلوم ہو لیکن اس پر تشفی اور شرح صدر نہیں تو مفتی پر اس کا جواب دینا ضروری نہیں بلکہ مفتی صاف کہہ دے کہ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ اور اس طرح کہنے سے اس کی شان وعزت ومرتبہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، بلکہ اس سے اَور شان بلند ہوگی، اس لئے کہ یہ قلبی طہارت، دینی قوت اور تقویٰ کی واضح دلیل ہے۔

یہ اصطلاح خود سرور کائنات جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام ودیگر بزرگوں سے مروی ہے تو ماوشما کون ہیں جو اس سے اعراض واجتناب کرکے اپنی طرف سے غلط سلط جواب دینے کی کوشش کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی جگہ بُری ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے معلوم نہیں''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے یہی سوال کیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بھی "لاأدری" کہہ کر جواب دیا، پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوچھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ بازار بُری جگہیں ہیں:

"سئل النبي صلى الله عليه وسلم: أيّ البلاد شرّ؟ فقال: "لاأدرى"، فسأل جبريل،

---

(١) المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتوىٰ الخ: ٦٩/١، دارالفكر بيروت)

(٢) (المجموع، المصدر السابق)

فقال: لاأدری، فسأل ربه عزوجل، فقال: (شرّ البلادأسواقها)". (رواه الإمام أحمد: ٤/٨١(١)، والحاكم فی المستدرك: ٢/٦، بسند حسن)۔

اسی طرح حدیث جبرئیل میں قیامت کے متعلق سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب "ماالمسئول عنها بأعلم من السائل" بھی اسی قبیل سے ہے(۲)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکیمانہ جواب سے یہ نکتہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کسی عالم سے کوئی ایسا سوال کیا جائے جس کے جواب سے وہ ناواقف ہو تو اسے "لا أعلم" کہنا چاہیے اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ "لا أعلم" کہنے سے وقعت ختم ہوجائے گی بلکہ درحقیقت یہ رفع منزلت کا باعث ہے:

"قوله صلی الله علیه وسلم: "ماالمسئول عنها بأعلم من السائل". فيه: ينبغی للعالم والمفتی وغيرهما إذا سئل عما لايعلم أن يقول: لاأعلم، وأن ذالك لا ينقصه، بل يستدل به علیٰ تقواه ووفور علمه". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووی، كتاب الإيمان: ١/٢٨، قديمی)(۳)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور محمد ابن عجلان فرماتے ہیں جب کسی عالم ومفتی کو مسئلہ معلوم نہیں تھا اس نے "لاأدری" نہیں کہا، بلکہ اٹکل سے جوب دیا تو اس پر نفس وشیطان کی ایسی ضرب لگی کہ گویا اسے قتل ہی کردیا:

"وعن ابن عباس ومحمد بن عجلان: إذا أخطاء العالم "لاأدری" أصيبت مقاتله". (المجموع شرح المهذب للنووی، ص: ٦٩)(٤)۔

---

(١) (مسندالإمام أحمد بن حنبل، مسند جبير بن مطعم: ٥/٣٦، رقم الحديث: ١٦٣٠٢، ذكره بلفظ "البلدان" فی هذا الموضوع، دارإحياء التراث، بيروت)

(٢) الحديث بتمامه: " عن أبی هريرة قال: كان النبی صلی الله عليه وسلم بارزاً يوماً للناس، فأتاه رجل فقال: ماالإيمان؟ .... قال: متی الساعة؟ قال: " ماالمسئول (وفی نسخة: "عنها") من السائل، وسأخبرک عن أشراطها". الحديث. (صحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبی صلی الله عليه وسلم عن الإيمان والإسلام الخ: ١/١٢، قديمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ١/٢٧، قديمی)

(٣) (المصدر كما ذُكر)

(٤) (المجموع شرح المهذب للنووی، باب آداب الفتویٰ والمفتی الخ: ١/٦٩، دارالفكر)

امام محمد بن عجلان رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے:

"جُنة العالم "لاأدری"، إذا أغفله أصيبت مقاتله"۔ مجموع، ص:٦٩(١)۔

ایک دفعہ امام مالک رحمہ اللہ سے اڑتالیس مسئلے پوچھے گئے، ان میں سے بتیس کے بارے میں آپ نے "لاأدری" فرمایا۔ اور ایک روایت ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ چالیس مسئلے پوچھے گئے، آپ نے صرف پانچ کا جواب دیا، بقیہ کے بارے میں فرمایا: "لاأدری"۔

"وعن الهيثم بن جميل: شهدت مالكاً، سئل عن ثمان وأربعين مسئلةً، فقال فی اثنتين وثلاثين منها: "لاأدری"

"وعن مالك أيضاً أنه ربما كان يسئل عن خمسين مسئلةً، فلا يجيب فی واحدة منها، وكان يقول: من أجاب فی مسئلة، فينبغی قبل الجواب أن يعرض نفسه على الجنة والنار، وكيف خلاصه ثم يجيب". (المجموع شرح المهذب) (٢)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد حضرت اثرم کہتے ہیں کہ امام احمد کثرت کے ساتھ "لاأدری" فرمایا کرتے تھے:

"وعن الأثرم: سمعت أحمد بن حنبل يكثر أن يقول: "لاأدری". (٣)۔

---

(١) (المجموع شرح المهذب للنووی، باب آداب الفتویٰ والمفتی الخ: ١/ ٦٩، دارالفكر، بيروت)

(٢) (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتویٰ الخ: ١/ ٦٩، دارالفكر، بيروت)

(٣) (المجموع، المصدر السابق)

کچھ فتاویٰ محمودیہ کے بارے میں

اس سے پہلے جو کچھ تاریخ فتویٰ اور اس کی اہمیت وغیرہ کے بارے میں لکھا گیا وہ مقدمۃ العلم کی حیثیت رکھتا ہے، اب مقدمۃ الکتاب کے طور پر حضرات علماء دیوبند کی اعتدال پسندی، حضرت مفتی صاحب کی فتویٰ نویسی، فتاویٰ محمودیہ اور اس پر کام کی نوعیت کے متعلق چند گذارشات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

چونکہ حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ میں بہت ساری خصوصیات (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) کے علاوہ سب سے نمایاں اور واضح خصوصیت اعتدال پسندی اور میانہ روی ہے اور یہی حضرات علماء دیوبند کی شان اور طرۂ امتیاز ہے۔ اس لئے سب سے پہلے حضرات علماء دیوبند کی اعتدال پسندی کو ذکر کیا جائے گا۔

حضرات علمائے دیوبند اور اعتدال پسندی

حضرات علمائے دیوبند کا خصوصی مزاج و مذاق یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث، فقہ اور تصوف میں نہایت ہی اہم اعتدالی روِش اپناتے ہیں، نہ تو وہ ظاہر نصوص پر ایسا اکتفاء کرتے ہیں کہ فقہ واجتہاد اور تعاملِ امت خصوصاً فقہاء کے استنباطات سے صَرف نظر کریں اور نہ ہی فقہ پر ایسا انحصار کرتے ہیں کہ قرآن وسنت کی نصوص سے چشم پوشی ہو جائے، نہ وہ ایسی قدامت پسندی کے قائل ہیں کہ احوالِ زمانہ وتقاضاہائے وقت سے آنکھیں بند رکھیں اور نہ ہی وہ ہر جدت طرازی اور تجدد کی ہر نئی لہر کو قبول کرتے ہیں کہ جس سے شریعت مطہرہ کا اصل مزاج اور امت کا منہاجِ ممتاز ہی ہاتھ سے چھوٹ جائے، نہ وہ صرف اصول پسندی کے قائل ہیں کہ وہ شخصیات جن کے ذریعہ مذاق ومزاج دینی بنتا ہے، بے وقعت ہو جائیں اور نہ وہ شخصیت پرستی کے ایسے قائل ہیں کہ معیارِ کتاب وسنت کے بجائے صرف اکابر قرار پائیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

''غرض مسلکِ علمائے دیوبند محض نظری مسلک نہیں، بلکہ عملی طور پر ایک مستقل دعوت بھی ہے، جو آج سے سو برس پہلے سے دی گئی اور آج سَوا سو برس کے بعد بھی دی جارہی ہے اور وہ جس طرح اس وقت کارآمد تھی، اسی طرح آج بھی کارآمد ہے، البتہ رنگ اس کا تعلیمی ہے، پھیلاؤ تبلیغی ہے، جماؤ معاشرتی ہے، بچاؤ افتائی وقضائی ہے، چڑھاؤ ریاضت وسپہ گری ہے، ضبطِ نفس تربیتی ہے، مدافعت مجاہداتی ہے اور دعوت بین الاقوامی ہے۔

علمائے دیوبند کا یہی وہ جامع مسلک اور طریقِ عمل ہے جس سے اس جماعت کا مزاج جامع بنا اور اس میں جامعیت کے ساتھ اعتدال قائم ہوا، اس لئے چند بندھے جُڑے مسائل یا خاص خاص فنون یا عملی گوشوں کو لے کر ان میں جمود اختیار کر لینا اور اسی میں اسلام کو منحصر کر دینا یا اسی کو پورا اسلام سمجھ لینا ان کا مسلک نہیں۔

بہرحال! علمائے دیوبند اپنے جامع ظاہر و باطن مسلک کے لحاظ سے نہ تو منقولات اور احکام ظاہر سے بے قیدی اور آزادی کا شکار ہیں اور نہ اس کی باطنی اور عمومی گنجائشوں کے ہوتے ہوئے قومی نفسیات اور مقتضیاتِ وقت سے قطع نظر کر لینے کی بیماری اور ضیق النفس میں گرفتار ہیں۔ ان کا یہی وہ جامع اور معتدل مشرب ہے جو ان کو اس آخری دور میں اہل سنت والجماعت کے سلوک طریقہ پر ان کے علمی مورثِ اعلیٰ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی اور بانی دارالعلوم دیوبند حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے بعد اس کے سرپرست اعظم قطبِ وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور اس کے اولین صدر تدریس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس اللہ اسرارہم سے پہنچا، جس پر وہ خود بھی رواں دواں ہیں اور اپنے مستفیدوں کو بھی سو برس سے اسی پر تعلیم وتربیت دے کر رواں دواں کر رہے ہیں۔

اس لئے یہ مسلک جامعِ عقل وعشق، جامعِ علم ومعرفت، جامعِ عمل واخلاق، جامع مجاہدہ وجہاد، جامعِ دیانت وسیاست، جامعِ روایت ودرایت، جامع خلوت وجلوت، جامعِ عبادت ومُدنیت، جامعِ حکم وحکمت، جامعِ ظاہر وباطن اور جامع حال وقال مسلک ہے۔

نقل کو عقل کے لباس میں پیش کرنے کا مکتبِ فکر اسے حکمتِ شاہ ولی اللہ سے ملا، اصولِ دین کو معقول سے محسوس بنا کر دکھلانے کا فکر اسے حکمتِ قاسمیہ سے ملا، فروغِ دین میں رسوخ و استحکام پیدا کرنے کا جذبہ اسے قطبِ گنگوہی سے ملا، سلوک میں عاشقانہ جذبات و اخلاق کا والہانہ جوش وخروش اسے قطبِ عالم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ سے ملا اور تصوف کے ساتھ اتباع سنت کا شوق وذوق اسے حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور سید الشہداء رائے بریلی قدس سرہ سے ملا۔

اس لئے علمائے دیوبند قرآن وحدیث کے معانی اور گہرے مطالب وحقائق واَسرار کو بھی مضبوط پکڑے ہوئے ہیں جن کا ذوق انہیں شیوخِ علم کی صحبت وفیضان سے میسر ہے، جن سے وہ نصوص کے ظواہر وبواطن دونوں ہی سے استدلال کی راہ پر ہیں، نہ وہ اصحابِ ظواہر میں سے ہیں جو الفاظِ نصوص پر جامد ہو کر رہ جائیں اور بواطنِ نصوص یا ان کے حقائق سے بے نیاز ہو جائیں۔ اور نہ وہ باطنیہ میں سے ہیں کہ ظواہر کو محض لفظی نقوش کہہ کر اِن سے بے توجہی برتیں یا شرعی تعبیرات کی ان کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہ ہو اور محض ذہنی گھمیر میں گم ہو کر رہ جائیں۔

پس ان کے مسلک پر شرعی تعبیرات قطع نظر ان کے معانی ومدلولات کے خود اپنے نظم وعبارت کے لحاظ سے بھی ہزار ہا علوم واحکام کا سرچشمہ ہیں اور ان کی عبارت، دلالت، اشارت اور اقتضاء سے ہزار ہا مسائل وجود پذیر ہوئے ہیں جن سے دین باغ و بہار بنا ہوا ہے اور دوسری طرف ان تعبیرات کے ماضی کے پردوں میں اَور بھی ہزار ہا معانی اور حقائق مستور ہیں جو قواعدِ شرعیہ اور قواعدِ حربیت کے ساتھ، عملِ صالح کی ممارست، صلحاء کی صحبت ومعیت اور مجاہدہ وریاضت ہی سے قلوب پر وارد ہوتے ہیں"۔

(علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج ، سیاست اور اجتماعیات ،ص: ۱۷۷-۱۷۹، اِدارہ اسلامیات، لاہور)

تفسیر قرآن، شرح حدیث، فقہ وکلام، غرض کہ تمام شعبہ ہائے دین میں متوارث تعبیر دین علمائے

دیوبند کا ماخذ ومسلک ہے، اس بارے میں حضرات علمائے دیوبند نے جو اعتدال قائم کیا ہے وہ اہلِ سنت والجماعت کا مابہ الامتیاز اور حق وصداقت کی علامت ہے، اسی لئے فقہ حنفی اور اصولِ فقہ کی کسی بھی مستند کتاب کو علمائے دیوبند کا فقہ، اخلاق اور تصوف کی کسی بھی مسلّم شخصیت اور معتمد کتاب کے اصول وفروع کو علمائے دیوبند کا تصوف، حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کے ساتھ، فقہائے کرام ومحدثین عظام، اولیاء کرام اور بزرگانِ دین (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) کے جس جس طبقہ کی جن جن شخصیات پر امت کا اعتماد واتفاق ہو، انہی شخصیات کو علمائے دیوبند کے یہاں قابلِ تقلید وقابلِ نمونہ قرار دینا بجا اور درست ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یہی مسلکِ اہلِ سنت والجماعت کہلاتا ہے اور یہی وہ مسلک ہے جس کے علَم بردار علمائے دیوبند ہیں، اسی لئے وہ اس جامع مسلک پر چلنے اور اس کے عناصرِ ترکیبیہ کو جمع رکھنے سے بیک وقت مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، فقیہ بھی ہیں اور متکلم بھی، صوفی بھی ہیں اور مجاہد بھی، مقلد بھی اور مفکر بھی۔

اور پھر ان تمام علوم اور عناصرِ دین کے امتزاج سے ان کا جماعتی مزاج معتدل بھی ہے اور متوسط بھی، جس میں نہ غلو ہے نہ مبالغہ اور اس توسط اور وسعتِ نظری کی بدولت نہ ان کا مشغلہ تکفیر بازی، نہ دشنام طرازی، نہ کسی کے حق میں سبّ وشتم اور تبرا ہے، نہ بدگوئی، نہ عناد وحسد اور طیش ہے، نہ غلبۂ جاہ وجلال سے افراطِ عیش، بلکہ صرف بیانِ مسئلہ اور حقائق بیانی یا اِحقاقِ حق اور اِبطال باطل ہے اور بالفاظ مختصر اصلاحِ امت اور اتحاد بین المسلمین ہے، جس میں نہ متخالف شخصیات کی تحقیر اور بدگوئی کا دخل ہے، نہ ان پر مغرورانہ طعن واستہزاء کا، نہ ان کے بیانات وخطابت کا موضوع مخالف مسلک طبقات سے خواہ مخواہ الجھنا اور عوام کو ان سے نفرتیں دلاتے رہنا اور ان کے خلاف ہمہ وقت عوامی جذبات کو مشتعل کرتے رہنا ہے، جب کہ ان کی زبانیں بیانِ مسائل سے فارغ نہیں تو ان خرافات کے لئے وہ فرصت کہاں سے پاتے؟

تکفیر بازی تو بجائے خود ہے ان کے یہاں سرے سے ان اشخاص کا ذکر وتذکرہ تک بھی زبانوں پر نہیں ہوتا جو ہمہ وقت ان کی بدگوئی میں لگے رہتے ہیں، پس انہیں اوصاف واحوال کے مجموعہ کا نام ''دارالعلوم دیوبند'' ہے اور اسی علمی وعملی اور عقلی واخلاقی ہمہ گیری سے اس کا دائرۂ اثر دنیا کے تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔

علمائے دیوبند کے اس دینی رخ اور مسلکی مزاج کی نسبتوں سے اگر انہیں پہچنوایا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دیناً مسلم ہیں، فرقۃً اہل سنت والجماعت ہیں، مذھباً حنفی ہیں، کلاماً ماتریدی واشعری ہیں، مشرباً صوفی ہیں، سلوکاً چشتی بلکہ جامعِ سلاسل ہیں، فکراً ولی اللّٰہی ہیں، اصولاً قاسمی ہیں، فروعاً رشیدی ہیں، بیاناً یعقوبی ہیں اور نسبتاً دیوبندی ہیں۔ والحمدللّٰہ علی ھذہ الجامعیۃ۔

اس طرح دین کے مختلف شعبوں کی ظاہری اور باطنی نسبتیں مختلف اربابِ نسبت اہل اللہ کی توجہات وتصرفات سے انہیں حاصل ہوئیں جنہوں نے مل کر اور یکجا ہو کر ایک مجموعی اور معتدل مزاج پیدا کرلیا جسے دارالعلوم دیوبند نے سنبھال رکھا ہے''۔

(علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، ص: ۱۹۲، ۱۹۳، إدارہ اسلامیات)

غرض یہ کہ اہل سنت والجماعت کے یہاں ان اساسی علوم دینیہ کے متعلق جو اعتدال اور افراط وتفریط سے محفوظ ومتوارث فہم دین دورِ رسالت سے چلا آرہا ہے، برصغیر میں اس کے سچے اور کامل وارث علمائے دیوبند ہی ہیں اور اس سلسلے میں جب قرآن ومتعلقاتِ قرآن، حدیث وتشریحاتِ حدیث، فقہ ومتعلقاتِ فقہ، پھر حدیث وفقہ کے درمیان تطبیق اور تصوف ومتعلقاتِ تصوف، پھر تصوف کے منصوص ومباح احکام واعمال اور غیر شرعی وممنوع محدثات اور سیرت وسوانح، ان تمام علوم کی تشریح، اشاعتِ دین اور تقاضا ہائے وقت سے ان کی تطبیق اور پھر کسی تجدد کا غیر ضروری اثر لئے بغیر اپنے ٹھیٹھ مزاج پر برقرار رہ کر خدمتِ دین کی تاریخ اور وہ بھی مفصل اور منصفانہ، تاریخ جب بھی مرتب کی جائے گی تو برصغیر کی پوری تاریخ میں دیوبند نہ صرف سرفہرست ہوگا بلکہ ان کی امتیازی شان میں کوئی بھی حصہ دار نہ ہوگا۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب اور فتویٰ نویسی

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو فقہ اور فتویٰ نویسی کے باب میں جو عظیم مقام عطا فرمایا، لاکھوں میں کسی خوش نصیب کو حاصل ہوتا ہے، علومِ درسیہ سے فراغت کے بعد پوری زندگی درس وتدریس کے ساتھ تفقہ فی الدین اور فتویٰ نویسی میں بسر ہوگئی، بصیرت وتیقظ اور فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق میں کمالِ درک ، مطالعہ کی کثرت ووسعت، کتاب وسنت، فقہ واصول فقہ میں خصوصی مہارت، اہلِ زمانہ کی طبیعت سے واقفیت، نو ایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت، تغیراتِ زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت نے آپ کو ممتاز ومخصوص مقام پر لا کھڑا کیا۔

ہندوستان کے دو عظیم اسلامی مرکز دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ہر دو کے دارالافتاء کے مفتی اعظم ہوئے اور دیگر متعدد دارالافتاؤں کی سرپرستی اور مکمل رہبری ورہنمائی کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی، سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے مفتیان کرام تیار ہوئے اور انہوں نے قائم شدہ دارالافتاؤں کو سنبھالا، یا نئے قائم کر کے فتویٰ نویسی کے ذریعہ اشاعتِ دین اور مخلوق کی رہبری وہدایت میں مشغول ومصروف ہوئے۔

وہ عہد جس میں فتاویٰ کی زمامِ عمل آپ کے ہاتھ میں آئی اس وقت علم وعمل کا ہر میدان شدید تغیرات سے دوچار تھا، عظیم علمائے راسخین ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے، خود علماء میں روز افزوں رسوخِ علمی میں کمی ......اور ذوقِ سلف سے دوری تھی، تدین کا فقدان ہر طرف سے عوام سے لے کر خواص تک پھیلا ہوا تھا، طرح طرح کی فکری، سیاسی، نظریاتی کج رَویاں جنم لے رہی تھیں، خود مسلمانوں میں نوع بنوع کی نئی نئی جماعتیں اور نئے نئے فرقے وجود میں آرہے تھے، علماء کا ایک بہت بڑا طبقہ مغربی علوم وتہذیب کے سامنے سِپَر اندا ختی کی کیفیت میں مبتلا تھا، نجی زندگی سے لے کر عمومی طرزِ معاشرت، معاملات، نظامِ قانون، تجارت، اخلاق وآداب تک نت نئی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔

کچھ لوگ کھلم کھلا اجتہاد کا دروازہ کھول کر ہر کس و ناکس کو امور دین میں دخل اندازی کا میدان فراہم کرنے کی انتھک کوشش کررہے تھے، ایک طرف متجددین، روحِ شریعت کو مسخ کرنے پر تلے ہوئے تھے اور مغرب سے درآمد ہر نظریہ و ہر فیشن کو جائز و درست ثابت کرنے کے لئے اباحت پسندی کا بھرپور مظاہرہ کرنے لگے تھے اور ایک طبقہ عمل بالسنہ کے نام پر فقہ و تفقہ سے آزادی اور بزعم خود فقہی جمود کو توڑ کر غیر مقلدیت کے وسیع میدان میں قدم رکھنے اور کسی ایک فقیہ کا مقلد رہنے کو شرک کہہ کر رد کرنے اور امت کو آزاد خیالی کی ایک نئی ڈگر مہیا کرنے لگا تھا۔

ایسے حالات میں تصلّب کے ساتھ تحقیق و یسر کے پہلو کو شامل رکھنا، ہر نئی لہر میں ضرورتِ واقعیہ کو الگ کرنا اور محض سہولت کی خاطر اور صرف دوسروں کی دیکھا دیکھی امت کو مزاجِ شریعت سے دور ہونے سے بچانے کے لئے شدت برتنا، اہل حدیث اور سلفیت کے نام پر غیر مقلدیت کے پرچار سے متعلق امت کی رہنمائی اور اس کے مضر اثرات کی نشاندہی، بدعات کے شیوع میں طرح طرح کے غیر شرعی اعمال میں امت کے تزکیہ کے لئے واضح اور قطعی حکم لکھنا اور ان تمام احوال میں احکام شریعت کو بیان کرنے والا؟ مستند شخص چونکہ یہی کہلاتا ہے اس لئے اس پر یہ لازم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حقیقی ضروریات و مصالح کو بھی ملحوظ رکھے اور زیادہ سے زیادہ یُسر کے پہلو کو اپنائے اور ناقابلِ برداشت تنگی سے امت کی مشکلات کم سے کم تر کرنے کی سعی کرے، دوسری طرف اس کی رعایت کرنا بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ آزاد طرزِ فکر نہ اپنائے جوامت کو ہر طرح کی سہولت دینے کے عنوان پر اور تحقیق کے نام سے من مانی تشریحات کو سندِ جواز عطا کرنے کے نتیجے میں روحِ شریعت ہی کہیں مسخ نہ ہوجائے۔

حضرت مفتی محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوتی ہے کہ آپ نے تصلّب (اور وہ بھی شدت کی حد تک) کو بھی اپنایا اور امت کی واقعی ضروریات میں یسر کے پہلو پر بھی نظر رکھی، تجدد و اباحت ہو یا آزاد خیالی و کج فکری، یا نئے نظریات، جس عنوان سے بھی سامنے آئے ان سب کے مقابلے میں یا بدعات و رسوم اور غیر مقلدیت ان کے مقابلے میں آپ کا تصلب واضح ہے جب کہ اخلاق، آداب، حظر و اباحت میں آپ کا انداز نہایت ہی یسر اور حاجت کی حدود کا پوری طرح رمز شناس!!۔

خصوصاً فقہ حنفی پر آپ کا رسوخ اور اس سے کسی بھی حال میں عُدول نہ کرنے کا انداز بھی نہایت اہمیت

کا حامل ہے۔

اس سلسلے میں عبادات میں ایک فقہ پر انحصار اور معاملات اور خاص کر معاملات کی نت نئی صورتوں میں ائمۂ اربعہ میں سے بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت تلفیق، علمائے حقانیین کا امتیاز رہا ہے اور خود علمائے دیوبند اس پر سختی سے کاربند ہیں چنانچہ اسی رَوش پر حضرت بھی کاربند تھے۔

حضرت کا عقائد وعبادات میں فقہ حنفی سے خروج کو کسی بھی حال میں گوارہ نہ کرنا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت آپ کے فقہ پر کلی اطمینان کسی سطحی عقیدت کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ اس کی بنیاد وسیع ترین مطالعہ اور تحقیق پر تھی، اسی لئے حضرت امام اعظم کے کمالات، فقہ میں ان کی برتری اور عظمت کو نہایت بصیرت اور انشراح سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا:

"حضرت امام ابوحنیفہ (ولادت ۸۰ وفات ۱۵۰ھ) کو حق تعالیٰ نے اپنے دینِ قویم کی نصرت کے لئے فطانت، ثقاہت، فراست و دیانت روایت، درایت کا حظِ وافر عطا فرمایا تھا جس کی بنا پر ایسی بیش بہا جلیل القدر خدمات انجام دیں کہ رہتی دنیا تک علمائے اسلام کے لئے شاہراہ قائم کردی اور ایسی روشنی کا انتظام کردیا کہ راہزنی و بے راہ روی سے پوری حفاظت ہوگئی اور ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی فعلی وتقریری جملہ احادیث سے مسائل استنباط کرکے ہر حدیث کا محمل متعین فرمادیا کہ نہ تعارض باقی رہا، نہ کسی حدیث کو ترک کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس عمل کے لئے فقہائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار سے مدد ملی کہ وہ مخاطبین اوّلین تھے جن کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی امانت سپرد فرمائی اور ان پر اعتماد کرکے دین کی حفاظت واشاعت کا ان کو ذمہ دار بنایا۔

فقہ حنفی تنہا امام ابوحنیفہ کے شخصی فتاویٰ نہیں بلکہ کتاب اللہ، سنت، اجماع، آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، محاوراتِ عرب، لغات وادب، تواریخ وسیر، تصوف وزہد کے ماہرین کی ایک بڑی جماعت نے ایک ایک مسئلہ اور اس کے ماخذ اور اس کے معارض پر سیر حاصل بحث کی اور دلائل کی روشنی میں تحقیق وتنقیح کے بعد اس کو جمع کرایا ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اور شعبہ ایسا نہیں جس کے مسائل فقہ حنفی میں موجود نہ ہوں، خواہ صراحۃً ہوں یا ان

کے نظائر ہوں یا قواعد کلیہ ہوں جن کے تحت حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب وسنت سے ایسے قواعد تخریج فرمائے جو کسی جگہ نہیں ٹوٹتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی حافظ الدنیا کے لقب سے مشہور ہیں اور صحیح بخاری کے شارح ہیں، فرماتے ہیں کہ:

''امام اعظم کے قواعد نہایت پختہ ہیں، ان کو دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ میں حنفی ہوجاؤں- درحقیقت یہ قواعد متونِ حدیث ہیں، بلکہ فقہ حنفی کے بیشتر مسائل متنِ حدیث کی حیثیت رکھتے ہیں، مثلاً: فقہ میں مسئلہ ہے:

"إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام"

فتح الباری میں اور دیگر شروح میں اس کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے''۔ مکتوبات،۲۵۴(۱)۔

امام اعظم پر جوطرح طرح کے سطحی اعتراض کئے جاتے ہیں ان اعتراضات کی سطحیت، رکاکت پوری طرح بیان فرمایا کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کہ:

''امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو امام تو سب تسلیم کرتے ہیں لیکن بعض سطحی نظر والے قلیل البضاعت یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کو صرف سترہ ۱۷/ حدیثیں یاد تھیں، حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔ انتہیٰ''۔

فقہ حنفی پر اس وسعت نظر کی بناء پر حضرت فقیہ الامت کو اس درجہ اعتماد وانشراح تھا کہ غالباً پورے عہد افتاء میں کسی صریح جزئیہ سے عدول کا واقعہ پیش نہیں آیا۔

فقہ حنفی پر اس تصلّب کے ساتھ آپ نے کبھی دوسرے ائمہ کی تنقیص، دوسرے فقہاء کی کلی تغلیط یا محض فقہی تعصب کا کوئی مظاہرہ نہیں فرمایا اور یہ علمائے دیوبند کا امتیاز ہے کہ مقلد حنفیت ہونے کے باوجود محققانہ مزاج اپناتے ہیں یعنی وہ نہ تقلیدِ جامد کے قائل ہیں اور نہ اس پر قانع، اسی بناء پر تلفیق یعنی اپنے مذہب سے بر

---

(۱) "وعورض هذا الاحتمال بمثله فی الحديث الذی استدلّوا به، وهو ماأخرجه الطبرانی عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما: " إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام الخ". (فتح الباری، كتاب الجمعة، باب إذا رأی الإمام رجلاً جاء وهو يخطب الخ: ۵۲۰/۲، رقم الحديث: ۹۳۰، قديمی)

بنائے ضرورت عدول کر کے دوسرے امام کے مسلک کو قبول کرنے سے بھی دریغ نہیں فرماتے۔

کچھ حضرات ایک ہی فقہ میں محدود رہنے کی پابندی کو ختم کرنے کی مہم چلاتے ہیں حالانکہ اگر اس کی اجازتِ عام دی گئی کہ ہر شخص جس فقہ پر چاہے عمل کرنے لگے تو اس سے یقیناً اتباعِ شریعت کے بجائے اتباعِ نفس کا دروازہ کھلے گا اور اگر کوئی اتباعِ شریعت کا اہتمام کرنا چاہے تو فقہاء کی متضاد جزئیات میں وجہ ترجیح قائم کرنا ہر ایک کی قدرت سے باہر ہے، لہٰذا اگر اس صورتِ حال میں تلفیق سے کلیۃً اجتناب کیا جائے تو بعض مواقع پر امت کو مشکلات پیش آسکتی ہیں، اس لئے اس میں راہِ اعتدال قائم کرنا مفتیانِ وقت کا فریضہ ہے، چنانچہ حضرت فقیہ الامت فرماتے ہیں:

''اگر کوئی حنفی اپنی وسعتِ نظر، جودتِ فہم، صفائی باطن یا کسی اَور داعیہ قویہ کی بناء پر کسی دوسرے امام کی دلیل کو قوی سمجھ کر اس پر عمل کرے گا تو وہ شخص حنفیت سے خارج نہ ہوگا اور قوتِ داعیہ کے موافق معذور ہوگا اور دوسروں کو اس کا اتباع جائز نہ ہوگا اور اس کی نظیریں مذاہبِ اربعہ میں موجود ہیں۔ شیخ ابن ہمام کی ابحاث کو ان کے شاگرد ابن قطلو بغا نے نا قابلِ اعتنا قرار دیا ہے (۱)۔

ابن حجر شافعی نے لکھا ہے کہ فقہ شافعی میں زکوۃ کے تین مسائل ایسے ہیں جن میں فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے: نقل زکوۃ، دفع زکوۃ الی الواحد اور دفعہا الیٰ اَصنافہ (۲)۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ شافعی ہیں) نے امام مالک کے مذہب کو طہارت کے متعلق پسند فرمایا۔ فقہائے حنفیہ نے مسئلہ مفقود الخبر میں امام مالک کے مسلک کو اختیار کیا ہے'' (۳)۔

---

(۱) "فالظاهر أنهم رأوا دليلاً أرجح مما رآه حتى لم يعملوا به، ولهذا قال العلامة قاسم في حق شيخه خاتمة المحققين الكمال ابن الهمام: لايعمل بأبحاث شيخنا التي تخالف المذهب". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ٦٨، مير محمد كتب خانه)

(۲) (راجع باب التقليد، عنوان: ''بعض مسائل میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا، شاہ ولی اللہ صاحب کیا مقلد تھے؟'')

(۳) (انظر ردالمحتار، كتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالك: ۲۹۰/۴، سعيد)

(والحيلة الناجزة لحكيم الأمة رحمه الله تعالىٰ)

حضرت مفتی صاحب اور طریقہ فتویٰ نویسی

فتاویٰ کے سلسلے میں حضرت فقیہ الامت کے امتیازات ہر حال میں قابلِ نمونہ ہیں، وہ مسائل جو عبادات سے متعلق ہیں، کتاب اللہ میں ان کو تلاش فرماتے، کتاب اللہ میں اگر کوئی حکم مذکور نہ ہوتا تو سنتِ رسول اللہ میں اس کا حل تلاش فرماتے، اگر اس میں بھی نہ ملتا تو امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار فرماتے اور پھر فقہ حنفی سے عُدول کرنا ہرگز گوارہ نہ فرماتے۔

چنانچہ خود فرماتے ہیں:

"جب میرے سامنے کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو میں اسے کتاب اللہ پر پیش کرتا ہوں، اگر اس میں جواب مل جاتا ہے تو میں کسی اَور طرف نہیں دیکھتا، مثلاً: طلقاتِ ثلاثہ کے وقوع کا مسئلہ سامنے آیا تو میں نے کتاب اللہ میں تلاش کیا سو مل گیا، وہ یہ کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿الطلاق مرتان﴾ اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجاً غيره﴾ (۱) صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں، خواہ ایک مجلس میں دے خواہ تین مجلس میں دے، قرآن میں کوئی تفصیل نہیں اور عورت اس کے بعد شوہر اول کے لئے بغیر حلالہ کے حلال نہیں رہتی، میں اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔

اگر کتاب اللہ میں مسئلہ نہیں ملتا تو اس کو سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تلاش کرتا ہوں، اگر اس میں مل جاتا ہے تو کسی اَور طرف توجہ نہیں کرتا، مثلاً: قرأت خلف الامام کا مسئلہ پیش آیا تو میں نے کتاب اللہ میں تلاش کیا اور نہ ملا، پھر حدیث میں تلاش کیا اس میں مل گیا، صحیح مسلم شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: " إذا قرأ فأنصتوا" (۲) جو صحیح صریح غیر منسوخ ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ قرأت خلف

---

(۱) (البقرة: ۲۳۰)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما جعل الإمام ليؤتمّ به، فإذا كبّر فكبّروا، وإذا قرأ فأنصتوا". رواه أبو داؤد والنسائي وابن ماجة". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلوٰة، باب القرآءة في الصلوٰة، الفصل الثاني، ص: ۸۱، قديمي)

الامام جائز نہیں، اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔

اگر حدیث میں مسئلہ نہیں ملتا تو حضرت امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے قول کو اختیار کرتا ہوں، میں چونکہ مجتہد نہیں، نہ مجھ میں اجتہاد کی صلاحیت ہے اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو اختیار کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے مجتہد تھے''۔ (ملفوظات)

یہ طرز تو حضرت کا عبادات کے مسائل کے متعلق ہے، معاشرت وتمدن کے سلسلے میں وہ مسائل جن میں امت دوسری اقوام کی نقالی کرنے لگی ہے چاہے وہ لباس ہو، رہن سہن ہو، رسوم وعادات ہوں، کھانے پینے کے طور طریقے ہوں ان میں آپ کا انداز عموماً یہ ہوتا کہ اگر وہ امور غیر مسلم اقوام کے شعار کی حیثیت رکھتے تو بر بنائے تشبہ ان کے ممنوع ہونے کا فتویٰ دیتے، لیکن علتِ تشبہ پر کامل غور وفکر کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے، لیکن اگر وہ امور غیر مسلم اقوام کا شعار نہ ہوتے اور اصلاً وہ اسلامی بھی نہ ہوتے، ان کے مباح ہونے کا فتویٰ دیتے، لیکن اجتناب کی تلقین بھی فرمایا کرتے تھے۔

حظر واباحت کے مسائل کے سلسلے میں نصوص سے زیادہ عرف کو مدار بنایا جانا اس لئے ناگزیر ہوتا ہے کہ عموماً یہ مسائل عرف پر ہی مبنی ہوتے ہیں، اس لئے اس سلسلے میں عرف کی بناء پر جواز وعدمِ جواز کا فیصلہ فرمایا کرتے اور اس کے لئے صرف بیانِ حکم پر اکتفا فرمایا کرتے تھے۔

معاملات کے سلسلے میں وہ مسائل جن کا تعلق ایسے امور سے ہوتا جن کے متعلق قطعی تحقیق نہ ہوئی ہوتی تو آپ بھی قطعی حکم نہ لگاتے، مثلاً کوکا کولا، سینٹ، صابون، ڈالڈا گھی، بسکٹ، برش، ٹوتھ پیسٹ وغیرہ کے متعلق جائز وناجائز کا حکم دریافت کیا گیا تو آپ نے ان اشیاء کے متعلق یہی لکھا کہ بلا قطعی تحقیق کے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان اشیاء میں نجس اشیاء پائی جاتی ہیں اور جب تک اس کی پوری تحقیق نہ ہوجائے ان کے متعلق حرمت کا فتویٰ نہیں لکھا جاسکتا۔

وہ مسائل جو جدید ایجادات کی بناء پر سامنے آتے ان کی تحقیق نہ ہوتی تو صاف فرمادیتے کہ مجھے تحقیق نہیں، تاہم جدید مسائل کے فتاویٰ نسبتاً کم ہی لکھا کرتے تھے۔ ایسے مسائل جن میں کسی مستفتی کے متعلق آپ کو محسوس ہوتا کہ محض کسی کے خلاف بطورِ ہتھیار استعمال کرنے کے لئے فتویٰ طلب کیا جارہا ہے تو عموماً آپ ناصحانہ

جملے لکھا کرتے اور ایسے مسائل جن سے کسی عمل کی امید نہ ہوتی محض علمی مشغلہ کے طور پر دریافت کئے جاتے ان کے متعلق بھی عموماً نہایت اجمال برتتے تھے۔

حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں وہ فتاویٰ جو ابتدائی عہد کے ہیں یعنی جو مظاہر علوم اور کانپور کے زمانے میں لکھے گئے ان میں تحقیق، بیانِ حوالہ اور جوش وصراحت کا عنصر غالب ہے جب کہ اخیر عہد میں اصلاح وارشاد اور تزکیہ ونصیحت کا رنگ غالب رہا۔

بدعات، رسوم، روایات اور امت میں پھیلے ہوئے مختلف علاقوں کے مختلف اختراع شدہ امور کے متعلق حضرت کا انداز یہ تھا کہ ہر امر کے متعلق پہلے یہ طے فرماتے کہ کیا اس کو بر بنائے عبادت انجام دیا جارہا ہے اور التزام کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے یا نہیں، اگر دین سمجھ کر التزام کے ساتھ کسی کام کو کیا جانے لگے اور تارک کو ملامت کی جائے تو اب اس کے بدعت ہونے میں شبہ نہیں، چنانچہ تیجہ، چہارم، دسواں، پندرہواں، چالیسواں، عُرس، مجالسِ میلاد میں طرح طرح کے غیر ثابت شدہ امور کی پابندی وغیرہ کو بدعت اور اصولِ شریعت سے غیر ثابت شدہ ہو کر غیر مشروع ہونے کی صراحت فرماتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی اگر کسی امر کا التزام بر بنائے انتظام ہو، نہ کہ بر بنائے حکمِ شریعت، اور تارک کو مطعون بھی نہ کیا جائے تو اس کو بدعت نہ کہہ کر امت کے لئے سہولت پیدا فرماتے تھے، چنانچہ مختلف تسبیحات کی تعداد کو یاد رکھنے اور گننے کے لئے تسبیح کا استعمال درست قرار دیا، اگرچہ کچھ لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کیا اس میں ابتداع کے تمام لازمی امور پیدا ہوئے بھی یا نہیں؟ غرض کہ حکمِ بدعت کے سلسلے میں نہ سخت گیر موقف اپناتے تھے اور نہ سہل انگاری۔

حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فقہ وفتاویٰ کی چند خصوصیات جو انتہائی سرسری طور پر سامنے آئیں وہ پیش کرنے کے بعد یہ امر واضح کرنا لازم ہے کہ یہ خصوصیات حضرت کا امتیازِ خاص اور وہ انفرادیت نہیں کہ جس سے دوسرے بزرگوں سے اس کی کلی نفی مقصود ہو لیکن اس عہد میں حضرت ان اوصاف وامتیازات کی بناء پر بلاشبہ سب سے فائق تھے۔

وسعتِ نظر اور استحضارِ جزئیات

وسعتِ نظر اور استحضار جزئیات میں بھی آپ اس عہد میں بے نظیر تھے، بے شمار مسائل ایسے کہ جن کے

متعلق عموماً یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اس کے متعلق کہیں کوئی صراحت شاید نہ مل سکے، لیکن حضرت نہایت بے تکلفی سے اس کے لئے کوئی صریح جزئیہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ اسی وسعتِ نظر کی بناء پر آپ کے فتاویٰ میں ان کتابوں کے حوالے بھی ہیں جن کی زیارت تو کجا ان کے نام سے بھی ہم جیسے نا آشنا تھے اور حضرت کے فتاویٰ کے ذریعہ ہی پہلی مرتبہ نام سننے میں آئے، چنانچہ: نهاية الأمل، روضة القضاء، نور العين، تلقيح فهوم أهل الأثر، نور الضحىٰ اور بہت سی فتاویٰ کی دوسری کتابیں ہیں جن کا پہلے پہلے نام سے تعارف حضرت کے فتاویٰ ہی کے ذریعہ ہوا۔

فقہ وفتاویٰ کی کتابوں کا وسیع ترین مطالعہ اور پھر اس کا استحضار اور بوقتِ ضرورت اس کا بیان کرنا یہ وہ وصف ہے جو بلاشبہ اس عہد میں آپ کا وصفِ امتیازی تھا، چنانچہ وسعتِ نظر کا شاہکار دیکھئے کہ سوال کیا گیا مسجد میں دوستونوں کے درمیان نماز مکروہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا:

> ''کہ مبسوط میں جزئیہ موجود ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے دو مقتدیوں کے درمیان کوئی صندوق رکھ دیا جائے''۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول العرف الشذی: ۱/۶۰، میں نقل کیا گیا ہے کہ احناف کی کتب میں عدم کراہت کا قول مجھے نہیں ملا، حالانکہ مبسوط سرخسی میں صراحۃً مذکور ہے''۔ (ملفوظات: ۲)

اسی وسعتِ نظر کی بناء پر مستند وغیر مستند کتابوں کے متعلق آپ نہایت قطعیت سے حکم لگاتے تھے، چنانچہ بعض دفعہ ایک ہی استفتاء میں دس دس کتابوں کے متعلق رائے طلب کی جاتی تو نہایت بے تکلفی کے ساتھ مستند ہونے، مشکوک ہونے، غیر مستند ہونے وغیرہ کی تصریح فرماتے (۱)۔

فقہ کی امہاتِ کتب پر نہایت تحقیقی اور عمیق نظر تھی اور اس کے نتیجے میں بعض دفعہ آپ کی زبان وقلم سے ایسے جواہر کا ظہور ہوتا کہ جن کے لئے برسوں کے علم ومطالعہ کے بعد بھی امید نہیں کی جاسکتی کہ حاصل ہو جائیں۔

حضرت فقیہ الامت اور اعتدال پسندی

حضرت فقیہ الامت کے فتاویٰ، مواعظ، ملفوظات، تدریس، اصلاح وتصوف، مسلکِ علماء دیوبند کی مدلل، مفصل، عام فہم، تبیین اور تشریح ہے۔ اس معتدل مسلک کی تشریح وتوضیح میں آپ کا منہاج کیا تھا، یہ ذیل کی

---

(۱) (راجع محموديه، كتاب العلم، مايتعلق بالكتب المعتمدة وغيرها، عنوان: چند معتبر اور غیر معتبر کتب'')

چند مثالوں سے واضح ہوگا:

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور راہِ اعتدال

اس کائنات میں سب سے مقدس، سب سے افضل اور تمام کمالاتِ انسانی کی جامع جماعت حضرات انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے، جن کی محبت، عقیدت اور ان کی حقانیت وصداقت پر مکمل اطمینان اصلِ ایمان ہے، پھر جماعتِ انبیاء علیہم السلام میں سب سے افضل حضرت سید المرسلین خاتم النبیین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ کمالات کی بناء پرامت کے بہت سے طبقات طرح طرح کی اِفراط وتفریط میں مبتلا ہوگئے، کسی نے آپ کے ارشادات کی تشریحی حیثیت کوتسلیم کرنے سے ہی انکار کیا، کسی نے آپ کے ارشادات کوصرف الفاظ کی حد تک محدود کرکے ان ارشادات سے مزید استنباط کرنے، ان میں تخریجِ علت اور پھر علت کے تعدیہ کو غلط قرار دے کر صرف الفاظِ حدیث کی سندی حیثیت اور ظاہرِ مفہوم تک محدود رہنا منتہائے دین قرار دیا، کسی نے آپ ﷺ کی ذات کو عام انسانوں کی ذات کے ہم مثل قرار دے کر آپ کے آثار بالخصوص مادی آثار کو غیر معتبر قرار دیا حتی کہ آپ کے جسمِ اطہر کے مٹی میں مل کر دوسرے انسانی اجسام کی طرح مخلوط ہوجانے کا عقیدہ اپنایا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محض پیغام رساں ہونے تک محدود سمجھی، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں غلو کرکے آپ کو عالم الغیب، مشکل کشا، مختارکل، ہرجگہ حاضرو ناظر قرار دیا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ مطلق اور صفاتِ الٰہی کا جزو قرار دیا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی طرف منسوب تبرکات کو معبود تک بنانے کی روش اپنائی، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پر، آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تنقید کرنے کو اپنا اصول قرار دیا۔

اس صورت حال میں اعتدال کیا ہے یہ نہایت اہم مسئلہ ہے، چنانچہ اس اہم مسئلہ میں علمائے دیوبند نے جو معتدل منہاج اپنایا اس کی نہایت جامع مثال حضرت فقیہ الامت کے فتاویٰ میں ملے گی، حضرت جہاں حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی وعملی، اخلاقی، جسمانی، روحانی

کمالات کو تسلیم کرنے اور ان پر مکمل ایمان رکھنے کی نہایت بصیرت افروز اور محبت خیز تشریح فرماتے ہیں وہیں آپ کے عالم الغیب ہونے، مختار کل ہونے، نورِ مطلق ہونے کی بھی نفی کرتے ہیں اور یہ نفی قرآن، حدیث، آثارِ صحابہ، ارشاداتِ عارفین اور عقلی استدلالات اور بصیرت افروز بیانات ومثالوں پر مبنی ہوتی ہے۔

آپ ایک طرف حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات کو افضل الکائنات، اعلم الکائنات اور اطہر الکائنات قرار دے کر ان پر ایمان رکھنے کو لازم قرار دیتے ہیں لیکن دوسری طرف جب یہ حدیث پیش کرکے فتوی طلب کیا جاتا ہے کہ: "أنا أحمد بلا میم، وأنا عرب بلا عین" (ترجمہ) "میں بلا میم کے احمد (احد) اور بلا عین کے عرب (رب) ہوں"۔ تو اس کو موضوع اور باطل کہہ کر رد کر دیتے ہیں (۱)۔

آپ ایک طرف محبتِ رسول کو جزوِ ایمان اور لازمۂ ایمان قرار دیتے ہیں، لیکن ساتھ ہی مجرد لسانی دعوائے عشق کو ناقص قرار دے کر حقوقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیگی کی تلقین فرماتے ہیں اور یہ حقوق عشق ومحبت، عقیدت وعظمت، اتباع وانقیاد اور ایک ایک سنت کو اپنانے کی تلقین تک وسیع کرتے ہیں، صاف فرماتے ہیں کہ:

"اصل عشقِ رسول تو اتباع سنت کا نام ہے"۔

آپ ایک طرف "شفا یا رسول اللہ" کہنا غیر درست قرار دیتے ہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود جسمانی امراض سے سابقہ پیش آیا تو آپ سے ہی شفاء طلب کرنا کیسے درست ہوگا، لیکن دوسری طرف آپ کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ سے حاجات طلب کرنا درست قرار دیتے ہیں (۲)۔ آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ کائنات میں سب سے افضل پانی کون سا ہے اور یہ سوال کرنے والا بجا طور پر یہی سمجھتا ہے کہ جواب میں حضرت یہی فرمائیں گے کہ سب سے افضل پانی زمزم ہے، اس لئے احادیث میں سب سے زیادہ فضیلت اسی پانی کی بیان کی گئی، لیکن حضرت کے تعمقِ نظر کا عالم دیکھئے فرماتے ہیں کہ:

"اس کائنات میں سب سے افضل پانی وہ تھا جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا تھا، اس کے بعد سب سے افضل زمزم کا پانی ہے"۔

---

(۱) (راجع کتاب العلم، مایتعلق بالحدیث، عنوان: "أنا أحمد" الخ، کیا حدیث ہے"؟)

(۲) (راجع کتاب الإیمان، مایتعلق بالتوسل فی الدعاء)

لیکن اس کے ساتھ وہ تمام بے سند روایات جو سیرت کے نام پر بیان کی جائیں ان کی تردید وتغلیط میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتے، چنانچہ "أول ماخلق اللّٰہ نوری" کے متعلق فرمایا کہ "یہ درجہ صحت کو نہیں پہنچتی ہے"(۱)۔

حقوقِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مجرد سیرت نگاری اور صرف اظہارِ فن کے لئے نعتیہ شاعری کو ناکافی سمجھتے ہیں، بلکہ اتباعِ رسول کو اور پھر اشاعتِ دین کی لگن کو بھی حقوق میں شمار کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی وہ نعتیہ شاعری جو حدودِ شریعت میں ہو (جس میں نہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق النبی قرار دیا جائے اور نہ غیر مستند باتیں آپ کی طرف منسوب کی جائیں) کی اہمیت کے نہ صرف قائل ہیں، بلکہ خود بھی ایسی نعتیہ شاعری کرتے ہیں جو بلاغت، تلمیحات، استعارات اور قرآن وسنت وسیرت کے اُن دفاتر کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو ذاتِ اقدس کے متعلق وارد ہیں۔

غرض یہ کہ اس کائنات میں سب سے مقدس جماعت حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے سردار اور ان میں سب سے افضل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، جن کی محبت وعظمت، عقیدت واتباع ہی اصلِ ایمان ہے، لیکن یہ محبت وعظمت اگر غلو کا شکار ہو جائے تو یہی شرک بن سکتی ہے، چنانچہ حضرات علمائے دیوبند کے عمومی مسلک کے مطابق حضرت فقیہ الامت اس سلسلے میں نہایت محتاط اور محکم عقیدہ اپناتے ہیں اور اسی کی تصریح بھی فرماتے ہیں، یعنی نہ تو انبیاء کو خدا سے ملا دیتے ہیں، نہ نوعِ بشری سے الگ کسی اُور مافوق الانسانی نوع کے ساتھ ان کی مماثلت تلاش کرتے ہیں، نہ ان میں خدا کے حلول کرنے، خدائی اختیارات کے ان میں موجود ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، نہ ان کو مقامِ عبدیت سے اُٹھا کر مقام معبودیت تک پہنچاتے ہیں اور نہ اس طرح کی عقیدت کو درست سمجھتے ہیں۔

اس کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی توہین، تنقیص یا تنقید یا ان کی طرف گناہ کی نسبت کرنے کا تصور بھی نہیں کرتے ہیں اور نہ اس تصور کو درست سمجھتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیثیت محض خدا کا پیغام رساں

---

(۱) (راجع کتاب العلم، مایتعلق بالحدیث، عنوان: أول ماخلق اللّٰہ نوری" الخ)

ہونے کی ہے، گویا معاذ اللہ ڈاک کے کسی امانت دار کارندے کی حیثیت دینے کو سراسر توہین قرار دیتے ہیں۔

ایک طرف حضرات انبیاء عالم بشریت کے سب سے بلند مقام و مرتبہ پر فائز ہیں اور دوسری طرف انسانیت کی سب سے زیادہ محسن و محبوب جماعت اور تیسری طرف خدائی حدود و اختیارات میں دخیل نہیں ہیں، پھر اس مقدس جماعت کی آخری اور سب سے باعظمت ہستی حضرت سید المرسلین ہیں، آپ افضل الکائنات وافضل الانبیاء ہیں لیکن ساتھ ہی آپ کی عبدیت و بشریت بھی یقینی ہے، غلوِ عقیدت میں بشریت کی نفی اور ادعائے بشریت میں مقام نبوت کی تنقیص دونوں پُر خطر ہیں اور دونوں حدودِ شریعت سے خارج ہیں۔

آپ کی ذاتِ اقدس کو خدائی اختیار کا حامل قرار دے کر مختارِ کل اور تمام علوم الٰہی پر محیط قرار دے کر عالم الغیب قرار دینا یا دوسری طرف آپ کی بشریت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی طرف نعوذ باللہ بشری کمزوریوں کا انتساب کرنا یا آپ کے جسد اطہر کے مٹی میں مل جانے کا عقیدہ اپنانا دونوں انتہائیں، حضرت فقیہ الامت کی تشریحات کے مطابق غلط ہیں۔

اگر ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام رسالت کے سب سے فائق مقام پر تسلیم کرنے کے ساتھ الوہیت، رزّاقیت، علم محیط، قدرتِ کاملہ اور اختیاراتِ الٰہی کا انتساب کیا جائے تو حضرت فقیہ الامت اس کو بلا تامل شرک کہہ دیتے ہیں اور یہ آپ کے فتاویٰ میں جابجا موجود ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی کسی کی توہینِ رسول کی خفیف سے خفیف روش پر بھی حرف گیری سے نہیں چوکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی رواداری گوارہ ہے۔

حضرت فقیہ الامت یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور وہ صلوٰۃ وسلام جو ان کی قبر پر حاضر ہو کر پیش کیا جائے خود سماعت فرماتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ اس کائنات میں ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے، وہ طبقہ جو یہ کہے کہ نبی حیات اور ہر جگہ موجود ہیں اس کو بھی غلط کہتے ہیں اور وہ طبقہ جو یہ کہے کہ نبی نہ ہر جگہ موجود ہے اور نہ اپنی قبر میں حیات، ان کی بھی تردید کرتے ہیں اور خود اس میں راہِ اعتدال اپناتے ہیں (۱)۔

میلاد کی مجالس میں قیام کرنا اور یہ سمجھنا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود ان مجالس میں تشریف لاتے ہیں حالانکہ قرآن، حدیث، صحابہ کے ارشادات اور فقہائے امت اس بے بنیاد فاسد عقیدے سے مبرّیٰ ہیں اور

(۱) (راجع كتاب الإيمان، مايتعلق بحيات الأنبياء، وما يتعلق بالحاضر والناظر)

عقل وتجربہ بھی اس کے منکر ہیں، چنانچہ اس قیام کے غیر شرعی ہونے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ:

''حضرت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس اور ذاتِ عالی کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے درود وسلام آپ کی خدمت میں پیش کئے جائیں، نہ یہ کہ آپ خود عالم کے چپہ چپہ میں گھوم کر مجالس میں پہنچ کر درود وسلام وصول کریں، یہ تو عقیدت کے نام پر انتہائی توہین ہے۔ عام محبوب کو اپنی چیز دینے کے لئے اپنے گھر طلب کرنا اور پھر شی مطلوب پیش کرنا توہینِ عشق ہے تو پھر محبوب رب العالمین کے اپنے گھر کی مجالس میں آنے کا یقین رکھنا اور چند نعتیہ اشعار کھڑے ہو کر اور جھوم کر پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ تشریف اجلال متوقع ہے سراسر غیر شرعی بھی ہے، توہینِ رسول بھی ہے اور خلافِ عشق نبوی بھی۔

اس عقیدے کے کھوکھلے پن کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مجلسِ میلاد والے جب چاہتے ہیں کوئی مخصوص نعت پڑھنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اسی پر فیصلہ کرتے ہیں کہ ذاتِ اقدس وارد ہو چکی ہے، اس مخصوص نعت کے بجائے اور جو جو ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتا ہے اور جس جس انداز میں بھی ہو وہ جامد وساکن ہی رہتے ہیں گویا تشریف آوری کو اپنی چاہت پر موقوف کیا گیا ہے، یاللعجب''(۱)۔

غرض کہ ذاتِ اقدس کے متعلق خصوصاً اور دیگر انبیاء کے متعلق عموماً، علمائے دیوبند کا جو نہایت ہی اعتدالی عقیدہ ہے اس کی مکمل تشریح فقہ وفتاویٰ کے ذریعہ حضرت فقیہ الامت کے یہاں کامل طور پر پائی جاتی ہے۔

حضرات صحابہ کرام اور راہِ اعتدال

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعتِ مقدسہ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جماعتِ صالحہ کا معاملہ بھی ایسا ہی نازک ہے۔ ایک طرف سے حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق: ﴿رضی اللّٰہ عنہم﴾(۲) کا مژدہ ہے اور ''الصحابة كلهم عدول'' کا اعلانِ نبوی ہے اور دوسری طرف سے وہ نہ تو

(۱) (راجع باب البدعات، فصل: میلاد اور سیرت کے محافل اور عرس کا بیان)

(۲) (البيّنة: ۸)

حدودِ رسالت میں شامل ہیں اور نہ فوق البشری کمالات سے متصف۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق بھی طرح طرح کی اِفراط وتفریط کا پایا جانا امر واقعی ہے، چنانچہ کچھ لوگوں نے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبری کرنا اور کچھ نے تنقید کے نام پر ان کی مقدس زندگیوں پر حملے کرنا اپنا وطیرہ بنایا۔ پھر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان پائے جانے والے مشاجرات کا مسئلہ اُور بھی زیادہ نازک معاملہ ہے کہ تنقید کرنے والے مشاجرات کو ہی موضوع بناتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت فقیہ الامت کا مسلک جو مسلکِ علمائے دیوبند کی مکمل تشریح کا حامل ہے یہ ہے کہ:

''حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس روئے زمین پر سب سے مقدس جماعت ہے''۔

لیکن ان کی تقدیس اس طرح بیان نہیں کرتے کہ وہ حدودِ رسالت میں شامل ہو جائیں وہ بلاشبہ انسان تھے، لیکن محض اس بناء (انسان ہونے کے ناطے) پر ان پر تنقید کو گوارہ نہیں فرماتے، بلکہ وہ تمام معاملات جو مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ضمن میں آتے ہیں، ان کا محملِ حسن نکالنے کی سخت تلقین فرماتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت علی وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آنے والے محاربہ کی ایسی توجیہ وتشریح فرماتے ہیں کہ نہ تو کسی ایک صحابی کی شان میں تنقیص ہوتی ہے، نہ کسی کے ارادے ونیت پر کوئی شک ہوتا ہے، نہ کسی کی ذات پر گستاخانہ حملہ ہوتا ہے اور نہ اس کو جائز سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والوں پر سخت تنقید فرماتے ہیں (۱)۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظمت وتقدیس اور ان کی علوِ شان کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ان کو مقام تشریع بھی نہیں دیتے اور نہ ان کے ارشادات کو بعد کے لوگوں سے چاہے وہ فقہاء ومحدثین ہوں یا اولیاء وعارفین، فروتر قرار دیتے ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امت کے بعد کے تمام طبقات سے افضل قرار دینے اور ان پر ہر قسم کی تنقید کے غیر درست ہونے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان پائے جانے والے مشاجرات کے سلسلے میں

---

(۱) (راجع كتاب الإيمان، باب الفرق الباطلة، مايتعلق بالروافض، مشاجرات الصحابة، عنوان: محاربۂ علی ومعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

حضرت فقیہ الامت کا انداز کیا تھا، اس کی پوری تفصیل مجموعہ فتاویٰ میں درج مختلف فتاویٰ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

تمام مشاجرات صحابہؓ کے متعلق اسی طرح کی تسلی بخش، دلنشین اور نہایت ہی بصیرت افروز توجیہات ومحملِ حسن مقرر کرنے میں حضرت فقیہ الامت خود بھی کامیاب سعی فرماتے ہیں اور اسی کی ترغیب بھی دیتے ہیں۔

غرض کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پوری امت کے لئے حق وباطل کا معیار قرار دے کر ان کے تنقید سے بالاتر ہونے کی تصریح کے ساتھ ان کے معصوم عن الخطا ہونے کا اعلان نہیں کرتے کہ اس سے وہ حدودِ رسالت میں داخل ہوں گے اور ان کے اختلافات کو اچھالنے، موضوعِ بحث بنانے اور ان کی بنیاد پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مطعون کرنے کی روش جیسا کہ بعض مصنفین کا وطیرہ رہا ہے سے خود بھی اجتناب کرتے ہیں اور جو اس سے اجتناب نہ کریں ان پر زورِ تغلیط وتردید کرنے کے لئے ہردم بے باک رہتے ہیں اور یہ بھی آپ کے فتاویٰ سے عیاں ہے۔

پھر صحابہ کرام کے آپسی اختلافات کو حق وباطل کا اختلاف قرار دینے کے بجائے اور ان اختلافات میں ان کی نیتوں پر حملے کرنے کے بجائے صرف اجتہادی اختلافِ رائے کہہ کر اور پھر ہر طرف کی نیت کے خالص ہونے اور اختلاف کو اختلاف دینی کہہ کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صفتِ عدالت کے محفوظ ہونے کی صراحت فرماتے ہیں اور پھر ان کو امت کے بعد کے تمام طبقات سے ہر اعتبار سے افضل ہی نہیں، بعد کی امت کے لئے نمونہ اور کسوٹی قرار دیتے ہیں۔

پھر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اسی محبت وعظمت اور اسی عقیدت ومعیار کا مستحق قرار دیتے ہیں، ایسا نہیں کہ بعض کی زندگیوں میں نقائص کے پہلو نکال کر تبرائی بن جائیں یا سب وشتم کرنا اپنا طرز بنائیں جیسا کہ بعض اہلِ قلم وجماعتوں کی یہ نمایاں علامت رہی ہے اور نہ ہی بعض کے حق میں غلو کر کے حدود عقیدت میں بڑھ جائیں۔ مدح میں ایسا رطب اللسان ہونا کہ ان کو ان کے مقام سے آگے پہنچا دے یہ بھی غلط اور ان کے متعلق بدگمانی، بدزبانی اور بے ادبی بھی حق سے بعید ہے، اس نکتۂ اعتدال پر علمائے دیوبند ہیں اور اس کی مثال اپنی پوری شان کے ساتھ حضرت فقیہ الامت کی ذات گرامی تھی، بلکہ آج کے عہد میں وہ اس نکتۂ اعتدال کے سب سے بڑے شارح وترجمان اور اس کے سب سے مستند مرجع تھے۔

تصوف اور اعتدال پسندی

تصوف اور سلاسلِ اولیاء کے متعلق بھی طرح طرح کی اِفراط وتفریط پائی جاتی ہے، ایک طرف ایک طبقہ جو تصوف کو اس کی اصلی حیثیت سے زائد درجہ دیتا ہے اور اس میں بھی شرعی اصولوں کی رعایت لازم نہیں سمجھتا، تعلیمِ قرآن، تعلیم حدیث وفقہ، مسائلِ شریعت، اعمال ظاہرہ، عباداتِ مخصوصہ، دعوت وارشاد کی یا تو سرے سے ان کے یہاں اہمیت ہی نہیں یا کم ہے۔ ان کے یہاں تصوف اور وہ بھی مطلوبِ شرعی کی حدود سے بے نیاز ہوکر اس طرح مستولی ہے کہ وہ ایسے امور کا ارتکاب کرتے ہیں جو شریعت کے سراسر خلاف ہیں اور تصوف وروحانیت کے نام پر، یا اولیاء کے متعلق ایسے فاسد عقیدے رکھتے ہیں کہ جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ تصوف کے نام پر غیر شرعی اعمال اور وظائف، اولیاء کی طرف منسوب آثار کے ساتھ تبرک کے نام پر شرعی حدود وقیود کے خلاف رویہ اور غلوعقیدت کے ایسے ایسے مظاہرے کہ جن کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی اصل نہیں رائج پا گئے، یا اولیاء کو مختار ومشکل کشا، ہر جگہ سے ہر ندا کو سننا اور بعد الموت بھی ایسی حیات ابدی سے متصف ماننا جس سے وہ امورِ دنیا میں بھی متصرف ہوں، یا استمداد بالقبور یا اولیاء کو صرف ضروریات دنیوی کی تکمیل کا ذریعہ بنانا، مشکلاتِ حیات میں ان سے طلبِ امداد کرنا اور اس جیسے بہت سے مزعومات پھیلے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف تصوف کو سراسر غیر شرعی قرار دینا، اولیاء کو معبودانِ باطلہ سے تشبیہ دینا تصوف کو افیون اور اہل تصوف کو نشہ پلانے اور سلا دینے والے قرار دینا اور اس ضمن میں پوری جماعتِ صوفیاء کی تنقیص کرنا اور پورے تصوف کو "چنیا بیگم" تک کہنا اور پورے سلسلہ تصوف کو مجروح کرنے کو ایک مہم کے طور پر اپنانا بھی ایک طبقہ کا وظیفۂ حیات ہے(۱)۔

اس سلسلے میں راہِ اعتدال اور مسلکِ حق کیا ہے، یہ علمائے دیوبند کی طرح تفصیل سے حضرت فقیہ الامت کے یہاں ملتا ہے، آپ تصوف کی حقیقت اور اس کی ضروریات، اس کی افادیت واہمیت کو یہ کہہ کر واضح فرماتے ہیں: "تزکیۂ نفوس، اعمالِ ظاہرہ اور اخلاقِ فاضلہ کے حصول کے لئے ہے، اسی کا نام تصوف ہے"۔ اسی کے ساتھ مرشد کے اوصاف وشرائط کی پوری تفصیل بیان فرماتے ہیں جو اس کے لئے لازم ہیں اور ایسا شخص جو عقائدِ فاسدہ رکھتا ہو جو خود متبع سنت نہ ہو جس سے اصلاح کی وہ ضرورت پوری نہ ہوتی ہو جس کے لئے یہ سلسلہ

---

(۱) (راجع باب الفرق، مایتعلق بالمودودیة، عنوان: "تصوف، یوگ، کوکین، افیون")

راہ سلوک مطلوب ہے اور وہ ارشاد وتزکیہ کی مقرر شرائط پر پورا نہ اترتا ہو اس سے بیعت نہ ہوں اور اگر ہوئے ہوں تو اس بیعت کو توڑ دینے کا فتویٰ دیتے ہیں (۱)۔

پھر تصوف میں اعمالِ مقصودہ اور اعمالِ غیر مقصودہ کی وضاحت کرتے ہیں اور اعمالِ غیر مقصودہ جو صرف بغرضِ علاج شرعی حدود میں رہ کر انجام دیئے جائیں ان کی اباحت کی صراحت بھی فرماتے ہیں اور وہ اعمال جو نہ مطلوبِ شرعی ہیں، نہ وہ بطور علاج کے مفید ہیں اور ان کا شیوع یا تو صرف رسوم کی بناء پر ہوا ہے یا تصوف و بزرگانِ دین کی طرف غلط انتساب کا نتیجہ ہے، محض رسوم کی بناء پر کئے جانے والے اعمال جو بعد میں تصوف کے خانے میں ڈال دیئے گئے، مثلاً: تیجہ، چوتھا، دسواں، گیارہواں، چہلم، برسی، عرس، رسم قل اور ختم کی مجالس میں غیر شرعی کلام اور وظائف کا ورد مثلاً: ''المستغاث المستعان الخلاص یا رسول اللّٰہ یا فلان مشکل کشا بالخیر المدد'' وغیرہ یہ تمام اپنی اصل کے اعتبار سے غیر شرعی بھی ہیں اور تصوف کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں، اس لئے حضرت فقیہ الامت ان کو بدعت قرار دیتے ہیں، ان کے غیر شرعی ہونے کو دلائلِ نقلیہ وعقلیہ سے مبرہن فرماتے ہیں اور اس کی سب سے واضح دلیل مستند صوفیاء سے ان کا عدمِ ثبوت ہے، اسی کے ساتھ اولیاء کو مقام الوہیت تک پہنچانے کی ہر روش کی سختی سے تردید وتغلیظ فرماتے، چنانچہ سوال کیا گیا کہ.................

ایک صاحب نے بیان فرمایا، کہا کہ:

''کسی بڑھیا کا خاندان غرق ہوگیا تو پیرانِ پیر نے دعا کی وہ سب زندہ ہوگئے، کیا یہ واقعہ درست ہے؟ اس پر جواب فرمایا: ''یہ واقعہ من گھڑت اور بالکل جھوٹ ہے اور اتنے بڑے بزرگ پر جھوٹ باندھنا تو بہت بڑی بدبختی ہے'' (۲)۔

اولیاء پرستی کی اس روش کی نفی کے ساتھ ان کے احترام کو برقرار رکھنے اور اس سلسلے میں شرعی حدود قائم فرمانے کا انداز دیکھئے کہ پوچھا گیا:

''کیا اولیاء سے مدد مانگنا جائز ہے؟ اس پر ارشاد فرمایا: ''حضرات اولیاء اللہ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا درست ہے، خود براہِ راست اولیاء اللہ سے کوئی چیز

(۱) (راجع کتاب السلوک، مایتعلق بصفات الشیخ)

(۲) (راجع کتاب الإیمان، مایتعلق بالمعجزة، والکرامة والإلهام'')

نہ مانگی جائے جیسا کہ بعض جگہ کہتے ہیں ''یا غوث المدد'' شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے''(۱)۔

تصوف کے سلسلے میں بیعت سے لے کر شرائطِ مرشد، آدابِ مسترشد، اعمالِ ثابتہ کو مدلل کرنے، مقصودِ بیعت کا عملی بیان، راہِ سلوک میں پیش آنے والے تمام احوال ومقامات کی تشریح اور ان میں ہر ہر جز کی علمی تائید کے سلسلے میں حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ تمام صلحائے عارفین کی طرح انتہائی وسعتِ نظر اور ژرف نگاہی کا مظاہرہ فرماتے ہیں، بزرگانِ دین سے منسوب شطحیات کی نہایت دل نشین توجیہ فرمایا کرتے اور وہ اعمال جو شرعاً اگرچہ مطلوب نہیں، لیکن صدیوں کے تجربات کے بعد صوفیہ نے اعمالِ صالحہ پر دوام، اخلاقِ فاضلہ کے حصول اور نسبتِ احسانی کے احیاء میں مفید قرار دیا، ان کا علمی اثبات ایک صاحبِ علم متصوف کی طرح نہایت بصیرت سے فرماتے ہیں۔

وہ اعمال جو اپنی اصل کے اعتبار سے فرض وواجب نہیں، صرف سنت ومستحب کے درجہ میں ہیں، ان کو تصوف میں لے جا کر اس طرح لازم کر دیا کہ عملاً وہ فرض کے مقام پر پہنچ گئے اور فرض وواجب کی حیثیت گھٹا دی گئی......اس سلسلے میں حضرت کا ارشاد یہ ہے کہ:

> ''جس چیز کا استحباب شرعی دلائل سے ثابت ہو اس پر اصرار کرنے اور تارک پر ملامت کرنے سے اس کا استحباب ختم ہو جاتا ہے اور اس میں کراہت آ جاتی ہے۔ التزام مالا یلزم وملامت علی التارک موجب کراہت ہے''(۲)۔

---

(۱) (راجع کتاب الإیمان، مایتعلق بالاستمداد)

(۲) ان مواقع پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر طیبی شرح مشکوٰۃ کی عبارت ذکر کرتے ہیں، جو مرقاۃ میں ملا علی قاریؒ نے ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے: '' من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعةٍ أو منکر''. (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلوٰة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۳/ ۳۱، رقم الحدیث: ۹۴۶، رشیدیه)

اور سعایہ شرحِ وقایہ کی یہ عبارت ذکر فرماتے ہیں:

'' الإصرار علی مندوب یبلغه إلی حد الکراهة''. (السعایة شرح شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوٰة، قبیل فصل فی القرآءة: ۲/ ۲۶۵، امجد اکیڈمی، لاهور)

اور اس کا اندازہ بدعات کے اکثر مسائل سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

لیکن دوسری طرف ان معمولات کو جو اصلاً ثابت شدہ ہیں لیکن اس کے باوجود کچھ طبقات نے ان کو بھی محض تعداد و ہیئت کی تعیین کی بناء پر بدعات کے زمرے میں شامل کر دیا جیسے کہ نفی و اثبات کی تسبیحات، اسم ذات کے ذکر اور سہ ضربی یا چہار ضربی ذکر کے سلسلے میں یہی صورت حال پیش آتی ہے اس سلسلے میں حضرت فرماتے ہیں کہ:

''وہ معمولات جو یا تو مستحب ہوں یا مباح اور جن کی فضیلت ثابت ہے، مشائخ بطور علاج کے تجویز فرماتے ہیں اور کبھی یہ معمولات ترک بھی کراتے ہیں کہ جب اس کی ضرورت پڑے اس لئے یہ نہ ممنوع وحرام ہیں اور نہ فرض وواجب''(۱)۔

خلاصہ یہ کہ حضرت فقیہ الامت نے مسلکِ حق کی ایسی اعتدالی تشریح کی اور اعتدال بھی ایسا واضح، مصرح، مدلل اختیار فرمایا کہ عوام ہی نہیں علماء کے لئے بھی آپ کے فتاویٰ ایک کامل رہبر کا کام دے سکیں گے اور اس کا مشاہدہ ہر طالبِ صادق کو یقینی طور پر ہوسکتا ہے۔

مدارس اور راہِ اعتدال

برصغیر میں مغل دورِ حکومت کے خاتمہ کے بعد انگریز اقتدار میں آیا اور اس کے نتیجے میں جو تباہ کاریاں ہوئیں وہ برصغیر کی پچھلی دوسو سال تک کی تاریخ میں اسلام اور مسلمانوں کی سب سے سنگین تباہ کاری ہے، اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب کا خاتمہ، مسلمانوں کی سیاسی اقتصادی زبوں حالی اور علماء وصلحاء کے قتل وخون، غرض ہر ہر اعتبار سے یہ عہد انتہائی خون آشام ہے، مسلمانوں کے اقتدار میں بھی گو کہ اشاعتِ علوم دینیہ کی ایسی کوششیں نہیں تھیں جن کی ایک اقتدار سے بجا طور پر امید کی جاسکتی ہے۔ تاہم منصوبہ بند طریقے سے اسلام کو بیخ وبُن سے اکھاڑنے کی بھی کوشش نہیں ہورہی تھی جیسا کہ انگریز دورِ حکومت میں انتہائی ہمہ گیر انداز میں منصوبہ بند طریقوں اور ناقابلِ تسخیر ہتھکنڈوں کے ذریعہ اسلام، اسلامی علوم، اسلامی تہذیب، اسلامی آثار وعلامات اور ذہن وفکر سے لے کر عمل وحرکت تک اور فرد کی نجی زندگی سے لے کر ملک کے تمام اجتماعی اداروں تک اسلام کے شعائر کو ختم کرنے کی مہم جاری تھی اور وہ بہت حد تک کامیاب بھی تھی۔

اس صورت حال میں اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کو اسلام پر ثابت رکھنے کی جو سب سے کامیاب اور

(۱) (راجع باب البدعات، فصل: فاتحہ مروجہ کا بیان، عنوان: ''ختم میں سوا لاکھ کی تعداد'')

مفید سعی ظہور پذیر ہوئی وہ دیوبند کے طرز پر قائم ہونے والے مدارس کا قیام ہے۔ بلاشبہ آج برصغیر اسلام کی حفاظت واشاعت اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت میں اور مسلمانوں کو دین سے منسلک رکھنے میں جس محرک نے کلیدی کردار ادا کیا وہ یہی مدارسِ اسلامیہ ہیں۔ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو نہ علماء کی یہ کثرت ہوتی، نہ اسلامی علوم کے پڑھنے و پڑھانے کے یہ مواقع ہوتے، نہ اسلامی علوم کی اس طرح نشر واشاعت ہوتی اور نہ آج برصغیر میں اسلام اس طرح محفوظ ہوتا۔

مدارس کا یہ نہج اپنے اکثر معاملات میں چند بزرگوں کے نہایت قیمتی اصولوں جن کو الہامی اصولِ ہشتگانہ کہا جاتا ہے پر استوار کیا گیا۔ تاہم یہ اپنے نظامِ تعلیم، نظام مالیات، اصولِ تشکیل اور اندازِ تنظیم میں اس اعتبار سے ایک نیا تجربہ تھا ایسا تجربہ اس سے پہلے اس طرح نہیں ہوا تھا جو حکومتوں کی سرپرستی اور مالیات کے کسی متعین ومحکم ذریعۂ آمدنی کے بغیر کھڑا کیا گیا ہو۔

اسی بناء پر فقہ واحکام کی کتابوں میں باقاعدہ کوئی ایسا باب نہیں جو متعین طور پر اس قسم کے مدارس کے تمام مسائل پر مشتمل ہو، چنانچہ یہ مدارس اپنے ذوق اور مزاج سے لے کر چھوٹے چھوٹے مسائل تک اپنے بزرگوں اور بانیوں کی صوابدید اور فیصلوں پر موقوف تھے اور ہیں۔

ایک طرف یہی مدارس برصغیر میں حفاظتِ دین واشاعتِ دین کا سب سے کامیاب وموثر ذریعہ ثابت ہوئے اور دوسری طرف ان میں پیش آنے والے تمام مسائل کسی ایک باب میں دستیاب نہ ہونے کی بناء پر اور نوع بنوع کی اندرونی وبیرونی مہمات کی بناء پر قدم قدم پر کسی مربی کامل، کسی مزاج شناسِ شریعت، کسی صاحبِ بصیرت فقیہ اور کسی ایسے سرپرست کے محتاج تھے جو اس کے منتظمین، مدرسین، طلباء اور معاونین کو صحیح راہ دکھلا سکے، اسی بناء پر ہر اہم مدرسہ نے ہر دور میں کسی نہ کسی کو اپنا سرپرست بھی مقرر کیا اور ساتھ ہی مدارس کے نظام میں پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے کے لئے کسی مفتی کی رہنمائی سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا رہا اور بین المدارس اخذ وقبول کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ مدارس کا یہ سلسلہ برصغیر میں جتنا پھیلتا گیا ان میں پیش آنے والے مسائل بھی وسیع سے وسیع تر ہوگئے، ادھر فتاویٰ کے تمام شائع شدہ مجموعوں میں سے کسی ایک مجموعے میں بھی اکثر وبیشتر مسائل موجود نہیں۔

اس باب میں حضرت فقیہ الامت سب سے ممتاز ہیں کہ ''مایتعلق بالمدارس'' کا باب قائم فرما کر

سب سے زیادہ فتاویٰ دیئے، اس لئے اگر اہلِ مدارس اپنے تمام معاملات کی فقہی رہنمائی کے لئے کوئی کتاب سامنے رکھنا چاہیں تو فتاویٰ محمودیہ کے مجموعے میں "مایتعلق بالمدارس" میں سے مسائل کو منتخب کر کے اپنے سامنے ایک رہنما کتاب کے طور پر رکھ سکتے ہیں، جس میں مدارس میں پیش آنے والے چھوٹے بڑے، عمومی و نادرالوقوع مسائل کا شرعی حکم موجود ہے۔

ان مسائل میں حضرت مفتی صاحب کی فقہی بصیرت، مدارس کے ذوق و مزاج کا عرفانِ کامل، مدارس کے نہج کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں عمیق بصیرت، اصل مقصود سے ہٹ جانے کی خفیف سے خفیف روش پر گہری نظر، حدودِ شریعت میں رہ کر مدارس کو ہرنئی سہولت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت، مسلکِ حق پر استقامت کی مکمل رہنمائی، اربابِ انتظام، اصحابِ تدریس، طلباء، محصّلین اور معاونین میں سے ہر ہر طبقہ کی صحیح اور کامل رہبری، نئی تہذیب کے دھارے پر بہنے اور تجدد کی ہرنئی لہر کو قبول کرنے کے نقصان دہ نتائج و مضراثرات کی نشاندہی، اساتذہ کے فریضے کی صراحت، اخلاص، جدوجہد، استقامت اور تعمیر و تطہیر، اصلاح و تزکیہ کی تذکیر، محض کسبِ مال کو مطمح نظر نہ بنا کر خدمت دین کے تصور کو زندہ رکھنے کی ہدایت وغیرہ کے متعلق حضرت کے فتاویٰ، ملفوظات اور ارشادات جواہرِ خالصہ ہیں۔

جمہوریت اور راہِ اعتدال

پچھلے سو سالہ (کم و بیش) عرصہ میں پورے عالَم کی طرح برصغیر میں بھی سیاسی تحریکات کا شیوع عام ہوا، دنیا میں مختلف نظام ہائے سیاست طرح طرح کی شکست و ریخت سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو بھی اس دَلدَل سے گزرنا پڑا، بلکہ ان کے مضراثرات سب سے زیادہ مسلمانوں پر ہی پڑے، اس بناء پر علمائے اسلام بھی ان سیاسی مسائل سے آنکھیں بند نہ کر سکے۔ اس سلسلے میں علمائے دیوبند کے عمومی تصور کی طرح حضرت فقیہ الامت کا تصور بھی یہی رہا کہ سیاست نہ تو مطلوبِ اسلام و مقصودِ مومن ہے اور نہ ہی شجرۂ ممنوعہ، اس کی وہ تفصیل (جو اس کی وجوہات، دلائل اور نتائج کی حامل ہو) کی تو ان صفحات میں وسعت نہیں۔ تاہم حضرت فقیہ الامت کے چند وہ فتاویٰ جو سیاسیات کے متعلق ہیں پیش کرنے سے علمائے دیوبند کے مزاج کے اجمالی تعارف کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔

یہ دور جمہوریت کا دور کہلاتا ہے اس لئے کہ جمہوری طرزِ حکومت کے قیام، اس کی افادیت اور اس کو بہتر نظام قرار دیئے جانے کے متعلق لٹریچر سے لے کر تشکیلِ حکومت تک جمہوریت کے عملاً زندہ ہونے کا اور عالم کے اکثر حصہ پر اس کے نافذ ہونے کا دور ہے اور اس سلسلے میں کتابوں کا انبار موجود ہے جو جمہوریت کے حق میں بھی ہیں اور اس پر تنقید بھی۔ اسلامی اصولوں کی روشنی میں یہ نظام حکومت مکمل طور پر قابلِ قبول ہے یا قابل رد، اس سلسلے میں علمائے امت مفصل و مدلل تحقیقات فرما چکے ہیں۔ حضرت فقیہ الامت نے نہایت جامع اور مختصر جملوں میں اس کی پوری حقیقت اور اس کا حکم یوں بیان فرمایا کہ:

''حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمہوریت کی تردید فرمائی ہے، (اس لئے کہ) وہاں قوانین کا مدار دلائل پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہے یعنی کثرتِ رائے پر فیصلہ ہوتا ہے۔ پس اگر کثرتِ رائے قرآن وحدیث کے خلاف ہو تو اسی پر فیصلہ ہوگا اور قرآن کریم نے اکثریت کی اطاعت کو موجبِ ضلالت قرار دیا ہے:

﴿وإن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله﴾ اہلِ علم، اہلِ دیانت واہل فہم کم ہی ہوتے ہیں''۔ (فتاویٰ:۱۳/۴۲۶)(۱)۔

ایک موقع پر مختصر فتویٰ لکھا کہ:

''جمہوریت......اسلامی طرز حکومت نہیں ہے''۔

حضرت کبھی شرعی و عقلی دلائل سے جمہوریت کے نقائص کا بیان نہایت مفصل اور دلنشیں انداز میں فرمایا کرتے تھے اور کبھی اس بحث میں اضاعتِ وقت کے خدشہ سے اجتناب بھی فرماتے تھے۔ اب اگر اسلامی طرز حکومت کا قیام ناممکن یا دشوار ہے تو وہاں رہنے والے مسلمانوں کو کیا کرنا ہوگا؟ کیا مسلمانوں کو اس جمہوری سیاست میں شرکت سے کلی اجتناب کا حکم دیا جائے؟ اگر ایسا ہو تو اس سے مسلمانوں کو طرح طرح کے دنیوی نقصانات اور کچھ معاملات میں دینی نقصان بھی یقینی ہے، خصوصاً ان ممالک میں جہاں غیر مسلم اکثریت میں ہوں اور مسلمان سیاست سے کنارہ کشی اختیار کریں تو وہاں کے قانون ساز ادارے اور انتظامی ادارے جو مسلم کش اقدامات کرنے لگیں گے ان کو رد کرنے کی کوئی تدبیر نہ ہو سکے گی اور جمہوری حکومت جو الیکشنوں کے ذریعہ وجود

---

(۱) (راجع محمودیہ، کتاب السیاسۃ، فصل: جمہوریت اور سیاسی تنظیموں کا بیان، عنوان: جمہوریت)

پذیر ہوتی ہے، سے دور رہنے کے نتیجے میں کسی بھی حکمران جماعت سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جاسکے گا اور اگر اس سیاست میں مسلمانوں کی شرکت لازم کردی جائے تو اس کو غیر اسلامی طرزِ حکومت قرار دینے کے بعد اس میں شرکت کا لازمی حکم دینا کیسے درست ہوگا؟

اس صورت حال میں کیا کیا جائے، ایک شخص جو سیاسی میدان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور حضرت فقیہ الامت سے استفسار کرتا ہے تو جواب میں فرمایا کہ:

> ''اگر حصہ لینے میں آپ کو احکامِ اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور آپ حصہ لے کر اہلِ اسلام کی خدمت کر سکیں اور ان کو ظلم سے بچا کر حقوق دلا سکیں تو حصہ لے سکتے ہیں''۔ فتاویٰ: ۱۳/ ۴۲۵ (۱)۔

حدود وقیود اور مقصد کی تصریح اور نیت کی درستگی غرض مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر رکھ کر ایک ہی جملہ میں آپ نے واضح اور قطعی حکم بیان فرما دیا گو کہ دلیل اور علت بیان نہیں فرمائی۔ تاہم علماء کی ایک مجلس میں زبانی گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''جمہوری ملکوں میں سیاست میں شرکت صرف دفعِ مضرت کے لئے ہو سکتی ہے اور دفع مضرت کے لئے شریعت نے بہت سے امور کو جائز رکھا ہے، جمہوریت میں الیکشن جزوِ اعظم ہے اور الیکشنوں میں عوام کی رائے بذریعہ ووٹ طلب کی جاتی ہے۔ گو کہ مرد وزن، خورد وکلاں، عام ناواقف اور اَن پڑھ شخص اور انتہائی ذی علم وصاحب فہم شخص کی رائے مساوی ہوتی ہے اور یہ اس کے دیگر مصائب ونقائص میں سے ایسا نقص ہے جس کا آج تک جمہوریت نواز کوئی فلاسفر یا مصنف جواب نہیں دے سکا، تاہم ووٹ کی حیثیت شرعاً گواہی کی حیثیت ہے جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان نے فتویٰ لکھا ہے''۔ (ملاحظہ ہو جواہر الفقہ) (۲)۔

اس شرعی شہادت پر عمل کرنے کا حکم ظاہر ہے کہ مسلم ممالک میں (کہ جہاں ہر جماعت کے امیدوار مسلمان ہوں گے) ہی لاگو ہوگا، رہا غیر مسلم ممالک میں تو وہاں اس کی حیثیت شہادتِ شرعیہ کی عموماً نادر ہوتی ہے اس لئے کہ امیدوار جب مسلمان ہی نہ ہو تو اس کے لئے ووٹ کو شہادت قرار نہیں دیا جاسکتا تو کیا غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کو ووٹ نہ دینے کا حکم دیا جائے؟ ظاہر ہے کہ اس سے وہی ضرر لاحق ہوگا کہ وہاں کے

---

(۱) (راجع كتاب السياسة والهجرة، عنوان: سیاست میں حصہ لینا)

(۲) (جواهر الفقه: ۲/ ۲۹۷، ووٹ اور ووٹر، باب: انتخابات میں ووٹ اور ووٹر الخ، مکتبہ دار العلوم کراچی)

مسلمان قانون بنانے اور نافذ کرنے والے اداروں سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت یا تو پیدا ہی نہ ہو سکے گی یا بے سود رہے گی۔ اس صورت حال میں حضرت کا فتویٰ ملاحظہ ہو: سوال کیا گیا کہ کیا ووٹ دینا درست ہے؟ فرمایا کہ:

''اگر نفع ہو یعنی دین کی، قوم کی، ملک کی صحیح خدمت مظنون ہو تو درست ہے''۔ (فتاویٰ، ص: ۳۴۱) (۱)۔

اور جب مختلف جماعتیں ووٹ طلب کریں تو ایسی صورت میں ایک مخلص بے لوث اور بے غرض مسلمان کو کیا کرنا چاہیے اور پارٹی کے جانچنے اور اس کے حق میں رائے دینے کا معیار کیا ہو، اسی طرح کے سوال کے جواب میں فتویٰ لکھا کہ:

''اپنے یا اہلِ علم و دیانت کے تجربہ سے جو جماعت اسلام کے زیادہ قریب یا پابند ہو اور حقوق دلانے میں زیادہ کوشاں اور قربانی دینے والی ثابت ہو اس میں شرکت کر سکتے ہیں''۔ فتاویٰ محمودیہ (۲)۔

خود حضرت کس پارٹی کو پسند فرماتے تھے؟ تقریباً اسی قسم کا سوال پوچھا گیا تو فرمایا کہ:

''جماعتوں کے قواعد و ضوابط میں ترمیم ہوتی رہتی ہے، مجھے زیادہ واقفیت بھی نہیں ہے'' (۳)۔

جمہوری ملکوں میں چونکہ انتخاب میں شرکت کرنے کا حق ہر اس پارٹی کو حاصل ہوتا ہے جو پارٹی تسلیم شدہ ہو اور اس کے لئے مذہب، اخلاق اور دیانت کی کوئی شرط نہیں اس لئے منکرینِ خدا، مذہب و اخلاق سے بیزار اور انسانوں کو معاشی حیوان بنا دینے والے بھی اگر انتخاب میں شرکت کرنا چاہیں تو جمہوری ملکوں میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تو کیا کمیونسٹ پارٹی میں شرکت کر کے اس کی طرف سے انتخاب لڑنا یا اس کو ووٹ دینا درست ہے؟ اس سلسلے میں حضرت نے فرمایا:

''کمیونزم کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ انسان کو مذہب سے لڑایا جائے، کمیونزم کا ممبر

---

(۱) (راجع كتاب السياسة والهجرة، فصل : انتخابات کی شرعی حیثیت، عنوان: ''ووٹ کا حکم'')

(۲) (راجع كتاب السياسة، فصل : جمہوریت اور سیاسی تنظیموں کا بیان، عنوان: ''کس سیاسی جماعت میں حصہ لیا جائے؟'')

(۳) (راجع المصدر السابق آنفاً)

اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں بن سکتا جو صدقِ دل سے صاف صاف اعلان نہ کرے کہ وہ دہریہ ہے یعنی منکرِ خدا ہے، اینجلز لکھتا ہے: ''ہمارا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مذہبی فریب خوردگی کو دور کیا جائے''۔ مارکس نے مذہب کے انفرادی معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: ''ہمیں قدم آگے بڑھا کر انسانیت کو مذہب کے اقتدار سے آزاد کرنا ہے، مذہب عوام کے حق میں افیون کا درجہ رکھتا ہے''۔ کمیونزم ایک تحریک نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے جس کے بانی مارکس ولینن وغیرہ یہودی تھے، یہ صرف معاشی تحریک بھی نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے جو تمام ادیان و مذاہبِ سابقہ اور الٰہی تعلیمات اور اخلاق واقدار و دین حق یعنی ذات خداوندی کے خلاف ہے اور کامریڈوں کی درندگی کی راہ میں ہر رکاوٹ کو دور کرنا اس دینِ جدید یا دین یہود کا مسلک ومقصد ہے''۔

آگے تحریر فرمایا:

''یہ کمیونزم کا اجمالی خاکہ ہے کہ جس سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اعتقاد کے اعتبار سے وہ صراحۃً اسلام کے خلاف ہے، سیاسی حیثیت سے اس میں شرکت وقتی طور پر اگر مفید بھی نظر آئے تو بھی اس کا دینی حیثیت سے ضرر واضح ہے''۔ (فتاویٰ:۱/۱۴)(۱)۔

حضرت فقیہ الامت نے اشتراکیت کے متعلق جو قطعی اور واضح حکم لکھا اس کے بعد یقیناً یہ سوال پیدا ہوگا کہ جو لوگ اس تحریک اشتراکیت میں شریک ہوئے، کیا وہ اسلام سے خارج ہیں؟ چنانچہ حضرت سے یہ پوچھا گیا لیکن تکفیر (کسی کو کافر قرار دینا) انتہائی اہم اور پرخطر معاملہ ہے اور علمائے دیوبند کی اس سلسلے میں احتیاط تو شعار و امتیاز ہے، اس مزاجِ احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے فتویٰ لکھا کہ:

''کسی مسلم فرد یا مسلم جماعت کو کافر یا مرتد قرار دینا بڑی ذمہ داری کی بات ہے، جب تک نصوصِ قطعیہ سے اس کا کفر ثابت نہ ہو اس پر اقدام نہیں کیا جا سکتا، بلا قطعی دلائل کے اگر ایسا کیا جائے تو اندیشہ قوی ہے کہ یہ کفر اقدام کرنے والے پر عود کر آئے، جو علماء حدودِ شرع سے واقف ہیں اور کفر واسلام کی سرحد کو پہچانتے ہیں وہ کبھی ایسا اقدام نہیں

---

(۱) (راجع کتاب الإیمان، باب الفرق، مایتعلق بالشیوعیة والاشتراکیة، عنوان: ''کمیونزم'')

کیا کرتے"۔فتاویٰ محمودیہ(۱)۔

اسی حزم واحتیاط کا مزید مظاہرہ آپ نے اس وقت فرمایا جب ایسے مسلمانوں کے متعلق سوال کیا گیا کہ جوکمیونزم کے بنیادی نظریات سے ناواقف ہوکر محض سیاسی بہتر خدمات کی توقع پر کمیونسٹ پارٹی کوووٹ دیں، کیا وہ اسلام سے خارج ہوکر کمیونسٹ قرار پائیں گے؟ آپ نے فتویٰ لکھا کہ:

"اس ملک (ہندوستان) میں ووٹ اسلام اور کفر کی بنیاد پرنہیں دیئے جاتے، نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں، جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا، نفع پہنچائے گا، حقوق دلوائے گا، ظلم کو روکے گا اس کوووٹ دیا جائے، جولوگ خود مسلمان اور دین و مذہب کے پابند ہیں وہ اگر نافع سمجھ کرکسی پارٹی کوووٹ دیں یاکسی فرد کو ووٹ دیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس پارٹی کے نظریات وعقائد سے بھی متفق ہیں"۔فتاویٰ: ۱۶۷/۵(۲)۔

اختلافی مسائل اور راہِ اعتدال

اختلافی مسائل چاہے وہ عقائد سے متعلق ہوں یا معاشرت، معاملات، اخلاق، سیاسیات یا مختلف فرقوں کے عقائد ونظریات اور یا پھر یہ اختلافات قدیم ہوں یا نئے ہوں ان تمام مسائل میں حضرت فقیہ الامت کا طرز محققانہ، حفظِ مراتب میں محتاط اور بوقت ضرورت سخت ہوا کرتا تھا۔اس سلسلے میں کبھی آپ انتہائی بسط وتفصیل کی روش اپناتے اور کبھی اجمال اختیار کرکے صرف بیان حکم تک محدود رہتے۔

ان اختلافی مسائل میں استدلال کی قوت، بیان میں حفظِ درجات، اپنے موقف پر شدت وصلابت اور مخالف نظریہ کے دلائل پر شدید گرفت اور نقلی وعقلی دلائل سے اس کی تردید، یہ سب کچھ ہوا کرتا۔

اختلافی مسائل میں تکفیر کا سلسلہ جو برصغیر میں ایک طبقہ کا نشان اور علامت بن گیا تھا اور اس کے لئے ذاتیات پر انتہائی رکیک اور اخلاق سوز حملے بھی کئے اور دوسری طرف تقلید کو شرک اور ہر نئے عمل کو بے دھڑک بدعت و گمراہی اور اسلاف کا ذوق وتعامل اپنانے کو اتباعِ آباء، یہودیت، نصرانیت اور مشرکین کا طرز اپنانے

---

(۱) (راجع كتاب الإيمان، باب الفرق، مايتعلق بالشيوعية، والاشتراكية، عنوان: اسلامی سوشلزم)

(۲) (راجع كتاب السياسة والهجرة، فصل: انتخابات کی شرعی حیثیت، عنوان: "ووٹ کس کو دیا جائے؟")

کاحکم لگایا گیا جیسا کہ دوسرے طبقہ کا شعار ہے، اس سلسلے میں حضرت فقیہ الامت بحیثیت مفتی اُس روش پر قائم رہے جو علمائے دیوبند کا امتیاز ہے یعنی صراحۃً کبھی کسی کی تکفیر کا حکم لکھنے کی اگر نوبت آئی تو عموماً حضرت کا جواب اس طرح ہوا کرتا۔

''ایسے عقائد اپنانے سے ایمان سلامت نہیں رہتا''۔

یا یہ لکھا کرتے:

''یہ خیالات خلافِ شریعت ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ وغیرہ''۔

اس سلسلے میں عموماً فرمایا کرتے کہ:

''سب سے زیادہ احتیاط کی ضرورت تکفیر میں کرنے کی...... ہے''۔

ان اختلافی مسائل میں اگر مسئلہ کسی جماعت کے متعلق ہوتا اور وہ مسئلہ اس جماعت نے بطور عقیدہ وشعار کے اپنایا ہوتا تو پھر حضرت کا رویہ نہایت سخت اور قطعی ہوتا۔ ایسے مسائل میں دوسرے فریق پر مفصل ومدلل جرح، اس کے دلائل کی دلنشین تغلیط، دوسرے فریق کے دلائل نقل کرنے اور پھر ان کے سقم کو بیان کرکے اس کے نتیجے میں پھیلنے والی گمراہی کی واضح نشاندہی فرمایا کرتے، چنانچہ مختلف فرقوں کے متعلق آپ کے فتاویٰ میں یہ انداز واضح ہے لیکن اس شدت وقطعیت کے ساتھ کسی کی ذات پر یا کسی کی نیت پر حملہ نہ کرتے یا اخلاق وکردار کو موضوعِ بحث نہ بناتے، نہ طعن وتشنیع والزام تراشی کرتے، نہ غلط بات منسوب کرتے، نہ کسی کے نظریہ کے غلط معنیٰ نکال کر توجیہ القول بمالا یرضی بہ القائل کا ارتکاب کرتے، بلکہ اگر دوسرے فریق کی طرف سے کوئی درست بات سامنے آتی تو اس کی نہایت فراخ دلی اور حقیقت پسندی سے تحسین فرمایا کرتے، چنانچہ ایک مشہور شخصیت جن کے خیالات ونظریات سے حضرت کو نہایت اختلاف ہے، کے متعلق ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ:

''اس موقع پر............صاحب نے ایک بات ایسی لکھی ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ مجھے............صاحب سے بنیادی اختلاف ہے اس اختلاف کے باوجود یہ بات بعید ہے کہ اگر ان کے قلم سے کوئی بات صحیح نکل جائے تو میں اسے غلط کہنے لگوں، ایسا

نہیں ہوسکتا، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولا یجر منکم شنآن قوم علیٰ أن لا تعدلوا﴾ (۱)۔

فروعی اختلافی مسائل اور راہِ اعتدال

ان اختلافی مسائل میں دوسری قسم ان مسائل کی ہے جن میں کسی جزوی اور فروعی مسئلہ میں کسی سے آپ کا اختلاف ہوجائے اور یہ اختلاف بربنائے دلائل ہو اور وہ کسی تحریف یا تلبیس کے فروغ کا سبب نہ بنے، محض موقف اور اس کے مستدلات کا اختلاف ہو، ایسے موقعوں پر آپ حفظِ مراتب کے نہایت اعلیٰ مقام پر رہتے۔ چنانچہ فقہ کے فروعی مسائل میں بہت سے مفتیانِ وقت سے آپ کا اختلاف ہوتا رہا لیکن آپ عموماً صرف اپنا موقف، اس کے دلائل اور بزرگانِ سلف میں سے کسی کی رائے نقل کرنے پر اکتفا فرمایا کرتے اور اگر کبھی دوسرے کی رائے نقل کرنے کی نوبت آتی تو نہایت احترام سے وہ رائے اور اس کے دلائل بھی نقل فرماتے، ایسے موقعوں پر کبھی صرف یہ کہہ کر بات ختم کر دیتے کہ ''اس مسئلہ میں فلاں کی رائے یہ ہے''۔

دعوت وتبلیغ اور راہِ اعتدال

دین کی اشاعت اور اس کی حفاظت اور امت میں دین کو زندہ رکھنے اور احکامِ دین کے اِحیاء کے سلسلے میں دعوت وتبلیغ کا کیا مقام ہے، یہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ امت کی داعیانہ صفت ہی درحقیقت اس کی بقاء کی ضامن ہے، اسلامی تاریخ کے ہر عہد اور اسلامی دنیا کے ہر مقام پر جب جب بھی یہ داعیانہ کردار کمزور ہوا اس کے طرح طرح کے سنگین نتائج سامنے آئے، اسی بناء پر امت سے خلافت وحکومت جاتی رہی، اسی وجہ سے امت اپنی معاشرت ومعاملات میں دوسری اقوام کی نقالی کرنے اور اپنے دین کو چھوڑنے کی روش پر چل پڑی، اس کے نتیجے میں امت میں اعمال وعبادات اور اخلاق وآداب غرض پورے اسلام اور پھر ایمانیات تک میں شدید ترین ضعف پیدا ہوا۔

غرض کہ امت کی ہر خرابی کی جڑ دین کی کمزوری اور اس کا سبب دعوت سے غفلت ہے جب کہ دعوت وتبلیغ کا یہ فریضہ قرآن مجید، ارشاداتِ نبویہ، سیرت طیبہ، تاریخ اسلام اور عقل وتجربہ سے واضح اور اس کی اہمیت،

---

(۱) (المائدۃ: ۸)

فرضیت اور امت کے لئے اس کے لازم ہونے کی صراحت قطعی اور غیر محتاجِ دلیل ہے، بلکہ ختم نبوت کے نتیجے میں امت کو کارِ نبوت کے فریضہ کی ادائیگی اسی دعوت کے نتیجے میں عطا ہوئی ہے اور یہ فریضہ کسی بھی حال میں امت سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

برصغیر میں سینکڑوں سال تک مسلمان حکمرانی کرتے رہے لیکن امت کی غالب اکثریت اس فریضہ دعوت کی ادائیگی سے غافل رہی، اس لئے علمائے امت کی محنت کے نتیجے میں دین گو محفوظ رہا لیکن امت کے عام افراد کی زندگی سے لے کر حکومتِ وقت تک جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ بھی ناقابلِ انکار ہیں، بلاشبہ اگر امت کا غالب طبقہ اس فریضہ کی ادائیگی میں منہمک رہا ہوتا تو امید کی جاسکتی ہے کہ آج برصغیر کا نقشہ ہی کچھ اَور ہوتا۔

مسلمانوں سے اقتدار چھن جانے کے بعد جب دین کو مٹانے کے نہایت سنگین حالات پیدا کئے گئے اور پوری امت کا عوامی طبقہ دین سے بیگانہ ہوتا گیا تو اللہ جل شانہ نے خصوصی فضل فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آج عالم کے کونے کونے میں دعوت وتبلیغ کی یہ محنت جاری ہے اور اس کے ثمرات کا ظہور اس طرح ہورہا ہے کہ عالمِ اسلام کی مسلم حکومتوں کی کسی بھی محنت کے نتیجے میں ایسا ثمرہ سامنے نہیں آرہا ہے اور اس کے اعتراف سے بجز عناد وکج فہمی کے اَور کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی۔

دعوت وتبلیغ کا یہ نہج بے شمار لوگوں کے لئے اجنبی اور قابل اعتراض ہے حالانکہ شرعاً اس کے کسی بھی جز پر کوئی واقعی اعتراض کیا ہی نہیں جاسکتا، تاہم کچھ لوگ اس کے چار ماہ، چالیس دن، تین دن، گشت اور دوسرے امور پر یہ سطحی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تعیین غیر ثابت شدہ ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ دین کے تمام احکام کی دعوت کو اپنا مقصد نہیں بناتے بلکہ صرف چند احکام تک ہی محدود رہتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ وقت کے سیاسی مسائل سے اِغماض کرتے ہیں وغیرہ۔

درحقیقت یہ تمام اعتراضات انتہائی سطح پر، غلط فہمی یا حقیقتِ دعوت نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اس لئے علمی طور پر دعوت وتبلیغ کی فرضیت ثابت کرنا، اس کے اصول ومنہاج کو مدلل کرنا، اس پر کئے جانے والے اعتراضات کا دفاع کرنا علمائے امت کا فریضہ ہے۔

برصغیر کے مفتیانِ کرام میں سے حضرت فقیہ الامت کی ذات اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ آپ نے

ازخود حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں وقت گزارا، دعوت وتبلیغ کے کام میں عملاً شرکت کی، اس کے پورے نظام کو ازخود ملاحظہ فرمایا، اس کے فوائد وثمرات کا مشاہدہ فرمایا اور پھر بعد کی پوری زندگی میں اس کے ساتھ مکمل انتساب رکھا۔ اس لئے اگر علمی طور پر دعوت وتبلیغ کو سمجھنا کسی طالبِ صادق کا مطلوب ہو تو فتاویٰ محمودیہ میں شائع شدہ وہ فتاویٰ جو دعوت وتبلیغ سے متعلق ہیں بلاشبہ چشم کشا ثابت ہوں گے (۱)۔

حضرت مفتی صاحب کو اس کام سے کس درجہ لگاؤ اور شیفتگی تھی، اس کا کچھ اندازہ اس سے کیجئے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے مشہور خلیفہ حضرت مولانا عبدالباری ندوی پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے لکھنؤ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ازراہِ بے تکلفی فرمایا کہ مجھے اس پر تعجب ہے کہ تبلیغ والوں نے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا:

''واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں تبلیغی پہلے ہوں مفتی بعد میں اور دارالعلوم کو مفتی کی ضرورت تھی تو تبلیغ والوں سے مفتی مانگا، انہوں نے یہ ضرورت پوری فرمائی'' اوکما قال۔ (ماہنامہ النور، تذکرۂ فقیہ الامت، حصہ دوم، ص: ۲۴۸)

اسی تعلق کی بناء پر حضرت تبلیغی اجتماعات میں نہایت بشاشت سے شرکت فرماتے، بیانات فرمایا کرتے اور دعوت وتبلیغ سے وابستہ افراد سے تو کبھی دعاؤں کی درخواست تک کرتے، کبھی کوئی جماعت ملاقات کے لئے آتی تو آپ انتہائی شفقت واپنائیت کا مظاہرہ فرماتے۔

دعوت وتبلیغ کے اکابرین خصوصاً حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تو نہایت ہی گہرے اور قلبی روابط تھے، چنانچہ ایک موقع پر جب حضرت مفتی صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کی ملاقات ایک ریلوے اسٹیشن پر ہوئی تو مولانا محمد یوسف نے فرمایا:

''مفتی صاحب! مصافحہ تو بعد میں کیجئیو، پہلے مجھے فلاں فلاں مسئلہ کا جواب بتادو۔ حضرت نے جوابات ارشاد فرمائے۔ بعد میں مولانا محمد یوسف نے فرمایا کہ: ''ہم کو دعوت میں لگایا اور خود بیٹھ گئے''۔

---

(۱) (راجع محمودیہ، کتاب العلم، باب التبلیغ)

حضرت نے فرمایا کہ:

''ایک دو کو کسی کونے میں بیٹھ کر کتابوں کی ورق گردانی کرنے دیں تا کہ آپ کے اس طرح کے سوالات کے جوابات تلاش کرتے رہا کریں''۔ (ماہنامہ النور، تذکرۂ فقیہ الامت، حصہ دوم، ص: ۲۴۸)

اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ جب بھی آپ دہلی تشریف لے جاتے تو مرکز تبلیغ ضرور تشریف لے جاتے اور اکابرینِ مرکز بھی آپ کے لئے چشم براہ ہوا کرتے۔ علمی طور پر دعوت وتبلیغ کے متعلق آپ نے اتنے فتاویٰ تحریر فرمائے کہ دوسرے کسی مفتی نے برصغیر کی پوری تاریخ میں اتنے نہیں لکھے، ان فتاویٰ میں تبلیغ کی ضرورت، اس کی مشروعیت وفرضیت اس کے فوائد وثمرات اور اس پر کئے جانے والے ہر قسم کے اعتراضات کے مکمل اور تشفی بخش جوابات موجود ہیں۔

تبلیغ میں کم از کم تین چلے، ایک چلہ اور سہ روزہ کا مطالبہ ہوتا ہے، اس کے ثبوت کا مطالبہ ہوا تو آپ نے اولاً یہ فرمایا کہ اس طرح کی چیزوں کے لئے نص ہونا لازم نہیں ہے، چنانچہ ایک عالم نے جو کسی مدرسہ میں استاذ تھے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

''مدرسہ میں نصاب کی کتابیں پڑھانا، پھر کچھ کتابیں ایک سال میں کچھ دوسری کتابیں دوسرے سال، اسی طرح رجسٹروں میں بچوں کی حاضری لکھنا، تعلیم کے لئے گھنٹے مقرر کرنا، تعلیم کے آغاز واختتام کے لئے یومیہ اور پھر سالانہ وقت مقرر کرنا، امتحانات لینا، نتائج درج کرنا، ترقی دینا وغیرہ کسی نص سے ثابت نہیں، پھر اگر یہ چیز غیر شرعی نہیں تو تبلیغ کے چار ماہ اور چالیس دن کیوں غیر مشروع ہیں؟

آگے پھر خود ہی فرماتے ہیں:

''دراصل اس طرح کے امور کے لئے انسانوں کے اپنے تجربہ سے کسی نظام کا نفع بخش ہونا اس کے جائز اور مشروع ہونے کے لئے کافی ہے''۔

یہ کہہ کر پھر تبلیغ کے وسیع ترین منافع اور اثرات کو نہایت دلنشین انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ جب کسی شخص یا کسی کام سے نفع محسوس کرتا ہے تو اس کی

قدر و منزلت کو دل کی گہرائیوں میں بسا لیتا ہے، کبھی کبھی یہ قدر اپنی حدود سے بڑھ کر دوسرے اشخاص اور دوسرے کاموں کی تحقیر کا سبب بھی بنتی ہے، چنانچہ ایک ایسا شخص جو دین سے دور ہو اور دعوت و تبلیغ میں لگ کر دیندار بنے، ظاہر ہے اس کی نظر میں اس کام کی عظمت اور عقیدت کتنی ہوگی لیکن اگر یہ عقیدت دوسرے کسی شعبہ کی توہین کا باعث بنے تو یہ غلط ہے۔

چنانچہ دعوت سے وابستہ کچھ حضرات نے یہ سمجھا کہ مولانا محمد الیاسؒ صاحب کو الہام ہوا کرتا تھا اور یہ سارا کام بطور الہام کے آپ کو عطا کیا گیا۔ حضرت فقیہ الامت کے سامنے یہ سوال آیا تو آپ نے اس کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ:

> ''اگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی موجودگی میں یہ بات کہی جاتی تو وہ ضرور اس کی تردید فرما دیتے، یہ غلو عقیدت کا نتیجہ ہے ایسا عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے''۔

اسی طرح آپ صاف فرمایا کرتے تھے:

> ''دعوت و تبلیغ میں لگ کر وعظ، تذکیر، تزکیہ وارشاد کو، خانقاہی نظام کو اور مدارس کے کام کو جو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھے یا تحقیر کرے وہ غلطی میں مبتلا ہے''۔

اس بات کو طرح طرح سے بیان فرماتے، چنانچہ اس نوع کے فتاویٰ بھی شائع شدہ موجود ہیں جس میں تبلیغ والوں کو دوسرے دینی کاموں کی قدر کرنے کی تلقین کی گئی ہے (۱)۔

☆......☆......☆

(۱) (راجع، کتاب العلم، باب التبلیغ، عنوان: ''ایک تبلیغی کی تقریر کہ مولانا الیاس صاحب الہامی نبی تھے'')

فتاویٰ محمودیہ کی خصوصیات

اعتدال کے علاوہ چند دیگر خصوصیات بھی حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ میں پائی جاتی ہیں، اجمالی طور پر جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

❶ عام طور پر جوابات مختصر مگر خیر الکلام ماقلّ ودلّ کے مطابق ہوتے ہیں تاہم ضرورت کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب تفصیلی فتاویٰ بھی تحریر فرماتے، حتیٰ کہ بعض فتاویٰ تو رسائل کی شکل اختیار کر گئے۔

❷ سلیس اور عام فہم اردو میں جواب تحریر فرماتے ہیں تا کہ مستفتی جواب کی حقیقت سے واقف ہو جائے اور سائل کی الجھن اور پریشانی باقی نہ رہے۔

❸ مقصدِ سائل (نکتۃ الغور) کا جواب دینے کا بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے۔

❹ مقصد سائل کا لحاظ کرتے ہوئے تربیتی پہلو کو بھی سامنے رکھتے ہیں، مثلاً: اگر سائل کا مقصد کچھ اَور تھا لیکن اس کے لئے مفید کوئی دوسری بات تھی تو اس کی بھی نشاندہی کر دیتے ہیں۔

❺ تکفیر کے بارے میں احتیاط کا پہلو نمایاں طور پر نظر آتا ہے، حتیٰ کہ صراحۃً کسی کی تکفیر کی نوبت آبھی جائے تو عموماً حضرت مفتی صاحب کے جواب کے الفاظ ہوتے ہیں: ''ایسے عقائد اپنانے سے ایمان سلامت نہیں رہتا''۔

❻ "أنزلوا الناس منازلهم" (۱) کے پیش نظر ہر سائل کو اس کی حیثیت کے مطابق جواب دیا جاتا ہے مثلاً:

(الف) سائل عام آدمی ہو اور احکامِ شرعیہ کے بارے میں سوال کرے تو آسان عبارت میں اسے حکم

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أنزلوا الناس منازلهم". رواه أبوداؤد". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، ص: ۴۲۴، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم: ۲/۳۱۷، امداديه ملتان)

سے مطلع فرمادیتے ہیں۔

(ب) اگر کوئی احکام شرعیہ سے ہٹ کر سوال کرے تو اس کا جواب حتماً نہیں دیتے ہیں (۱)۔

(ج) اگر سائل کا مقصد فتنہ پردازی ہو تو جواب سے معذرت فرمادیتے ہیں۔

(د) بسا اوقات خود سائل کو پابند فرماتے ہیں کہ اپنی لکھی ہوئی بات جس کی تحقیق چاہتا ہے، مثلاً: کوئی حدیث یا تاریخی واقعہ کا حوالہ دے تب جواب دیا جائے گا۔

(ھ) معاند سائل کو حتی الامکان سمجھانے کی کوشش فرماتے ہیں، اگر پھر بھی نہ سمجھے تو جواب سے معذرت کی جاتی ہے۔

(و) کبھی سائل کو دیکھتے ہوئے ﴿لا یخافون فی اللہ لومة لائم﴾ (۲) کا مظاہرہ کرتے ہوئے سائل کی خوب خبر لیتے ہیں۔

(س) اہلِ علم کے سوالات کے ٹھوس و مدلل جوابات دیئے جاتے ہیں۔

(ز) اہلِ علم میں سے وہ حضرات جو اپنی ہی تحقیق کو حرفِ آخر سمجھیں اور کسی کی بات نہ مانیں، ان کو جواب دیتے وقت اولاً تو جواب کو خوب مدلل ذکر فرماتے ہیں اور آخر میں اس کی تصریح بھی فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق آپ جیسوں کو مطمئن نہ کرسکے گی، اس کا کوئی علاج نہیں۔

(ر) جس چیز کے بارے میں علم نہ ہو تو "لا أدری" کہنے میں جھجک محسوس نہیں فرماتے۔

۷ مبہم سوالات کا جواب دینے سے کبھی حضرت مفتی صاحب معذرت فرماتے ہیں اور کبھی جواب لکھ کر یہ تحریر فرماتے ہیں: "مبہم سوالات کر کے جوابات کو کسی شخص پر منطبق کرنا بسا اوقات غلط اور موجب فتنہ بھی ہوتا ہے جس کی ذمہ داری سائل پر ہوتی ہے"۔

۸ کبھی مستفتی بلاضرورت سوال میں مختلف باتیں تحریر کرتا ہے جن کی وجہ سے سوال طویل ہوجاتا ہے، عام طور پر حضرت مفتی صاحب ایسے سوالات کا مختصر الفاظ میں خلاصہ نکالنے کے بعد یہ لکھ کر کہ: "اگر واقعی آپ کے سوال کا حاصل یہ ہے"............ جواب تحریر فرماتے ہیں۔

---

(۱) اس کا اندازہ فتاویٰ محمودیہ، کتاب العلم، باب الفلکیات، سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

(۲) (المائدة: ۵۴)

فتاویٰ محمودیہ پر کام کرنے کی نوعیت

کتبِ فتاویٰ میں ''فتاویٰ محمودیہ'' کی اہمیت اہلِ علم وارباب فتاویٰ پر مخفی نہیں، قدیم مسائل کے ساتھ اس میں جدید مسائل بھی موجود ہیں، لیکن غیر مرتب ہونے کی وجہ سے اس بحرِ بیکراں سے کما حقہ استفادہ آسان نہیں تھا، اس لئے ملک کے مشہور ومعروف اور عظیم ادارے جامعہ فاروقیہ کراچی کی لجنۃ المشرفین (جو درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے طلبہ کو مقالہ کی تفویض کے ساتھ اس کی نگرانی کا کام بھی سرانجام دیتی ہے) نے کافی غور وخوض اور مشاورت کے بعد یہ طے کیا کہ فتاویٰ محمودیہ پر تحقیقی کام کیا جائے، اس کی تبویب وتخریج کی جائے اور پھر طبع کرایا جائے تاکہ خواص وعوام سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہو۔

فتاویٰ محمودیہ سے پہلے دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کی زیرِ نگرانی کفایت المفتی پر اسی طرح کا تحقیقی کام ہوا، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرات علماء کرام کے ہاں مقبول ہوا، اہلِ علم کے لئے عموماً اور ارباب فتاویٰ کے لئے خصوصاً اس سے استفادہ بہت آسان ہوا، اسی بناء پر اس کی طرف بنظرِ تحسین دیکھا گیا اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اس لئے بھی فتاویٰ محمودیہ کے متعلق لجنہ کے لئے حتمی فیصلہ کرنا آسان ہوا۔

لجنہ کی رہنمائی واشراف میں فتاویٰ محمودیہ پر جو تحقیقی کام ہوا اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

تبویب وترتیب

فتاویٰ محمودیہ قدیم میں تبویب بایں معنیٰ نہیں تھی کہ تقریباً ہر جلد یا اکثر وبیشتر جلدوں میں فقہ وفتاویٰ کے تمام یا اکثر ابواب موجود تھے، مسئلہ تلاش کرنے میں کافی دشواری پیش آتی تھی، ایک ہی مسئلہ کے لئے، مثلاً کسی کو نکاح یا طلاق کا مسئلہ ڈھونڈنا ہوتا تو اسے تمام یا اکثر جلدوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی تھی، پھر کہیں جا کر شاید اسے مسئلہ ملتا اور تبویب نہ ہونے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے فتاویٰ کا مجموعہ مختلف

جلدوں کی شکل میں جیسے جیسے تیار ہوتا گیا، افادۂ عامہ کے پیشِ نظر اسے چھاپنے کا اہتمام کیا گیا۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ ہر باب کے تمام مسائل کو یکجا کیا جائے تاکہ ان سے استفادہ سہل اور آسان ہو، اسی ضرورت کے پیشِ نظر متعلقہ باب کے تمام مسائل وابحاث کو یکجا کیا گیا، مثلاً: کتاب الطہارۃ کے مسائل پہلی جلد سے لے کر آخری جلد تک جہاں جہاں موجود تھے، ان سب کو کتاب الطہارۃ میں متعلقہ باب کے تحت اکٹھا کیا گیا۔

فقہی مسائل کے ابواب تو متعین اور معلوم ہیں، متعلقہ مسائل کو انہی ابواب کے تحت فقہی ترتیب کے مطابق جمع کیا گیا، البتہ بدعات اور رسمیں کہ بعض ولادت اور ختنہ سے تعلق رکھتی ہیں، بعض نکاح سے، بعض منگنی سے، بعض نماز جنازہ، میت اور تجہیز وتکفین سے۔ کوشش یہی کی گئی ہے کہ تمام مسائل کو باب البدعات والرسوم کے ذیل میں جمع کیا جائے لیکن بعض رسمیں جو نکاح سے متعلق ہیں اور کتاب النکاح میں ان کا ہونا ضروری ہے تو انہیں کتاب النکاح یا دیگر متعلقہ ابواب میں رکھا گیا۔ اسی طرح وہ مسائل جو کسی بحث سے متعلق تو تھے، لیکن ان کا تعلق کسی باب سے واضح طور پر نمایاں نہیں تھا، ان کو اس باب کے آخر میں ''متفرقات'' کے عنوان کے تحت ذکر کیا گیا۔ اسی طرح بعض سوالات اس قسم کے تھے کہ تمہید یا صورتِ مسئلہ بیان کرنے کے بعد مختلف سوالات پوچھے گئے: بعض عقائد سے متعلق، بعض نکاح سے متعلق، بعض جنازہ سے متعلق، لیکن مفتی صاحب نے ان سب کا ایک ساتھ جواب لکھ دیا، الگ الگ نہیں، یا اس طرح جواب لکھ دیا کہ ایک کو الگ کرنے سے دوسرا جواب ناقص رہ جاتا، ایسے مسائل کو ایک باب میں رکھا گیا الگ الگ نہیں کیا گیا۔ جواب حاصل کرنے کے بعد کبھی مستفتی فتویٰ پر اعتراض کر کے یا جواب میں اختصار ہونے کی وجہ سے دوبارہ سوال لکھ کر بھیج دیتے ہیں، ایسے سوالات کو ایک ساتھ رکھا گیا ہے تاکہ بآسانی معلوم ہو کہ اشکال اوپر والے مسئلہ کے متعلق ہے۔

فتاویٰ محمودیہ ہزاروں مسائل پر مشتمل ہے، ہر باب میں ایک جیسے مسائل کافی ہیں، (مطالعہ کے دوران بخوبی اس کا اندازہ ہوجائے گا) تبویب میں ان میں سے کسی مسئلے کو حذف نہیں کیا گیا، البتہ وہ مسائل جو واقعتاً مکرر تھے اس طور پر کہ دونوں استفتاء ایک، مستفتی، جواب اور جواب لکھنے کی تاریخ بھی ایک، صرف عنوان کا فرق تھا، ان کو حذف کر دیا گیا، اس لئے کہ مکرر مسائل کو ذکر کرنے کا بظاہر کوئی فائدہ نہیں اور ایسے مسائل کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

تخریج

فتاویٰ محمودیہ میں موجود مسائل مختلف قسم کے ہیں: ایک قسم ان مسائل کی ہے جن میں نہ کسی کتاب کی (بطورحوالہ) عبارت ہے، نہ حوالہ، بلکہ صرف سوال کا سلیس اردو میں جواب دیا گیا ہے۔ دوسری قسم ان مسائل کی ہے جن میں بطورحوالہ صرف کتاب کا تذکرہ ہے، مثلاً فتویٰ کے آخر میں ہے: کذا فی صحیح البخاری، کذا فی سنن أبی داؤد، کذا فی الدر المختار، کذا فی ردالمحتار وغیرہ۔ تیسرے وہ مسائل ہیں جن میں عربی کتب (احادیث وفقہ) کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔

ان سب مسائل کی تخریج کی گئی، پہلی قسم کے مسائل میں امہاتِ کتب (تفسیر، حدیث وفقہ) سے صریح اور قریب ترین جزئیہ تلاش کر کے اس کا حوالہ لکھا گیا۔ اسی طرح دوسری قسم کے مسائل میں جواب میں مذکورہ کتاب کی عبارت نقل کر کے حوالہ لکھا گیا، اسی طرح اگر مفتی صاحبؒ نے اگر کوئی عبارت حدیث وفقہ وغیرہ کی نقل تو کی لیکن پوری نہ کی، صرف اپنے مدّعیٰ تک محدود ایک جملہ نقل کیا تو اس قسم کی عبارتوں کو اصل کتاب سے مکمل اور واضح طور پر نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ تیسری قسم کے مسائل میں مذکورہ کتاب کی عبارت کو اس کے متداول نسخوں میں تلاش کے بعد نقل کر کے حوالہ لکھا گیا۔ اصل کی طرف مراجعت کے دوران فتویٰ میں تحریر کردہ عبارت کا اصل سے موازنہ کیا گیا تو کاتب کی غلط کتابت کی وجہ سے کافی غلطیاں نظر آئیں، ان کی تصحیح کی گئی۔

جوابات میں بعض ایسی کتابوں اور رسالوں کا حوالہ بھی ہے جو پاکستان میں ناپید ہیں، تلاشِ بسیار کے بعد بھی وہ کتابیں کہیں دستیاب نہیں ہوئیں، ایسی کتابوں کا متبادل حوالہ لکھا گیا۔

تخریج کا طریقہ

تخریج میں کم از کم تین کتابوں کا حوالہ لکھنے کا بھرپور اہتمام کیا گیا، چاہے جواب پہلے سے باحوالہ تھا یا بے حوالہ، تین کتابوں میں سے اس کتاب کی عبارت نقل کی گئی جس کی مناسبت جواب کے ساتھ زیادہ تھی اور حوالہ لکھنے میں وہ طریقہ اختیار کیا گیا جو متداول ہے کہ پہلے کتاب کا نام، پھر باب، فصل، مطلب (اگر کہیں تھا)، پھر جلد، صفحہ اور طبع لکھنے کا اہتمام کیا گیا تا کہ استفادہ کرنے والوں کے لئے اصل ماخذ تک رسائی بآسانی ممکن ہو۔

عنوانات کی تسہیل اور توضیح

فتاویٰ محمودیہ میں عنوانات پہلے سے موجود تھے، بعض عنوانات بہت طویل اور بعض عنوانات بہت مختصر، اسی طرح بعض عنوانات مبہم بھی تھے، مثلاً زلۃ القاری کے مسائل میں اکثر کے عنوانات یوں تھے: ''زلۃ القاری سے متعلق مسئلہ''، میراث سے متعلق مسائل کے عنوانات میں بھی ابہام زیادہ تھا، اکثر کے عنوانات ''میراث سے متعلق مسئلہ'' تھے۔ اسی لئے طویل عنوانات کو حسبِ ضرورت مختصر کیا گیا اور مختصر عنوانات میں مناسب اضافہ کیا گیا، اسی طرح مبہم عنوانات کے سوال وجواب کو بغور دیکھ کر وضاحت کی گئی اور نئے عنوانات قائم کئے گئے تاکہ استفادہ میں حتی الامکان آسانی ہو۔

ہندی الفاظ کا ترجمہ

کہیں سوال یا جواب میں ہندی زبان یا اردو کا کوئی مشکل لفظ تھا تو اردو لغت کی معروف ومتداول کتابوں (مثلاً نور اللغات، فیروز اللغات وغیرہ) سے حاشیہ میں اس لفظ کا ترجمہ لکھا گیا اور ساتھ ساتھ حوالہ بھی نقل کیا گیا۔

ہندی ہندسوں کی وضاحت

معاملات یا میراث کے متعلق مسائل میں اکثر اعداد ہندی رسم الخط میں لکھے گئے تھے، عام طور پر ان کا سمجھنا ہر ایک کے لئے ممکن نہیں تھا، اس لئے ان کو اردو ہندسوں میں لکھا گیا تاکہ سوال وجواب اور مسئلہ بآسانی مکمل طور پر سمجھ میں آئے۔

غیر مفتی بہ اقوال کی نشاندہی

ملک وحالات کی تبدیلی کی وجہ سے احکام میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، اس لئے کہ بہت سے مسائل کا دارومدار عرف پر ہے اور قواعدِ فقہ میں ایک مشہور قاعدہ ہے: '' العرف قاض ''، اسی بناء پر وہ مسائل جن کا حکم پاکستان میں الگ اور ہندوستان میں الگ ہے، یا حضرت مفتی صاحب نے اپنی تحقیق کرکے جمہور کے خلاف کوئی فتویٰ صادر فرمایا ہے حاشیہ میں بعد از تحقیق ان سب کی نشاندہی کی گئی ہے۔

علاماتِ ترقیم لگانے کا خاص اہتمام

علاماتِ ترقیم کی اہمیت ہر زبان میں واضح اور مسلّم ہے، علاماتِ ترقیم کے ذریعہ تحریر آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، تحریر میں جب تک علاماتِ ترقیم نہ ہوں اس وقت تک اسے ناقص تحریر سمجھا جاتا ہے اور ناقابل اشاعت تصور کیا جاتا ہے، اس لئے عربی واردو عبارات میں علامات ترقیم لگانے کا خاص اہتمام کیا گیا۔

اسی طرح عربی تحریروں اور عبارتوں میں ہمزہ قطعی میں مضموم اور مفتوح ہونے کی صورت میں الف کے اوپر اور مکسور ہونے کی حالت میں الف کے نیچے ہمزہ لکھا جاتا ہے، فتاویٰ محمودیہ میں علاماتِ ترقیم کے ساتھ ہمزہ لکھنے کا بھی خاص خیال رکھا گیا۔

اظہار تشکر

جلدوں کی کثرت اور مسائل کی بہتات سے ہر شخص بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ کام بہت طویل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت محنت طلب اور تھکا دینے والا کام تھا، تبویب، ترتیب، تخریج تصحیح، کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، طباعت ان میں سے ہر ایک مستقل کام تھا، محض اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پایۂ تکمیل تک پہنچا، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کے اساتذہ اور ۱۴۲۴ھ کے تخصص سال دوم کے طلبہ نے بڑی محنت کی اور تعاون کیا، انہوں نے رات دن ایک کرکے عرق ریزی اور جانفشانی سے کام کیا، تخریج کے لئے اکثر وبیشتر جامعہ فاروقیہ کے علاوہ دیگر کتب خانوں سے بھی مراجعت کی ہر ہر مسئلہ اور ہر ہر جزئیہ کی تخریج کرکے تقریباً پانچ ماہ کے مختصر عرصہ میں اس کی تکمیل کی۔

اسی طرح تصحیح اور پروف ریڈنگ یہ بھی ایک مشکل مرحلہ تھا، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا مفتی فضل مولیٰ صاحب اور ۱۴۲۵ھ کے تخصص سال دوم کے طلبہ کو کہ انہوں نے بڑی محنت کرکے اس مشکل مرحلہ کو انجام تک پہنچایا اور دورانِ تصحیح مزید حوالہ جات لکھنے کا اہتمام بھی کیا اور جو کمی کسی بھی مرحلے میں رہ گئی تھی اس کو بھی پورا کرنے کی کوشش کی۔

بہر حال بنظر غائر اگر دیکھا جائے تو یہ طویل اور محنت طلب کام فضلِ خداوندی کے بعد حضرت الشیخ، محدث العصر الاستاذ الکبیر، استاذ العلماء، مربی ومرشدِ کامل حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خصوصی دعاؤں اور خصوصی سرپرستی، حضرت مولانا محمد یوسف افشانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے

تعاونِ خاص اور کامل نگرانی، حضرت مولانا منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم، مولانا مفتی عبدالباری صاحب، مولانا مفتی سمیع اللہ صاحب، مولانا مفتی عظمت اللہ صاحب، مولانا مفتی فضل مولیٰ صاحب کے خصوصی اشراف، نگرانی اور رہنمائی میں مکمل ہوا۔

ناسپاسی ہوگی اگر اپنے بے حد مخلص بھائی جناب شاہد بشیر صاحب کا یہاں تذکرہ نہ کروں جنہوں نے اس عظیم کام میں بھرپور حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ جناب شاہد بشیر صاحب اور ان کے مرحوم والدین کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور فتاویٰ محمودیہ کو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائے اور حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کے رفعِ درجات کا ذریعہ بنائے، مرتبِ اول حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب و دیگر مستفیدین اور ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

فلله الحمد أولاً وآخراً، وظاهراً وباطناً، والحمدلله الذى بنعمته تتم الصالحات. وصلى الله وبارك وسلم على سيدنا محمد المصطفىٰ، وعلىٰ آله وأصحابه وأتباعهم ومن تبعهم إلى يوم الدين.

(حضرت مولانا) عبیداللہ خالد (دامت برکاتہم العالیہ)

مدیر الفاروق واستاد حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

کتاب الإیمان و العقائد

ما یتعلق بالإیمان

(ایمان کا بیان)

اسلام کیا ہے؟

سوال[۱]: اسلام کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے رسول بنا کر بھیجا اور آپ کی اطاعت کو لازم قرار دے کر نجات کو اس میں منحصر کر دیا(۱) یہ تو ہر انسان کو حق ہے کہ اللہ پاک کا واجب الاطاعت ہونا اور اللہ پاک کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واجب الاطاعت ہونا پہلے خوب تحقیق کر لے، لیکن جب اس کا قلب توحید و رسالت کو قبول کر لے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم ثابت ہو جانے کے بعد اس کی علت معلوم ہونے پر تعمیل ارشاد کو معلق رکھنے کا حق نہیں رہتا، جیسے ایک شخص فوج میں بھرتی ہو جائے اور ایک افسر کے ماتحت اس کو کر دیا جائے تو ہر نقل و حرکت کے متعلق حکم کی تعمیل کرنا اس کا فرض ہے، ہر ہر جزئی کی وجہ دریافت کرنے پر حکم کی تعمیل کو موقوف رکھنے کا حق نہیں، فوج میں بھرتی ہونے سے پہلے جس جس طرح اپنا اطمینان کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ اس تمہید کے بعد جواب عرض ہے:

حضرت نبی اکرم رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تھا کہ اسلام کیا ہے؟ تو ارشاد

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله، ويغفر لكم ذنوبكم﴾. (آل عمران: ۳۱)

وقال تعالیٰ: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾. [النساء: ۸۰]

قال علیه السلام: "من أطاعني فقد أطاع الله، ومن عصاني فقد عصى الله". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء: ۲/۳۱۸، قديمي)

فرمایا کہ: ''توحید ورسالت کی شہادت دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان شریف کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا جب کہ استطاعت ہو''۔ یہ چیزیں اسلام کے ارکان ہیں (۱)۔ لغت میں اسلام کے معنی ہیں: گردن نہادن بر طاعت: یعنی خدا پاک کے ہر حکم کی اطاعت کرنا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۲۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۵/۲۱۱/۸۹ھ۔

ایمان کی بنیاد

سوال [۲]: کیا مکمل مسلمان بننے کے لئے صرف کلمہ طیبہ کا زبان سے پڑھ لینا کافی ہے، یا پھر ساتوں کلموں کا پڑھنا ہوگا، جو بھی صورت ہو اس پر جسمانی اعضاء مثلاً: ہاتھ، پاؤں، دل ودماغ، آنکھ، کان سے عمل کرنا ہوگا، یا نہیں؟ نیز ساتوں کلمے میں یہی ساتوں: کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت، کلمہ تمجید، کلمہ توحید، کلمہ ردکفر، ایمان مجمل، ایمان مفصل ہیں یا کوئی اور دوسرا ہوگا؟

الجواب حامداً مصلياً:

حدیث شریف میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۳)، ان میں سے ایک توحید و

---

(۱) "قال: يا محمد! أخبرني عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أن تشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكوة، وتصوم رمضان، وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلاً". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ۱/۲۷، قديمي)

(۲) "(والإسلام هو التسليم) :أي باطناً (والانقياد لأوامر الله تعالى): أي ظاهراً." (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۹، قديمي)

"(الإسلام): وهو لغةً: الانقياد مطلقًا، وشرعاً: الانقياد الظاهر بشرط انقياد الباطن المعبّر عنه بالإيمان." (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۱۲، رشيديه)

"وبيان لأصل الإسلام وهو الاستسلام والانقياد." (الكامل شرح المسلم للنووي، كتاب الإيمان: ۱/۲۵، قديمي)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمداً عبده و رسوله، و إقام الصلاة، و إيتاء الزكاة، والحج، وصوم رمضان". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۲، قديمي) =

رسالت کی شہادت صرف زبان سے پڑھ لینا کافی نہیں، جب تک دل میں تصدیق نہ ہو، دوسری چیز نماز کا قائم کرنا ہے، تیسری چیز زکوۃ دینا ہے، چوتھی چیز رمضان کے روزے رکھنا ہے، پانچویں چیز حج کرنا ہے(۱)۔

ان پانچوں میں جس قدر استحکام و مضبوطی ہوگی، اسی قدر بنیاد اسلام کامل ہوگی، اس کے علاوہ بہت سی چیزیں تکمیل ایمان کے لئے بیان کی گئی ہیں، مثلاً: ''المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ'' الحدیث (۲) کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں، یعنی کسی کو اذیت نہ ہو۔

نظام اسلام انسان کے لئے تمام اعضاء: کان، آنکھ، دل وغیرہ کے لئے احکام رکھتا ہے، اس لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إن السمع والبصر والفؤاد کل أولئك كان عنه مسئولاً﴾ (۳) الایۃ (القرآن)

اگر کسی میں کوتاہی ہو تو اس کی تکمیل کے لئے آمادہ کیا جائے، اس کا رشتہ اسلام سے منقطع نہ کر دیا جائے، ساتوں کلمے یا اس کے علاوہ آیات و روایات میں اس قسم کی جو چیزیں موجود ہیں، وہ یقین کی پختگی کے لئے بطور اقرار کے ہیں، تا کہ وقتاً فوقتاً اس کا تکرار ہوتا رہے اور ان کے مقتضیٰ پر عمل سے غفلت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۸/۱۰/۸۹ھ۔

ایمان میں کمی وزیادتی

سوال [۳]: زید کہتا ہے کہ ایمان اور تصدیق ویقین کا ایک ہی مطلب ہے، بکر کہتا ہے کہ ایمان وتصدیق ویقین میں فرق ہے، ایمان جز وعمل ہے، گھٹتا بڑھتا ہے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے مقدار ایمان اور آج معمولی مسلمان تارک صوم وصلوٰۃ وحج وزکوۃ وغیرہ کے ایمان میں مساوات نہیں، ارکان اسلام کی پابندی

= (والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أركان الإسلام و دعائمه العظام: ۱/۳۲، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: بني الإسلام على خمس: ۱/۶، قديمي)

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''ایمان میں کمی وزیادتی'')

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۲، قديمي)

(و صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده: ۱/۶ قديمي)

(۳) (بنی اسرائیل: ۳۶)

سے ایمان بڑھتا ہے، نہ کرنے سے گھٹتا ہے، کم از کم قرآن مجید کی ایک درجن آیتوں سے زیادتی ایمان ثابت ہے، حدیث میں کچھ اوپر ستر ایمان کی شاخیں آئی ہیں، متعدد مقام پر ہے کہ ایمان کم وبیش ہوتا ہے، بڑی شاخ: ''لا إلـه إلا الله '' ہے، چھوٹی شاخ ''راستے سے نقصان دہ چیزوں کو دور کرنا ہے''، اگر ایمان کم نہ ہو تو کوئی ایمان دار دوزخ میں ہرگز نہ جائے گا، اس لئے کہ ایمان دار کے لئے تو بہشت ہے، وہ کیا چیز ہے جو آدمی دوزخ میں جائے گا؟ کیا ایمان دار دوزخ میں جل سکتا ہے؟

زید کہتا ہے کہ ایمان نہیں گھٹتا بڑھتا، نور گھٹتا بڑھتا ہے، بکر کہتا ہے کہ اپنے اس قول کی دلیل کسی غیر معصوم کے کلام ورائے وقیاس سے نہیں، بلکہ قرآن شریف، یا نبی معصوم کے کلام سے پیش کرو، اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایسی صاف اور روشن شریعت چھوڑ چلا ہوں، جس میں کوئی الجھن، یا مشکل نہیں......اور اپنے استدلال میں سورۂ مائدہ کی آیت اور یہ قول پیش کرتا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا، وہ دوزخ سے نکل جائے گا، ثابت ہوا کہ ایمان عملوں سے گھٹتا بڑھتا ہے اور ایمان عمل کا جز ہے۔ زید کہتا ہے کہ اگر ایمان عمل کا جز ہے تو تارک صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ وغیرہ مسلمان ہی نہیں، حالانکہ وہ سب باتوں پر یقین رکھتا ہے، گو بوجہ غفلت وسستی عمل نہیں کرتا۔

بکر کہتا ہے کہ ایسے شخص کے واسطے خداوند کریم خود فیصلہ کرے گا، ہم تو اس کا ظاہر دیکھ کر فتوی دیں گے۔ مہربانی فرما کر قرآن مجید، سنت نبی معصوم سے فیصلہ ارسال فرمائیں۔ حق تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

مقلد کے ذمہ ضروری ہے کہ امام نے جو کچھ قرآن وحدیث کا مطلب سمجھا ہے اور اس سے مسائل کا استنباط کیا ہے، اس کو مانے اور ان مسائل پر عمل کرے اور اس کے خلاف قیاس آرائی کرنا اور اٹکل کے تیر چلانا منصب مقلد کے خلاف ہے، خصوصاً جب کہ جمیع علوم شرعیہ میں پوری مہارت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے ہر گز جائز نہیں کہ اپنے امام کے بیان کردہ مسائل میں تردد اور رائے زنی کرے، اسی طرح دلائل دریافت کرنے کا بھی اس کو حق نہیں، بلکہ صرف مسائل معلوم کر کے ان پر عمل کرنا ضروری ہے، نیز مجیب کے ذمے صرف نقل مسائل ضروری ہے، دلائل بیان کرنے کا مکلّف نہیں، اس کے ذمہ دار امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ انھوں نے یہ مسائل کہاں سے استنباط کئے ہیں اور ہر شخص اس بات کی اہلیت بھی نہیں رکھتا کہ قرآن

وحدیث کا جملہ طرق بیان اور طرز استنباط واستدلال سمجھ سکے۔اس تمہید کے بعد جوابات سنئے:

ایمان کی تعریف میں تقریباً ایک درجن اقوال ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا اوراقرر باللسان بھی ایمان کے لئے ضروری ہے، کیونکہ قلبی تصدیق کا علم خدا کے سوا اَور کسی کونہیں ہوتا، لہٰذا اجرائے احکام دنیویہ کے لئے اقرار بھی ضروری ہے(۱) اوراعمال ایمان کا جزنہیں، بلکہ حقیقت ایمان سے اعمال خارج ہیں (۲)۔اورایمان میں مؤمَن بہ کے اعتبار سے کمی زیادتی نہیں، بلکہ نفس ایمان میں انسان، جن، ملائکہ سب مساوی ہیں (۳) کیونکہ جس نے توحید ورسالت اور خدا کے جمیع

---

(۱)"(والإيمان هو الإقرار والتصديق) وذهب جمهور المحققين إلى أن الإيمان هو التصديق بالقلب، وإنما الإقرار شرط لإجراء الأحكام في الدنيا؛ لما أن التصديق أمر باطني لا بد له من علامة."(شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري،ص: ۸۵،۸۶، قديمي)

"وذهب جمهور المحققين إلى أنه هو التصديق بالقلب، وإنما الإقرار شرط لإجراء الأحكام في الدنيا؛ لما أن تصديق القلب أمر باطن لا بد له من علامة." (شرح العقائد النسفية للتفتازاني،ص: ۱۲۲، قديمي)

"والإقرار شرط لإجراء أحكام الإسلام في الدنيا."(شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز،ص: ۳۳۷، قديمي)

(۲)"قال الإمام الأعظم رحمه الله في كتابه "الوصية": ثم العمل غير الإيمان، والإيمان غير العمل بدليل أن كثيراً من الأوقات يرتفع العمل من المؤمن، ولا يجوز أن يقال يرتفع عنه الإيمان". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري،ص: ۸۹، قديمي)

"إن الأعمال غير داخلة في الإيمان لما مر من أن حقيقة الإيمان هو التصديق." (شرح العقائد النسفية للتفتازاني،ص: ۱۲۴، قديمي)

"إن الأعمال غير داخلة في مسمى الإيمان."(شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز،ص: ۳۳۳، قديمي)

"وأما كون عطف العمل على الإيمان يقتضي المغايرة، فلا يكون العمل داخلاً في مسمى الإيمان." (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز،ص: ۳۴۴، قديمي)

(۳)"(وإيمان أهل السماء): أي من الملائكة وأهل الجنة (والأرض) أي من الأنبياء والأولياء وسائر المؤمنين من الأبرار والفجار (لا يزيد ولا ينقص): أي من جهة المؤمَن به نفسه."(شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري،ص: ۸۷، قديمي)

احکام کی دل سے تصدیق کی اور زبان سے اقرار کیا وہ مومن ہے، اس تصدیق اور اقرار میں سب مومن برابر ہیں، کوئی فرق نہیں اور جس نے انکار کیا وہ کافر ہے، اس انکار میں سب مساوی ہیں۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان میں اس واسطے فرق ہوتا رہتا تھا کہ جس قدر آیات کلام اللہ نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے، اس کے بعد اور آیات نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے، پہلے ایمان میں کمی تھی، بعد کو زیادتی ہوگئی۔ قرآن کریم میں زیادتی اور کمی جو ایمان کے متعلق مذکور ہے، اس کا یہی مطلب ہے (۱) اور تمام کلام اللہ نازل ہونے کے بعد کمی زیادتی کا احتمال نہیں رہا، البتہ اعمال میں کمی زیادتی ضرور ہوتی ہے اور اس سے ایمان کے ثمرات میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔

شریعت بالکل روشن اور واضح ہے، مگر میں پوچھتا ہوں کہ آفتاب اس قدر روشن اور واضح ہے، آپ نے کبھی اس کی طرف دیکھ کر اس کی ماہیت کا ادراک بالبصر کیا ہے؟ ایسے مسائل میں گفتگو کرنا ہر شخص کو مناسب نہیں، پہلے اعلیٰ درجے کا کمال علوم میں حاصل کرے، اس کے بعد مضائقہ نہیں:

"والإيمان هو التصديق بما جاء به من عند الله تعالى، والإقرار به، فالأعمال فهما تتزايد، والإيمان لا يزيد ولا ينقص إلخ". (عقائد نسفي: ص: ۸۹) (۲)۔

"الإيمان إقرار باللسان وتصديق بالجنان، والشرائع لامن الإيمان. قالت الشافعية: العمل من الإيمان، وعن هذا قالت بزيادة الإيمان ونقصانه، واحتجت بقوله تعالى: ﴿فأما الذين آمنوا فزادتهم إيماناً﴾، إلا أنا نقول: معنى الإيمان ههنا هو التصديق إيماناً: أي تصديقًا، إذا الإيمان لجميع القرآن واجب، والقرآن كان ينزل على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آيةً فآيةً، وسورةً فسورةً، وكلما نزلت آية وجب التصديق بها، فمن لم يصدق بآية من القرآن، فقد كفر كما لو لم يصدق لجميع القرآن، فهذا تأويل الآية

---

(۱) "وأما نحو قوله تعالى: ﴿وإذا تليت عليهم آياته زادتهم إيماناً﴾ فمعناه إيقاناً، أو مؤول بأن المراد زيادة الإيمان بزيادة نزول المؤمن به: أي القرآن." (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۸، قديمي)

(۲)(شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۱۹، ۱۲۴، قديمي)

على ما بيّناه". (شرح فقه أكبر للإمام أبي المنصور الماتريدي، ص: ١٠)(١)۔

"إيمان الملائكة وإيمان الإنس والجن لا يزيد ولا ينقص في الدنيا والآخرة من جهة المؤمَن به إلخ". (شرح فقه أكبر، ص: ٣٤، للشيخ أبي المنتهى (٢) (وشرح فقه أكبر، ص: ١٦٦، لعلي القاري) (٣)(وجوهرة منيفة، ص:٤) (٤) (ومسامرة، ص: ١٥٣) (٥) وغير ذلك من كتب الكلام، من شاء التفصيل فليرجع إليها۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۲۹/محرم/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم، ۳۰/۱/۵۳ھ۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ثبوت

سوال [۴]: ۱...... ایک شخص خود کو حنفی مذہب بتلاتا ہے، مگر یہ شخص کہتا ہے کہ حدیث شریف میں کلمۂ شہادت آیا ہے، جس کی عبارت یہ ہے: "أن تشهد أن لا إله إلا الله و أن محمداً رسول الله"۔

اور یہ کہتا ہے کہ کلمہ طیبہ قرآن وحدیث میں صرف اتنا آیا ہے: "لا إلــه إلا الله "، کہتا ہے کہ کلمہ طیب کے "محمد رسول الله "نہیں آیا، کہتا ہے کہ اگر آیا ہے تو مجھے بتاؤ کس جگہ آیا ہے اور کس کی روایت

---

(١) (شرح الفقه الأكبر لأبي المنصور الماتريدي، مسألة الخلاف في أن العمل من الإيمان أو خارج عنه، ص:١٦، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية)

(٢) (شرح الفقه الأكبر للشيخ أبي المنتهى، الإيمان لا يزيد ولا ينقص، ص: ٣٠، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية)

(٣)(شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، تحت قوله: إيمان أهل السماء والأرض لا يزيد ولا ينقص، ص: ٨٧، قديمي)

(٤) (الجوهرة المنيفة، فصل: المؤمنون مستوون في درجة الإيمان، ص: ٥٥، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية)

(٥) (المسامرة بشرح المسايرة، ص: ٣٧١، المكتبة المحمودية التجارية الكبرى)

سے آیا ہے اور کس حدیث میں آیا ہے؟ اور یہ شخص کلمہ طیب میں "لا إلــه إلا الله" کے ساتھ "محمد رسول الله" ملا کر پڑھنے والے کو بدعتی بتلاتا ہے۔

علماء دین از راہ کرم وشفقت قدیان کو پوری طرح سے یہ تحریر کریں، کہ کلمہ طیب کے ساتھ میں "محمد رسول الله" آیا ہے یا نہیں، اگر آیا ہے تو حدیث کتب وراوی معہ صفحہ کے نام سے آگاہ کریں اور نہیں آیا ہے تو فرما دیجئے کہ کلمہ طیب کے ساتھ، "محمد رسول الله" کیوں ملایا گیا ہے اور اگر کلمہ شہادت "أن تشهد أن لا إلــه إلا الله و أن محمداً رسول الله" کے معنی اور "لا إلــه إلا الله محمد رسول الله" کے معنی ایک ہی ہیں تو فرما یا دیجئے کہ "أن تشهد"، و"أن" کا لفظ جو حدیث میں آیا ہے وہ کیوں اڑائے گئے؟ کیوں کہ اس شخص نے سخت فتنہ برپا کر دیا ہے، اور بستی کے لوگ زمین داراَن پڑھ بہت چکر میں پڑے ہیں، اب احقر کا خیال ہے کہ علماء دین کی طرف سے جو جواب بموجب شریعت کے عنایت ہوگا، اس شخص کو اور بستی والوں کو پڑھ کر سنا دیا جائے اور فتنہ کا خاتمہ ہو جاوے اور یہ شخص یہ کہتا ہے کہ میں کلمہ شہادت پڑھنے سے منع نہیں کرتا، صرف کلمہ طیب میں "محمد رسول الله" ملا کر پڑھنے کو منع کرتا ہوں۔

۲...... نیز اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں جس نے کلمہ طیب میں "محمد رسول الله" ملانا بند کر دیا ہے؟

الجواب حامداً مصلياً:

۱...... قریب ہی اس سوال کا جواب یہاں سے جا چکا ہے، اب یہ دوبارہ آیا ہے، پہلے صرف مسئلہ دریافت کیا تھا، اب دلیل بھی طلب کی ہے قرآن شریف میں کلمہ طیب کے دونوں جزء علیحدہ علیحدہ مذکور ہیں "لا إله إلا الله" سورہ والصافات، پارہ: "و مالی" میں مذکور ہے(۱) اور "محمد رسول الله" سورہ انا فتحنا پارہ: حم میں ہے(۲)۔ حدیث شریف میں کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت دونوں موجود ہیں، کلمہ طیبہ کا پہلا جز اور کلمہ

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنهم كانوا إذا قيل لهم لا إله إلا الله يستكبرون﴾. (الصافات: ۳۵)

اسی طرح سورہ محمد میں بھی "لا إله إلا الله" موجود ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فاعلم أنه لا إله إلا الله و استغفر لذنبك و للمؤمنين و المؤمنات﴾ (سورہ محمد، الآية: ۱۹)

(۲) (الفتح: ۲۹)

شہادت دونوں موجود ہیں (۱) کلمہ طیبہ کا پہلا جز اور کلمہ شہادت پورا اذان میں پانچوں وقت پڑھا جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لفظ: "أن تشهد "أن" کے ساتھ بھی تعلیم دی ہے اور بغیر اس کے بھی، کسی اور شخص نے تصرف کر کے نہیں اڑایا، التحیات میں توحید و رسالت کی شہادت ہے (۲)۔

حدیث کی کتابوں میں مختلف صیغوں اور طریقوں سے توحید و رسالت کے اقرار کو بیان کیا گیا ہے، ایک حدیث نقل کرتا ہوں جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں: ''مكتوب على العرش: لا إله إلا الله محمد رسول الله، لا أعذب من قالها''۔ اسمعيل بن الغافر الفارسی فی الأربعين عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما"۔ (کنز العمال: ۱/ ۱۵) (۳)۔

چار صفحات میں اس موقع پر کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کے طریقے اور صیغے لکھے ہیں، جس کا دل چاہے مطالعہ کرے۔

۲...... غالباً یہ شخص ناواقفیت سے ایسا کہتا ہے، اس کو نرمی سے سمجھا دیا جائے اور مسئلہ بتا دیا جائے،

---

(۱) "عن أنس رضی الله تعالىٰ عنه عن النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله و فی قلبه وزن شعيرة من خير، و يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله وفی قلبه و زن برة من خير و يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله وفی قلبه وزن ذرة من خير". (صحيح البخاری، كتاب الإيمان باب زيادة الإيمان و نقصانه: ۱/ ۱۱، قديمی)

"بنی الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله الخ". (صحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب قول النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس": ۱/ ۶، قديمی)

"قال رسول الله ﷺ: "أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله ......الخ". (صحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب: (فإن تابوا و أقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم): ۱/ ۸، قديمی)

(۲) "التحيات لله والصلوات والطيبات، السلام عليک أيها النبی و رحمة الله و بركاته، السلام علينا و على عباد الله الصالحين ...... أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً عبده و رسوله الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب التشهد: ۱/ ۸۵، قديمی)

(۳) (كنز العمال: ۱/ ۵۷، مكتبه التراث الإسلامی حلب)

یا کسی عالم کے ذریعہ سے زبانی سمجھا دیا جائے ، فتنہ پیدا کرنا سخت گناہ ہے، قرآن شریف میں آیا ہے: ﴿والفتنة أشد من القتل﴾ (۱) اس سے بچنا لازم ہے اور اس شخص کو توبہ لازم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔صحیح: عبد اللطیف، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

جملہ خبریہ کی تعریف اور کلمہ توحید

سوال[۵]: جملہ اسمیہ خبریہ وفعلیہ وہ ہوتا ہے کہ جس کے قائل کو صادق وکاذب کہہ سکیں تو: ''لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں بھی یہ گمان ہوسکتا ہے اور غیر مسلم کہہ سکتا ہے کہ ''لا إلہ إلا اللہ'' تا آخر کو بھی صادق وکاذب کہہ سکتے ہیں۔۲۱ شعبان ۵۶ھ۔

الجواب حامداً مصلیاً:

جہاں یہ تعریف کی جاتی ہے وہاں یہ قید بھی شراح بیان کرتے ہیں کہ وہ خصوصیت طرفین اور دلائل خارجیہ سے خالی ہو، اگر دلائل سے ایک جانب متعین ہوجائے جیسے: ''السماء فوقنا و الأرض تحتنا'' یہ جملے خبریہ ہیں کیوں کہ دلائل کے ساتھ ایک جانب صدق متعین ہوگئی، دوسری جانب کا احتمال نہیں رہا۔

جملہ خبریہ کی تعریف درحقیقت انشاء سے ممتاز کرنے کے لئے ہے کہ اس میں (نہ) صدق کا احتمال ہے اور نہ کذب کا، کیونکہ وہاں حکایت نہیں ہوتی اور یہاں حکایت ہوتی ہے اور حکایت میں دونوں احتمال ہوتے ہیں، محکی عنہ کے ساتھ مطابق ہو یا غیر مطابق، اول صادق ہے، ثانی کاذب، جس طرح دلائل سے کذب متعین ہوتا ہے اسی طرح صدق بھی دلائل سے متعین ہوتا ہے اور کذب کا احتمال نہیں رہتا، لیکن اس سے جملہ خبریہ ہونے سے نہیں نکلتا، کیونکہ خبر کا مدار حکایت پر ہے اور اس میں دو احتمال ہیں اور کسی ایک احتمال کے تعیین سے حکایت باطل نہیں ہوتی، بس خبر برقرار رہے گی (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (البقرۃ: ۱۹۱)

(۲)" والمركب التام إما أن يحتمل الصدق والكذب، فهو الخبر والقضية، أو لا يحتمل فهو الإنشاء ، فإن قيل: الخبر إما أن يكون مطابقاً للواقع أو لا، فإن كان مطابقاً للواقع لم يحتمل الكذب، وإن لم يكن مطابقاً لم يحتمل =

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۸/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم ۴/ رمضان/ ۵۶ھ۔

توحید کی تشریح

سوال [۲]: توحید ایک ہے یا دو ہے؟ ایک ہے تو کیوں اور دو ہے تو کس لئے؟ اور احمد رضا خان نے جو توحید بتلائی ہے تو کس طرح بتلایا؟ مفصل جوابات سے مطلع فرمائیں

الجواب حامداً مصلیاً:

توحید کے معنیٰ ہیں: خدائے پاک کو ذات وصفات اور افعال کے اعتبار سے یکتا ماننا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھنا(۱)۔ اور احمد رضا خان صاحب نے توحید کس لئے بتائی اور کہاں بتائی، اس کی تفصیل

= الصدق، فلا خبر داخل في الحد؟ فقد يجاب عنه: بأن المراد بالواو الواصلة أو الفاصلة بمعنى أن الخبر هو الذى يحتمل الصدق أو الكذب، فكل خبر صادق يحتمل الصدق و كل خبر كاذب يحتمل الكذب، فجميع الأخبار داخلة فى الحد، وهذا الجواب غير مرضي، لأن الاحتمال لا معنى له حينئذ، بل يجب أن يقال: الخبر ما صدق أو كذب، والحق فى الجواب أن المراد احتمال الصدق والكذب بمجرد النظر إلى مفهوم الخبر، ولا شك أن قولنا: السماء فوقنا إذا جرّدنا النظر إلى مفهوم اللفظ ولم نعتبر الخارج احتمل عند العقل الكذب، وقولنا: اجتماع النقيضين موجود يحتمل الصدق بمجرد النظر إلى مفهومه، فمحصل التقسيم أن المركب التام إن احتمل الصدق والكذب بحسب مفهومه فهو الخبر و إلا فهو الإنشاء". (القطبى ،ص: ۷۳، ۷۴، رشيديه)

"فصل المركب التام ضربان : يقال لأحدهما: الخبر والقضية ، و هو ما قصد به الحكاية و يحتمل الصدق والكذب، و يقال لقائله: إنه صادق فيه أو كاذب نحو: السماء فوقنا والعالم حادث، فإن قيل: قولنا: لا إله الا الله قضية و خبر، مع أنه لا يحتمل الكذب؟ قلت: مجرد اللفظ يحتمله وإن كان بالنظر إلى خصوصية الحاشيتين غير محتمل للكذب". (مرقاة المفاتيح ،ص: ۱۳، ۱۴، قديمى)

(۱) "و قال أبو قاسم التميمي في "كتاب الحجة": التوحيد مصدر وحّد يوحّد، و معنى وحدتُّ الله اعتقدته منفرداً بذاته و صفاته، لا نظير له و لا شبيه، وقيل: معنى وحّدته علمته واحداً، و قيل : سلبت عنه الكيفية والكمية، فهو واحد فى ذاته لا انقسام له، و في صفاته لا شبيه له في إلٰهيته، و ملكه، و تدبره، لا شريك له، و لا ربّ سواه، و لا خالق غيره". (فتح البارى ، كتاب التوحيد :۱۳/ ۳۴۴، ۳۴۵، دار المعرفة) =

سامنے ہو، تو اس کے متعلق تحریر کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

مسلمان ہونے کے لئے کلمہ شہادت کی ضرورت

سوال [۷]: (الف) کلمہ پڑھنا تو مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے تو پھر صرف شہادتین ہی کافی ہے، یا شش کلمہ؟ شش کلمہ پڑھنا کیسا ہے؟

(ب) اس وقت مسلمان نسلی ہیں، کتنے ہی ایسے مسلمان ہیں جنہوں نے کبھی کلمہ نہیں پڑھا ہے، بقیہ ارکان میں قصور نہیں کرتے ہیں، تو کیا عدم کلمہ خوانی کی وجہ سے ان کے بقیہ اعمال پر کوئی اثر پڑے گا؟ اور کچھ ایسے ہیں کہ مسلمان تو ہیں، لیکن نہ تو انہوں نے کلمہ پڑھا، نہ تو رکن خمسہ میں سے کسی کی ادائیگی کرتے ہیں، تو کیا ان کے مسلمان ہونے میں کوئی نقص ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

(الف) نفس ایمان تو کلمۂ شہادت کی تصدیق واقرار سے حاصل وثابت ہو ہی جائے

= "ثم الإمام الأعظم أوضح معنى التوحيد بظهور المرام حيث قال: (والله تعالىٰ واحد): أي في ذاته (لا من طريق العدد): أي حتى لا يتوهم أن يكون بعده أحد (و لكن من طريق أنه لا شريك له): أي في نعته السرمدي لا في ذاته، و لا في صفاته، و لا نظير له، و لا شبيه له. كما سيأتي في كلامه النبيه تنبيه على هذا التنزيه، و كأنه استفاد هذا المعنى من سورة الإخلاص على صورة الاختصاص: ﴿قل هو الله أحد﴾: أي متوحد في ذاته، منفرد بصفاته ﴿الله الصمد﴾: أي المستغني عن كل أحد والمحتاج إليه كلُّ أحد ﴿لم يلد و لم يولد﴾: أى ليس بمحل الحوادث و لا بحادث ﴿و لم يكن له كفواً أحد﴾: أى ليس له أحد مماثلاً و مجانساً و مشابهاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۴، قديمی)

"هو إثبات حقيقة ذات الرب تعالىٰ و صفاته و أفعاله وأسمائه، ليس كمثله شيء في ذلك كله، كما أخبربه عن نفسه، و كما أخبر رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، أنواع التوحيد الذي دعت إليه الرسل، ص: ۸۹، قديمی)

گا (۱)، البتہ اس کے درجات بہت ہیں، ایک درجہ شش کلمات سے حاصل ہوتا ہے، ان کو نہ پڑھنا، نہ سیکھنا بڑی محرومی ہے (۲)۔

(ب) شہادتین کی تصدیق حاصل ہونے کے بعد ارکان کی ادائیگی جب صحیح طور پر ہو تو اس کو غلط یا ناقص نہیں کہا جائے گا، البتہ ایمان کی پختگی وتجدید کے لئے کلمہ پڑھتے رہنا لازم ہے (۳) اور یہ افضل الذکر ہے۔ کما ورد في الحديث (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۱/۶/۹۳ھ۔

مسلمان ہونے والے کو فوراً مسلمان کرنا چاہئے

سوال [۸]: چند احباب امام مسجد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ایک نوجوان مسلمان ہونا چاہتا ہے، آپ کلمہ پڑھادیں، یعنی مسلمان بنائیں امام صاحب نے جواباً کہا کہ اس وقت ضروری کام میں لگا ہوا ہوں، فلاں صاحب اثر ورسوخ حاجی صاحب بھی تشریف فرما ہیں، اس لئے آپ حضرات کسی اور امام کے پاس جائیں، اس بات پر ایک صاحب کا کہنا ہے کہ اگر یہ شخص ایمان لانے سے قبل راستے میں مرجاتا تو

---

(۱) "(والإيمان هو الإقرار والتصديق) و ذهب جمهور المحققين إلى أن الإيمان هو التصديق بالقلب، وإنما الإقرار شرط لإجراء الأحكام في الدنيا، لما أن تصديق القلب أمر باطني لا بدله من علامة".
(شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۵، ۸۶، قديمي)

(۲) چنانچہ ان کلمات کے بارے میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: "ان تمام کلمات کو پڑھنا اور سیکھنا ضروری نہیں، البتہ ان کا پڑھنا اور سیکھنا ثواب سے خالی نہیں، اس سے کیا کم کہ ان کا پڑھنا ذکر میں داخل ہے اور ذکر کا ثواب اور فضیلت قرآن وحدیث میں منصوص ہے، نیز بعض کلمات کی فضیلت وتعلیم خود احادیث میں وارد ہے"۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند یعنی عزیز الفتاوی، ص: ۹۶، دار الاشاعت)

(۳) و في رواية كنز العمال: "جددوا إيمانكم، أكثروا من قول لا إله إلا الله". (كنز العمال: ۱/۶۱۴، مكتبه إحياء التراث الإسلامي)

(۴) و في رواية جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه يقول: "سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أفضل الذكر لا إله إلا الله وأفضل الدعا الحمد لله". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة، ۲/۱۷۶، سعيد)

امام صاحب ذمہ دار ہوتے۔امام صاحب سے بہت بڑا گناہ صادر ہوا کہ ایک غیر مسلم کو ایمان سے مشرف نہ کیا، ایسی زبردست غلطی نہ کرنا چاہئے تھی، امام صاحب کو توبہ کرنا چاہئے، کیا ان صاحب کا کہنا درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایک شخص کفر چھوڑ کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہے، واقعی اس کو فوراً مسلمان کرنا چاہئے اور کفر سے توبہ کرادی جائے، اس میں تاخیر کرنا، یا کسی اور کے پاس بھیجنا نہایت غلط طریقہ ہے، فقہاء نے ایسے شخص پر بہت سخت حکم لگایا ہے (۱)، مگر جس طرح اس جرم کے مرتکب امام صاحب ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی مرتکب ہیں، جو اس شخص کو امام صاحب کے پاس لائے اور انھوں نے خود مسلمان نہیں کیا، چونکہ امام صاحب کے پاس لانے تک درمیان میں وہ شخص مرجاتا تو ذمہ دار کون ہوتا؟ ظاہر ہے کہ وہی لوگ ہوتے جنھوں نے خود مسلمان نہیں کیا، بلکہ امام صاحب کے پاس لا رہے تھے، اس لئے تنہا امام صاحب کو مجرم قرار دینا غلط ہے۔پس امام صاحب بھی توبہ کریں اور وہ لوگ بھی توبہ کریں جو امام صاحب کے پاس لا رہے تھے اور انھوں نے خود مسلمان نہیں کیا تھا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱۴/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

غیر مسلم کس طرح مسلمان ہوتا ہے؟

سوال [۹]: عرض ہے کہ آج سے ڈیڑھ سال قبل مجھے عجیب سا جلوہ ونور دکھائی دیا، یعنی میں ایک ہندو مذہب سے تعلق رکھتا ہوں، لیکن میرے جتنے بھی دوست ہیں وہ سب مسلم ہیں، میرے ان لوگوں

---

(۱) "نصرانی أتی مسلماً فقال: اعرض عليّ الإسلام حتی أسلم عندک، فقال: إذهب إلی فلان العالم حتی یعرض علیک الإسلام فتسلم عنده، اختلفوا فيه، قال أبو جعفر رحمه الله تعالیٰ: لایصیر کافراً کذافی فتاوی قاضیخان." (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین: ۲/ ۲۵۸، رشیدیه)

"وفی الخلاصة: کافرقال لمسلم: أعرض عليّ الإسلام، فقال: اذهب إلی فلان العالم، کفر؛ لأنه رضی ببقائه فی الکفر إلی حین ملازمة العالم ولقائه، أولجهله بتحقیق الإیمان لمجرد إقراره بکلمتی الشهادة، فإن الإیمان الإجمالی صحیح إجماعاً." (شرح الفقه الأکبر للملاعلی القاری، ص: ۱۷۷، قدیمی)

کے ساتھ رہنے اوران لوگوں کو وقت پر نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر دل میں بھی ایک خواہش پیدا ہوئی کہ کاش اگر میں بھی مسلمان ہوتا تو آج اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرتا۔ پس مولوی صاحب! اس ہی رات میں مجھے خواب میں ایک نور سا نظر آیا، خدا کا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں بھی مسلم ہوں، اذان کا وقت ہو رہا ہے، میں بھی اَوروں کی طرح وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوں اور سجدہ کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ کے حضور میں۔ پس اس کے بعد ہی میری آنکھ کھل گئی، پھر بس مولوی صاحب! اسی دن سے (یعنی وہ جمعہ کا دن تھا میں نے پائی وغیرہ تھاپور درگاہ یوسفین نام تو آپ نے سنے ہوں گے) گیا اور وہاں دوسرے مسلم بھائیوں کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔

پس جب سے ہی میں نماز کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہوں اور خدا کے فضل سے میری نماز جمعہ بہت کم ناغہ ہوتی ہے، وہ ناغہ مجبوری کے تحت ہوتی ہے اور وہ مجبوری یہ ہے جس کی بناء پر میں نماز سے محروم رہتا ہوں، میں اسی درگاہ یوسفین میں نماز پڑھ رہا تھا، اتنے میں میرے کالج کے دوست بھی وہاں نماز پڑھنے آئے اور بعد نماز میرا مذاق اڑانا شروع کیا، بعض نے تو مبارکباد دی اور کہا کہ اگر اتنا ہی نماز کا شوق ہے تو اشتہار کیوں نہیں چھپاتے، خیر میں مسلمان ہو گیا ہوں، لیکن مولوی صاحب! میں ایسا نہیں کر سکتا، کیونکہ میرے بھائی وبہن ہیں، جو شادی کے قریب ہیں، میرے ایسا کرنے سے ان سب کی بدنامی ہوگی اور ان لوگوں کی شادی نہیں ہوگی اور دوسری مجبوری یہ ہے کہ میں ابھی پڑھ رہا ہوں، اگر میں نے دوستوں کے کہنے سے ایسا عمل کیا، یعنی مسلمان ہو گیا تو میں بے گھر ہو جاؤں گا اور میری تعلیم ادھوری ہی رہ جائے گی، آج کل کا کیا حال ہے، بس ایک بار ایسے ہی میرے گھر والوں کو معلوم ہو گیا کہ میں نماز پڑھتا ہوں تو وہ لوگ مجھے بہت ڈانٹے اور اب بہت سختی کرتے ہیں، لیکن مولوی صاحب! میرا پختہ ارادہ ہے کہ میں خدا کے راستہ سے نہیں ہٹوں گا، میں نے گھر بھی چھوڑنے کی ٹھان لی ہے، لیکن یہ میرا آخری سال ہے، تعلیم کے اعتبار سے اس لئے گزار رہا ہوں۔

بس اب آپ سے گزارش ہے کہ آپ مجھے فتویٰ عطا فرمائیں کہ میں آپ کی سرپرستی میں مسلمان ہو گیا ہوں، بلکہ میں آپ پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے دوں گا بس آپ مجھ پر بھروسہ کر کے فتوی دیجئے جو کہ مجھ کو گھر چھوڑنے کے بعد بہت کام آئے گا۔

اس فتویٰ مانگنے کی چندوجوہات یہ ہیں: میں اکثر جب کبھی نماز پڑھنے مسجد میں جاتا ہوں تو میرے دوست ملتے اور کہتے ہیں کہ اگرتم مسلمان ہوگئے ہوتو کسی بڑے عالم کے پاس سے فتویٰ کیوں نہیں لیتے، جو تمہیں بہت کام آئے گا؟ بعض لوگ جب میں نماز کو گیا، یہاں تک کہتے کہ نہ جانے کہاں سے گندے گندے لوگ آکر ہماری مسجد کو ناپاک کردیتے ہیں، جاؤ جاؤ یہاں سے۔اس لئے میں آپ سے فتویٰ مانگتا ہوں، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں، مجھے اسلام میں شامل کر لیجئے۔

الجواب حامداً مصلیاً :

آدمی مسلمان کسی کے کرنے سے نہیں ہوا کرتا، بلکہ جب وہ اپنے خیالات (عقائد) اللہ ورسول کے حکم کے مطابق وموافق کرے اور غلط خیالات وعقائد کو دل سے نکالدے تو وہ مسلمان ہوجاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ دین سیکھتا رہے۔''دین اسلام'' کوئی ایسی برادری نہیں کہ جب برادری والے چاہیں اس کو داخل کرلیں، جب چاہیں خارج کردیں، اگرآپ نے خدا کو ایک مان لیا، ہرقسم کے شرک سے توبہ کرلی اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کو مان لیا اوراس کی اتاری ہوئی کتابوں کو مان لیا اورمرنے کے بعد زندہ ہونے کو تسلیم کرلیا اور تقدیر پر یقین کرلیا تو آپ یقیناً مسلمان ہیں (۱)، کسی اشتہار کی ضرورت نہیں، نہ آپ کے ذمہ لازم ہے کہ کسی کو یقین دلانے کے لئے اشتہار شائع کریں، اللہ پاک کے لئے آپ نے اسلام قبول کیا ہے، تو اس کو خود ہی معلوم ہے اور یہی ذریعۂ نجات ہے۔ جولوگ کسی مسلمان کو خواہ وہ قدیم ہو، یا جدید، نماز کے لئے مسجد میں آنے سے روکتے ہیں اوراس پر نازیبا فقرے کستے ہیں، وہ بہت غلط کام کرتے ہیں (۲) اس کا انجام خراب ہے، ان کو باز آنا چاہئے۔

جب آپ نے اللہ کی خاطر اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب سے بچانے کے لئے دین اسلام قبول کیا ہے، تو اس کے نتیجہ میں قوم میں رسوائی، یا گھر چھوٹنا، یا خاندان کے آدمیوں کی

---

(۱) و فی حدیث جبرئیل :" قال: فأخبرنی عن الإیمان؟ قال: "أن تؤمن باللہ ،و ملائکتہ، و کتبہ، و رسلہ، والیوم الأخر، و تؤمن بالقدر خیرہ و شرہ ...... الخ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان : ۱/۱۱، قدیمی) (والصحیح لمسلم، کتاب الإیمان : ۱/۲۷، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ :﴿و من أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکرفیها اسمہ، و سعیٰ فی خرابها، أولئک ما کان لهم أن یدخلوها إلا خائفین لهم فی الدنیا خزی، و لهم فی الآخرة عذاب عظیم﴾. (البقرۃ: ۱۱۴)

آپ کی وجہ سے شادی میں رکاوٹ پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ معمولی چیزیں ہیں، ہرگز قابل توجہ نہیں تعلیم ادھوری رہ جانے کی فکر بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر آپ نے اپنے خاندان والوں کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع نہ کی اور آپ کا انتقال ہوگیا تو وہ آپ کو اس دنیا ہی میں نذر آتش کردیں گے، انتقال کی تاریخ کسی کو معلوم نہیں، کب ہوگا، تعلیم پوری ہونے پر ہوگا، یا بھائی بہن کی شادی ہونے پر ہوگا، یا اس سے پہلے بھی ہوجائے گا۔

خدائے پاک آپ کی پوری حفاظت کرے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر چلائے اور حق پر قائم رکھے اور ہر قسم کے شر وفتنہ سے بچائے۔ آمین! فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

نومسلم کب تک نومسلم رہے گا؟

سوال[۱۰]: ایک نومسلم کتنے سال تک نومسلم کہلایا جائے گا ؟

الجواب حامداً مصلیاً:

نومسلم کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اسلام لایا ہے، مسلمان کی نسل سے پیدا نہیں ہوا، اس معنی کے اعتبار سے وہ ساری عمر نومسلم ہی رہے گا اور یہ کوئی عیب نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۱ھ۔

صفت احدیت

سوال[۱۱]: اللّٰہ واحد فی ذاته، وصفاته، و أفعاله، وسائر حقوق ربو بیته؟

الجوب حامداً مصلیاً:

هـذا هو الحق(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "(و لا شيء مثله) اتفق أهل السنة على أن الله ليس كمثله شيء، لا في ذاته، و لا في صفاته، و لا في =

قدرت

سوال[۱۲]: القدرة على الخير والشر فوق الأسباب بمجرد تعلق الإرادة به كلها هوالله واحد، و القائل بذلك لغيره تعالىٰ نبياً كان أووليأ أو ملكاً مقرباً، مشرك بالله فى صفة القدرةأم لا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

هذه الصفة مختصة بالله تعالى، لاشريك له فيها أحد(۱)۔ *فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔*

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۴ھ۔

ضروریات دین کی تفصیل

سوال[۱۳]: ضروریات دین کتنی چیزوں کو کہتے ہیں؟

= أفعاله". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، معنى قوله: و لا شيء مثله، ص: ۹۸، قديمی)

"واعلموا أن خالق العالم واحد لا شريک له، فرد لا ثانی له. و معنى الوحدانية فى صفات الله تعالىٰ أنه يستحيل عليه التجزئة والتبعيض و هماً أو تقديراً، وأنه منفرد فى صفاته و ذاته عن مشابهة الخلق، وأنه منفرد بانتساب الحوادث إليه من حيث إحداثها واختراعها". (الكوكب الأزهر شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۱، المكتبة التجارية مكة)

"والوحدانية صفة سلبية تقال على ثلاثة أنواع: الأول: الوحدة فى الذات، والمراد بها انتفاء الكثرة عن ذاته تعالىٰ بمعنى عدم قبولها الانقسام. والثاني: الوحدة فى الصفات، والمراد بها انتفاء النظير له تعالىٰ في كل صفة من صفاته، فيمتنع أن يكون له تعالىٰ علوم و قدرات متكثرة بحسب المعلومات والمقدورات، بل علمه تعالىٰ واحد و معلوماته كثيرة، و قدرته واحدة و مقدوراته كثيرة، و على هذا جميع صفاته. والثالث: الوحدة في الأفعال، والمراد بها إنفراده تعالىٰ بإختراع جميع الكائنات عموماً، وامتناع إسناد التأثير لغيره تعالىٰ في شيء من الممكنات أصلاً". (شرح العقيدة الطحاوية للميدانى، ص: ۴۷، ۴۸، دارالفكر)

(۱) "اعلم أنه ليس فى العالم أحد يثبت لله شريكاً يساويه فى الوجود والقدرة والعلم والحكمة، و هذا مما لم يوجد إلى الآن". (التفسير الكبير، [البقرة: ۲۲]: ۲/۱۱۲، دارالكتب العلمية طهران)

"قال المصنف أبو حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه: "نقر بأن تقدير الخير و الشر كله من الله تعالىٰ، لأنه لو زعم أن تقدير الخير والشر من غيره، لصار كافراًبالله تعالىٰ و بطل توحيده". (الجوهرة المنيفة فى شرح =

الجواب حامداً و مصلیاً:

ضروریاتِ دین ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین سے ہونا قطعی اور یقینی ہو اور حدِ تواتر و شہرت عام تک پہونچ چکا ہو، حتی کہ عوام بھی جانتے ہوں کہ یہ چیزیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین سے ہیں جیسے توحید، رسالت، ختم نبوت، حیات بعد الموت، سزا و جزاء اعمال، نماز، زکوٰۃ کی فرضیت، شراب اور سود کی حرمت، کذا فی إکفار الملحدین (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۹ھ۔

ایمان بالرسول اجمالاً کافی ہے یا اوصاف کے ساتھ؟

سوال [۱۴]: ایمان بالرسول ضروریاتِ دین میں شامل ہے، یا نہیں؟ اور صرف اتنا ایمان لانا کافی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یا ان اوصاف کے ساتھ جن کے کہ حضور اکرم صلی

= وصیة الإمام الأعظم أبی حنیفة ،ص: ۵۸، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة)

"فعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أنه قال: القدر نظام التوحید ، فمن وحّد الله و کذب بالقدر، نقض تکذیبه توحیده". (شرح العقیدة الطحاویة لابن أبی العز،ص: ۲۷۳، قدیمی)

(۱) "والمراد "بالضروریات" علی ما اشتهر فی الکتب: ما علم کونه من دین محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بالضرورة ، بأن تواتر عنه و استفاض، و علمته العامة، کالوحدانیة والنبوة، و ختمها بخاتم الأنبیاء، و انقطاعها بعده، و هذا مما شهد الله به فی کتابه ، و شهدت به الکتب السابقة، و شهد به نبینا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ، و شهد به الأموات أیضاً ، کزید بن خارجة الذی تکلم بعد الموت، .... و کالبعث والجزاء، و وجوب الصلاة والزکاة ، و حرمة الخمر ونحوها". (إکفار الملحدین،ص : ۲، ۳، لأنور شاه صاحب الکشمیری رحمه الله تعالیٰ من "مجموعة رسائل الکشمیری " الجلد الثالث إدارة القرآن)

"ورکنها إجراء کلمة الکفر علی اللسان بعد الإیمان) وهو تصدیق محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی جمیع ماجاء به عن الله تعالیٰ مما علم مجیئه ضرورةً". قال فی رد المحتار: "وإذعانه لما علم بالضرورة أنه من دین محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، بحیث تعلمه العامة من غیر افتقار إلی نظر و استدلال کالوحدانیة، والنبوة، والبعث، والجزاء، ووجوب الصلوة، والزکاة، وحرمة الخمر، و نحوها".

(رد المحتار :۴/۲۲۱، باب المرتد ، سعید)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مستحق ہیں، ایمان رکھنا ضروریات میں سے ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً :

ایمان بالرسول ایسا ضروریات دین میں سے ہے کہ بغیر اس کے آدمی مومن کہلانے کا مستحق نہیں، ساتھ ہی خصوصیاتِ قطعیہ مثلاً: خاتم النبیین وغیرہ کا ماننا بھی ضروری ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

قرآن پر ایمان کا مطلب

سوال [۱۵] : جب قرآن شریف پر میرا ایمان ہے تو پھر پورے قرآن مجید کو مکمل یا جزوی طور سے انکار کرنے سے، یا قرآن شریف کے جزوی حصے کو مکمل طور سے، یا جزوی طور سے انکار کرنے پر کیا فتویٰ ہوگا؟ خواہ وہ انکار زبان سے ہو، یا دیگر اعضاء سے؟

الجواب حامداً مصلیاً :

قرآن پاک کی مکمل طور پر تصدیق لازم ہے، اگر پورے قرآن یا اس کے کسی جزء (آیت) کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے تو ایمان باقی نہیں رہے گا (۲) اور اگر عملی

---

(۱) "فالتحقيق أن الإيمان هو تصديق النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالقلب في جميع ما علم بالضرورة مجيئه به من عند الله إجمالاً، وأنه كاف في الخروج عن عهدة الإيمان، و لا تنحط درجته عن الإيمان التفصيلي، كذا في شرح العقائد، إلا أن الأولى أن يقال: إجمالاً إن لو حظ إجمالاً ، و تفصيلاً إن لوحظ تفصيلاً". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري ،ص: ۸۶، قديمي)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني ،ص: ۱۲۰ ، قديمي)

"و أما الإيمان بسيدنا عليه الصلاة والسلام، فيجب بأنه رسولنا في الحال و خاتم الأنبياء والرسل ، فإذا آمن بأنه رسول، و لم يؤمن بأنه خاتم الرسل لا ينسخ دينه إلى يوم القيامة، لا يكون مؤمناً". (الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً، النوع الثالث في الأنبياء: ۳۲۷/۵، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ يآ أيها الذين اٰمنوا اٰمنوا بالله ورسوله، والكتاب الذى نزّل على رسوله، والكتاب =

کوتاہی ہوگی تو اس سے کفر کا حکم نہیں ہوگا (۱)، نفس ایمان اس سے مضمحل اور کمزور تو ہو جاتا ہے، مگر تصدیق قلبی جب تک باقی ہے، ختم نہیں ہوتا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

فطرت پر ہونے کی تشریح

سوال [۱۶]: فطرت دین کے کیا معنیٰ ہیں؟

= الذی أنزل من قبل، و من يكفر بالله و ملائكته و كتبه و رسله و اليوم الأخر، فقد ضل ضلالاً بعيداً﴾ (النساء: ۱۳۶)

و فی الحديث: "قال: فأخبرني عن الإيمان؟ قال: "أن تؤمن بالله و ملائكته و كتبه و رسله واليوم الآخر و تؤمن بالقدر خيره و شره .... الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۱، قديمی)

"إذا أنكر الرجل آيةً من القرآن أو تسخر بآية من القرآن، و فی الخزانة: أو عاب كفر". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع فی أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، و منها ما يتعلق بالقرآن: ۲/۲۶۶، رشيديه)

(وكذا فی شرح الفقه الأكبر لملا علی القاری، فصل فی القرآء ة والصلوة، ص: ۱۶۷، قديمی)

(۱) "و أما العمل بالأركان، فهو من كمال الإيمان و جمال الإحسان عند أهل السنة والجماعة". (شرح الفقه الأكبر للملا علی القاري، ص: ۷۴، قديمی)

"لا علی من ذهب إلی أنها ركن من الإيمان الكامل بحيث لا يخرج تاركها عن حقيقة الإيمان". (شرح العقائد النسفية للتفتازانی، ص: ۱۲۵، قديمی)

"و العمل مغاير له لا يشمله اسم الإيمان عند إفراده بالذكر، وإن أطلق عليهما كان مجازاً". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبی العز، ص: ۳۳، قديمی)

(۲) "حتی أن من حصل له حقيقة التصديق، فسواء أتی بالطاعات أو ارتكب المعاصی، فتصديقه باق علی حاله، لا تغير فيه أصلاً". (شرح العقائد النسفية للتفتازانی، ص: ۱۲۵، قديمی) ....=

الجواب حامداً و مصلياً :

انسان میں پیدائشی صلاحیت واہلیت کہ وہ بغیر کسی ماحول کے اثر کے دین اسلام کی چیزوں کو قبول کرلے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۸۹/۱۱/۳ھ۔

امت دعوت واجابت

سوال[۱۷]: ہندو، پارسی، یہودی اور نصاری وغیرہ بھی کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی کہلانے کے مستحق ہیں؟ اگر مشرک بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہیں تو مسلم اور غیر مسلم میں فرق ہے؟

= (و كذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري،ص : ۱۳۴، قديمى)

(۱) " قال : والمراد تمكن الناس من الهدى في أصل الجبلة، والتهيؤ لقبول الدين، فلو ترك المرء عليها لاستمر على لزومها،و لم يفارقها إلى غيرها؛ لأن حسن هذا الدين ثابت في النفوس ، و إنما يعدل عنه لآفة من الآفات البشرية كالتقليد، انتهى".(فتح البارى، كتاب الجنائز ، باب ما قيل في أولاد المشركين : ۳/۳۱۸، قديمى)

"والأصح أن معناه أن كل مولود متهيأ للإسلام ".(شرح النووى على الصحيح للمسلم، كتاب القدر ، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة الخ: ۲/۳۳۷، قديمى)

قوله : "ما من مولود إلا يولد على الفطرة "؛ أي على مبادىء الإسلام من التوحيدو غيره التى جعل الله الناس عليها. قال الطيبى : كلمة "(من)" الاستغراقية في سياق النفي تفيد العموم، والتقدير : ما مولود يوجد على أمر من الأمور إلا على هذاالأمر، والفطرة تدل على نوع منها، وهو الابتداء والاختراع، كالجلسة والقعدة، والمعنى بها هنا تمكن الناس من الهدى في أصل الجبلة ، والتهيؤ لقبول الدين. فلوترك عليها لاستمر على لزومها و لم يفارقها إلى غيرها، لأن هذا الدين حسنه موجود في النفوس ، وإنما يعدل عنه لآفة من الآفات البشرية والتقليد". (تكملة فتح الملهم ، كتاب القدر ، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة : ۵/۴۹۷، ۴۹۸،مكتبه دار العلوم كراچى)

اگر آپ مشرکین کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی شمار کرتے ہیں تو اس دعاء کا ان سے تعلق نہیں ہوجاتا "اللهم اغفر لأمة محمد صلى الله عليه وسلم" جس کے معنی ہیں کہ "اے اللہ! امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مغفرت فرمادے"۔ امین، پھر اس کے خلاف اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ مشرک ابدی جہنمی ہیں اور ان کی مغفرت نہیں ہوگی کہ کیا ہم اللہ رب العزت کی مرضی کے خلاف ان کی مغفرت کی دعا کررہے ہیں؟ اس کا جواب مدلل طریقے پر دیں۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً :

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہونے کے دو معنی ہیں (۱): ایک یہ کہ جن کی طرف آپ کو نبی بنا کر بھیجا گیا اور آپ نے دعوت دی، اس اعتبار سے ہر ملک کے رہنے والے اور ہر مذہب پر چلنے والے آپ کے امتی ہیں، کیونکہ آپ کی نبوت عام ہے، کسی قوم اور کسی ملک کے ساتھ خاص نہیں، جیسے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا حال تھا ﴿قل يأيها الناس إنی رسول الله إليكم جميعاً﴾ (۲) ﴿وما أرسلنك إلا كافةً للناس﴾ (۳) یہ امت دعوت ہے۔

اور امت کے دوسرے معنی سے ہیں: وہ لوگ جنھوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا ہے اور آپ پر ایمان

---

(۱) "الأمة جمع لهم جامع من دين أو زمان أو مكان أو غير ذلك، فإنه مجمل يطلق تارةً ويراد بها كل من كان مبعوثاً إليهم نبي، آمنوا به أو لم يؤمنوا، ويسمون أمة الدعوة. وأخرى يراد بهم المؤمنون به المذعنون له، وهم أمة الإجابة." (فيض القدير لمناوی شرح الجامع الصغير: ۳/۱۴۷۰، رقم الحديث: ۱۶۲۰، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(وكذا في شرح الطيبي، كتاب الإيمان: ۲/۴۴۹، نزار مصطفى الباز)

"فإن أمته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ثلاثة أقسام، أحدها أخص من الآخر: أمة الاتباع، ثم أمة الإجابة، ثم أمة الدعوة، فالأولى أهل العمل الصالح، والثانية مطلق المسلمين، والثالثة من عداهم ممن بعث إليهم." (فتح الباري، كتاب الرقاق، باب: يدخل الجنة سبعون ألفاً بغير حساب: ۱۱/۴۱۱، دار المعرفة)

(۲) (الأعراف: ۱۵۸)

(۳) (السبا: ۲۸)

لائے اور کسی دوسرے دین پر قائم نہیں رہے، یہ امت اجابت ہے، اس کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے اور اسی کے لئے سب فضائل ہیں (۱) جو لوگ ایمان نہیں لائے، ان کے لئے فضائل ومغفرت کا وعدہ نہیں، نہ ان کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، یکم/محرم الحرام/ ۸۹ھ۔

وسوسہ شیطانی سے ایمان ضائع نہیں ہوتا

سوال [۱۸]: ایک شخص پابند شرع ہے، ایک روز ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کے دل میں شیطانی وسوسہ آیا کہ میں مسلمان نہیں ہوں اور یہ کہ میں مرتد ہو گیا ہوں، لیکن نہ اس سے کوئی انکار اور نہ ہی کوئی گناہ پایا گیا جو دال علی الکفر ہو، اور اس کو بے حد پریشانی ہوئی اور ڈر کی وجہ سے بہت پریشان ہوا کہ میں قیامت کے روز اللہ پاک اور اس کے رسول کو کیا منہ دکھلاؤں گا؟ اس کے بعد اس نے کلمہ طیبہ اور لاحول اور استغفار کا ورد کرنا شروع کر دیا اور اپنے دل میں اس وسوسہ کو دور کرنے کے لئے اس نے یہ کہا کہ "اے شیطان! اب تک ہم مسلمان تھے، یا نہیں؟ لیکن اب ہم مسلمان ہو گئے ہیں، چاہے تُو کتنے ہی وسوسہ ڈال"۔ اور وہ یہ سمجھ گیا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں کوئی خطرناک بات تو نہیں ہے جو کہ ایمان کے منافی ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شیطانی وسوسہ سے اس کا ایمان زائل نہیں ہوا، الحمد للہ ایمان موجود ہے (۳)، کلمہ طیبہ اور لاحول

(۱) "هؤلاء أمتك، وهؤلاء سبعون ألفاً قدامهم، لا حساب عليهم ولا عذاب." (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب يدخل الجنة سبعون ألفاً بغير حساب: ۲/ ۹۶۹، قديمي)

" (أمتي هذه): أي الموجودون الآن كما عليه ابن رسلان، وهم قرنه، ويحتمل إرادة أمة الإجابة (أمة مرحومة): أي جماعة مخصوصة بمزيد الرحمة وإتمام النعمة، موسومة بذلك في الكتب المتقدمة، (ليس عليها عذاب في الآخرة)". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/ ۱۴۷۱، رقم الحديث: ۱۶۲۱، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربىٰ من بعد ما تبين لهم أنهم أصحب الجحيم﴾ [التوبة: ۱۱۳]

(۳) "عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" إن الله تجاوز =

کثرت سے پڑھا کرے اور ہر روز اپنے مومن ہونے پر خدائے پاک کا شکر ادا کیا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۸۹ھ۔

دینیات میں وسوسہ اور اس کا علاج

سوال[۱۹]: قریب تین ماہ ہوئے ہیں، میرے دل و دماغ میں ایک شبہ پڑ گیا ہے، مجھے ہر وقت یہ خیالات پریشان کرتے رہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی تھے یا نہیں تھے، قرآن پاک آسمانی کتاب ہے یا نہیں، اسلام سچا مذہب ہے یا نہیں؟ ان خیالات کی وجہ سے مجھے بڑی بے چینی رہتی ہے اور کسی کام میں دل نہیں لگتا، میں اس سوال کو سلجھانے کی ہر چند کوشش کرتا رہتا ہوں، مگر میرے دل و دماغ سے یہ خیال جاتا ہی نہیں ہے، اگر قرآن پاک پڑھوں تو یہ خیال آتا ہے کہ یہ سب یوں ہی تو نہیں ہے اور اگر حدیث شریف پڑھوں تو بھی یہی خیال آتا ہے، اب بتائیں کہ میں کیا کروں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ رات کو عشاء کے بعد تازہ غسل کر کے دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں، پھر درود شریف ۵۰۰ دفعہ، پھر استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ" ۵۰۰/ دفعہ پڑھ کر خدائے پاک کے سامنے دعا کریں: یا اللہ میرے ہر گناہ کو معاف کر اور اپنی ذات پر اور اپنے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اور اپنے

= عن أمتي ما وسوست به صدرها ما لم تعمل به أو تتكلم". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب في الوسوسة، ۱/۱۸، قديمي)

" قال صاحب الروضة في شرح صحيح البخاري: المذهب الصحيح المختار الذي عليه الجمهور أن أفعال القلوب إذا استقرّت يؤاخذ بها، فقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله تجاوز عن أمتي ما وسوست به صدورها" محمول على ما إذا لم تستقر، و ذلك معفوٌ بلا شك؛ لأنه لا يمكن الإنفكاك عنه بخلاف الاستقرار". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب في الوسوسة: ۱/۲۳۸، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " أنا أعلمكم بالله و أن المعرفة فعل القلب"...... الخ: ۱/۹۷، قديمي)

(و مجمع الأنهر، باب المرتد: ۱/۶۸۸، دار إحياء التراث العربي)

قرآن پاک پر یقین نصیب فرما، جیسا کہ یقین کا حق ہے، اور میرے گناہوں کی نحوست سے اس دولت کو ضائع نہ فرما، یہ عمل سات روز تک کریں اور چلتے پھرتے درود شریف کثرت سے پڑھا کریں، کسی صاحب نسبت متبع سنت بزرگ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیں۔ خدائے پاک آپ کی مدد فرمائے، سورہ ''حم سجدہ'' روزانہ ایک مرتبہ پڑھ کر دعا مانگنا بھی دفعہ وسوسہ وشبہ کے لئے اکسیر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۹۲ھ۔

مجبوراً خنزیر کا گوشت کھانے سے ایمان نہیں جاتا

سوال[۲۰]: کوئی مسلمان ایسی جگہ پھنس جائے کہ کافر اسے شراب، یا سور کا گوشت زبردستی کھلا دیں اور وہ جان بچانے کے لئے کھائے تو وہ ایمان سے خارج ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ایسی مجبوری کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوا (۱)، انتہائی ندامت کے ساتھ خدا سے دعا کرے کہ وہ آئندہ محفوظ رکھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "السلطان إذا أخذ رجلاً وقال: لأقتلنک أو لتشربن هذا الخمر، أو لتأكلن هذه الميتة، أو لتأكلن لحم هذا الخنزير، كان في سعة من تناوله، بل يفترض عليه التناول إذا كان في غالب رأيه أنه لو لم يتناول يُقتل، فإن لم يتناول حتى قتل، كان آثماً في ظاهر الرواية عن أصحابنا." (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني من كتاب الإكراه: ۵/۳۸، رشيديه)

"وعلى أكل لحم خنزير، وميتة، ودم، وشرب خمر يحبس أو ضرب أو قيد لم يحل، وحل بقتل وقطع) يعني لو أكره على هذه الأشياء بما لا يخاف على نفسه أو عضوه: كالضرب لا يسعه أن يقدم عليه، وبما يخاف، يسعه ذلک؛ لأن حرمة هذه الأشياء مقيدة بحالة الاختيار، وفي حالة الضرورة مبقاة على أصل الحل لقوله تعالى: ﴿إلا ما اضطررتم إليه﴾ [الأنعام: ۱۲۰] فاستثنى حالة الاضطرار؛ لأنه فيها مباح." (البحر الرائق، كتاب الإكراه: ۸/۱۳۲، رشيديه)

(وكذا في روح المعاني، [المائدة: ۳]، ۶/۶۵،۶۶، دار إحياء التراث العربي)

زمانہ کو برا کہنے کی ممانعت اور مفتی قدرت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر

سوال[۲۱]: حضرت مولانا مفتی قدرت اللہ صاحب مرحوم مدرسہ شاہی مرادآباد خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنی ایک کتاب میں جس کا سرورق غائب ہے، مگر تصوف میں ہے لکھا ہے کہ زمانہ، ہوا، تقدیر، بیماری کو برا نہ کہو"، مگر وجہ بیان نہیں ہے، مگر حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے ناگپور کی تقریر (جو کہ کتاب کی شکل میں ہے) کفار مکہ کے توکل کا بیان فرماتے ہیں حجر اسود والا تنازعہ بیان کیا ہے کہ: "وہ شخص ہمارا حکم ہوگا جو علی الصباح مسجد حرام میں داخل سب سے اول ہو، لہذا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم داخل مسجد حرام ہوئے اور حَکم بنائے گئے (۱) یہ تھا کفار مکہ کا توکل، اور آج کل کا ہمارا زمانہ ہے کہ باوجود مسلمان ہونے کے توکل مفقود ہے"۔ اس عبارت سے زمانہ کی برائی معلوم ہوئی۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ "ایک زمانہ وہ تھا کہ کفار مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام کی طرف رغبت کرتے تھے، ایک آج کل کا زمانہ ہے کہ ہم کو دیکھ کر خود مسلمان ہی نفرت کرتے ہیں"۔ اس عبارت سے بھی زمانے کی برائی معلوم ہوئی۔

اس کتاب میں تیسری جگہ لکھا ہے کہ "دین حق کا چراغ بجھا نہیں کرتا، لیکن بادِ مخالف کے جھونکے بجھانے کی کوشش کرتے ہیں"۔ اس عبارت سے ہوا کی برائی معلوم ہوئی۔ اور تقویۃ الایمان میں بہت سی جگہ زمانہ کا لفظ اس طرح استعمال فرمایا کہ: "ہر زمانے کے لوگ نئی نئی الگ الگ راہیں نکالتے ہیں"۔ ان جگہوں سے بھی زمانے کی برائی معلوم ہوئی ہے، اگر ان چیزوں کو برا کہنا برا ہے تو ان اکابرین نے ان لفظوں کو اس طرح پر کیوں

---

(۱) "قال ابن اسحق: ثم إن القبائل من قريش جمعت الحجارة لبناء ها، كل قبيلة تجمع على حدة، ثم بنوها حتى تبلغ البنيان موضع الركن، فاختصموا فيه كل قبيلة تريد أن ترفعه إلى موضعه دون الأخرى حتى تجاوزوا و تحالفوا و أعدوا للقتال .... فزعم بعض أهل الرواية أن أبا أمية بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم و كان عامئذ أسنّ قريش كلها، قال: يا معشر قريش! اجعلوا بينكم فيما تختلفون فيه أول من يدخل من باب هذا المسجد يقضي بينكم فيه ففعلوا، فكان أول داخل عليهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلما رأوه قالوا: هذا الأمين رضينا هذا محمد الخ". (سيرة بن هشام: ۱/۱۹۶، ۱۹۷، حديث بنيان الكعبة و حكم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين قريش في وضع الحجر، اختلاف قريش فيمن يضع الحجر و لعقه الدم، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

استعمال فرمایا ہے؟ محمد فہیم الدین، مدرسہ تعلیم القرآن لاوڑ بازار، پاوڈی ضلع پوڑی گڑھوال (یوپی)

الجواب حامداً و مصلیاً :

زمانہ کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے، یہ حدیث قدسی میں موجود ہے(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ خالق خیر اور خالق شر زمانہ کو قرار دیکر برا کہا جائے، حالانکہ خالق ذات وحدہ لاشریک لہ ہے، زمانہ تو خیر وشر کا ظرف ہے خالق نہیں، اس لئے زمانہ کو (برا) کہنا خالق جل جلالہ کو برا کہنا ہے (۲)، البتہ اس طرح کہا جائے کہ فلاں زمانہ میں خیر تھی، یعنی اس وقت جو حضرات موجود تھے، ان میں خیر غالب تھی، پھر بعد والے زمانے میں خیر کم ہوگئی ہے۔ یہ مضمون حدیث شریف سے ثابت ہے: " خیر القرون قرني، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم،

---

(۱) "عن أبي هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : "قال الله عزوجل : "یؤذیني ابن آدم یسب الدهر و أنا الدهر، بیدي الأمر أقلب اللیل والنهار)". (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورة الجاثیة: ۲/۷۱۵، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الألفاظ من الأدب وغیرها، باب النهي عن سب الدهر: ۲/۲۳۷، قدیمی)

(۲) "(یسب الدهر) ...... یعني ظناً منه أن الدهر یعطی و یمنع، و یضر و ینفع (وأنا الدهر) ...... أي خالق الدهر أو مصرف الدهر أو مقلبه أو مدبر الأمور التی نسبوها إلیه، فمن سبّه بکونه فاعلها عاد سبه إليّ؛ لأني أنا الفاعل لها، و إنما الدهر زمان جُعل ظرفاً لمواقع الأمور، و أتی بأداة الدهر مبالغةً فی الرد علی من یسبه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان: ۱/۱۸۱، رشیدیه)

"قال العلماء : و هو مجاز و سببه أن العرب کان شأنها أن تسب الدهر عند النوازل والحوادث والمصائب النازلة بها من موت أو هرم أو تلف مال أو غیر ذلک فیقولون: یا خیبة الدهر، و نحو هذا من ألفاظ سب الدهر، فقال النبي صلی الله علیه وسلم: (لا تسبوا الدهر): أي لا تسبوا فاعل النوازل، فإنکم إذا سببتم فاعلها وقع السب علی الله تعالیٰ؛ لأنه هو فاعلها و منزلها، و أما الدهر الذي هو الزمان فلا فعل له بل هو مخلوق من جملة خلق الله تعالیٰ، و معنی "فإن الله هو الدهر": أي فاعل النوازل والحوادث و خالق الکائنات، والله أعلم". (الکامل شرح المسلم للنووی، کتاب الألفاظ من الأدب وغیرها، باب النهي عن سب الدهر، : ۲/۲۳۷، قدیمی)

(وکذا فی فتح الباري، کتاب التفسیر، سورة الجاثیة : ۸/۷۳۸، ۷۳۹، قدیمی)

ثم يفشوا الكذب (الحديث)(۱)۔

حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی تقریر سے جو امور آپ نے نقل کئے ہیں، ان میں بھی زمانہ کو برا نہیں کہا گیا، نہ زمانہ کو خالق خیر وشر قرار دیا گیا، بلکہ زمانہ کی طرف تسلیم کرتے ہوئے اس کے آدمیوں کا تغیر اور زمانہ سابق سے فرق ظاہر کیا گیا ہے۔ باد مخالف کا نورِ حق کو بجھانے کی کوشش کرنا خود قرآن کریم میں موجود ہے ﴿يريدون أن يطفئوا نور الله بأفواههم﴾ الآية (۲)۔ ہوا کی وجہ سے اگر کسی کا نقصان ہو جائے، مثلاً درخت گر جائے تو ہوا کو لعنت نہ کی جائے کیونکہ ہوا تو مامور ہے، از خود وہ کچھ نہیں کر سکتی (۳)۔ سائل نے جو تضاد پیش کیا ہے، وہ عموماً ذاتی مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے، اگر ماخذ سامنے ہوں اور باقاعدہ ان کو سمجھ کر مستند اساتذہ سے پڑھا ہو تو ہر ایک کا محمل سمجھ میں آجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۶ھ۔

---

(۱) لم أجده بهذا اللفظ، و قد وجدته بالألفاظ الآتية: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم". قال عمران: "لا أدري أذكر بعد قرنه مرتين أو ثلاثاً". "ثم إن بعدكم قوماً يشهدون و لا يستشهدون، و يخونون و لا يؤتمنون، و ينذرون، و لا يوفون، و يظهر فيهم السمن".

إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يجيء قوم تسبق شهادة أحدهم يمينه، و يمينه شهادته". (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: ۱/۵۱۵، قديمي)

و قال عليه السلام: "احفظوني في أصحابي، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يفشو الكذب، حتى يشهد الرجل، و ما يستشهد، يحلف، و ما يستحلف". (كنز العمال، رقم: ۳۲۴۵۵، ۱۱/۲۴۰، دار الكتب العلمية)

(۲) (التوبه: ۳۲)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً لعن الريح عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، فقال: "لاتلعنوا الريح، فإنها مأمورة، وأنه من لعن شيئًا ليس له بأهل، رجعت اللعنة عليه". رواه الترمذي، وقال هذا حديث غريب". (مشكوة المصابيح، باب في الرياح: ۱/۱۳۲، ۱۳۳، قديمي كتب خانه)

زمانہ کو برا کہنا

سوال[۲۲]: لوگوں کی زبان زد ہے کہ زمانہ ایسا آ گیا، ویسا آ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ’’زمانہ میں ہوں‘‘(۱) گو کہنے والے زمانہ سے مراد وقت لیتے ہیں۔ اس معاملہ میں فرمائیے کہ کیا لفظ استعمال کریں اور ان کی نیت میں خرابی نہیں ہے، مذکورہ سوال میں وعید ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

زمانہ کو خود مؤثر بالذات اعتقاد کرنا غلط ہے، اگر وقت کو ظرف تصور کرتے ہوئے مثلاً اس طرح کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں خیر غالب تھی، رفتہ رفتہ بعد میں خیر کم ہوتی گئی اور شر بڑھتا گیا تو صحیح ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۵ھ۔

احکام اسلام کو اپنانا اعلیٰ درجہ کے مسلمانوں کا کام ہے

سوال[۲۳]: کچھ مسلمانوں کا یہ کہنا کہ نماز نہ پڑھنا، زکوۃ نہ دینا، روزہ نہ رکھنا، جھوٹ بولنا، سینما دیکھنا، رشوت لینے سے معمولی مسلمان کو کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ سب عمل تو اول درجہ کے مسلمانوں کے کرنے کے ہیں، ہمارے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم تو معمولی مسلمان ہیں، اللہ تعالیٰ تو غفور رحیم ہے۔ ہمیں تو پورا یقین ہے کہ ہمیں ضرور بخش دے گا اور ہم ضرور جنت میں جائیں گے، کیا یہ صحیح ہے؟ اور ایسا کہنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :”قال الله: (يؤذيني ابن آدم يسب الدهر و أنا الدهر بيدي الأمر أقلب الليل والنهار)“. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب: (و ما يهلكنا إلا الدهر): ۲/۷۱۵، قديمي)

(۲) ”كان أهل الجاهلية يقولون: إنما يهلكنا الليل والنهار، هو الذي يميتنا و يحيينا .... فيسبون الدهر .... (وأنا الدهر) معناه أنا صاحب الدهر و مدبر الأمور التي ينسبونها إلى الدهر .... وإنما الدهر زمان جعل ظرفاً لمواقع الأمور“. (فتح الباري، كتاب التفسير: ۸/۷۳۸، قديمي)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۴/۱۵۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في تفسير روح المعاني [سورة الجاثية، رقم الآية: ۲۵]، ۲۵/۱۵۳)

الجواب حامداًومصلياً:

حق تعالیٰ غفور رحیم بھی ہے(۱) اور قہار و منتقم بھی ہے(۲) جنت بھی اسی نے بنائی ہے، دوزخ بھی اسی نے بنائی، احکام بھی اسی نے نازل کئے، اطاعت کرنے والوں کے لئے جنت تجویز کی، اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو ماننا اور کسی صفت کو نہ ماننا ایمان کی بات نہیں ہے، جن چیزوں کو منع فرمادیا ہے، ان سے باز رہنا لازم ہے، جس طرح یہ خیال کرتے ہیں کہ احکام تو اول درجہ کے مسلمانوں کے کرنے کے ہیں اور ہم تو معمولی مسلمان ہیں تو ان کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ جنت بھی اول درجہ کے مسلمانوں کے لئے ہو اور جو لوگ عمل نہ کریں ان کے لئے دوزخ ہو، اس لئے ایسی بات اور ایسے عقیدہ اور ایسے عمل سے پورا پرہیز لازم ہے، ورنہ آہستہ آہستہ ایمان و اسلام سب ہی چیزیں ختم ہوجاتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۱۴۰۶ھ۔

کراماً کاتبین کی تعداد

سوال[۲۴]: ماقولكم رحمكم الله تعالىٰ فى أن كراماً كاتبين هل هو واحد لكل إنسان يكتب أعمالهم أم لكل إنسان واحد أو اثنان، هل تعداد هم معين؟ بينوا بالدلائل و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"(قوله: و هل تتغير الحفظة؟ قولان:) فقيل: نعم لحديث الصحيحين: "(يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل و ملائكة بالنهار، ويجتمعون فى صلوة الصبح و صلاة العصر،فيصعد الذين باتوا فيكم، فيسألهم الله وهو أعلم بهم: كيف تركتم عبادى؟ فيقولون: أتيناهم و هم يصلون و تركناهم و هم يصلون)" فنقل عياض وغيره عن الجمهور أنهم الحفظة: أي الكرام الكاتبون، و استظهر القرطبى انهم غيرهم۔

وقيل: لا يتغيران مادام حيًّا، لحديث أنس رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:"(إن الله تبارك و تعالىٰ وكّل بعبده المؤمن ملكين يكتبان عمله، فإذا مات قالا: ربنا قد مات فلان فتاذن لنا فنصعد إلى السماء ؟ فيقول الله عزوجل :" سمائى مملوئة من ملائكتى يسبحونى"،

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ألاإن الله هو الغفور الرحيم﴾. (الشورى: ۵، پ: ۲۵)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والله عزيز ذوانتقام﴾. (آل عمران: ۴، پ: ۳)

فیقولان : فأین نکون ؟ فیقول اللّٰہ تعالیٰ :" قوما علی قبر عبدی فکبرانی و هللانی و اذکرانی و اکتبا ذلك لعبدی إلی یوم القیامة"۔ و تمامه فی الحلیة اهـ"۔ رد المحتار ۱/۵۵۰(۱) ۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۳/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، الجواب صحیح :عبد اللطیف مدرسہ ہذا۔

تجدید ایمان کا طریقہ

سوال[۲۵]: احقر کے عریضہ (منسلک ہذا کے سوال نمبر ۳،۵) کے جواب میں حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ کسی قول، یا فعل کی وجہ سے اگر آدمی اسلام سے خارج ہوجائے تو ایسے شخص کو تجدید ایمان کے ساتھ

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوة،مطلب هل تتغیر الحفظة : ۱/۵۲۸، سعید)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال:" یتعاقبون فیکم ملائکة باللیل و ملائکة بالنهار، و یجتمعون فی صلوٰة الفجر، و صلاة العصر، ثم یعرج الذین باتوا فیکم، فیسألهم ربهم و هو أعلم: بهم کیف ترکتم عبادی؟ فیقولون: ترکنا هم و هم یصلو ن، أتیناهم و هم یصلون". (صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب فضل صلاة العصر : ۱/۷۹، قدیمی)

(الصحیح لمسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب فضل صلاتي الصبح و العصر و المحافظة علیهما: ۱/۲۲۷، قدیمی)

(ومسند أحمد، رقم الحدیث: ۹۹۳۶، ۲/۴۸۶ ،دار إحیاء التراث العربی)

(و کنز العمال، رقم :۱۸۹۴۷، ۷/۲۹۴، مکتبه التراث الإسلامی حلب)

"عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال:"إن الله تبارک وتعالیٰ و کّل بعبده المؤمن ملکین یکتبان عمله، فإذا مات قالا : ربنا قد مات فلان، فتأذن لنا فنصعد إلی السماء ؟ فیقول الله عز و جل : (سمائی مملوئة من ملائکتی یسبحونی). فیقولان : فأین نکون ؟ فیقول الله تعالیٰ :" (قوما علی قبر عبدی فکبرانی و هللانی و اذکرانی و اکتبا ذلک لعبدی إلی یوم القیامة)".

(کنز العمال، رقم : ۴۲۹۶۷، ۱۵/۷۴۸. مکتبه التراث الإسلامی)

(و کذا فی نصب الرایه، رقم الحدیث: ۱۸۴۱، ۱/۴۳۴، مؤسسة الریان)

(والدرایة، رقم الحدیث : ۱۹۲، ۱/۱۲۰، دار نشر الکتب الإسلامیة لاهور)

موجباتِ کفر سے برأت بھی ضروری ہے اس کی تشریح مطلوب ہے:

۱......تجدیدِ ایمان کا کیا مطلب ہے اور کیا طریقہ ہے؟

۲......موجباتِ کفر سے کیا مراد ہے اور وہ کیا کیا ہیں؟

۳......اگر زکوۃ ادا کر چکا ہے تو کیا دوبارہ ادا کرنا ہوگا جب کہ استطاعت ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......کلمہ شہادت زبان سے ادا کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے، جس چیز سے انکار کی بناء پر ایمان سے خارج ہوگیا تھا اس کا اقرار کرے، اگر اسلام سے خارج ہو کر مثلاً عیسائیت کو اختیار کر لیا تھا تو اس سے بیزاری اور برأۃ کرے (۱)۔

۲......وہ بہت ہیں، خدائے پاک کی ذات وصفات کا انکار، اس کی شان میں گستاخی، کسی رسول کا انکار اور اس کی شان میں گستاخی، خدائی کتاب کا انکار اس کی شان میں گستاخی، عقیدۂ آخرت اور ملائکہ کا انکار وغیرہ وغیرہ (۲) کتاب مالابدمنہ میں بھی ایسی بہت سی چیزیں لکھی ہیں (۳)۔

---

(۱) "ثم اعلم أنه يؤخذ من مسألة العيسوی أن من كان كفره بإنكار أمر ضروری كحرمة الخمر مثلاً أنه لا بـد من تبرئه مما كان يعتقده، لأنه كان يقر بالشهادتين معه، فلا بد من تبرئه منه كماصرح به الشافعية، و هو ظاهر". (ردالمحتار، مبحث فی اشتراط التبرئ مع الإتيان بالشهادتين: ۲۲۸/۴، سعيد)

"وفـی الـفتـاوی العالمكيرية: "وإسلامه أنْ يأتی بكلمة الشهادة و يتبرأ عن الأديان كلها سوی الإسلام". (كتاب السير، الباب التاسع فی أحكام المرتدين: ۲۵۳/۲، رشيديه)

(و كذا فی البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۱۶/۵، رشيديه)

قـال الله تـعالیٰ: ﴿يآ أيهـا الـذيـن اٰمَـنـوا اٰمِـنـوا بـالله ورسوله والكتاب الذی نزّل علی رسوله، والـكـتـاب الـذی أنـزل مـن قبل، و من يكفر بالله و ملائكته و كتبه و رسله و اليوم الأخر، فقد ضل ضلالاً بعيداً﴾ (النساء: ۱۳۶)

(۲) قـال الله تعالیٰ: ﴿إن الذين يكفرون بالله و رسله و يريدون أن يفرّقوا بين الله و رسله، و يقولون نؤمن ببعض و نكفر ببعض و يريدون أن يتخذوا بين ذلک سبيلاً أولئک هم الكٰفرون حقاً﴾ (النساء: ۱۵۰. ۱۵۱) =

۳......تجدید ایمان کے بعد سالہائے گذشتہ کی زکوۃ دوبارہ دینا لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۵/ ۸۷ھ۔

تجدید ایمان کا طریقہ

سوال[۲۶]: میں ۳۶ سالہ غیر شادی شدہ مسلم ہوں، بار بار یہ خیال آتا ہے کہ تجدید ایمان کرلیا جائے تو بہتر ہے، کیونکہ ایمان بہت ہی بڑی دولت ہے، پہلے مجھے دین سے اتنا لگاؤ نہیں تھا اور ہمارے گھر میں پہلے

= "إذا أنكر الرجل آيةً من القرآن، أو تسخر بآية من القرآن، و فی الخزانة: أو عاب، كفر". (الفتاوی العالمكيرية، الباب التاسع فی أحكام المرتدين مطلب موجبات الكفر ...... و منها ما يتعلق بالقرآن، ۲/ ۲۶۶، رشيديه)

(و كذا فی شرح الفقه الأكبر لملا علی القاری، فصل فی القرآءة والصلوة، ص: ۱۶۷، قديمی)

"من أنكر القيامة، أو الجنة، أوالنار، أو الميزان، أوالصراط، أوالصحائف المكتوبة فيها أعمال العباد، يكفر، و لوأنكر البعث فكذالک". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع فی أحكام المرتدين، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بيوم القيامة: ۲/ ۲۷۴، رشيديه)

(۳)(مالابد منه، ترجمه باب كلمات الكفر، از فتاویٰ برهانی، ص: ۱۲۳، مكتبه شركت علميه)

(۱) "(قوله: وإسلام) فلا زكاة علی كافر لعدم خطابه بالفروع سواء كان أصلياً أو مرتداً، فلو أسلم المرتد لا يخاطب بشیء من العبادات أيام ردته، ثم كما شرط للوجوب شرط لبقاء الزكاة عندنا، حتی لوارتد بعد وجوبها سقط كما فی الموت". (رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۵۹، سعيد)

" ثم الإسلام كما هو شرط الوجوب شرط لبقاء الزكاة عندنا، حتی لو ارتد بعد وجوبها سقطت كما فی الموت، فلو بقی علی ارتداده سنين، فبعد إسلامه لا يجب عليه شیء لتلک السنين كذا فی معراج الدراية". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/ ۱۷۱، رشيديه)

(و كذا فی البحرالرائق، كتاب الزكاة: ۲/ ۳۵۴، رشيديه)

سے بدعتی رسمیں چل رہی ہیں، شافعی مسلک کے مطابق تجدید ایمان کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حدیث پاک میں تجدید ایمان کی تاکید آئی ہے، ہر شخص کو اس پر عمل کرنا چاہئے "لا إلــه إلا الله" کثرت سے پڑھنا چاہئے، اس سے ایمان تازہ ہوتا ہے(۱)"آمنت بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والقدر خيره وشره من الله تعالى والبعث بعد الموت" کا قلب میں استحضار اور زبان سے اقرار بھی تجدید ایمان کے لئے مفید ہے۔ پانچ وقت مسجد میں جا کر خدائے پاک کی عظمت کے تصور کے ساتھ نماز کا ادا کرنا بھی مقوی ایمان ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۹/۱/۹۴ھ۔

نجات کس ایمان پر ہے؟

سوال[۲۷]: دنیاوی زندگی میں کتنے درجہ کا ایمان فرض عین یا واجب ہے؟ یا آخرت میں عمومی طور پر اللہ تعالی کتنے درجہ ایمان کا مطالبہ فرمائیں گے؟ اس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ ایمان کا قیام علی الفرائض کے درجہ تک کا نہ ہونا یقینی ہو، اور صاحب حیثیت بھی نہ ہوں تو کیا کروں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

وہ بخشنے پر آئے تو ذرہ برابر ایمان پر بھی بخش دے، بلکہ ایسے ایمان پر بھی بخش دے جس کا کوئی اثر کسی پر ظاہر نہ ہو(۲)، گرفت کرنے پر آئے تو بڑے پختہ ایمان والوں کی گرفت کرلے(۳) کوشش اس کی لازم ہے

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "جددوا إيمانكم". قيل: يا رسول الله! وكيف نجدد إيماننا؟ قال: "أكثروا من قول لا إله إلا الله." (مسند أحمد: ۲/۳۵۹، رقم الحديث: ۸۴۹۳)

قوله عليه الصلاة والسلام: "جددوا إيمانكم، أكثروا من قول لا إله إلا الله." (كنز العمال: ۱/۴۱۶، مكتبة التراث الإسلامي)

(۲) "عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله، وفي قلبه وزن شعيرة من خير، ويخرج من النار من قال: لا إله إلا الله، وفي قلبه وزن برة من خير، ويخرج من النار من قال: لا إله إلا الله، وفي قلبه وزن ذرة من خير." (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه: ۱/۱۱، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادك، وإن تغفر لهم فإنك أنت العزيز الحكيم﴾. (المائدة: ۱۱۸)=

کہ ایمان زیادہ سے زیادہ قوی ہوجائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۵ھ۔

کیا محض ایمان پر جنت کی بشارت ہے؟

سوال[۲۸]: آیت: ﴿إن الذين آمنوا وعملوا الصلحت كانت لهم﴾(۱) میں ایک عالم نے اکثر مفسرین کا یہ مذہب بتلایا ہے کہ محض ایمان دار بغیر اعمال صالحہ نماز، روزہ وغیرہ کے بھی اس بشارت کے مستحق ہیں، کیونکہ شی نہیں عطف کی جاتی ہے اپنے نفس پر، یہ کیونکر ہے؟

لجواب حامداً و مصلياً:

اگر کوئی شخص ایمان لاتے ہی مرجاوے اور اعمال صالحہ کی اس کو نوبت نہ آئی ہو تو وہ بھی قانونِ خداوندی میں مذہب حق کی بناء پر اس بشارت میں داخل ہے(۲) اور جس کو ایمان لانے کے بعد وقت ملا، لیکن اس نے اعمال صالحہ نہیں کئے، بلکہ معاصی میں مبتلا رہا، اس کے لئے قانوناً دخول اوّلی نہیں، البتہ سزا کے بعد مستحق جنت ہوگا(۳) ان عالم کے استدلال کا حاصل (یہ) ہوا کہ ایمان اور اعمال صالحہ جدا جدا ہیں، لہذا دونوں کے مجموعہ پر

= "والله تعالى متفضل على عباده، عادل، قد يعطي من الثواب أضعاف ما يستوجبه العبد تفضلاً منه، وقد يعاقب على الذنب عدلاً منه، وقد يعفو فضلاً منه". (الفقه الأكبر، ص: ۹۳، ۹۴، قديمى)

(۱) (الكهف: ۱۰۷)

(۲) "عن أبي إسحاق قال: سمعت البراء رضي الله عنه يقول: أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رجل مقنع بالحديد، فقال: يا رسول الله! أقاتل أو أسلم؟ قال: "أسلم ثم قاتل" فأسلم ثم قاتل فقُتِل، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عمل قليلاً وأجر كثيراً." (صحيح البخارى، كتاب الجهاد، باب عمل صالح قبل القتال: ۱/۳۹۴، قديمى)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه كان يقول: "أخبروني عن رجل دخل الجنة لم يصل صلاةً"؟ ثم يقول: "هو عمرو بن ثابت". (فتح البارى، كتاب الجهاد والسير، باب عمل صالح قبل القتال: ۶/۳۱، قديمى)

(۳) "وأهل الكبائر من المؤمنين لا يخلدون في النار وإن ماتوا من غير توبة، لقوله تعالى: ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾ ونفس الإيمان عمل خير لا يمكن أن يرى جزاءه قبل دخول النار، ثم يدخل النار؛ لأنه باطل بالإجماع، فتعين الخروج من النار." (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۱۷، قديمى) =

بشارت ہوگی، نہ صرف ایمان پر تو پھر محض ایمان دار ہونے پر استحقاق بشارت کے لئے یہ دلیل پیش کرنا غلط ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، عبد الرحمٰن، ۱۸/۱/۵۲ھ۔

اخیر وقت کا اسلام

سوال[۲۹]: مسلمان کے علاوہ جتنے انسان ہیں، ان کے مرنے کے وقت فرشتے اس کے سامنے توحید وایمان کی باتیں سناتے ہیں، اگر وہ مان لے تو ایمان دار ہو کر مرتا ہے اور اگر نہیں مانتا ہے تو کافر، یہ بات حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

میں نے یہ بات حدیث کی کسی کتاب میں نہیں دیکھی، بلکہ اس کے خلاف دوسری چیز ثابت ہے، وہ یہ کہ مرتے وقت کا جب کہ برزخ کے احوال منکشف ہونے لگیں تو ایمان مقبول نہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۳۰/۵/۸۷ھ۔

= "ولا نقول: إن المؤمن لا تضره الذنوب وإنه لا يدخل النار، ولا إنه يخلد فيها، وإن كان فاسقاً بعد أن يخرج من الدنيا مؤمناً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري،ص:: ۷۶،۷۷، قديمى)

"مع الاتفاق على أن مرتكب الكبيرة لا يخرج من الإيمان، بل هو في مشيئة الله، إن شاء عذبه، وإن شاء عفا عنه."(شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز،ص: ۳۳۳، قديمى)

(۱) قال الله تعالىٰ:﴿فلما رأو بأسنا قالوا: امنا بالله وحده، و كفرنا بما كنا به مشركين، فلم يک ينفعهم إيمانهم لما رأو بأسنا﴾. (غافر :۸۴.۸۵)

"عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۶۱۲۵، ۲/ ۲۰۱، دار إحياء التراث العربى)

(تفسير ابن كثير،(سورة غافر، آية :۸۴،۸۵) :۴/ ۸۱، دار القلم)

و قال العلامة الألوسى رحمه الله تعالىٰ: "(فلم يک ينفعهم إيمانهم لما رأوا بأسنا)": أي عند =

خاتمہ بالخیر

سوال[۳۰] : مرنے کے پہلے کسی نے گناہوں سے توبہ کرلی اور کلمہ پڑھ لیا، اس کے بعد سے کوئی گناہ کا کام نہیں ہوا، بعد اس کے مرگیا تو خاتمہ بالخیر ہوا یا نہیں؟ وہی کلمہ وغیرہ پڑھنا اخیر کا پڑھنا سمجھا جائے گا یا پھر کلمہ پڑھنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

یہ بھی انشاء اللہ خاتمہ بالخیر ہے، اگر اس کلمہ کے بعد کوئی بات کرلی ہو تو پھر کلمہ پڑھ لے۔ غرض دنیا سے رخصت ہوتے وقت آخری بات کلمہ ہو تو بڑی فضیلت وسعادت کی چیز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

= رؤية عذابنا، لأن الحكمة الإلهية قضت أن لايقبل مثل ذلك الإيمان". (روح المعانی،(غافر :۸۴، ۸۵) :۹۲/۲۴، دار إحيا التراث العربی)

(و كذا فی رد المحتار، باب المرتد، مطلب: أجمعوا على كفر فرعون اهـ:۲۳۱/۴، سعيد).

(۱) "عن معاذ بن جبل رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم : "من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة". رواه ابو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند من حضره الموت: ۱۴۱/۱، قديمی)

(وسنن أبی داؤد، كتاب الجنائز، باب فی التلقين :۸۸/۲، مكتبه إمداديه ملتان)

ما یتعلق بالقدر

(تقدیر کا بیان)

مسئلہ تقدیر

سوال[۳۱]: بعض لوگوں نے یوں سوال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تقدیریں مقرر کی ہے، اس کے مطابق (انسان) دنیا میں آنے کے بعد عمل کرے گا، یعنی چاہے نیک ہو یا بد، اسی کے حکم کے ماتحت ہوگا، کیونکہ خداوند قدوس نے قرآن شریف میں فرمادیا کہ میرے حکم کے بغیر پتہ بھی ہل نہیں سکتا، لہذا انسان دنیا میں آنے کے بعد جو گناہ کررہا ہے، اس کو آخرت میں کیوں سزا دے گا؟ کسی عالم کا دماغ کتنا ہی عقلمند کیوں نہ ہو، وہ اللہ کی لکھی ہوئی تقدیر سے کم، بیش نہیں کرسکتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

مسئلہ تقدیر میں بحث کرنے کی اجازت نہیں (۱) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک دفعہ کسی گفتگو میں

---

(۱)" والقدر سرّ من أسرار الله تعالیٰ، لم يطلع عليه ملكاً مقرباً و لا نبياً مرسلاً، و لا يجوز الخوض فيه، والبحث عنه بطريق العقل". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۲۵۶/۱، رشيديه)

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "من تكلم فی شیء من القدر سئل عنه يوم القيامة، و من لم يتكلم لم يسأل عنه". رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، ۲۳/۱، قديمی)

"و أصل القدر سرّ الله فی خلقه لم يُطلع علی ذلک ملک مقرب و لا نبي مرسل، والتعمق والنظر فی ذلک ذريعة الخذلان وسُلّم الحرمان، و درجة الطغيان، فالحذر كل الحذر من ذلک، نظراً و فكراً و وسوسةً، فإن الله تعالیٰ طوی علم القدر عن أنا مه، و نها هم عن مرامه كما قال فی كتابه: ﴿لا يُسئل عما يفعل و هم يُسئلون﴾.(الأنبياء:۲۳) فمن سأل : لم فعل ؟ فقدرد حكم كتاب الله، و من رد حكم كتاب الله تعالیٰ كان من الكافرين ...... و قال علی رضی الله تعالیٰ عنه :" القدر سر الله، فلا تكشفه". (العقيدة الطحاوية ، ص: ۱۸۰ ، قديمی)

مشغول تھے، حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، فرمایا کہ: ''کیا گفتگو کر رہے تھے؟'' عرض کیا کہ تقدیر کے مسئلہ میں بات تھی، چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ: ''کیا اس کے لئے تم پیدا کئے گئے ہو یا میں اس کے لئے بھیجا گیا ہوں؟ ہلاک ہو گئے وہ لوگ، جنہوں نے اس میں گفتگو کی'' (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

تقدیر مبرم اور معلق

سوال [۳۲]: تقدیر کا فیصلہ اٹل ہے، قلم لکھ چکے، صحیفے سوکھ چکے، قلم اٹھ گیا، اب معترض اعتراض کرتا ہے کہ جب فیصلہ ہو چکا تو پھر بندہ پر سزا و جزا کیوں؟ مثلاً کسی نے خودکشی کی تو اس پر سزا کیوں؟ اور تقدیر کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تقدیر کا فیصلہ اٹل ہے، سزاء جزا کو بھی تقدیر ہی کا فیصلہ مان لیا جائے تو کیا اشکال ہے؟ تقدیر حقیقۃً ایک ہی قسم کی ہے جو کہ اٹل ہے، جس کو عربی میں مبرم کہتے ہیں۔ اور دوسری جو قسم بعض عبارات میں ملتی ہے، وہ بندوں کے اعتبار سے ہے، جس کو معلق کہتے ہیں، نہ کہ علم الٰہی کے اعتبار سے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۴/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و نحن نتنازع في القدر، فغضب حتى احمرّ وجهه، حتى كأنما فقىء في وجنتيه حب الرمان، فقال: "أبهذا أمرتم؟ أم بهذا أرسلت إليكم؟ إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا في هذا الأمر، عزمت عليكم، عزمت عليكم أن لا تنازعوا فيه". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۲، قديمي)

(جامع الترمذي، أبواب القدر: ۲/۳۴، سعيد كراچى)

(۲) " إذ المعلق والمبرم كل منهما مثبت في اللوح غير قابل للمحو، نعم المعلق مبرم بالنسبة إلى علمه تعالىٰ، فتعبيره بالمحو إنما هو من الترديد الواقع في اللوح إلى تحقيق الأمر المبرم المبهم الذي معلوم=

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب

سوال[۳۳]: تقدیر پر ایمان لانے کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ آیا یہ کہ جملہ امور پیدائش سے پہلے ہی لکھے جا چکے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے؟ اگر ایسا ہے تو مشکوٰۃ شریف کی حدیث ص:۹۵ کا کیا مطلب ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''میری امت کے دو فرقے ایسے ہیں کہ ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے، ایک ان میں سے مرجئہ ہے جو کہتا ہے کہ سب کچھ خدا کی تقدیر سے ہے اور بندہ مثل پتھر کے ہے، اور دوسرا قدریہ ہے جو تقدیر کا منکر ہے'' (۱)۔

الجواب حامداً ومصلياً :

تقدیر پر ایمان لانے کا مفہوم یہی ہے کہ خدائے پاک نے اس عالم کو پیدا فرمانے سے پہلے ہی تجویز فرمادیا

= في أم الكتاب، أو محو أحد الشقين الذى ليس في علمه تعالىٰ فتأمل ".(مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۵۷، رشيديه)

" وأن الذى سبق فى علم الله لا يتغير و لا يتبدل، وأن الذى يجوز عليه التغيير و التبديل ما يبدو للناس من عمل العامل، ولا يبعد أن يتعلق ذلك بما في علم الحفظة والموكلين بالآدمى، فيقع فيه المحو والإثبات كالزيادة فى العمر والنقص، و أما ما في علم الله، فلا محو فيه و لا إثبات، والعلم عند الله". (فتح البارى: كتاب القدر : ۱۱/۵۹۷، قديمى)

"و أنت تعلم أن المحو والإثبات إذا كانا بالنسبة إلى ما فى أيدى الملائكة و نحوه، فلا فرق بين السعادة والشقاوة والرزق والأجل و بين غيرها فى أن كلاً يقبل المحو والإثبات، و إن كانا بالنسبة إلى ما في العلم، فلا فرق أيضاً بين تلك الأمور و بين غيرها في أن كلاً لا يقبل ذلك، لأنه العلم إنما تعلق بها على ما هى عليه فى نفس الأمر، و إلا لكان جهلاً ،و ما فى نفس الأمر مما لا يتصور فيه التغير والتبدل".

(روح المعانى.[الرعد: ۳۹] ۱۳/۲۴۵، دار الفكر)

(۱) "عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"صنفان من أمتى ليس لهما فى الإسلام نصيب: المرجئة والقدرية" رواه الترمذى، و قال: هذا حديث غريب حسن صحيح". (مشكوة المصابيح، باب الإيمان بالقدر : ۱/۲۲، قديمى كتب خانه)

(وجامع الترمذى، أبواب القدر، باب ما جاء فى القدرية :۲/۳۷، ايج ايم سعيد)

تھا کہ فلاں شخص فلاں کام کرے گا اور فلاں چیز اس طرح ہوگی (۱)، لیکن اس کے باوجود حق تعالیٰ نے انسان کو مکلّف بنایا، اس کے لئے قانون نازل فرمایا، اگر انسان دیدہ ودانستہ اس قانون پر عمل نہ کرے اور تقدیر کا سہارا لے کر اپنے کو مجبور محض پتھر کی طرح تصور کرے، درآنحالیکہ دنیا کے کاموں میں رات دن جدوجہد کرتا ہے اور خدا کی دی ہوئی ساری قوتوں کو صرف کرتا ہے وہ تقدیر پر صابر رہ کر عملی جدوجہد سے کنارہ کشی کرتا ہے تو ایسا شخص یقیناً گمراہ ہے، سعی و عمل کا صریح حکم موجود ہے، پتھر کو سعی وعمل کا حکم نہیں دیا جاتا، نہ وہ پتھر کی طرح ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "والمراد أن الله تعالىٰ علم مقادير الأشياء وأزمانها قبل إيجادها، ثم أوجد ما سبق في علمه أنه يوجد، فكل محدث صادر عن علمه و قدرته و إرادته، هذا هو المعلوم من الدين بالبراهين القطعية، وعليه كان السلف من الصحابة وخيار التابعين". (فتح الباري، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۱/۱۵۸، قديمي)

"واعلم أن مذهب أهل الحق إثبات القدر، ومعناه أن الله تبارك و تعالىٰ قدّر الأشياء في القدم، و علم سبحانه أنها ستقع في أوقات معلومة عنده سبحانه و تعالىٰ و على صفات مخصوصة، فهي تقع على حسب ماقدّرها سبحانه و تعالىٰ". (شرح المسلم للنووي، كتاب الإيمان : ۱/۲۷، قديمي)

(و كذا في شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۱/۱۴۰، ۱۴۱، دار الكتب العلمية)

(۲) "وعلى العبد أن يؤمن بالقدر و ليس له أن يحتج به على الله، فالإيمان به هدى، والاحتجاج به على الله ضلال و غيّ". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، كتاب القدر : ۸/۱۴۴، مكتبة العبيكان رياض)

"وإذا عرفت ذلك فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً، لا كسباً ولاخلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص : ۱۰۲، دار النفائس، بيروت)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني : ص: ۸۲، قديمي)

قال رحمه الله : "فالعبد له كسب وكسبه مخلوق يخلقه الله حالة ما يكسب". (شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۱/ ۱۴۱، دار الكتب العلمية)

"و توسط أهل السنة فمنهم من قال: أصل الفعل خلقه الله و للعبد قدرة غير مؤثرة في المقدور، وأثبت بعضهم أن لها تأثيراً، لكنه يسمى كسباً". (فتح الباري، كتاب القدر : ۱۴/۵۹۹، دار الكتب العلمية)

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین ۱۹/۶/۹۲ھ۔

مشیت ایزدی تقدیر ہے

سوال[۳۴]: ﴿ و ما تشآؤن إلا أن يشآء الله﴾ (۱) کا کیا مطلب ہے؟ اور پھر یہ بھی ارشاد ہے:﴿فمن شاء فليؤمن، ومن شاء فليكفر، إنا أعتدنا للظالمين ناراً﴾ (۲) الاية، پھر جزاء وسزا کیوں مرتب ہوتی ہے؟ جب کہ سب کچھ مشیت ایزدی ہی سے ہوتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً :

یہ مسئلہ تقدیر ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے (۳) بحث وتفتیش کی اجازت نہیں کہ: دامن تر مکن

---

(۱) (الدهر : ۲۹)

(۲)(الكهف : ۲۹)

(۳) وفي حديث جبريل : "قال : فأخبرني عن الإيمان، قال: "أن تؤمن بالله و ملائكته و كتبه و رسله واليوم الآخر و تؤمن بالقدر خيره وشره". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۱ قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ۱/۲۷، قديمى كتب خانه)

"عن على رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "لا يؤمن عبد حتى يؤمن بأربع : يشهد ان لاإله إلا الله، وأنى رسول الله بعثنى بالحق، و يؤمن بالموت، والبعث بعد الموت، و يؤمن بالقدر".رواه الترمذى وابن ماجه". (مشكوة المصابيح كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۲، قديمى)

(وسنن الترمذى، أبواب القدر، باب ما جاء أن الإيمان بالقدر خيره و شره: ۲/۳۶، سعيد)

"قال الشيخ رحمه الله تعالىٰ : الإيمان بالقدر فرض لازم، و هوأن يعتقد أن الله تعالىٰ خالق أعمال العباد، خيرها و شرها، كتبها عليهم فى اللوح المحفوظ قبل أن خلقهم، قال الله سبحانه و تعالىٰ:﴿ والله خلقكم و ما تعملون ﴾ و قال الله عزوجل :﴿ قل الله خالق كل شيء﴾ و قال عزوجل : ﴿إنا كل شيء خلقناه بقدر﴾. (شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۱/۱۴۰، ۱۴۱، دارالكتب العلمية)

"أن يؤمن بالقدر، يعنى بأن جميع ما يجرى في العالم بقضاء الله و قدره". (تحفة الأحوذى، كتاب القدر، باب ما جاء أن الإيمان بالقدر خيره و شره : ۶/۳۵۷، دا رإحياء التراث العربى)

ھشیار باش (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

کیا تقدیر پر ایمان لانے سے جبر لازم نہیں آتا؟

سوال[۳۵]:"لا یرد القضاء إلا الدعاء" (۲) اس حدیث شریف کا مطلب وتشریح تفصیل سے بیان فرمائیں، احقر اپنے ناقص خیال میں اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز رد نہیں کر سکتی تو کیا تقدیر میں جو لکھا ہوا ہے اس کے خلاف ہو سکتا ہے، ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ میری تقدیر میں اگر یوں لکھا ہوا ہو کہ میں فلاں شخص کو قتل کروں گا تو میں قتل پر مجبور ہوں، کیونکہ میری تقدیر میں یوں ہی لکھا ہوا ہے تو اس صورت میں میں گناہ گار کیوں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اہل تحقیق کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قضاء بدلتی نہیں، اگر بدلتی تو دعاء سے بدل جاتی، یعنی قضاء

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و نحن نتنازع في القدر، فغضب حتى احمر وجهه، حتى كأنما فقىء في وجنتيه حَبّ الرمان، فقال:" أبهذا أمرتم أم بهذا أرسلت إليكم؟ إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا في هذا الأمر، عزمت عليكم، عزمت عليكم ألا تتنازعوا فيه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۲۲/۱، قديمى)

قال الله تعالىٰ: ﴿و إذا رأيت الذين يخوضون في آياتنا، فأعرض عنهم حتى يخوضوا في حديث غيره﴾. (الانعام: ٦٨)

"والقدر سرّ من أسرار الله لم يطلع عليه ملكاً مقرباً و لا نبياً مرسلاً، لا يجوز الخوض فيه، والبحث عنه بطريق العقل". (شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱۴۱/۱، دار الكتب العلمية)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات: ۱۹۴/۱، قديمى)

(وجامع الترمذى، أبواب القدر، باب ما جاء لا يرد القدر إلا الدعاء: ۳۵/۲، سعيد)

کی پختگی کو بتاتا ہے، نیز دعاء کی اہمیت کو ذہن نشین کراتا ہے، شروح حدیث اور مشکوۃ کی شرح مرقات وغیرہ میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔

---

(۱) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم :" (لا یرد القضاء إلا الدعاء) القضاء : هو الأمر المقدر، و تأویل الحدیث أنه أراد بالقضاء ما یخافه العبد من نزول المکروه به و یتوقاه، فإذا وفق للدعاء دفعه الله عنه، فتسمیته قضاءً مجاز علی حسب ما یعتقده المتوقی عنه، یوضحه قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی الرقی: "هو من قدر الله"، و قد أمر بالتداوی والدعاء مع أن المقدور کائن لخفائه علی الناس و جوداً و عدماً .... وقیل : معناه أنه إذا بر لا یضیع عمره فکأنه زاد، وقیل : قدر أعمال البر سبباً لطول العمر، کما قدر الدعاء سبباً لرد البلاء، فالدعاء للوالدین و بقیة الأرحام یزید فی العمر، إما بمعنی أنه یبارک له فی عمره فییسّر له فی الزمن القلیل من الأعمال الصالحة ما لا یتیسر لغیره من العمل الکثیر، فالزیادة مجازیة، لأنه یستحیل فی الآجال الزیادة الحقیقیة".(مرقاة المفاتیح کتاب الدعوات: ۱۰۴/۵، رشیدیه)

"فیقال : الدعاء المأمور به لایجب کوناً، بل إذا أمر الله العباد بالدعاء، فمنهم من یطیعه فیستجاب له دعاؤه و ینال طلبته، و یدل ذلک علی أن المعلوم المقدور هو الدعاء والإجابة، و منهم من یعصیه فلایدعو فلا یحصل ما علق بالدعاء، فیدل ذلک علی أنه لیس فی المعلوم المقدور الدعاء ولا الإجابة، فالدعاء الکائن هو الذی تقدم العلم بأنه کائن، والدعاء الذی لا یکون هو الذی تقدم العلم بأنه لا یکون". (مجموعة الفتاوی لابن تیمیةؒ کتاب القدر: ۱۱۹/۸، مکتبه العُبَیکان ریاض)

قال الله تعالیٰ:﴿یمحو الله ما یشآء و یثبت و عنده أم الکتاب﴾ یعنی مما کان فی اللوح، فما کان مکتوباً قابلاً للمحو یسمی بالقضاء المعلق، یمحوه الله تعالیٰ بإیجاد ما علق محوه به، سواء کان ذلک التعلیق مکتوباً فی اللوح أو مضمراً فی علم الله تعالیٰ، و ما لیس قابلاً للمحو یسمی بالقضاء المبرم، و ذلک القضاء لایرد". (التفسیر المظهری : ۲۴۵/۵، حافظ کتب خانه کوئٹه)

"فالجواب أن الجمیع مفروغ منه لکن الدعاء بالنجاة من عذاب النار، و من عذاب القبر، و نحوهما عبادة، و قد أمر الشرع بالعبادات، فقیل: أفلا نتکل علی کتابنا و ما سبق لنا من القدر؟ فقال: "اعملوا فکل میسر لما خلق له". و أما الدعاء بطول الأجل فلیس عبادة و کما لا یحسن ترک الصلاة والصوم و الذکر اتکالاً علی القدر، فکذا الدعاء بالنجاة من النار و نحوه". (شرح مسلم للنووی، کتاب القدر، باب بیان أن الآجال والأرزاق وغیرها لا تزید و لا تنقص عما سبق به القدر : ۳۳۸/۲،قدیمی)

تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، مگر کسی کو نہیں معلوم کہ کیا لکھا ہوا ہے، اس لئے خواہش طبعی کے موافق گناہوں پر قصداً اقدام کرنا اور یہ کہنا کہ تقدیر میں لکھا ہوا ہے، اس لئے میں ضرور کروں گا اور میں مجبور ہوں، یہ طریقہ غلط، ناجائز اور گمراہی ہے، یہ اہل سنت والجماعت کا مسلک نہیں، بلکہ جبریہ کا مذہب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۲ھ۔

تقدیر کے مسئلہ پر اشکال

سوال [۳۶]: قابل غور بات یہ ہے کہ تقدیر کا مسئلہ جو پروردگار نے روز اول میں لکھ دیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا، چاہے کچھ بھی ہو تو پھر انسان کی اس میں کیا خطا ہے کہ کسی آدمی کی زندگی عبادت میں گزری، آخری وقت خاتمہ خراب ہوا تو اس کے لئے دوزخ اتنی زندگی بھر کی عبادت غارت ہوگئی، زندگی میں کبھی نہ کبھی رمضان کا مہینہ ضرور آیا ہوگا اور اس میں چوبیس گھنٹہ میں کوئی نہ کوئی دعاء ضرور بندے کی قبول ہوتی ہے، کبھی کبھی وقتاً فوقتاً علماء نے دعاء ضرور مانگی تو پھر اللہ نے کیوں پورا نہیں کیا؟ تو معلوم ہوا کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ بندہ کے دشمن ہیں، ایک زندگی بھر کی فاسق وفاجر عورت ایک کتے کے پانی پلا دینے سے جنت میں گئی، زندگی بھر کی کسی خطاء سے سزا کی مستحق نہیں ہوئی، ایک صاحب نے بتایا کہ انسان کو صرف ارادہ کرنے کا گناہ ملے گا عمل کا گناہ نہیں، اس کا عذاب ہوگا۔ تو میں کہتا ہوں کہ ارادہ بھی خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہے، غلط ارادہ نہ کریں اور نہ روکیں تو پھر

---

(۱) "و إذا عرفت ذلک فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كمازعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً، لاكسباً و لا خلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علی القاری، ص: ۴۲، قدیمی)

"و للعباد أفعال اختيارية يثابون بها إن كانت طاعةً و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كمازعمت الجبرية أنه لا فعل للعبد أصلا". (شرح العقائد النسفية للتفتازانی، ص: ۸۲، قدیمی)

"فالعباد منساقون إلى أن يفعلوا ما يصدر عنهم باختيارهم لا بالإكراه والجبر و ليسوا مجبورين في اختيارهم الأزلي". (روح المعانی، [البقرة: ۷]، ۱/۱۳۳، دار إحياء التراث العربی)

عذاب کا مستحق نہ رکھیں۔

عقائد اسلام قاسمی میں پڑھا ہے، انسان نہ محدود ہے نہ بالکل آزاد ہے، کہ چاہے جو کرے تو میں کہتا ہوں کہ محدود نہیں رکھا تو جہاں غلط ارادہ کرے، وہ محدود کردے، جب اچھا ارادہ کرے تو چھوڑ دے، عذاب کا مستحق نہ رکھے تو شاید آپ کہیں کہ دوزخ بنانے کی ضرورت ہی نہیں تو میں کہوں گا بالکل ضرورت نہیں۔

الجواب حامداً مصلیاً :

یہ مسئلہ آپ کی سمجھ سے اونچا ہے، جیسے کوئی میزان پڑھنے والا کہے کہ مجھے مسئلہ الکحل کیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا تقدیر میں تبدیلی ممکن ہے؟

سوال [۳۷] : تقدیر کسے کہتے ہیں؟ کیا تقدیر میں تبدیلی ممکن ہے؟

الف......اثبات کی شکل میں ان احادیث و آیات سے تعارض ہوتا ہے، جن میں تقدیر کا نہ بدلنا وارد ہے جیسے ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ کچھ صحابہ نے اپنی جنسی چیزوں کو ختم کرانے کے ارادے کئے، اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو چیز مقدر ہو چکی ہے، وہ ہر حالت میں ملے گی'' (۱) اسی طرح قرآن کا اعلان ﴿ ما یُبدّل القول لدیّ ﴾ (۲)۔

ب:...... نفی کی شکل میں ان احادیث سے تعارض ہوتا ہے، جن میں وارد ہے کہ تقدیر بدل سکتی ہے،

---

(۱) ''عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قلت: یا رسول اللہ! إنی رجل شاب و أنا أخاف علی نفسی العنت، و لا أجد ما أتزوج به النسآء، فسکت عنی، ثم قلت: مثل ذلک فسکت عنی، ثم قلت مثل ذلک فسکت عنی، ثم قلت مثل ذلک، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ''یا أبا هریرة! جفّ القلم بما أنت لاق، فاختصر علی ذلک أو ذر''. (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ما یکره من التبتل والخصاء: ۲/۷۵۹، ۷۶۰، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر : ۱/۲۰، قدیمی)

(۲) (سورة ق : ۲۹)

جیسے:"لا یرد القضاء إلا بالدعا "(۱)وغیرہ۔

ج:......کیا اولیاء اللہ اس کے مجاز ہیں کہ تقدیر میں کسی قسم کی تبدیلی کردیں، مثلاً موت کے وقت کو بدل دیں یا تقدیم وتاخیر کردیں یا مرنے کے بعد زندہ کردیں حالانکہ قرآن اعلان کرتا ہے: ﴿لا يستأخرون ساعة و لا يستقدمون﴾(۲)۔

الجواب حامداً ومصلياً :

علم الٰہی میں ہر شیء کے لئے ایک نقشہ ہے کہ اس کا اس طرح ظہور ہوگا، اس کو تقدیر کہتے ہیں، اس نقشہ میں تبدیلی نہیں ہوتی، مگر کوئی چیز مطلق ہوتی ہے، جس کا اظہار پہلے سے کارکنان قضاء وقدر پر بھی بسا اوقات نہیں ہوتا اور قلوب قدسیہ پر بھی انکشاف نہیں ہوتا اور وہ عدم ظہور تعلیق کی وجہ سے اس کو مبدل سمجھ جاتے ہیں (۳)۔

تعلیق کبھی دعا کی ہوتی ہے کبھی کسی اور چیز کی، امید ہے اس گذارش سے (الف، ب، ج) کا جواب

---

(۱) (جامع الترمذی، أبواب القدر، باب ما جاء لا یرد القدر إلا الدعاء : ۳۵/۲، سعید)

(مشکوة المصابیح، کتاب الدعوات : ۱۹۴/۱، قدیمی)

(۲) (الأعراف : ۳۴)

(۳) "واعلم أن مذهب أهل الحق إثبات القدر، ومعناه: أن الله تبارك و تعالىٰ قدر الأشياء فى القدم وعلم سبحانه أنها ستقع فى أوقات معلومة عنده سبحانه و تعالىٰ وعلى صفات مخصوصة،فهى تقع على حسب ما قدرها سبحانه و تعالىٰ". (شرح مسلم للنووی، کتاب الإيمان : ۲۷/۱، قدیمی)

"قال فى شرح السنة : الإيمان بالقدر فرض لازم، و هو أن يعتقد أن الله تعالىٰ خالق أعمال العباد خيرها و شرها، وكتبها فى اللوح المحفوظ قبل أن خلقهم، و الكل بقضائه و قدره و إرادته ومشيئته غير أنه يرضى الإيمان والطاعة، و وعد عليهما الثواب، و لا يرضى الكفر والمعصية و أوعد عليهما العقاب، والقدر سر من أسرار الله تعالىٰ لم يطلع عليه ملكاً مقرباً و لا نبياً مرسلاً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۲۵۶/۱، رشيديه)

"و قال أبوالمظفر بن السمعانى : سبيل معرفة هذا الباب التوقيف من الكتاب والسنة دون محض القياس والعقل، فمن عدل عن التوقيف فيه ضلّ و تاه فى بحار الحيرة، و لم يبلغ شفاء العين، و لا ما يطمئن به القلب؛ لأن القدر سر من أسرار الله تعالىٰ اختص العليم الخبير به، و ضرب دونه الأستار، و حجبه عن عقول الخلق و معارفهم لما علمه من الحكمة، فلم يعلمه نبي مرسل و لا ملك مقرب". (فتح البارى، كتاب القدر : ۵۸۴/۱۱، دار الكتب العلمية)

واضح ہوجائے گا۔

مسئلہ تقدیر کی دلیل شروح حدیث: فتح الباری (۱) عمدۃ القاری (۲) مرقاۃ (۳) وغیرہ میں مذکور ہیں، زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو مفاتح الغیب (۴) اور روح المعانی (۵) میں دیکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۱/۷/۹۳ھ۔

---

(۱) "قوله: (باب: ﴿قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا﴾ قضى) فسر "كتب" بقضى و هو أحد معانيها، و به جزم الطبري في تفسيرها، و قال الراغب : و يعبر بالكتابة عن القضاء الممضى كقوله : (لولا كتاب من الله سبق): أي فيما قدره، ومنه (كتب ربكم على نفسه الرحمة) و قوله :﴿قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا﴾ يعني ما قدره وقضاه .... قال ابن بطال : و قد قيل: إن هذه الآية و ردت فيما أصاب العباد من أفعال الله التي اختص بها دون خلقه، و لم يقدرهم على كسبها دون ما أصابوه مكتسبين له مختارين، قلت: والصواب: التعميم وأن ما يصيبهم باكتسابهم واختيارهم، هو مقدور لله تعالىٰ و عن إرادته وقع، والله اعلم". (فتح البارى، كتاب القدر، باب: (قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا) : ۱۱/۶۲۹، دار الكتب العلمية)

(۲) ﴿وكا ن أمر الله قدرا مقدوراً﴾ : أي حكماً مقطوعاً بوقوعه، وقال المهلب : غرضه في الباب أن يبين أن جميع مخلوقات الله عزوجل بأمره بكلمة : "كن" من حيوان أو غيره و حركات العباد و اختلاف إرادتهم وأعمالهم من المعاصي أو الطاعات، كل مقدر بالأزمان والأوقات، لازيادة في شيء منها، و لا نقصان عنها و لا تأخير لشيء منها عن وقته و لا يقدم قيل وقته". (عمدة القارى : كتاب القدر، باب (وكا ن أمر الله قدرا مقدورا): ۲۳/۲۳۱، دار الكتب العلمية)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :" كتب الله مقادير الخلائق قبل أن يخلق السموات والأرض"، معنى "كتب الله" أجرى الله القلم على اللوح المحفوظ بإيجاد ما بينهما من التعلق، و أثبت فيه مقادير الخلق ماكان و ما هو كائن إلى الأبد على وفق ما تعلقت به إرادته أزلاً كإثبات الكاتب ما في ذهنه بقلمه على لوحه، و قيل : أمر الله القلم أن يثبت في اللوح ما سيوجد من الخلائق ذاتاً و صفةً و فعلاً وخيراً و شراً على ماتعلقت به إرادته". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۵۷، رشيديه)

(۴) ﴿وكان أمر الله مفعولاً﴾: أى مقضياً ما قضاء كائن .... ﴿وكان أمر الله قدراً مقدوراً﴾: أى كل شيء بقضاء و قدر .... فإن الخير كله بقضاء و ما في العلام من الضرر بقدر، فالله تعالىٰ خلق المكلف بحيث يشتهي و يغضب، ليكون اجتهاده في تغليب العقل والدين عليهما مثاباً عليه بأبلغ وجه فاقضى =

انسان سے برے کام کیا اللہ تعالیٰ کراتا ہے؟

سوال[۳۸]: انسان جو اچھے برے کام انجام دیتا ہے، کیا وہ خود کرتا ہے یا اللہ کراتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اللہ تعالیٰ برے کام کرنے کے لئے کسی کو حکم نہیں کرتا، بلکہ وہ تو برے کام سے منع کرتا ہے(۱) انسان نفس وشیطان کے بہکانے سے خود برے کام کرتا ہے اور سزا کا مستحق ہوتا ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہر ایک کا ارادہ خدا کے ارادہ کے تابع ہے

سوال[۳۹]: بموجب آیت کریمہ:﴿ و ما تشاؤ ن إلا أن يشاء الله ﴾(۳) ہر کام کے لئے پہلے مشیت الٰہی ہوتی ہے، اس کے بعد بندہ کا ارادہ ہوتا ہے اور ارادہ کی عملی صورت کا نام اہتمام ہے، چنانچہ اہتمام کا انکار ارادہ کا انکار ہے اور ارادہ کا انکار مشیت الٰہی کا انکار ہے یعنی اہتمام کو ضلالت بتانا، یہ اہتمام کی اصل مشیت الٰہی کو ضلالت بتانا ہے جو اصولاً غلط ہے، لہذا اہتمام کے متعلق اگر کوئی حدیث صریح ہو تو نقل فرمایئے، ورنہ یہ تحریر فرمایئے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث صریح نہیں ہے۔

= ذلک في البعض إلى أن زنى و قتل فالله لم يخلقهما فيه مقصوداً منه القتل و الزنا و إن كان ذلك بقدر الله الخ". (التفسير الكبير الموسوم بمفاتيح الغيب :۲۵/۲۱۲، ۲۱۳، سورة الأحزاب ، رقم الآية :۳۷، ۳۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۵) ﴿وكان أمر الله قدراً مقدوراً﴾ .... وهو الإرادة الأزلية المتعلقة بالأشيئا على ماهي عليه ،وجوّز كونه بالمعنى المشهور له، و هو إيجاد الأشياء على قدر مخصوص و كمية معيته من وجوه المصلحة وغيرها". (روح المعاني ، سورة الأحزاب :۱۲/۴۰، دار الفكر)

(۱) قال الله تعالىٰ:﴿وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي﴾. (النحل : ۹۰)

(۲) قال تعالىٰ: ﴿ إن النفس لأمارة بالسوء ﴾ (يوسف : ۵۳)

و قال تعالىٰ: ﴿الشيطان يعدكم الفقر و يأمركم بالفحشآء﴾. (البقرة: ۲۶۸)

(۳) (الدهر : ۲۹)

نوٹ: جواب بقدر سوال لکھا جاوے، زائد باتیں نہ لکھی جاویں کہ پھر سوال کرنا پڑے، چار حدیثوں کے لئے جگہ چھوڑی جاتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اشکال بعینہ اسی تقریر کے ساتھ معاصی میں بھی جاری ہے تو جس طرح طاعات وقربات مستحبہ غیر واجبہ کے اہتمام کا انکار ارادہ کا انکار ہے اور ارادہ کا انکار مشیت الٰہی کا انکار ہے، اسی طرح معاصی کے اہتمام کا انکار ارادہ کا انکار ہے اور ارادہ کا انکار مشیت الٰہی کا انکار ہے(۱)۔ فما قولکم رحمکم اللہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ شعبان ۶۶ھ۔

تنبیہ: طرز سوال مناظرانہ ہے مستفتیانہ نہیں، اس کے متعلق پہلے بھی عرض کیا تھا۔ فی الجواب کفایة لمن أراد الهداية وأما المجادل فلا يقنع إلا بالمجادلة۔

سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵ شعبان ۶۶ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و ما تشاؤ ن إلا أن يشاء الله﴾ (الدهر : ۲۹)

قال الله تعالیٰ: ﴿و ما تشاؤ ن إلا أن يشاء الله رب العالمين﴾ (التكوير : ۲۹)

"و عن بعض بنات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يعلّمها فيقول: "قولي حين تصبحين سبحان الله و بحمده و لا قوة إلا بالله، ما شآء الله كان، و ما لم يشأ لم يكن، أعلَمُ أن الله على كل شيء قدير وأن الله قد أحاط بكل شيء علماً"........... الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب ما يقول عند الصباح والمساء والمنام: ۱/ ۲۱۰، قديمی)

"و من قال : إنه يكون في الوجود شيء بدون مشيئة الله فقد أخطأ، و من قال : ما شاء الله كان و مالم يشأ لم يكن، فقد أصاب، و كل ما تقدم فقد كان بمشيئة الله قطعاً، فالله خلق السموات بمشيئته قطعاً، و أرسل محمداً بمشيئته قطعاً، والإنسان الموجود خلقه بمشيئته قطعاً، وإن شاء الله أن يغير المخلوق من حال إلى حال، فهو قادر على ذلک، فماخلقه فقد كان بمشيئته قطعاً، وإن شاء الله أن يغيّره غيره بمشيئته قطعاً، والله اعلم". (مجموعة الفتاوىٰ لابن تيميه، كتاب القدر: ۸/ ۳۹، مكتبه العبيكان، الرياض)

انسان مختار ہے یا مجبور؟

سوال[۴۰]: زید معتقد ہے کہ دنیا میں جب میری پیدائش نہیں تھی، قبل پیدائش نہ میں فرشتہ تھا، نہ جنات، نہ کوئی جانور، نہ پتھر، غرض یہ کہ کچھ بھی نہیں تھا گویا میرا وجود ہی نہیں تھا، جبکہ لاشی ءمحض ہو تو نہ مسلمان ہونے سے مطلب، نہ کافر ہونے سے مطلب، نہ دوزخ سے کوئی غرض، نہ جنت سے۔ اب جبکہ اللہ عز وجل نے دنیا میں میرا وجود بخشا اور میں آدمی بن گیا تو مجھ کو مسلمان رہنا فرض ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع، قرآن وحدیث کو ماننا، جنت اور دوزخ پر ایمان لانا وغیرہ سب ضروری ہوگا۔

زید کا دل تصدیق کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے، پھر جبکہ جنت کی باتیں اور دوزخ کی ہزار ہا دردناک سزائیں زید کے کانوں میں پڑتی ہیں تو زید کو بیماری پیدا ہو جاتی ہے، کہ میں دنیا میں نہیں آتا، وہیں ٹھیک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کر کے یہ سب ظلم کیا، (نعوذ باللہ) کہ مجھ کو دنیا میں پیدا کیا، ورنہ مجھ کو دوزخ جنت سے کیا مطلب تھا، زید کو بہت سمجھایا جاتا ہے، اب یہ بھی کہنا شروع کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی لکھتا ہے کہ فلاں دوزخی اور فلاں جنتی، اللہ کو سب علم پہلے سے ہے کہ فلاں آگے چل کر گمراہ ہوگا، فلاں مسلمان ہو جائے گا۔ تو اب انسان کو کوئی اختیار اور کسب ہی نہیں، مجبور محض ہوا، سب کچھ تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی لکھ دیتا ہے۔ اب دنیا میں انسان وہی کر رہا ہے، جو لکھا ہوا ہے تو کسی کو اللہ تعالیٰ جنت دے اور کسی کو دوزخ دے، یہ ظلم نہیں تو کیا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کسی شئی کا محتاج نہیں ہے اور اس کی عبادت کے لئے فرشتے ہی کافی ہیں، اب انسان کو پیدا کیا، بناء بریں جب اللہ تعالیٰ دوزخی کو جنت میں داخل کرے گا تو گناہ معاف فرمادے تو احسان کیسا، بلکہ ظلم سے باز آنا ہے (نعوذ باللہ) مذکورہ بالا تحریر کا کیا جواب ہوگا؟ جبکہ زید کو دنیا میں آنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی، یہ تو اللہ تعالیٰ کی خلقت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید از خود بے علم ہے، اس کو خبر نہیں کہ دنیا میں آنے سے کیا فائدہ، اس کا مقصد حیات تو وہ جانتا ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور اس نے اس مقصد کو بتا بھی دیا ہے (۱) اگر زید اپنے اختیار سے پیدا ہوتا تو وہ خود مقصد تجویز کرتا، جب ایسا نہیں ہے تو اس کو خود تجویز کرنے کا حق ہی نہیں ہے، جو حکم زید کو دیا گیا ہے، اس پر

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما خلقت الجن والانس إلا لیعبدون﴾ (الذاریات: ۵۶)

پابندی سے عمل کرتا رہے، اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے اس کا وہ ذمہ دار نہیں ہے، نہ اس کو بتلایا گیا ہے کہ تقدیر میں یہی ہے، اس سے زائد اس مسئلہ میں بحث نہ کرے، ورنہ زائد فتنہ میں مبتلا ہو کر ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۴۱] : آدمی مجبور محض ہے یا کہ نہیں؟ واضح دلیل پیش کریں زید کی بیماری کا علاج ضروری ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

انسان کو اختیار وارادہ دیا گیا ہے(۲) چنانچہ اپنے اختیار وارادے سے کھاتا ہے، پیتا ہے، سنتا ہے، چلتا

= و قال الله تعالیٰ:﴿ و ما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾ : أي إنما خلقتهم لآمرهم بعبادتي لا لاحتياجي إليهم". (تفسير ابن كثير، (الذاريات: ۵۶)، ۴/۳۰۴، مكتبه دار الفيحاء)

قال الله تعالیٰ:﴿ و مآ أمروا إلا ليعبد الله مخلصين له الدين ﴾ (البينة : ۵)

قال الله تعالیٰ:﴿ قل إني أمرت أن أعبد الله مخلصاً له الدين ﴾ (الزمر: ۱۱)

(۱)"(و من لم يتكلم فيه لم يسأل عنه)؛ لأن الخلق مكلفون بالإيمان بالقدر بمقتضى الأدلة النقلية، غير مأمورين بتحقيقه بموجب الأدلة العقلية، فالشخص إذا آمن بالقدر و لم يبحث عنه، لا يرد عليه سؤال الاعتراض بعدم التفحص فإنه غيرمأمور به". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۱/۳۱۶، ۳۱۷، رشيديه)

"و أصل القدر سرّ الله في خلقه، لم يطلع على ذلك ملك مقرب و لا نبي مرسل، والتعمق والنظر في ذلك ذريعة الخذلان، و سلّم الحرمان، ودرجة الطغيان، فالحذر كل الحذر من ذلك نظراً و فكراً و وسوسةً، فإن الله تعالیٰ طوى علم القدر عن أنامه، و نهاهم عن مرامه، كما قال في كتابه : (لايُسئَل عما يفعل و هم يُسئَلون) فمن سأل: لم فعل ؟ فقد رد حكم كتاب الله، و من رد حكم كتاب الله تعالیٰ كان من الكافرين ". (شرح العقيدة الطحاوية، ص: ۱۸۰ ،قديمى)

(۲)"و إذا عرفت ذلك فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً كسباًو لا خلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري ،ص: ۴۲، قديمى) =

پھرتا ہے، یہ سب ظاہر ہے اور ہر ایک کا مشاہدہ ہے، کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ زید کو ضرورت ہے کہ کسی بزرگ صاحب نسبت کی خدمت میں جا کر رہے اور ان سے اصلاحی تعلق قائم کر کے ان کی ہدایات پر عمل کرے ان شاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

خودکشی کرنے والے کی موت خود اس کے قبضہ میں نہیں

سوال[۴۲]: موت کے متعلق ایک شخص کا قول ہے کہ میرے بس میں ہے کہ اگر میں ابھی خودکشی کرلوں تو مجھے کون روک سکتا ہے، اس کے خیالات کو کس طرح باطل کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہر ایک کی موت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت مقرر ہے اور اس کا سبب بھی مقرر ہے، بعض دفعہ آدمی ڈوبتا ہے، زہر کھالیتا ہے، مختلف اسباب کو اختیار کرتا ہے، مگر وقت نہیں آتا تو نہیں مرتا، جب وقت آجاتا ہے تب مرجاتا ہے، کوئی پہرہ، کوئی حفاظت موت سے روکنے کے لئے کارگر نہیں ﴿فإذا جآء أجلهم لا يستأخرون ساعةً و لا يستقدمون﴾(۱)۔ وقال الله تعالیٰ ﴿ أينما تكونوا يدرككم الموت و لو كنتم في

= "والحاصل أن العبد ليس خالقاً لأفعاله، وإنما هو كاسب لها باختياره" (تكملة فتح الملهم، كتاب القدر، ۴۶۸/۵، مكتبه دار العلوم كراتشي)

"ان أفعال العباد الاختيارية واقعة بقدرة الله سبحانه و تعالیٰ و حدها، ليس لقدرتهم تأثير فيها، بل الله سبحانه أجرى عادته بأن يوجد في العبد قدرةً و اختياراً، فإذا لم يكن هناك مانع أوجد فيه فعله المقدور مقارناً لهما، فيكون فعل العبد مخلوقاً لله إبداعاً و إحداثاً و مكسوباً للعبد، والمراد بكسبه إياه مقارنته لقدرته و إرادته من غير أن يكون هناك منه تأثير أو مدخل في وجوده سوى كونه محلاً له، و هذا مذهب الشيخ أبي الحسن الأشعري". (شرح المواقف، المرصد السادس في أفعاله تعالیٰ و فيه مقاصد: ۱۶۳/۸، دار الكتب العلمية)

"فالعباد منساقون إلى أن يفعلوا مايصدر عنهم باختيارهم، لا بالإكراه والجبر، وليسوا مجبورين في اختيارهم الأزلي". (روح المعاني، [البقرة: ۷]: ۱۳۳/۱، دار إحياء التراث العربي)

(۱) (الأعراف: ۳۴) (النحل: ۶۱) ("يونس: ۴۹)

بروج مشيّدة﴾(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۸/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۸/۴/۹۲ھ۔

وقت سے پہلے موت نہیں آتی

سوال [۴۳]: وقت سے پہلے موت آتی ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خدائے پاک نے جس کے لئے موت کا جو وقت مقرر فرمادیا ہے، اس سے پہلے موت نہیں آتی، ہر ایک اپنے وقت پر ہی مرتا ہے "لكل عنده أجل مسمّى" الحديث (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۲ھ۔

---

(۱) (النساء: ۷۸)

﴿أينما تكونوا يدرككم الموت و لو كنتم في بروج مشيدة﴾: أي أنتم صائرون إلى الموت لا محالة ولاينجو منه أحد منكم، كما قال تعالىٰ: ﴿كل من عليها فان﴾ الاية، وقال تعالىٰ: ﴿كل نفس ذائقة الموت﴾ و قال تعالىٰ: ﴿و ما جعلنا لبشر من قبلك الخلد﴾ والمقصود أن كل أحد صائر إلى الموت لا محالة، و لا ينجيه من ذلك شيء، سواء جاهد أو لم يجاهد، فإن له أجلاً محتُوماً، و مقاماً مقسُوماً". (تفسير ابن كثير، النساء: ۷۸: ۱/۶۹۹، مكتبه دار الفيحاء و مكتبه دار السلام)

(۲) "حدثني أسامة بن زيد .... فأرسل يقرىء السلام و يقول: "إن لله ما أخذ، و له ما أعطى، وكل عنده بأجل مسمّى". الحديث (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه: ۱/۱۷۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الجنائز: ۱/۳۰۱، قديمي)

قال الله تعالىٰ: ﴿و لن يؤخر الله نفساً إذا جآء أجلها﴾ (المنافق: ۱۱)

قال الله تعالىٰ: ﴿و لكل أمة أجل فإذا جآء أجلهم لا يستأخرون ساعةً و لا يستقدمون﴾ (الأعراف: ۳۴)

خلقت انسانی کی غایت

سوال[۴۴]: انسان کو اللہ تعالیٰ نے کس واسطے پیدا کیا ہے؟ پیدا کرنے میں جو غرض رکھی ہے کیا اس غرض کا محتاج تھا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

انسان اس دنیا میں اس لئے پیدا کیا گیا کہ وہ یہاں آ کر محنت کرے اور آخرت کی زندگی کو سدھارے، آخرت کی زندگی یہاں کی زندگی سے سدھر جاتی ہے(۱) اس طرح کہ اللہ پاک نے جن چیزوں کا حکم دیا، ان پر عمل کرے اور جن چیزوں سے منع کیا ان سے باز رہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

غریب کی غریب سے شادی تقدیری ہے یا کوشش سے؟

سوال[۴۵]: ۱...... انسان کا جو عقد ہوتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا ہے یا انسان کی تجویز سے؟ یہاں اختلاف ہو گیا ہے۔

۲...... مالدار کی قسمت میں مالدار ہی بنتا ہے اور غریب کی قسمت میں غریب ہی بنتا ہے، مالدار اپنی بیٹی غریب کو نہیں دیتا ہے یہ سب منجانب اللہ ہے، یا انسان کی سعی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ہر انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے اللہ پاک کی طرف سے اس کی ہر چیز مقرر ہو چکی ہے، انسان اس کے خلاف ہزار کوشش کرے، یا چاہے کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا، یہ ایمان ہے، یہی ہر مسلم کا عقیدہ

---

(۱) "الدنیا مزرعة الآخرة". (کشف الخفاء و مزیل الألباس، رقم الحدیث: ۱۳۲۰، ۱/۴۱۲، دارإحیاء التراث العربی)

(واتحاف السادة المتقین للزبیدی، ۸/۵۳۹، بیروت)

"و تمام ذلک أن الدنیا مزرعة الآخرة، وفیها التجارة التی یظهر ربحها فی الآخرة، فمن استعمل فراغه وصحته فی طاعة الله فهو المغبوط، و من استعملها فی معصیة الله فهو المغبون". (فتح الباری، کتاب الرقاق: ۱۱/۲۳۰، دارالمعرفة)

ہونا چاہئے، قرآن پاک اور حدیث شریف کی تعلیم بھی یہی ہے(۱)۔

۲......جس کی جیسی قسمت تجویز کردی گئی ہے، وہی چیز سامنے آتی ہے(۲) یہ ضروری نہیں کہ ہر مالدار کو رشتہ دار مالدار ہی ملے، نہ یہ ضروری ہے کہ ہر غریب کو رشتہ دار غریب ہی ملے، بسا اوقات اس کے برخلاف بھی ہوتا ہے۔ مالدار کی مالداری بھی اکثر ختم ہوکر غربت آجاتی ہے اور غریب کی غربت ختم ہوکر بھی اکثر مالداری آجاتی ہے، نہ مالداری کو دوام ہے، نہ غربت کو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

معصوم بچے کس قصور کی وجہ سے بیمار ہوتے ہیں؟

سوال[۴۶]: دنیا میں بچے بیمار ہوتے ہیں اور تکلیف میں رہتے ہیں، حالانکہ وہ معصوم ہیں، انہوں نے کیا قصور کیا؟

(۱، ۲) قال الله تعالیٰ: ﴿قل لن یصیبنا إلا ما کتب الله لنا﴾. (التوبة : ۵۱)

وقال الله تعالیٰ: ﴿إنا کل شیء خلقناه بقدر﴾. (القمر : ۴۹)

وقال الله تعالیٰ: ﴿و ما تشآء ون إلا أن یشآء الله﴾. (الدهر : ۲۹)

"عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "کتب الله مقادیر الخلائق قبل أن یخلق السموات و الأرض بخمسین ألف سنة". رواه مسلم". (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر : ۱/۱۹، قدیمی)

"و عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال : حدثنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و هو الصادق المصدوق: "إن خلق أحدکم یجمع فی بطن أمه أربعین یوماً نطفةً، ثم یکون علقةً مثل ذلک، ثم یکون مضغةً مثل ذلک، ثم یبعث الله إلیه ملکاً بأربع کلمات: فیکتب عمله و أجله و رزقه و شقی أوسعید". الحدیث (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر: ۱/۲۰، قدیمی)

"عن عبادة بن الصامت رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "إن أول ما خلق الله القلم، فقال له :" اکتب"،قال: ما أکتب ؟ قال: "اکتب القدر". فکتب ما کان و ما هو کائن إلی الأبد". (رواه الترمذی وقال: هذا حدیث غریب اسناداً). (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر : ۱/۲۱، قدیمی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کسی قصور کی سزا ہے، درحقیقت یہ بنیاد ہی غلط ہے کہ یہاں جس کو بھی بیماری یا کوئی تکلیف پہونچتی ہے وہ کسی قصور کی سزا ہوتی ہے بلکہ اس میں دوسری مصالح بھی ہوتی ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

معصوم بچوں کے بیمار ہونے کا سبب

سوال [۴۷]: نابالغ بچے اور شیر خوار بچے معصوم یعنی بے گناہ ہوتے ہیں، ان سے قبر میں سوال نہیں ہوتا تو ان کی زندگی میں انہیں ایسی ایسی تکلیفوں میں کیوں مبتلا کیا جاتا ہے جو ہم سے دیکھی نہیں جاتی؟ زیادہ تر چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان کے درجات کو بلند کرنا نیز ان کے والدین اور عزیزوں کو جو کچھ پریشانی اور تکلیف ہوتی ہے اس سے ان کے گناہوں کو دور کرنا اور خدائے پاک کی طرف توجہ دلانا، یہ دو فائدے تو بالکل صاف نظر آتے ہیں اور بھی فائدے ہوں گے جو اللہ کے علم میں ہوں گے، اگر چیچک میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں تو اس میں والدین وغیرہ کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے کیونکہ یہ بیماری زیادہ گھناؤنی ہے (۲)۔

---

(۱) اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیمار ہوئے ہیں حالانکہ وہ نبی معصوم ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ جسے چاہیں بیمار کریں اور جسے چاہیں صحت دیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من يرد الله به خيراً يصيب منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۳۴، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض، سعيد)

(۲) چونکہ بچوں کے بیمار ہونے سے والدین کو بہت تکلیف ہوتی ہے اس لئے اس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں:

"عن أبي موسى رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا يصيب عبداً =

اصل میں یہ خیال ہی غلط ہے کہ یہاں جو بیماری ہوتی ہے وہ بیمار کے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی بیماریاں پیش آئی ہیں، حالانکہ وہ بھی معصوم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۹۰ھ۔

اولاد الزنا کا کیا قصور ہے؟

سوال[۴۸]: کسی مرد وعورت کے ناجائز تعلقات سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ برادری میں حرامی کہی جاتی ہے اور برادری سے خارج کردی جاتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قصور والدین کا ہے، لڑکے پر دھبہ کیوں قیامت تک آخر کار لگا رہتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی اولاد کا قصور نہیں، جو کچھ سزا ہے وہ ناجائز حرکت کرنے والوں کے لئے ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= نکبة فما فوقها أو دونها إلا بذنب، وما يعفوا الله تعالىٰ عنه أكثر و قرأ: ﴿و ما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم و يعفو عن كثير﴾. رواه الترمذى". (مشكوة المصابيح ص: ۱۳۶، باب عيادة المريض، قديمى)

"عن أبى سعيد عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "ما يصيب المسلم من نصب، و لا وصب، ولا هم، و لا حزن، و لا أذى، و لا غم حتى الشوكة يشاكها، إلا كفّر الله بها من خطاياه". (مشكوة المصابيح ص: ۱۳۴، باب عيادة المريض، قديمى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تزر وازرة وزر اخرى﴾. (الزمر، پ: ۲۳، آية: ۷) وقال الله تعالىٰ: ﴿من عمل صالحاً فلنفسه ومن أساء فعليها﴾. (حم السجدة، پ: ۲۴، آية: ۴۶)

"قال الآلوسى رحمه الله قوله تعالىٰ: "(ومن أساء فعليها) ضره لا على الغير". (روح المعانى: ۲۴/۱۳۱، بيروت)

ما یتعلق بالسعادة و النحوسة
(نیک شگونی اور بدشگونی کا بیان)

بدشگونی

سوال[۴۹]: گھر والوں کو تاریخ، یا دن کا شک ہو تو اس کو بدشگونی سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ چلا جائے، یا صحیح طریقہ پر، تا کہ خدانخواستہ کچھ ہو گیا ہے تو ان کا شک قوی ہو جائے گا اور یہ ایمان کے خلاف ہو گا، کیوں کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ''بدشگونی اور بیماری کا لگنا کوئی چیز نہیں'' تو دوسری حدیث کا مفہوم ہے کہ ''جذامی سے ایسا دور رہو جیسا کہ شیر سے''(۱)۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی دن، یا تاریخ کو منحوس سمجھیں تو اصلاح لازم ہے(۲)، جذامی سے احتیاط کا حکم اس لئے بھی ہے کہ اس کے ظاہری اسباب کی وجہ سے اگر کسی کو جذام ہو گیا تو وہ جذام کو متعدی نہ سمجھنے لگے، جس سے بچنا مقصود ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۷/۳/۹۱ھ۔

---

(۱) وعن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: " لا عدی و لا طيرة و لا هامة و لا صفر، و فرّ من المجذوم كما تفرّ من الأسد". رواه البخاری". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۹۱، باب الفال والطيرة، الفصل الأول، قديمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب الطب والمرض والرقیٰ، باب لا عدوی و لاطيرة و لا هامة اهـ: ۲/۲۳۰، قديمی)

(وصحيح البخاری، كتاب الطب، باب لا عدوی: ۸۵۹/۲، قديمی)

(۲) "وعن سعد بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله ﷺ قال: "لا هامة و لا عدوی و لا طيرة، و إن تكن الطيرة فی شیء، ففی الدار والفرس والمرأة". رواه أبوداؤد". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۹۲، باب الفال والطيرة، الفصل الثانی، قديمی)

(۳) "و إنما نهی عن إيراد الممرَّض علی المصحِ، وأمر بالفرار من المجذوم، لأن الصحيح إن مرض =

متعین ایام میں نکاح ورخصتی منحوس نہیں

سوال[۱۵۱]: آج کل عوام الناس لڑکی کے نکاح اور رخصتی جو کرتے ہیں، تین یا پانچ یا سات سال میں کرتے ہیں یا تو پہلے سال کریں گے، جفت سال میں نہیں کرتے اس کو منحوس خیال کرتے ہیں، یہ شرک ہے یا کارِ شرک ہے؟ اور اگر عقیدہ نہ بھی ہو پھر بھی یہ شکل مشابہ شرک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خیال بدشگونی وبدفالی ہے، یہ اسلامی عقیدہ نہیں، اس سے توبہ لازم ہے: "لا عدوی ولا طیرة" الحدیث (۱) جن لوگوں کا یہ عقیدہ نہیں ان کو ایسی جگہ تشبہ سے بچنا چاہئے تا کہ نہ دوسروں کا عقیدہ فاسد ہو، نہ عقیدۂ فاسد والوں کو استدلال کا موقع ملے: "من تشبه بقوم فهو منهم". الحدیث (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۶/۶/۱۶ھ۔

= منه صلى الله عليه وسلم لأمته، فمن كان له دار يكره سكناها، أو امرأة يكره صحبتها، أو فرس لا تعجبه بأن يفارق بالانتقال عن الدار وتطليق المرأة و بيع الفرس، فلا يكون هذا من باب الطيرة المنهي عنها، و هذا كما روي أنه صلى الله عليه وسلم قال: (ذروها ذميمة) قال الطيبي رحمه الله : و من ثمة جعلها صلى الله عليه وسلم من باب الطيرة على سبيل الفرض في قوله: (إن تكن الطيرة في شيء ففي المرأة والفرس والدار) قال الخطابي : "هذه الأشياء الثلاثة ليس لها بأنفسها و طباعها فعل و تأثير، و إنما ذلك كله بمشيئة الله و قضائه، و خصت بالذكر، لأنها أعم الأشياء التي يعتنيها الناس، و لما كان الإنسان لا يخلو عن العارض فيها أضيف إليها اليمن، والشؤم إضافة مكان و محل. ويمكن أن يقال : إن هذه الأشياء غالباً تكون أسباباً لسوء الخلق، و هو شؤم، فلذا نسب إليها، و قد روى أحمد و غيره، عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها بلفظ: "الشؤم سوء الخلق". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح : ۲۶۹/۶، الحبيبية)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة ،ص: ۳۹۱، قديمى)
(والصحيح لمسلم، كتاب الطب والمرض والرقى، باب لا عدوى و لا طيرة و لا هامة الخ : ۲۳۰/۲،قديمى)
(والصحيح للبخارى، كتاب الطب، باب لا عدوي : ۸۵۹/۲، قديمى)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس : ۳۷۵، قديمى) (وسنن أبى داؤد، كتاب اللباس: باب فى لبس الشهرة: ۲۰۳/۲، قديمى) (ومسند الإمام أحمد بن حنبل : ۵۰/۲، رقم الحديث :۵۰۹۴،دارإحياء التراث العربى)

متعین ایام میں نکاح ورخصتی منحوس نہیں

سوال[۱۵۱]: آج کل عوام الناس لڑکی کے نکاح اور رخصتی جو کرتے ہیں، تین یا پانچ یا سات سال میں کرتے ہیں یا تو پہلے سال کریں گے، جفت سال میں نہیں کرتے اس کو منحوس خیال کرتے ہیں، یہ شرک ہے یا کارِ شرک ہے؟ اور اگر عقیدہ نہ بھی ہو پھر بھی یہ شکل مشابہ شرک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ خیال بدشگونی وبدفالی ہے، یہ اسلامی عقیدہ نہیں، اس سے توبہ لازم ہے: "لا عدوی ولا طيرة" الحدیث (۱) جن لوگوں کا یہ عقیدہ نہیں ان کو ایسی جگہ تشبہ سے بچنا چاہئے تا کہ نہ دوسروں کا عقیدہ فاسد ہو، نہ عقیدۂ فاسد والوں کو استدلال کا موقع ملے: "من تشبه بقوم فهو منهم"۔ الحديث (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۶/۶/۱۶ھ۔

= منه صلى الله عليه وسلم لأمته، فمن كان له دار يكره سكناها، أو امرأة يكره صحبتها، أو فرس لا تعجبه بأن يفارق بالانتقال عن الدار وتطليق المرأة و بيع الفرس، فلا يكون هذا من باب الطيرة المنهي عنها، و هذا كما روي أنه صلى الله عليه وسلم قال: (ذروها ذميمة) قال الطيبي رحمه الله : و من ثمة جعلها صلى الله عليه وسلم من باب الطيرة على سبيل الفرض في قوله: (إن تكن الطيرة في شيء ففي المرأة والفرس والدار) قال الخطابي : "هذه الأشياء الثلاثة ليس لها بأنفسها و طباعها فعل و تأثير، و إنما ذلك كله بمشيئة الله و قضائه، و خصت بالذكر، لأنها أعم الأشياء التي يعتنيها الناس، و لما كان الإنسان لا يخلو عن العارض فيها أضيف إليها اليُمن، والشؤم إضافة مكان و محل. ويمكن أن يقال : إن هذه الأشياء غالباً تكون أسباباً لسوء الخلق، و هو شؤم، فلذا نسب إليها، و قد روى أحمد و غيره، عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها بلفظ: "الشؤم سوء الخلق". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح : ۲۶۹/۶، الحبيبية)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة ،ص: ۳۹۱، قديمى)
(والصحيح لمسلم، كتاب الطب والمرض والرقى، باب لا عدوى و لا طيرة و لا هامة الخ : ۲۳۰/۲،قديمى)
(والصحيح للبخارى، كتاب الطب، باب لا عدوي : ۸۵۹/۲، قديمى)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس : ۳۷۵، قديمى) (وسنن أبى داؤد، كتاب اللباس: باب فى لبس الشهرة: ۲۰۳/۲، قديمى) (ومسند الإمام أحمد بن حنبل : ۵۰/۲، رقم الحديث : ۵۰۹۴،داراحياء التراث العربى)

دن اور کسی تاریخ میں نحوست نہیں

سوال[۵۳]: ۱......اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمادیں کہ دن تاریخ کو منحوس سمجھنا اچھا ہے یا برا؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات اور سنیچر کے دن زیادہ سفر فرماتے تھے؟

۲......ایک مولوی صاحب نے اعلان کیا ہے کہ ۱۸/ تاریخ کو شادی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ۱۸/ تاریخ میں شادی کرنے سے لڑکے اور لڑکی کی زندگی خراب ہوجاتی ہے، کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے؟

۳......تیری کے چاند میں اور بارہ وفات میں شادی کی مقرر کردہ تاریخ میں شادی کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ اس امت میں کسی دن (تاریخ وغیرہ) میں نحوست نہیں، البتہ بعض دن اور بعض تاریخ میں خیر و برکت زیادہ ہے، جمعرات اور سنیچر کے سفر میں خیر و برکت ہے۔

۲......یہ چیز شرعاً بے اصل ہے(۱)۔

۳......کرسکتے ہیں، شرعاً اس کی ممانعت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۰/۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین دار العلوم دیوبند، ۹۰/۲/۸ھ۔

دو بھائیوں کی شادی دو بہنوں سے کرنے کو منحوس سمجھنا

سوال[۵۴]: زید کی بڑی لڑکی عمر کے بڑے لڑکے سے منسوب ہے، جانبین کے تعلقات بحمد اللہ بہت خوشگوار ہیں، عمر کی خواہش ہے کہ اس کے چھوٹے لڑکے کا رشتہ بھی زید کی چھوٹی لڑکی سے ہوجائے مگر زید کو

---

(۱) "سئل نفع الله بعلومه: السؤال عن النحس و السعد، و عن الأيام والليالي التي تصلح لنحو السفر، والإنتقال، ما يكون جوابه؟ فأجاب رضي الله تعالىٰ عنه : من يسأل عن النحس و ما بعده، لا يجاب إلا بالإعراض عنه، وتسفيه ما فعله، و يبيّن له قبحه، و أن ذلك من سنة اليهود، لا من هدى المسلمين المتوكلين على خالقهم وبارئهم الذين لا يحسبون و على ربهم يتوكلون، و ما ينقل من الأيام المنطوقة ونحوها عن عليّ كرّم الله تعالىٰ وجهه باطلٌ، كذب، لا أصل له، فليحذر من ذلك، والله تعالىٰ اعلم".

(الفتاوى الحديثية، مطلب في الجواب عن الأيام والليالي اهـ، ص: ۴۱، ۴۲، قديمي)

یہ عذر ہے کہ چونکہ اس کی تین پشتوں سے ایسا ہوتا آیا ہے، جب کبھی اس کے کنبہ کی دو بہنیں ایک ہی گھر میں دو سگے بھائیوں سے منسوب ہوئی ہیں تو راس نہیں آیا ہے یعنی ایک بھائی یا ایک بہن فوت ہوگئی، اس لئے معذور ہے، ازروئے شرع زید کا ایسا عقیدہ رکھنا اور خوف زدہ ہونا جائز ہے یا باطل؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دو بہنوں کی شادی ایک گھر میں دو بھائیوں سے ہونے کی بنا پر یہ تصور کرنا یا عقیدہ رکھنا کہ ایک بہن ضرور مرجائے گی یا ایک بھائی مرجائے گا، گھر آباد نہیں ہوسکے گا، شرعاً بے بنیاد اور غلط ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے(۱)، موت کا ایک وقت مقرر ہے خواہ ایک گھر میں شادی ہو یا علیحدہ علیحدہ گھروں میں، (یا) بالکل شادی نہ ہو، موت اپنے وقت پر آئے گی نہ مؤخر ہوگی، نہ مقدم (۲)۔ کیا چھوٹے بچوں کو موت نہیں آتی؟ لڑکی کے حق میں حالات کے اعتبار سے شادی وہاں نہ کرنا مناسب ہو تو دوسری بات ہے، لیکن مذکورہ خوف غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۹۶ھ۔

کیا رات کو قرض دینا منحوس ہے؟

سوال[۵۴]: رات میں قرض نہ دینا منحوس سمجھتے ہوئے شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رات میں قرض کو منحوس سمجھنا جہال کا عقیدہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۶/ جمادی الثانی ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم : يتفاء ل و لا يتطيّر". (مشكوة المصابيح، باب الفال والطيرة، الفصل الثاني، ص: ۳۹۲، قديمي)

"و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "لا عدوى و لا طيرة، و أحب الفال الصالح". (الصحيح لمسلم : كتاب الطب والمرض والرقى، باب الطيرة، ص: ۲/ ۲۳۱، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ : ﴿إذا جآء أجلهم فلا يستأخرون ساعةً و لا يستقدمون﴾ . (يونس : ۴۹)

منگل اور بدھ کو حجامت بنوانا

سوال[۵۵]: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ حجامت یا ناخن منگل، بدھ کے دن نہ بنوایا جائے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں (منگل، بدھ) میں حجامت بنوانے سے روکا ہے، انہوں نے سیرت حلبیہ جز نمبر:۱۷، کا حوالہ دیا ہے۔ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح کیا فرمایا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان مولوی صاحب سے سیرتِ حلبیہ جز نمبر:۱۷ کی عبارت نقل کرا کے بھیجیں۔

تنبیہ: حجامت عربی میں پچھنے لگوانے کو کہتے ہیں (۱)، بال اور ناخن بنوانے کو نہیں کہتے، حضرت مجدد الف ثانی نے لکھا ہے کہ اس امت میں کوئی دن منحوس نہیں، نحوست اٹھالی گئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۶ھ۔

چند بے اصل بدفالیاں

سوال[۵۶]: بہت سے مسلمان لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں، مکان میں دروازہ نہیں لگایا جاتا ہے، دروازہ لگانے سے جان ومال کا خطرہ ہوجاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ چوکی نہیں بنتی ہے، کوئی کہتا ہے کہ اچار نہیں رکھا جاتا ہے، اگر رکھا جاتا ہے تو ہم کو نقصان ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ لوگ یہ بھی رواج رکھتے ہیں کہ بعد مغرب کسی کو چونا مانگنے پر بھی نہیں دیتے ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ جملہ امور شرعاً بے اصل اور لغو ہیں، ایسا عقیدہ درست نہیں، اس کو ترک کرنا لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/۶۷ھ۔

---

(۱) "الحجامة: پچھنے لگانے کا پیشہ"۔ (المنجد، ص: ۱۹۰، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "بہت سے لوگ منگل کے دن کو منحوس سمجھتے ہیں سو یہ بھی بالکل غلط ہے کسی بھی دن کو منحوس سمجھنا جائز نہیں"۔ (اغلاط العوام، ص: ۲۳۶، زمزم پبلشرز)

(۳) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "الشؤم فی المرأة والدار والفرس" ...... و هذا کما روی أنه صلی الله علیه وسلم قال: "ذروها ذمیمة"، قال الطیبی: ومن =

چاند جب عقرب میں ہو تو کام شروع کیا جائے یا نہیں؟

سوال[۵۷]: میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ قمر در عقرب کو یا ۱۳/ ۱۹/ ۱۸/ تاریخ کو یا نمازِ جمعہ سے پہلے کوئی بھی نیا کام یا کاروبار شروع نہ کرنا چاہیئے، مذہبی طور پر ایسی ممانعت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

شرعاً بے اصل ہے(۱) فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔ ۲۵/ ۱۲/ ۸۸ھ۔

قطب تارہ کی طرف پیر پھیلانا

سوال[۵۸]: یوں کہتے ہیں کہ شمال کی جانب ایک نور چمکتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرا نور تھا، لہذا اعوام الناس قطب ستارے کی طرف پاؤں پھیلانے کو بہت برا تصور کرتے ہیں اور اس کا احترام قبلہ سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ تشریح فرمائیں کیا حقیقت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ قول اور یہ عمل اور یہ عقیدہ مستند نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

تیسری رات کا چاند نہ دیکھنا اور اس کی کہانی سننا

سوال[۵۹]: عورتیں اکثر اوقات تیسری تاریخ کا چاند نہ دیکھنا کہہ کر تیسری تاریخ کے چاند کی کہانی سنتی ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

= ثمة جعلها صلى الله عليه وسلم من باب الطيرة على سبيل الفرض في قوله: "إن تكن الطيرة في شيء ففي المرأة والفرس والدار". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح: ۶/ ۲۶۹، الحبيبية)

(۱) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان: ''دن اور کسی تاریخ میں نحوست نہیں'')

(۲) ''مشہور ہے کہ سوتے میں قطب شمالی کی طرف پاؤں نہ کرے سو اس کی کوئی اصل نہیں''۔ (اغلاط العوام، ص: ۱۶، زمزم پبلشرز)

الجواب حامداً و مصلیاً :

تیسری تاریخ کے چاند دیکھنے کو اچھا نہ کہنا اور اس کی جگہ چاند کی کہانی سننا کوئی شرعی چیز نہیں ہے بلکہ بد شگونی ہے، اس سے شریعت نے منع فرمایا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

گرہن کے وقت کھانا

سوال [۶۰]: عوام میں مشہور ہے کہ چاند، یا سورج گرہن میں جب تک گرہن رہے، اس وقت تک کچھ کھانا نہیں چاہئے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

عوام میں غلط مشہور ہے (۲)۔ فقط۔

روزانہ ایک پیسہ رات کو امانت رکھ کر صبح کو واپس لینا

سوال [۶۱]: زید ایک محلّہ میں رہتا تھا، بکر نے اسی محلّہ میں دوکان پرچون کی کر رکھی تھی، زید اکثر بکر کی دوکان سے ضروریات کی اشیاء خریدتا ہے، ایک روز زید نے بکر کی دوکان سے کچھ سودا ایک پیسہ کا خریدا، سودا لے کر یہ کہہ دیا کہ پیسہ صبح دیدونگا، جب نماز فجر پڑھ چکا، اس وقت بکر کو وہ پیسہ حسب وعدہ دیدیا، پھر شام کو بکر نے کہا، بھائی زید! ایک پیسہ میرا امانت رکھو، زید جب صبح نماز پڑھ چکو، مجھ کو دیدینا زید نے ایسا ہی کیا، پھر بکر روز ایسا کرنے لگا، شام کو ایک پیسہ دیدیتا اور صبح کو لے لیتا۔ زید کے دل میں خیال ہوا کہ شاید بکر کچھ شگون کرتا ہو، زید نے بکر سے دریافت کیا، لیکن اس نے دل کا مدعا ظاہر نہ کیا، اس لئے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ اس طرح کرنے سے شرعاً گناہ گار تو نہ ہوگا، اگر گناہ زید پر لازم آیا تو وہ ایسا کرنا چھوڑ دے گا؟ محمد داؤد اہلحدیث سہارنپور۔

---

(۱) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان: ''دن اور کسی تاریخ میں نحوست نہیں'')

(۲) ''مشہور ہے کہ چاند اور سورج کے گہنے کے وقت کھانا پینا منع ہے، سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں، البتہ وہ وقت توجہ الی اللہ کا ہے اس وجہ سے کھانے پینے کا شغل ترک کر دینا اور بات ہے، رہا یہ کہ دنیا کے تمام کاروبار بلکہ گناہ تک تو کرتا رہے اور صرف کھانا پینا چھوڑ دے، یہ شریعت کو بدل ڈالنا اور بدعت ہے''۔ (اغلاط العوام، ص: ۱۹۱، زمزم پبلشرز)

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر قرائن قویہ سے معلوم ہو جائے کہ بکر کوئی شگون کرتا ہے تو زید کو ہرگز اس کا کہنا نہیں ماننا چاہئے، بلکہ انکار کر دینا چاہئے کیوں کہ اس میں اعانت علی المعصیۃ ہے: ﴿تعاونوا على البر والتقوىٰ و لا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ " (۱) اگر کسی طرح بکر کی نیت کا علم نہ ہو، تب بھی چوں کہ احتمال شگون ضرور ہے، بلکہ غالب ہے، لہٰذا احتراز کرنا چاہئے۔ لقوله عليه الصلاة والسلام: "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك " (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ذیقعدہ /۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ذیقعدہ /۵۲ھ۔

جھاؤ کا استعمال کرنا

سوال [۶۲]: عوام میں مشہور ہے کہ درخت جھاؤ کو مسلمان اپنے استعمال میں لانا بہت برا سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو اس درخت سے آگ شروع ہوئی اور اسی درخت نے آگ پکڑی تھی، آیا یہ کسی کتاب سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جھاؤ کے متعلق ایسا خیال اور عقیدہ بے اصل ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اغلاط العوام، ص: ۵ (۳) میں اس کی تردید فرمائی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ۔

وبا کی بستی سے نکلنا

سوال [۶۳]: ۱...... ایک گاؤں میں طاعون کا سلسلہ جاری ہو جاوے، اس گاؤں میں سے نکلنا مشروع یا نامشروع؟ کیونکہ آدھے آدمی نکل گئے آدھے بستی میں ہیں۔

(۱) (المائدة : ۲)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب و طلب الحلال، ص: ۱/۲۴۲، قديمى)

(۳) (اغلاط العوام، ص: ۱۱، ادارة المعارف كراچى)

۲......اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے چلا گیا کھیت میں، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ایسی بستی سے اس خیال سے باہر نکلنا کہ اگر یہاں رہیں گے تو طاعون میں مبتلا ہوں گے، اگر دوسری جگہ چلے جائیں گے تو بچ جائیں گے، ناجائز اور گناہ ہے، فقہ اور حدیث میں اس کی ممانعت آتی ہے(۱) کذا فی الاشباہ (۲)۔

۲......اس کا جواب نمبر:۱میں آ گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۲/۶۳ھ۔

مجذوم اور ابرص کے ساتھ اختلاط

سوال[۶۴]: زید مرض جذام میں مبتلاء ہے عرصہ آٹھ دس سال سے، اور عمر برص کے مرض میں ۲۵/سال سے، زید کی ظاہری حالت چہرہ پر ورم اور بدن میں کچھ زخم ہو جاتے ہیں اور عمر کا جسم سفید ہو گیا ہے، کچھ سیاہی کے داغ ہیں، لہٰذا تعلقات کھانے پینے میں زید و عمر کے ساتھ کیا حکم ہے؟ فضل محمد، نیاز محمد، جلال آباد شاہجہان پور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أخذ بید مجذوم، فوضعها معه

---

(۱) "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الطاعون رجز أرسِل علی بنی اسرائیل أو علی من کان قبلکم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا علیه، و إذا وقع بأرض و أنتم بها فلا تخرجوا فراراً منه".
(الصحیح لمسلم، باب الطاعون والطیرة والکهانة و نحوها: ۲/۲۲۸، قدیمی)

"و إذا خرج من بلدة بها الطاعون، فإن علم أن کل شيء بقدر اللہ تعالیٰ، فلا بأس بأن یخرج و یدخل، و إن کان عنده أنه لو خرج نجا ولو دخل ابتلی به، کره له ذلک". (الدر المختار، مسائل شتی، قبیل کتاب الفرائض: ۶/۷۵۷، سعید کراچی)

(۲) "المسألة الثالثة یستنبط من أحد الأوجه فی النهی عن الدخول إلی بلد الطاعون، وهو منع التعرض إلی البلاء إلی اٰخره" (شرح الأشباه والنظائر الفن الثالث: الجمع والفرق: ۳/۲۴۴، إدارة القرآن)

فی القصعة، و قال: "كل ثقةً بالله و توكلاً عليه"-(۱) رواه ابن ماجة(۲).

"عن عمرو بن الشريد عن أبيه قال: كان في وفد ثقيف رجل مجذوم، فأرسل إليه النبي صلى الله عليه وسلم:" إنا قد بايعناك فارجع "-(۳) رواه مسلم "(٤).

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" لا عدوی ولا طيرة و لا هامة و لا صفر، و فرّ من المجذوم كما تفر من الأسد"- رواه البخاری"(٥) (مشكوة :ص: ۳۹۱، ۳۹۲(٦)-

روایات قولیہ فعلیہ سے دونوں باتیں ثابت ہیں: اختلاط بھی اور احتیاط بھی، لہذا اگر عقیدہ خراب ہونے کا اندیشہ ہو کہ فلاں شخص کیساتھ کھانے پینے سے مجھے ضرور بیماری لگ جائے گی تو احتیاط کرنا لازم ہے، اور اگر اللہ پر پورا بھروسہ ہو کہ بیماری وغیرہ جو کچھ ہے سب اللہ کے حکم سے ہے، بغیر اس کے حکم کے کچھ بھی نہیں ہوسکتا تو تعلقات رکھنے میں بھی مضائقہ نہیں۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ بیماری ضرور لگ ہی جاتی ہے اگرچہ خدا کا حکم نہ ہو، بہت برا اور ناجائز ہے، البتہ بیماری جس طرح کہ دوسرے اسباب سے ہوتی ہے اور کبھی باوجود اسباب کے نہیں ہوتی، اسی طرح ساتھ کھانے پینے سے کبھی ہو جاتی ہے، کبھی نہیں ہوتی، یہ عقیدہ صحیح اور درست ہے(۷)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱)(ترجمہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ پیالہ میں رکھ دیا اور فرمایا: ''اللہ پر بھروسہ کر کے کھاؤ''

(۲) (ابن ماجة، كتاب الطب، باب الجذام، ص: ۲٦۱، مير محمد كتب خانه)

(۳)(ترجمہ) وفد ثقیف میں ایک مجذوم شخص تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہلا بھیجا: ''ہم نے تجھ کو بیعت کرلیا، واپس ہو جا''۔

(۴) (الصحيح لمسلم، كتاب الطب، باب اجتناب المجذوم ونحوه: ۲/۲۳۳، قديمی)

(۵)(ترجمہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نہ بیماری لگتی ہے نہ بدشگونی، نہ الّو منحوس ہے نہ ماہ صفر، اور مجذوم سے شیر سے بھاگنے کی مثل بھاگ''۔

(٦) (روى الأحاديث الثلاثة فی مشكوة المصابيح، باب الفال و الطيرة: ۳۹۱، ۳۹۲، قديمی)

(أخرجه البخاری فی الطب، باب الجذام: ۲/۸۵۰، قديمی)

(۷) "إن المراد بنفي العدوى أن شيئاً لا يعدى بطبعه، نفياً لما كانت الجاهلية تعتقده أن الأمراض تعدى بطبعها من غير إضافة إلى الله، فأبطل النبی صلى الله عليه وسلم اعتقادهم ذلک، وأكل مع المجذوم =

چیچک والے کے لئے چند مخصوص چیزیں

سوال[۶۵]: مرض چیچک میں مریض کے گلے میں چھاؤ کی وجہ سے سونا باندھنا اور گھر والوں کو اس زمانہ میں کپڑے نہ بدلنے دینا یا کپڑے بدل کر مریض کے گھر میں نہ جانا، یا باہر سے آئے ہوئے کو فوراً مریض کے پاس نہ جانے دینا اور گوشت نہ پکانا وغیرہ، یہ سب امور شرعی نقطۂ نظر سے کیسے ہیں؟ نیز جملہ مذکورہ باتوں میں سے باوجود جاننے کے اگر کوئی کسی ایک کا بھی عامل ہو، اس پر کیا حکم ہے؟ سائل: بندو بقلم خود۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر تجربہ کار طبیب بتلائے کہ ایسے مریض کو گوشت کی بو، یا دھلے ہوئے کپڑے (مادے وغیرہ) کی بو مضر ہے تو اس سے بنا بر پرہیز علاجاً احتیاط کرنے میں مضائقہ نہیں (۱)۔ اور اس عقیدہ کے ماتحت ان چیزوں سے بچنا کہ چیچک ماتاجی ہے اور ان چیزوں سے ناراض ہوتی ہے جیسا کہ اسی عقیدہ سے ہندو اس کی بہت خاطر

= ليبين لهم أن الله هو الذي يمرض و يشفي، و نهاهم عن الدنو منه ليبين لهم أن هذا من الأسباب التي أجرى الله العادة بأنها تفضي إلى مسبباتها، ففي نهيه إثبات الأسباب، و في فعله إشارة إلى أنها لا تستقل، بل الله هو الذي إن شاء سلبها قواها، فلا تؤثر شيئًا، وإن شاء أبقاها فأثرت". (فتح الباری، کتاب الطب، باب الجذام : ۱۰/۱۶۰، دار الفكر)

(كذا في تكملة فتح الملهم : كتاب الطب، باب:" (لا عدوى و لا طيرة و لا هامة)" الخ : ۴/۳۷۰، ۳۷۱، دار العلوم)

(وكذافي شرح مسلم للنووي، باب: لا عدوى و لا طيرة و لا هامة الخ : ۲/۲۳۰، قديمی)

(۱) "ونقل الحافظ عن ابن قتيبة أنه قال : "إن الأمر بالفرار من المجذوم ليس من باب العدوى في شيء، بل هو لأمر طبيعي، و هو انتقال الداء من جسد لجسد بواسطة الملامسة والمخالطة وشمّ الرائحة، و لذالك يقع في كثير من الأمراض في العادة انتقال الداء من المريض إلى الصحيح بكثرة المخالطة ...... و لهذا يأمر الأطباء بترك مخالطة المجذوم لاعلى طريق العدوى، بل على طريق التأثر بالرائحة، لأنها تسقم من واظب اشتمامها". (تکمله فتح الملهم، کتاب الطب، باب: لا عدوى ولا طيرة و لا هامة ...... الخ : ۴/۳۷۱، دار العلوم)

(وكذا في فتح الباری، کتاب الطب، باب المجذوم : ۱۰/۱۶۱، دار الفكر)

مدارات کرتے ہیں اور پوجتے ہیں، ناجائز اور منع ہے، یہ اہل اسلام کا عقیدہ نہیں (۱)، خلاف شرع امور سے اجتناب لازم ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبد اللطیف، ۱۳/ جمادی الاولی/ ۵۸ھ۔

تعمیر مکان کے لئے وقت مقرر نہیں

سوال [۲٦]: مکان تعمیر کرنے کے لئے کوئی وقت شرع سے مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیاً:

کوئی وقت مقرر نہیں جب ضرورت ہو بقدر ضرورت بنانے کی اجازت ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند ۲/ ۵/ ۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال النبي صلى الله تعالىٰ وسلم : "لاعدوى و لاصفر و لا هامة" فقال أعرابي : يا رسول الله! فما بال الإبل تكون في الرمل لكأنها الظبآء فيخالطهاالبعير الأجرب فيجربها؟ فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم : "فمن أعدى الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الهامة : ۸۵۹/۲، قديمي)

باب العقائد

ما یتعلق باللہ تعالیٰ و صفاتہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان)

عقیدہ کی تعریف

سوال[٦٧]: عقیدہ کی کیا تعریف ہے؟ اور مسلمان کو کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عقیدہ بنیادی یقین ہے، جس پر نجات مرتب ہوتی ہے اور اس کے ترک سے نجات سے محرومی ہوتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

أصاب من أجاب هذا الجواب: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟

سوال[٦٨]: باری تعالیٰ کہاں ہیں؟ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے مدللاً ومفصلاً مع حوالہ کتب تحریر فرمایئے۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿الذين يؤمنون بالغيب ويقيمون الصلوة و مما رزقنٰهم ينفقون والذين يؤمنون بما أنزل اليک و ما أنزل من قبلک و بالآخرة هم يوقنون﴾. (سورة البقرة: ۳، ۴)

و قال تعالىٰ: ﴿كل آمن بالله و ملائكته و كتبه و رسله﴾. (سورة البقرة: ۲۸۵)

و قال تعالىٰ: ﴿و من يكفر بالله و ملائكته و كتبه و رسله واليوم الآخر فقد ضل ضلالاً بعيداً﴾. (النساء: ۱۳٦)

نوٹ: عقیدہ کی تعریف یہ ہے:

"العقيدة ما يقصد فيه الاعتقاد دون العمل". (التعريفات الفقهية مع قواعد الفقه، ص: ۳۸۳، الصدف پبلشرز)

"العقيدة هي القضية التي تصدق بها، و قد تطلق على نفس التصديق". (شرح العقائد، ص: ۱۰، اِمداديه)

الجواب حامداً و مصلیاً :

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی ہر جگہ موجود ہے، ہر صغیر وکبیر کا عالم ہے، کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں، نصوص صریحہ اور دلائلِ قطعیہ سے اس کا ثبوت ہے:

قال تعالی: ﴿لایعزب عنه مثقال ذرة فی السمٰوات ولا فی الأرض، ولا أصغر من ذلک ولا أكبر إلا فی كتاب مبین﴾(۱)۔

مگر اللہ تعالی کے لئے دوسری اشیاء کی طرح کوئی مخصوص مکان محیط نہیں، کیونکہ وہ مکانی نہیں، بلکہ واجب اور قدیم ہے اور مکان وزمان وغیرہ حادث اور اس کی پیدا کی ہوئی ہیں، پھر کوئی مکان وغیرہ کیسے محیط ہو سکتا ہے؟

"و لا محدود، و لا معدود، ولا متبعض، ولا متجز، ولا شريك منها، ولا منتهاه، ولا یوصف بالماهيّة، ولا بالكيفية، ولا يتمكن فی مكان، ولا يجری عليه زمان"۔(شرح العقائد، ص:۳۲۔(۲)

اور بعض نصوص میں جو خاص مکان کی طرف اشارہ ہے تو وہاں یہ مراد نہیں کہ وہ مکان اللہ تعالی کو محیط ہے، بلکہ اللہ تعالی کی صفت علم، یا کسی دوسری صفت کا خاص غلبہ اس جگہ مراد ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱)(سورة سبا : ۳)

قال الله تعالیٰ:﴿إن الله لا يخفى عليه شيء فی الأرض ولا فی السمآء﴾.(آل عمران : ۵)

قال الله تعالیٰ:﴿ومايخفى على الله من شيء فی الأرض و لا فی السمآء﴾.(إبراهيم : ۳۸)

(۲) (شرح العقائد النسفية للتفتازانی ،ص: ۴۰، قديمی)

"ومحمل الكلام و زبدة المرام أن الواجب لا يشبه الممكن، و لا الممكن يشبه الواجب، فليس بمحدود و لا معدود و لا متصور و لا متبعض و لا متحيز و لا متركب و لا متناه، ولا يوصف بالمائية والماهية، و لا بالكيفية من اللون والطعم والرائحة والحرارة والبرودة واليبوسة و غير ذلک مما هو من صفات الأجسام، ولا متمكن فی مكان لا علو و لا سفل و لا غيرهما، و لايجری عليه الزمان كما يتوهمه المشبّهة والمجسّمة والحلولية".(شرح الفقه الأكبر للملا على القاري،ص: ۳۶، قديمی)

(۳) قال الله تعالیٰ:﴿ وأن الله قد أحاط بكل شيء علما﴾. (الطلاق : ۱۲)

=

خدا کے لئے جہت کا ماننا

سوال[۶۹]: کیا خدا کے لئے بھی زمان ومکان، یا کوئی دیگر قید، یا طرف ثابت ہے؟ جو ایسا ظاہر کرے، اس کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

خداوند قدوس زمان ومکان اور سمت سے منزّہ ہے، جو شخص خدائے پاک کو ان چیزوں کے ساتھ مقید مانتا ہے، وہ ضلالت میں مبتلا ہے، شرح بخاری شریف میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۸۷ھ۔

نورنامہ کا ایک شعر (خدا کے لئے جسم ماننا)

سوال[۷۰]: نورنامہ، جمعرات کو پڑھا کرتے ہیں، اس میں لکھا ہے کہ۔

مگر اس کی اپنی سی صورت بنا رکھا اس میں وہ جو کہ قندیل تھا

سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ جسم بھی رکھتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

بجائے اس کے قرآن پاک کی تلاوت کریں، درود شریف اور استغفار پڑھا کریں، اگر سب کو سنانا مقصود ہو تو حکایت صحابہ، فضائل نماز، فضائل صدقات اور حیاۃ المسلمین پڑھا کریں۔ اللہ تبارک تعالیٰ جسم سے

= "وإنما المراد : إحاطة عظمة و سعة و علم و قدرة". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز ، ص: ۲۸۱، قديمى)

(وكذا فى روح المعانى،(النساء: ۱۲۶): ۵/۲۲۹، دار الفكر)

(۱) قال العلامة العينى:"وجه ذلك أن جهة العلو لما كانت أشرف أضيف إليها، والمقصود علو الذات والصفات و ليس ذلك باعتبار أنه محله أو جهته، تعالىٰ الله عن ذلك علواً كبيراً". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب التوحيد، باب:" و كان عرشه على الماء "،"و هو رب العرش العظيم" :۲۵/۱۱۵، الناشر محمد أمين دمج)

پاک ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا خدا ہر شی میں ہے؟

سوال[۱۷۱]: ایک مسلمان کا اگر یہ عقیدہ ہو کہ خدا ہر شیء میں ہے، حتی کہ بت بھی خدا کے غیر نہیں ہیں، کیا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر شیء کو خدا کی مخلوق اعتقاد کرنا چاہئے، یہ عقیدہ کہ ہر شیء خدا ہے حتی کہ بت بھی خدا کے غیر نہیں یہ اسلامی عقیدہ نہیں، ایسا عقیدہ رکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/محرم/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۲/محرم ۶۸ھ۔

---

(۱) "قال ابن بطال: تضمنت ترجمة الباب أن الله ليس بجسم، لأن الجسم مركب من أشياء مؤلفة، وذلك يرد على الجهمية في زعمهم أنه جسم". (فتح الباري، كتاب التوحيد: ۱۳/۳۴۵، دار المعرفة)

وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: "و هو شيء لا كالأشياء، و معنى الشيء إثباته بلا جسم و لا جوهر ولا عرض". (الفقه الاكبر، ص: ۳۵، ۳۶، قديمي)

"(و لا جسم)، لأنه متركب و متحيز، و ذلك أمارة الحدوث". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۳۸، ۳۹، قديمي)

(۲) "این کلام خلاف شرع است، اگر گوینده این کلام حلول حق تعالیٰ را در اشیاء یا اتحاد اشیاء بآن ذات مقدس اعتقاد می نماید، پس کفر است". (فتاوی عزیزی، ص: ۱۴۱، کتب خانه رحیمیه دیوبند)

"و بيان ذلك أن الاتحاد بعد ما قام من البراهين المقررة في كتب الحكمة، والكلام على امتناع اتحاد الاثنين هو يستلزم كون الواجب هو الممكن و عكسه، و ذلك محال بالضرورة، و أما الحلول فلوجوه: الأول أن الحالّ في الشيء يفتقر إليه في الجملة سواء كان حلول جسم فى مكان، أو عرض في جوهر، أو صورة في مادة كما هو رأى الحكماء، أو صفة في موصوف، والإفتقار إلى الغير ينافي الوجوب، و من ذلك حلول الامتزاج كالماء في الورد، فإنه من خواص الأجسام، و هي مفتقرة إلى الغير. =

اللہ تعالیٰ کا ہر شئے میں حلول کرنے کا عقیدہ

سوال[۷۲]: میرا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر، علم اس کا ہر جگہ ہے، حاضر وناظر ہے: "سمیع بصیر، علیٰ کل شیيء قدیر، واللّٰہ غالب علی أمرہ"۔

جولوگ اس مسئلہ کے منکر ہیں، دلیل پیش کریں، ورنہ تو وہ جھوٹے برخلاف اسلام کے لوگوں کو چلاتے ہیں اور برے عقیدے میں ڈالتے ہیں، پھر کیوں لوگوں کو خراب وبرباد کرتے ہیں، علم شریعت کا سیکھنا فرض ہے، جولوگ اس مسئلہ کو غلط کرتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں، محض وہ لوگ جاہل ہیں۔

دیکھو، ذرا غور کرو، جاہل لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان میں ہے، یعنی مسلمان، ہندو، چوڑھا، چمار سب کے بیچ میں۔ توبہ استغفار، یا اللہ ان لوگوں کو ہدایت عطا فرما" وربّ العرش فوق العرش لکن بلا وصف التمکن والاتصال" اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش مجید پر ہے اور وہ ایسے مکان میں ہے جس کا علم اسی کو ہے، جولوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں ہے، ہندو ہو، یا مسلم، یا چوپایوں کے، حتی کہ تمام اشیاء پاک و پلید میں ہے، یہ عقیدہ بالکل غلط ہے اور جھوٹا ہے، (العیاذ باللہ) اور یہ کفر قبیح ہے (کتاب الابانۃ)(۱)۔ ۳۸۰ھ یہ مذہب پیدا ہوا ہے۔ کتاب العرش والعلو (کتاب حمویہ) قاضی ابن الحسن نے ایک شخص مذہب جہمیہ کو جہیم میں قید کیا، پس اس نے توبہ کی، رہا کرنے کے لئے لایا گیا تو ہشام نے امتحان لیا تو ناقص نکلا، پھر قید کردیا گیا، کیونکہ توبہ نہیں کی ہے (نعوذ باللہ من ذلک) "توبوا إلی اللّٰہ توبۃً نصوحاً" جو شخص کہتا ہے کہ خداوند کریم لامکان ہے، امام ابوحنیفہؒ جواب دیتے ہیں کہ" یکفر بہ" کفر کیا اس نے۔

= الثاني: أن الحلول في الغير إن لم يكن صفة كمال، و جب نفيه عن الواجب، وإلا لزم كون الواجب مستكملاً بالغير وهو باطل...... الخ". (الفتاوى الحديثية، مطلب ما معنى توحيد الصوفية المُوهِم للحلول والاتحاد الموجب لكثير من الفقهاء الاعتراض الخ ، ص: ۴۳۸، قديمي)

(و كذا في شرح المقاصد : ۳/۳۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وزعمت المعتزلة والحرورية والجهمية أن الله عزوجل في كل مكان، فلزمهم أنه في بطن مريم، وفي الحشوش والأخلية، و هذا خلاف الدين، تعالى الله عن قولهم علواً كبيراً". (الإبانة في أصول الديانة ، ص: ۱۲۱ ، المملكة العربية السعودية مركز شنوان الدعوة)

الجواب حامداً و مصلیاً :

خداوند کریم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہر شئے میں حلول کئے ہوئے ہے، کفر ہے(۱) اسی طرح یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عرش پر، یا کسی اَور مکان میں ہے جس طرح کہ بادشاہ لندن میں ہے یہ بھی کفر ہے، ان دونوں عقیدوں سے توبہ اور اجتناب واجب ہے، خداوند تعالیٰ کسی مکان میں محدود نہیں، وہ مکان سے منزہ و بالاتر ہے:

"و (یکفر) بإثبات المكان للّٰه تعالى، فإن قال: اللّٰه في السماء، فإن قصدبه حكاية ماجاء في ظاهر الأخبار، لايكفر، و إذاأراد به المكان كفر، وإن لم تكن له نية، يكفر عند أكثر هم، و عليه الفتوىٰ اهـ" مجمع: ۲/۶۹۸(۲)، "يكفر بإثبات المكان للّٰه تعالى، فلو قال: ازخدا هيچ مكان خالي نيست يكفر"۔ عالمگیری: ۱/۸۸۱(۳)۔

"ولا يتمكن في مكان اهـ"۔ شرح عقائد، ص: ۳٤(٤)۔

البتہ عرش پر اس کا خاص تسلط اور استیلاء ہے، اس کی کیفیت کو وہی خوب جانتا ہے اور اپنے علم کے

---

(۱) "و ليس حالاً و لا محلاً". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۳٦، قديمى)

"و أما قوله: (عنده) فقال ابن بطال: "عند" في اللغة لمكان، والله منزه عن الحلول في المواضع، لأن الحلول عرض يفنى، و هو حادث، والحادث لا يليق بالله". (فتح البارى، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿و يحذركم الله نفسه﴾: ۱۳/۴۷۵، قديمى)

"أن المعقول من حلول الشيء في غيره كون هذا الحالّ تبعاً لذلك المحل في أمر من الأمور، وواجب الوجود لذاته يمتنع أن يكون تبعاً لغيره، فوجب أن يمتنع عليه الحلول". (أصول الدين للرازى، ص: ۴۴، مكتبه الكليات الأزهرية)

(۲) (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد: ۱/۶۹۰، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۲، ۲۰۳، رشيديه)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد: ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(۴) (شرح العقائد النسفية للتفتازانى، ص: ۴۰، قديمى)

"و لا متمكن في مكان لا علو و لا سفل و لا غيرهما". (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ۳٦، قديمى)

اعتبار سے ہر شئی کو محیط ہے: ﴿ثم استویٰ علی العرش﴾: أی استواہ، فقد یقدس الدیان عن المکان والمعبود عن الحدود اھـ"۔ مدارک، ص: ۱۱۷"۔ (۱) ﴿وان اللہ قد أحاط بکل شیء علماً﴾. (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود حسن گنگوہی عفاء اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر العلوم، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

"اللہ تعالیٰ قادر ہے جو چاہے دکھلا دے"، عقیدہ پر اشکال اور اس کا جواب

سوال [۷۳]: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے اور جہاں چاہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر کر دے، یا جو چاہے دکھلا دے، اس کے دلائل قرآن وحدیث میں کیا ہیں؟ ان دونوں سوالوں کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً مصلیاً:

اس کا قادر مطلق ہونا ہی کافی ہے، مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں (۳) دلیل طلب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قادر مطلق ہونا تسلیم نہیں یا اس میں شبہ ہے۔ لیلۃ المعراج کا واقعہ کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت، سب آسمانوں پر تشریف لے جانا، وہاں انبیاء سے ان کے مقامات پر ملاقات، جنت ودوزخ کا معائنہ ہی بڑا واقعہ ہے (۴) جس سے مسئلہ خوب واضح ہو جاتا ہے۔

---

(۱) (تفسیر المدارک، (یونس: ۳): ۵۲۸/۱، قدیمی)

(۲) (الطلاق: ۱۲)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ علی کل شیء قدیر﴾ (البقرۃ)

(۴) و فی روایۃ "ثم أتِیَ بالمعراج: و ھو کالسلم ذو درج یرقی فیھا، فصعد فیہ إلی سماء الدنیا، ثم إلی بقیۃ السموات السبع، فتلقاہ من کل سماء مُقرّبوھا، و سلم علی الأنبیاء الذین فی السموات بحسب منازلھم و درجاتھم، حتی مر بموسی الکلیم فی السادسۃ، وإبراھیم الخلیل فی السابعۃ، ثم جاوز منزلتھما صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علیھما و علی سائر الأنبیاء، حتی انتھی إلی مستوی یسمع فیہ صریف الأقلام .... و رأی سدرۃ المنتھیٰ .... و رأی ھناک جبرئیل علی صورتہ: و لہ ستمائۃ جناح، و رأی رفرفاً أخضر قد سد الأفق، و رأی البیت المعمور وإبراھیم الخلیل بانِیَ الکعبۃ الأرضیۃ =

نیز جب واقعہ معراج بیان فرمایا تو مشرکین نے بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کے ستون وغیرہ کی تعداد دریافت کی، اس وقت وہ مسجد سامنے کردی گئی، آپ اس کو دیکھ دیکھ کر جوابات عنایت فرماتے تھے(۱)۔ نیز نجاشی کے انتقال پر جنازہ سامنے کردیا گیا، حجابات اٹھا دیئے گئے، اس پر نماز جنازہ ادا فرمائی(۲)۔

نیز غزوۂ موتہ کا میدان سامنے کردیا گیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ فلاں شخص نے جھنڈا لیا، وہ شہید ہوگیا، پھر فلاں نے لیا وہ شہید ہوگیا، پھر فلاں نے لیا وہ شہید ہوگیا، پھر فلاں نے لیا تب فتح ہوئی، اور آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ فلاں شخص کو دو باز و عطا ہوئے اور وہ ملائکہ کے ساتھ اڑتا ہوا جارہا ہے(۳)، غرض بے شمار واقعات بطور شواہد موجود ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۹ھ۔

= مسندا ظهره إليه ...... ورأى الجنة والنار ...... ثم هبط إلى بيت المقدس، و هبط معه الأنبياء، فصلى بهم لما حانت الصلاة، و يحتمل أنها الصبح من يومئذٍ الخ". (تفسير ابن كثير : ۲۲/۱، مكتبه دار القلم)

(۱) "قال أبوسلمة : سمعت جابر بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول : "لما كذبتني قريش قمت في الحجر، فجلى الله لي بيت المقدس، فطفقت أخبرهم عن آياته و أنا أنظر إليه". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب (أسرى بعده ليلاً من المسجد الحرام) : ۶۸۴/۲، قديمى)

(۲) " عن ابن عباس قال: كشف النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن سرير النجاشي حتى رآه و صلى عليه"، و لابن حبان من حديث عمران بن حصين: "فقام، وصفّوا خلفه، و هم لا يظنون إلا أن جنازته بين يديه". أخرجه من طريق الأوزاعي عن يحيىٰ بن أبى كثير عن أبى قلابة عن أبى المهلب عنه، و لأبى عوانة من طريق أبان وغيره عن يحيىٰ: "فصلينا خلفه، و نحن لا نرى إلا أن الجنازة قدامنا". (فتح البارى، كتاب الجنائز، باب الصفوف على الجنازة : ۲۴۳/۳، قديمى)

(۳)"عن عبد الله بن أبى بن أبى بكرقال : لما التقى الناس بمؤتة جلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و كشف مابينه و بين الشام، فهو ينظر إلى معركتهم، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"أخذ الراية زيد بن حارثة، فمضى حتى استشهد" و صلى عليه و دعا له و قال:"استغفروا له دخل الجنة، و هو يسعى،ثم أخذ الراية جعفر بن أبى طالب فمضى حتى استشهد". و صلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و دعا له، و قال:" استغفروا له، دخل الجنة فهو يطير فيها بجناحين حيث شاء". (المرقاة، كتاب الجنائز، باب المشى بالجنازة والصلوة عليها، الفصل الأول: ۱۴۰/۴، رشيديه)

اللہ تعالیٰ حفاظت کرنا چاہیں تو دشمنوں کے بیچ میں حفاظت کریں، نہ چاہیں نہ کریں

سوال[۷۴]: اولیاء سے مانگنے سے متعلق آپ نے صحیح تحریر فرمایا کہ خدا سے مانگنا چاہئے، کوئی مسلمان اولیاء سے اگر یہ التجا کرے کہ اے حضرت فلاں! ہم اللہ کے گناہگار بندے ہیں، ہماری رسائی ویسی نہیں ہے جیسا کہ آپ کی ہے چونکہ آپ اللہ کے ولی اور برگزیدہ بندے ہیں، دعا فرمائیے کہ ہمارا فلاں فلاں کام ہو جائے۔ حیدر آباد میں ایک درگاہ حضرت یوسف شریف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، مولانا مفتی صاحب! یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب میں بغرض حاضری احاطۂ درگاہ میں قدم رکھتا ہوں تو میرے دل و دماغ کو ایک قسم کا سکون ملتا ہے، قلبی سکون حاصل کرنے کے لئے میں حاضر دربار ہوتا ہوں، اس سے میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ وہ ولی اللہ ہیں اور اللہ کے خاص بندے ہیں اور ان کے دربار میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، جب کوئی انسان بلا مذہب وملت احاطہ رحمت میں قدم رکھتا ہے تو ایک مسلمان کا ایمان یہ ہے کہ اس کے بلیات، بیماری ضرور دور ہو جاتے ہیں اور اس کو قلبی و دماغی سکون ملتا ہے اور یہ کہ صرف خدا تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے نہ کہ بزرگ محترم کی دَین، کوئی مسلمان اگر ایسے برگزیدہ بزرگان دین اور اولیاء اللہ سے نگاہ کرم کی بھیک مانگے تو کیا یہ مناسب نہیں؟

اگر پیر میں زخم آجائے تو ایک ڈاکٹر جو کافر ہوتا ہے اس کو بلواتے ہیں اور مرہم لگاتے ہیں تو کیا اپنی مصیبت میں اگر ہم مدد کے لئے (غیر اللہ کا تصور کر کے) اگر ہم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضرت غوث پاک کا نام لیں اور ان کا ذکر کر کے حق تعالیٰ سے دعاء کریں تو کیا یہ مناسب نہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں حکم دیتا ہے کہ اے مومنو! تم ایک دوسرے کے مددگار بن جاؤ۔ جب اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کو مددگار بن جانے کا حکم دے رہا ہے تو پھر ہم اپنی مدد کے لئے اگر بزرگان دین کو پکاریں تو جائز نہیں اور ایک ڈاکٹر جو کافر ہے اس سے مصیبت میں مدد مانگتے ہیں، چونکہ مردہ مرتا نہیں زندہ رہتا ہے، خدائے پاک کی رحمت کا نزول اس بزرگ کے دربار میں ہوتا ہے اور ہم بلا مذہب وملت اس سے فیضیاب ہوتے ہیں، تو آیا یہ مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و برگزیدہ بندوں پر بیشمار رحمت کی بارش ہوتی ہے، ان کی قبر کے قریب پہونچ کر بے مثال سکون نصیب ہوتا ہے اور ان کی قبر کے پاس اور ان کے وسیلہ سے دعاء خدائے پاک سے مانگی جائے تو جلد قبول ہوتی ہے، نیز ان کی برکت سے اللہ پاک مصائب کو دور فرماتے ہیں، یہ دوسرے

حضرات کا بھی تجربہ ہے، لیکن براہ راست ان صاحب قبر بزرگ کو خطاب کر کے ان سے مانگنا اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہے(۱)، جو بات جس قدر ثابت ہے اس کو تسلیم کیا جائے، جو ثابت نہ ہو اس سے پرہیز کیا جائے۔

جب تک آدمی اس دنیا میں زندہ ہے اس کے احکام اَور ہیں، جب اس کی وفات ہوگئی اس کے احکام بھی دوسرے ہوگئے، برزخ کے احکام کو دنیا کے احکام پر قیاس کرنا صحیح نہیں، بزرگان دین کو بھی وفات ہونے پر غسل وکفن دیکر نماز جنازہ پڑھ کر قبر میں دفن کیا جاتا ہے شریعت کا حکم ہے، صحابہ کرام، اولیاء اللہ سب کے لئے یہی حکم ہے(۲)، شہید کو غسل نہیں دیا جاتا، وفات کے بعد مال بھی ترکہ میں تقسیم ہوجاتا ہے، بیوی بھی عدت گزار کر نکاحِ ثانی کی مختار ہوتی ہے، وفات سے قبل زندہ پر یہ حکم جاری نہیں ہوتا(۳) کسی زندہ ڈاکٹر کو آپ دفن کرنے کا حق نہیں رکھتے، دنیوی معاملے کافر کے ساتھ بھی کئے جاتے ہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی یہودی سے قرض لیا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی ہے(۴) اسی طرح اگر آپ کسی کافر ڈاکٹر سے

---

(۱) قال العلامة الآلوسي: "و أما إذا كان المطلوب منه ميتاً أو غائباً فلا يستريب عالم أنه غير جائز، و أنه من البدع التي لم يفعلها أحدٌ من السلف اهـ". (روح المعاني: ۱۲۵/۶، (سورة المائدة: ۳۵)، دار إحياء التراث العربي)

و قال أيضاً: "لم يشك في أن الاستغاثة بأصحاب القبور .... أمر يجب اجتنابه، و لا يليق بأرباب العقول ارتكابه". (روح المعاني: ۱۲۹/۶، (سورة المائدة: ۳۵)، دار إحياء التراث العربي)

(۲) "و أما بيان من يصلى عليه: فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه، صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثىٰ، حراً كان أو عبداً ...... لقول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوا على كل بَرٍ و فاجرٍ" (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من يصلى عليه: ۳۳۶/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "فأما في حق أحكام الدنيا فالشهيد ميت، يقسم ماله و تنكح امرأته بعد انقضاء العدة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في حكم الشهيد في الدنيا: ۳۷۰/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۱۵۲/۱، سورة البقرة: ۵۴، حافظ كتب خانه)

(۴) "عن عائشة (رضي الله عنها) أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اشترى طعاماً من رجل يهودي إلى أجل و رهنه درعاً من حديد". (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب شرى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالنسيئة: ۲۷۷/۱، قديمي)

زخم کی دوالیں، شرعاً اجازت ہے، لیکن کسی بزرگ سے آپ ہی ان کی قبر کے پاس جاکر زخم پر مرہم نہیں لگواتے، آپ ضرور بزرگانِ دین کے مزار مبارک پر جایئے اور موافقِ سنت ہر غلط کام سے بچ کر زیارت بھی کیجئے، ثواب بھی پہونچایئے، دعاء بھی اللہ تعالیٰ سے کیجئے (۱) اور اس طرح دعا بھی کر سکتے ہیں کہ یا اللہ! اپنے مقبول بندوں کے طفیل مجھ گنہگار کی دعا قبول کر، مصیبت کو دور فرما (۲)، مگر براہ راست ان بزرگ سے نہ مانگئے، یہی طریقہ سنت کے موافق ہے، اس میں ان بزرگ کے ساتھ عقیدت بھی صحیح طریقہ پر ہے، ان کا احترام بھی ہے، اتباع سنت بھی ہے، اس سے زائد طویل بحث میں نہ جایئے۔

حق تعالیٰ جل شانہ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ بہت عجیب وغریب ہے، دشمن سے حفاظت کرنا چاہیں تو مکان کا محاصرہ ہونے کے باوجود پوری احتیاط کے ساتھ دشمن سے بچا کر مکہ معظّمہ سے بچالائیں اور غارِ ثور میں بھی حفاظت فرمالیں، دشمن موجود ہے مگر دیکھ نہیں سکتا (۳)۔ دوسرا معاملہ فرمانا چاہیں تو غزوۂ احد میں سارا

---

(۱) "عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: مر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بقبور المدینة، فأقبل علیهم بوجهه فقال: "السلام علیکم یا أهل القبور، یغفر الله لنا و لکم، أنتم سلفنا ونحن بالأثر".

قال القاری تحته: "و إذا زاره یقرأ فاتحة الکتاب و قل هو الله أحد ثلاث مرات، ثم یدعوا له، ولایمسحه، و لا یقبله، فإن ذلک من عادة النصاری". (المرقاة شرح المشکوة: ۳۵۳/۴، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۱۷۶۵، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۴۲/۲، ۳۴۳، کتاب الجنائز، رشیدیه)

(۲) "عن أمیة بن خالد بن عبد الله بن أسید رضی الله عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أنه کان یستفتح بصعالیک المهاجرین".

قال القاری: "(بصعالیک المهاجرین) أی بفُقَرائهم و ببرکة دعائهم و فی النهایة: أی یستنصر بهم .... و قال ابن الملک: بأن یقول: أللهم انصرنا علی الأعداء بحق عبادک الفقراء المهاجرین" (المرقاة شرح المشکوة: ۱۰۰/۹، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۵۲۴۷، رشیدیه)

(۳) "عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قوله تعالیٰ: ﴿إذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک﴾ قال: تشاورت قریش لیلة مکة، فقال بعضهم: إذا أصبح فأثبتوه بالوثاق، یریدون النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و قال بعضهم: بل اقتلوه، و قال بعضهم: بل أخرجوه، فاطلع الله عزوجل نبیّه علی ذلک، فبات=

لشکر اور ہتھیار موجود رہتے ہوئے بھی دندان مبارک شہید ہوجائے، سر مبارک بھی زخمی ہوجائے (۱) حضرت زکریا علیہ السلام کو قوم نے پکڑنا چاہا مگر حفاظت کی گئی، قوم پکڑ نہیں سکی، ایک درخت میں امن دیدیا گیا، دوسرا معاملہ کرنا چاہا تو درخت کے اندر آرہ سے ذبح کرادیا گیا (۲)۔ غرض کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے کام میں

= عليٌّ على فراش النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تلك الليلة، و خرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتى لحق بالغار، و بات المشركون يحرسون علياً يحسبونه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلما أصبحوا ثاروا إليه، فلما رأوا علياً ردّ الله مكرهم فقالوا: أين صاحبك هذا؟ فقال: لا أدري، فاقتصوا أثره، فلما بلغوا الجبل خلط عليهم، فصعدوا في الجبل فمروا بالغار فرأوا على بابه نسج العنكبوت، فقالوا: لو دخل ههنا لم يكن نسج العنكبوت على بابه فمكث فيه ثلاث ليالٍ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱/۵۷۲، ۵۷۳، رقم الحديث: ۳۲۴۱، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في فتح الباري: ۷/۳۰۰، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة رقم الحديث: ۳۹۰۵، قديمي)

(وكذا في عمدة القاري: ۱۷/۶۰، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ......رقم الحديث: ۳۹۰۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۹/۱۹۷، ۱۹۸، (سورة الأنفال، الآية: ۳۰)، دار احياء التراث العربي)

(وكذا في تفسيرابن كثير: ۲/۴۰۱، دار الفيحاء بيروت)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: "اشتد غضب الله على من قتله النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في سبيل الله، اشتد غضب الله على قومٍ دمّوا وجه نبي الله". (صلى الله عليه وسلم). (صحيح البخاري: ۲/۵۸۳، كتاب المغازي، باب ما أصاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الجراح يوم أحد، قديمي كتب خانه)

قال الحافظ: "و مجموع ما ذكر في الأخبار أنه شج وجهه، وكسرت رباعيته، و جرحت وجنته و شفته السفلى من باطنها" (فتح الباري: ۷/۴۷۳، كتاب المغازي، باب ما أصاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الجراح يوم أحد، قديمي)

(كذا في تفسير ابن كثير: ۱/۵۵۲، ۵۵۳، سورة آل عمران: ۱۵۳، دار الفيحاء)

(۲) "وكذلك زكريا عليه السلام، لأنه لما قتل ابنه انطلق هارباً، فأرسل الملك في طلبه غضباً لما =

کیا کیا راز ہیں۔

صاحبِ قبر بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا کہ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجئے ثابت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۲۸/۶/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند ۲۸/۶/۹۵ھ۔

کیا اللہ تعالیٰ اونگھنے پر قادر ہے؟

سوال [۷۵]: کیا اللہ تعالیٰ بھی نیند یا اونگھنے پر قادر ہے؟ اور جو خدائے واحد کی ذات وصفات میں کسی بھی فعل قبیح کی قدرت ہونا مانے، اس کے لئے شرعی حکم کیا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خدائے پاک کی شان اس سے بالاتر ہے: ﴿لا تأخذه سنة و لا نوم﴾ ۔ الاية (۲) کسی بھی فعل قبیح کے ساتھ ذاتِ خداوندی کو متصف ماننا اس کو عیب لگانا ہے جس کی اسلام میں ہرگز گنجائش نہیں، جو شخص ایسا کرتا ہے وہ ایمان سے خارج ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

= حصل لإمرأته من قتل إبنه ، فوجد في جوف شجرة، ففلقوا الشجرة معه فلقتين طولاً بمنشارٍ". (روح المعاني: ۱/۲۷۷، سورة البقرة : ۶۱، دار احياء التراث العربي)

(۱) (راجع ، ص: ۱۳۱ ، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (البقرة : ۲۵۵)

(۳) "إذا وصف الله بما لا يليق به ...... يكفر". (الفتاوى التتارخانية: ۵/۴۶۱، فيما يقال في ذات الله سبحانه، إدارة القرآن)

"فيكفر إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به". (البحر الرائق : ۵/۲۰۲، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية : ۲/۲۵۸، كتاب السير ، باب أحكام المرتدين، و منها ما يتعلق بذات الله تعالىٰ، رشيديه)

خالق مخلوق بننے پر قادر ہے یا نہیں؟

سوال[۷۶]: خالق کسی بھی مخلوق کو جو چاہے بنادے، وہ خود بھی کوئی مخلوق بننے پر قادر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

تمام مخلوق خدائے قادر و مطلق کی پیدا کی ہوئی ہے(۱) خالق کے متعلق یہ سوال کہ وہ خود بھی کوئی مخلوق بننے پر قادر ہے یا نہیں، بے محل سوال ہے، کیونکہ ہر مخلوق حادث و ممکن ہے(۲) اور خدائے پاک واجب و قدیم ہے(۳)۔ جس چیز کے تسلیم کرنے سے ذات وصفاتِ خداوندی میں فرق آجائے وہ محال ہے جیسے خالق کو مخلوق تسلیم کرنا، قدیم کو حادث تسلیم کرنا، واجب کو ممکن تسلیم کرنا، پس اس کا مخلوق بن جانا ممتنع بالذات اور محال ہے(۴)، کوئی مُحال چیز باری تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں، وہ ہر محال سے منزہ و برتر ہے، ایسی چیزوں کو اس کی طرف منسوب کرنا سخت گستاخی ہے۔ فقط. واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۱/۱۲/ ۹۵ھ۔

امکان کذب

سوال[۷۷]: یا موافق قول مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صاحب فتاوی رشیدیہ ''خدا جھوٹ بولنے پر قادر

(۱) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وخلق كل شيء فقدّره تقديراً﴾. (الفرقان: ۲)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و هو الذى خلق لكم ما فى الأرض جميعاً﴾. (البقرة: ۲۹)

(۲) "والعالم: أى ما سوى اللہ تعالىٰ من الموجودات مما يعلم به الصانع يقال: عالَم الأجسام، وعالم الأعراض، وعالم النباتات، و عالم الحيوان إلى غير ذلك ...... بجميع أجزائه من السموات و ما فيها والأرض وما عليها محدث: أى مخرج من العدم إلى الوجود". (شرح العقائد ، ص: ۱۹ ، دهلى)

(۳) "والمُحدِث للعالم هو اللہ تعالىٰ: أى الذات الواجب الوجود الواحد القديم". (شرح العقائد ، ص: ۲۵ ، دهلى)

(۴) "و لا يحتاج إلى شيء أصلاً إذ لو كان جائز الوجود لكان من جملة العالم، فلم يصلح محدِثاً للعالم و مبدءاً له مع أن العالم اسم لجميع ما يصلح عَلَماً على وجود المبدأ له، و قريب من هذا ما يقال: إن مبدأ الممكنات بأسرها لا بد أن يكون واجباً؛ إذ لو كان ممكناً؛ لكان من جملة الممكنات فلم يكن مبدءاً لها". (شرح العقائد، ص: ۲۶ ، دهلى)

ہے'' آیا درست ہے؟ اگر درست ہے تو کیا خدا جھوٹ بولتا ہے، جو خدا جھوٹ بولنے کی طاقت رکھتا ہو تو کیا وہ جھوٹ نہیں بولتا؟ اگر بول سکتا ہے تو اگر خدا کہے کہ تم عبادت کرو، تمہارے لئے جنّت ہے، اگر نہ کرو گے تو دوزخ تو کیا اس قول کو دونوں طرف سے ایک طرف محمول نہیں کر سکتے؟ اگر دونوں طرف یعنی صدق وکذب میں سے کسی پہلو کو لیا جاوے تو کیا ایک طرف کذب نہیں آ سکتا؟ اگر آ سکتا ہے تو نعوذ باللہ خدا پر کذب کی نسبت صادق آتی ہے؟ ۲۱/شعبان ۵۶ھ

الجواب حامداً و مصلياً :

قدرت مستلزمِ صدور نہیں، کذب ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہے، کذب چوں کہ قبیح ہے، اس لئے اس کا صدور باری تعالی سے نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا، جو شخص صدورِ کذب کا قائل ہے وہ کافر ہے، جیسا کہ فتاوی رشیدیہ میں ہے(۱)۔

لیکن صدور نہ ہونے سے قدرت کا سلب لازم نہیں آتا، اگر قدرت نہ مانی جائے تو عجز لازم آتا ہے جو کہ ﴿إن الله على كل شي قدير﴾(۲) کے خلاف ہے، قرآن شریف میں تعریف کے موقع پر فرمایا ہے: ﴿ومن أصدق من الله قيلاً﴾(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدق کی ضد پر قدرت ضرور ہے اور وہ (ضد) کذب ہے، کیونکہ اگر قدرت نہ ہو تو وہ صدق پر مجبور ہوگا، لہذا ایسی شئ بھی کچھ تعریف کے قابل ہوتی ہے کہ جس پر مجبور ہو اور اس کے خلاف پر قدرت نہ ہو، فعل قبیح تو قبیح ہوتا ہے اور فعل قبیح پر قدرت قبیح نہیں ہوتی، اور یہ مسئلہ شرح مقاصد(۴) شرح مواقف(۵) تفسیر کبیر(۶) شامی(۷) وغیرہ سب میں موجود ہے۔

(۱) (فتاوی رشیدیه، کتاب العقائد، ''اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت''، ص:۳۸۹، سعید کراچی)

(۲) (البقرة : ۲۰)

(۳) (النسآء : ۱۲۲)

(۴) ''والجواب، لا نسلم قبح الشيء بالنسبة إليه، كيف و هو تصرف في ملكه، و لو سلم، فالقدرة عليه لا تنافي امتناع صدوره عنه نظراً إلى وجود الصارف، وعدم الداعي وإن كان ممكناً في نفسه''. (شرح المقاصد، الفصل الثالث في الصفات الوجودية، المبحث الثاني إثبات القدرة لله تعالىٰ: ۳/۷۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۵) ''الفرقة (الرابعة : النظام و متبعوه قالوا: لا يقدر على) الفعل (القبيح، لأنه مع العلم بقبحه، سفه =

....

= ودونه جهل، و كلاهما نقص) يجب تنزيهه تعالىٰ عنه (والجواب أنه لا قبيح بالنسبة إليه، فإن الكل ملكه) فله أن يتصرف فيه على أيّ وجه أراد (وإن سلم) قبح الفعل بالقياس إليه (فغايته عدم الفعل لوجود الصارف) عنه، وهو القبح، (وذلک لاينفى القدرة) عليه ". (شرح المواقف، المرصد الرابع، المقصد الثاني في قدرته تعالىٰ: ۸/۷۲، دارالکتب العلمية بيروت)

(۲) "احتج أصحابنا بهذه الآية على أن مقدور العبد مقدور لله تعالىٰ خلافاً لأبي علي وأبي هاشم، و جه الاستدلال أن مقدور العبد شيء و كل شيء مقدور لله تعالىٰ بهذه الآية، فيلزم أن يكون مقدور العبد مقدوراً لله تعالىٰ" . (التفسيرالكبير،(البقرة : ۲۰)،۲/۱۰۹۳، دارإحياء التراث العربى)

"فإن العقلاء أجمعوا علىٰ أنه تعالىٰ منزه عن الكذب، و لأنه إذاجوز الكذب على الله في الوعيد لأجل ما قال : إن الخلف في الوعيد كرم، فلِمَ لا يجوز الخلف أيصاً في وعيد الكفار؟ وأيضاً فإذا جازالخلف في الوعيد لغرض الكرم فلم لا يجوز الخلف في القصص والأخبار لغرض المصلحة؟ و معلوم أن فتح هذاالباب يفضى إلى الطعن في القرآن و كل الشريعة، فثبت أن كل واحد من هذين الوجهين ليس بشيء". (التفسير الكبير،(النسآء : ۹۳)، ۱۰/۲۳۹، دار الکتب االعلمية طهران)

(۷) "هل يجوز الخلف فى الوعيد ؟ فظاهر ما فى المواقف والمقاصد أن الأشاعرة قائلون بجوازه، لأنه لا يُعدّ نقصاً بل جوداً و كرماً، و صرح التفتازاني وغيره بأن المحققين على عدم جوازه، و صرح النسفي بأنه الصحيح لاستحالته عليه تعالىٰ، لقوله : (وقد قدمت إليكم بالوعيد ما يبدل القول لديّ) و قوله تعالىٰ: ﴿ و لن يخلف الله وعده﴾: أي وعيده، و إنما يمدح به العباد خاصةً، .... والأشبه ترجح جواز الخلف فى الوعيد فى حق المسلمين خاصةً دون الكفار توفيقاً بين أدلة المانعين المتقدمة وأدلة المثبتين التى من نصها قوله تعالىٰ: ﴿ إن الله لايغفر أن يشرک به و يغفر مادون ذلک﴾ و قوله عن إبراهيم : ﴿رب اغفر لي و لوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب﴾، و أمر به نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بقوله تعالىٰ : ﴿ واستغفروا لذنبک وللمؤمنين والمؤمنات﴾ و فعله عليه السلام كما في صحيح ابن حبان ،أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أللهم اغفر لعائشة ماتقدم من ذنبها و ما تأخر، ما أسرت و أعلنت"،ثم قال :"إنها لدعائى لأمتي في كل صلاة) ". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب فى الدعاء المحرم، و فى خلف الوعيد، و حكم الدعاء بالمغفرة للكافر ولجميع المؤمنين: ۱/۵۲۲، ۵۲۳، سعيد)

جہد المقل (۱) المہند وغیرہ میں اس کو خوب بسط سے بیان کیا گیا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۸/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم، ۴ رمضان ۵۶ھ۔

مسئلہ امکان کذب اور الفتح المبین میں تلبیس

سوال [۷۸]: مارچ ۷۵ میں مقام کوسیار میں علماء دیوبند وعلماء بریلوی میں مناظرہ ہوا، مخالفین کی طرف سے محمد حسن سنبھلی اور اپنی طرف سے مقامی علماء تھے، ہمارے علماء بوجوہ چند جواب نہ دے سکے، اہم اعتراض ان کا امکان کذب تھا، حضرت گنگوہیؒ نے فتاوی رشیدیہ میں لکھا ہے کہ "وقوع کذب معنیٰ ہو گیا" (۳)، حضرت شیخ الہند نے الجہد المقل میں امکان کذب کو ثابت کیا ہے (۴)، براہین قاطعہ میں خلفِ وعد کو خلف وعید کی فرع لکھ کر امکان کذب کا اعتراف کیا ہے (۵) دلائل سے قطع نظر مولانا عبدالعلی صاحب آسی مدراسی نے ایک کتاب (فتح المبین مع تنبیہ الوہابین) بجواب ظفر المبین لکھی تھی، مولانا آسی کی کتاب ۱۸۹۲ء میں بار دیگر طبع ہوئی، اس کتاب کا ایک ضخیم ضمیمہ ہے، جس میں عقائد غیر مقلدین وہابیہ نجدیہ کو شمار کر کے اس کورد کیا ہے، غیر مقلد وہابیہ نجدیہ کا عقیدہ ہے کہ "خدا جھوٹ بول سکتا ہے" ان عقائد کے رد میں علماء دیوبند میں سے حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے دستخط ہیں، مہریں بھی ثبت ہیں، ان کے علاوہ علماء دہلی، لکھنؤ، کان پور، لدھیانہ، رامپور وغیرہ کے دستخط ہیں اور مہریں بھی ہیں۔ اس کے باوجود اکابرین دیوبند امکان کذب کے قائل ہیں، جیسا کہ فتاوی رشیدیہ، الجہد المقل، براہین قاطعہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ تو مولانا آسی مدراسی

---

(۱) (جهد المقل فی تنزیه المعزّ والمذل، مکتبه مدنیه لاهور)

(۲) (المهند علی المفند، ص: ۷۹، السوال الرابع والعشرون، مجیدیه ملتان)

(۳) معنی کے بجائے لفظ صورت کذب کا ذکر ہے۔ (فتاوی رشیدیه، ص: ۹۶، کتاب العقائد، نقل خط حضرت سیدنا حاجی امداد اللہ صاحبؒ ...... در مسئله امکان کذب الخ، سعید)

(۴) (الجهد المقل فی تنزیه المعز والمذل، مکتبه مدنیه اردو بازار لاهور)

(۵) (براهین قاطعه بجواب انوار ساطعه، ص: ۶، دار الاشاعت کراچی)

کی کتاب ''ضمیمہ فتح المبین مع تنبیہ الوہابین'' میں ان حضرات کی تصدیقات اور دستخط ومواہر کیوں ثبت ہیں؟ اس کتاب میں غیر مقلدین وہابیہ کے عقیدے میں ''یا شیخ عبد القادر شیئا للہ'' کو شرک کہنا اور اس کے عدم جواز کے قول کو ان ہی حضرات نے رد کر کے دستخط ومواہر ثبت کی ہیں، پھر راہ سنت اور فتاوی دار العلوم دیوبند میں ان چیزوں کو ناجائز کیوں لکھا گیا؟

مذکورہ بالا مناظرہ کے بعد تقریباً تیس میل تک عوام علمائے دیوبند کے عقائد سے متنفر ہو چکے ہیں، اس لئے آپ سے عرض ہے کہ علمائے دیوبند کے اقوال میں جو تعارض، بلکہ خود اپنے اپنے قول کا رد ثابت ہو رہا ہے، اس کو نہایت سیر حاصل طور پر حل فرما کر ہمارے عوام کو بچائیں۔ فقط عبد الحلیم قاسمی بھوجا گاؤں پوسٹ کدالدا ضلع مغربی دیناجپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

''الفتح المبین'' کو مبتدعین نے طبع کرایا اور ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا جو کہ مصنف الفتح المبین کا نہیں اور علماء کرام کے جو دستخط ''الفتح المبین'' کے آخر میں تھے ان کو ضمیمہ کے ختم پر منتقل کر دیئے، تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ علمائے کرام اس ضمیمہ کے موافق اور مؤید ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کس قدر بڑی تلبیس اور فریب کاری ہے، جب مصنف ''الفتح المبین'' کو اس کی اطلاع ہوئی تو مصنف مرحوم ومغفور نے اطلاعِ عوام کے لئے اشتہار شائع کیا اور فریب کاری کو ظاہر کر کے اس سے اپنی پوری برأت کی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اہل مطبع نے تمام دنیا کے رطب ویابس بدعات لکھ کر ان مہروں کو آخر میں لکھ دیا اور اکثر بدعات ورسومات مروجہ کی اباحت ومشروعیت اس میں درج کی ہے، میں بہ ہزار جان اس قسم کے عقائد واعمال سے بیزار ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ کوئی صاحب مواہیر کو آخر ضمیمہ میں دیکھ کر یہ خیال نہ فرمائیں کہ مؤلف کتاب اور علمائے دیوبند مصدقین ومصوبین کتاب موصوف ''الفتح المبین'' کل مندرجہ ضمیمہ کے قائل ہیں۔ حاشا ثم حاشا، اہل مواہیر وبندہ نحیف ایسی بدعات ورسومات نامشروع اور ان پر مہر کرنے سے بری ہیں، کیونکہ اس ضمیمہ میں بہت سے مسائل بلا دلیل درج ہیں، اور نہ قرآن شریف وحدیث شریف اور اقوالِ ائمہ مجتہدین سے ان کا ثبوت ہے، فقط رسوم اور بے اصل امور ہیں، ان کو داخل عبادات اور حسناتِ شرعیہ کرنا بڑی جہالت ہے۔ یہ صرف اہل مطبع کی چالاکی ہے کہ عوام کو دھوکہ دیکر بدعات ورسومات کو اس تدبیر سے رواج دیں۔ (لیحق الحق و یبطل

الباطل و لو کرہ المجرمون)(۱)۔

مجھ بندہ نحیف کو بوساطت جناب تقدس مآب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب محدث نانوتوی وحضرت مولانا محمد احمد علی صاحب محدث سہارنپوری اطمر اللہ علیہم شآبیب رضوانہ خاندان حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب سے علاقہ استناد ہے۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب، حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب، حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب، حضرت مولانا احمد علی صاحب، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہم وارضاہم، ان بزرگوں کے جو عقائد واعمال کہ ان کی تصانیف اور فتووں سے بخوبی واضح ہیں، وہی عقائد واعمال اس بندہ نحیف کے تصور فرمائیں۔

بالجملہ سب حضرات متنبہ رہیں اور مضامین مندرجہ ضمیمہ سے مجھ نحیف اور جملہ علمائے حقانی کو بری رکھیں اور خود ان عقائد واعمال سے حذر کریں، ورنہ بجائے نفع آخرت نقصان اٹھائیں گے، اور جن حضرات کے پاس کتاب ہذا موجود ہو، وہ اشتہار ہذا اس کے آخر میں منضم کرلیں اور جہاں کہیں کتاب کی خبر پائیں، اشتہار کے پہونچانے میں کوشش بلیغ کریں اور جو صاحب پھر اس کتاب مذکور کے طبع کا قصد فرمائیں، مضامین زوائد مرقومہ ضمیمہ مذکور جو میرے نہیں ہیں، خارج کر کے طبع کرادیں یا مع اشتہار ہذا کے طبع کرادیں، تاکہ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں اور کوئی دھوکہ نہ کھاوے۔و ما علینا الا البلاغ المبین“۔

کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں اشتہار اسی کتاب کے ساتھ موجود ہے، امید ہے کہ اہل علم حضرات اور اہل فہم عوام کی الجھنیں بڑی حد تک دور ہوجائیں گی اور اب وہ الفتح المبین کے ضمیمہ کے مضامین کو نہ الفتح المبین کے مصنف کی طرف منسوب کریں گے، نہ ان اکابر علماء حق کی طرف منسوب کریں گے، جن کے دستخط کتاب ”الفتح المبین“ کے ختم ہونے کے بجائے ضمیمہ کا اضافہ کر کے ختم پر کردیئے گئے، خدائے پاک ایسے دجل وفریب کرنے والوں کا انتظام فرمائے، دیانتداری وخوفِ آخرت ان کو عطا فرمائے۔

اب رہ گیا امکان کذب کا مسئلہ تو یہ درحقیقت سیدھی سادی صاف بات کو بگاڑا گیا ہے، جس سے مقصود عوام مسلمانوں کو دھوکا دیکر علمائے حق سے بدظن ومتنفر کرنا ہے۔ اصل مسئلہ توسیع قدرت کا ہے، جس کا عنوان بگاڑ کر لوگوں کے سامنے وحشت ونفرت پھیلائی جاتی ہے۔ (فتاوی رشیدیہ، قرآن محل ص:۹۰) میں ہے(۲):

---

(۱) (سورہ الأنفال:۸)

(۲) (فتاوی رشیدیہ، ص:۹۳، ۹۴، کتاب العقائد ، اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت، سعید)

''ذات پاک حق تعالی جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے، اس سے کہ متصف بصفتِ کذب کیا جاوے-معاذ اللہ تعالیٰ-اس کے کلام میں ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے۔قال اللہ تعالیٰ: ﴿و من أصدق من اللہ قیلاً﴾ (۳) جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے اور مخالف قرآن اور حدیث کا اور اجماع امت کا ہے، وہ ہرگز مومن نہیں۔﴿تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً﴾۔

البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان سب کا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مثلِ فرعون وہامان وابی لہب کو قرآن میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، وہ حکم قطعی ہے، اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا، مگر وہ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دیدیوے، عاجز نہیں ہوگیا، قادر ہے، اگر چہ ایسا اپنے اختیار سے نہ کریگا۔قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لو شئنا لآتینا کل نفس – تا– من الجنة والناس أجمعین﴾ (۲) اس آیت سے واضح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو سب کو مؤمن کر دیتا، مگر جو فرما چکا ہے اس کے خلاف نہ کرے گا اور یہ سب اختیار سے ہے، اضطرار سے نہیں، وہ فاعل مختار ہے، ﴿فعال لما یرید﴾ ہے (۳) یہ عقیدہ تمام علماء امت کا ہے، چنانچہ تفسیر بیضاوی شریف میں تحت قولہ تعالیٰ: ﴿إن تغفر لهم﴾ الخ (۴) لکھا ہے کہ عدم غفران شرک مقتضی وعید کا ہے ورنہ کوئی امتناع ذاتی نہیں، اور یہ ہے عبارت اس کی: "وعدم غفران الشرك مقتضى الوعيد فلا امتناع فيه لذاته"۔ (۵) واللہ اعلم بالصواب''۔

کتبه الأحقر رشید أحمد گنگوھی عفی عنه

ص:۲۰۴ پر اس مسئلہ کو لکھ کر آخر میں تحریر فرمایا ہے: ''اس کو اعداء نے دوسری طرح بیان کیا ہوگا''۔ (براہین قاطعہ (۶) اور جہد المقل میں بھی یہی ہے۔

اہل علم حضرات کے لئے اتنا کافی ہے، عوام کو ان کے ذہن کی صلاحیت کے اعتبار سے خود سمجھا دیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱/۴/۹۵ھ۔

---

(۱) (النسآء: ۱۲۲) (۲) (السجدة: ۱۳) (۳) (البروج: ۱۶)

(۴) (المائدة: ۱۱۸) (۵) (تفسیر البیضاوی: ۱/۲۹۱، دارلکتب العلمیة بیروت)

(۶) (براھینِ قاطعه لخلیل احمد السهارنفوری)

محال کے ساتھ ممکن ماننا

سوال[۷۹]: محال کے ساتھ ممکن ماننا گویا پھولوں کی خوشبو میں گھاس لپٹ کے وجود کو ماننا ہوا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ممکنات پر قادر ہونا صفتِ کمال ہے، عاجز ہونا نقص ہے، جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے، محالات سے پاک ہونا صفتِ کمال ہے، محالات سے متصف ہونا نقص ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۱/۱۲/ ۹۵ھ۔

کیا اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے؟

سوال[۸۰]: زید کہتا ہے کہ معراج شریف میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نو بار تشریف لے گئے اور ہر بار پانچ وقت کی نماز معاف ہوئی، اگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب تھا تو یہ پہلی ہی بار سب معاف کر دیتا، اس معنی کر کے اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

معراج کا واقعہ ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے(۲) اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے بار بار

---

(۱) "لأن بداهة العقل جازمة بأن محدث العالم على هذا النمط البديع والنظام المحكم مع ما يشتمل عليه من الأفعال المتقنة والنقوش المستحسنة لا يكون بدون هذه الصفات على أن أضدادها نقائص يجب تنزيه الله تعالىٰ عنها". (شرح العقائد النسفية، ص: ۲۶، ۲۷، سعيد)

"بخلاف مثل العلم و القدرة، فإنها صفات كمال تدل المحدثات على ثبوتها، و أضدادها صفات نقصان". (شرح العقائد، ص: ۳۰، سعيد)

"لأن الجهل بالبعض والعجز عن البعض نقص و افتقار". (شرح العقائد، ص: ۳۱، سعيد)

(۲) " فالذى عليه أئمة النقل: أن الإسراء كان مرةً واحدةً بمكة بعد البعثة قبل الهجرة بسنة، قال شمس الدين ابن القيم: ياعجباً لهؤلاء الذين زعموا أنه كان مراراً، كيف ساغ لهم أن يظنوا أنه فى كل مرة يفرض عليهم الصلوات خمسين، ثم يتردد بين ربه و بين موسى حتى تصير خمساً". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۲۴، قديمى) =

جا کر درخواست کرتے اور ہر درخواست پر معاف کرنے کی نوبت آئی ہے(۱)۔

اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا نص قطعی سے ثابت ہے(۲)، اس کا انکار نص قطعی کا انکار ہے جو کہ موجب کفر ہے(۳)۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عالم الغیب ہونے کی خود نفی فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنے علم غیب کی نفی کر دیں: ﴿قل لاأقول لكم عندى خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "ان المعراج مرتان: مرة بالنوم و أخرى باليقظة". (مرقاة المفاتيح، باب فى المعراج ١٠/١٥٢، رشيديه)

(وكذا فى تفسير ابن كثير، (الإسراء : ١): ٣/٢٢، دار القلم بيروت)

(١) و فى حديث المعراج : "ثم فرضت عليّ الصلاة، خمسين صلاةً كل يوم، فرجعت فمررت على موسى، فقال : بماأمرت ؟ قلت : أمرت بخمسين صلاةً كل يوم . قال : إن أمّتك لا تستطيع خمسين صلاةً كل يوم، وإني والله قد جرّبت الناس قبلك، و عالجت بنى اسرائيل أشد المعالجة، فارجع إلى ربك فسله التخفيف لأمتك.......... فرجعت إلى موسىٰ، فقال : بما أمرت ؟ قلت : أمرت بخمس صلوات كل يوم قال: .... فارجع إلى ربك فسله التخفيف لأمتك، قال: سألت ربي حتى استحييت ولكني أرضى وأسلم .... الخ". (مشكوة المصابيح، باب فى المعراج: ٢/٥٢٨، قديمى)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿و عنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو، و يعلم ما فى البرّ والبحر﴾. (الأنعام : ٥٩)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل لايعلم فى السموات والأرض الغيب إلا الله﴾. (النمل : ٦٥)

"و بالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه، و لا سبيل للعباد إليه إلا بإعلام منه و إلهام بطريق المعجزة أوالكرامة أوالإرشاد إلى الإستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ١٥١، قديمى)

(٣) "فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة" (رد المحتار: ٣/٤٦، كتاب النكاح، مطلب مهم فى وطء السرارى، سعيد)

(٤) (الأنعام : ٥٠)

کیا ہر وقت دیدار خداوندی ممکن ہے؟

سوال[۸۱]: زید کہتا ہے کہ مجھے ہر وقت ایسا دیدار رہتا ہے کہ بغیر اس کے میرا چلنا اور سکون مشکل ہے اور یہ شعر پڑھتے رہتے ہیں ۔ ورنہ تو پھر ہی دیکھیں گے میں نے تجھ کو دیکھ لیا

اور نماز وغیرہ پڑھتے ہیں اور لوگ ان کے مرید بھی ہیں، اس قسم کی باتوں سے عوام کے عقیدے خراب ہونے کا ڈر ہے، ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ تو ممکن ہے کہ کسی شخص کو ایسا استحضار حاصل ہو جائے کہ غفلت نہ ہو، لیکن یہ دیکھنا ان آنکھوں سے دیکھنا نہیں ہے، بلکہ دل میں یہ ایک تصور ہے(۱) قرآن میں ہے:﴿لاتدركه الأبصار﴾ (۲) ''یہ آنکھیں اس ذات پاک کا ادراک نہیں کرسکتیں''، مگر جن کو یہ تصور حاصل ہو جاتا ہے وہ دعوی کرتے اور کہتے نہیں پھرا کرتے، اس سے عوام کے عقیدے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "وأقره الشيخ علاء الدين القونوي في شرحه وقال : إن صحّ عن أحد دعوى نحوه، فيمكن تأويله بأن غلبة الأحوال تجعل الغائب كالشاهد، حتى إذا كثر اشتغال السرّ بشيء واستحضاره له، يصير كأنه حضر بين يديه انتهى. و يؤيده حديث : "(الإحسان أن تعبد الله كأنك تراه)" و كذا حديث عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه : "(حال الطواف كنا نترائ الله) وقال صاحب عوارف المعارف في كتابه "أعلام الهدى وعقيدة أرباب التقى" : أن رؤية العيان متعذرة في هذه الدار، لأنها دار الفناء، والآخرة هي دار البقاء". (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص : ۱۲۳ ، قديمى)

"و حال الشهود و ليس له الرؤية و لكنه كالرؤية كما قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"اعبد الله كأنك تراه". و هذه هي حالة المشاهدة التي أشار إليها القوم بتوالي التجلي على قلبه، فصار كالعيان في حاله". (الفتاوى الحديثية، مطلب ما معنى توحيد الصوفية الموهم للحلول والاتحاد الموجب لكثير من الفقهاء الاعتراض، ص:۴۳۷، قديمى)

(۲) (الأنعام : ۱۰۴)

اللہ میاں کہنا

سوال[۸۲]: اللہ میاں کہنا کیسا ہے یعنی جائز ہے کہ نا جائز؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

''اللہ میاں'' کہنا درست ہے اردو میں یہ لفظ اس موقعہ پر تعظیم کے لئے بولا جاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

کیا گاڈ خدا کا نام ہے؟

سوال[۸۳]: ایک شخص نے دوران گفتگو اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ گاڈ (انگلش) کہہ کر کوئی بات سمجھانی چاہی جس پر ایک صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا: گاڈ، فاڈ، راڈ، ساڈ، میں کیا جانوں (حالانکہ وہ انگلش بھی جانتے ہیں) آپ اردو میں سمجھایئے، جب اللہ تعالیٰ کے ۹۹/ نام ہیں انہیں ناموں میں سے کسی نام سے سمجھایئے، عربی یا اردو میں کہئے یہ مسئلہ ہم لوگوں کے درمیان بہت ہی پیچیدہ بن گیا ہے، کیا اس شخص کا لفظ گاڈ کو اٹھلانا، بگاڑنا اور بری طرح سے ادا کرنا درست ہے یا اس لفظ کا احترام کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اپنے محاورات اور بول چال میں اللہ تعالیٰ کا ایسا نام لینا اولیٰ اور مناسب ہے جو قرآن شریف اور حدیث شریف سے ثابت ہو، تاہم ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں، ان کا بھی ادب واحترام لازم ہے، یہ بات

---

(۱) "من الأسماء التوقيفية عَلَم، و منها ألقاب و أوصاف و ترجمة اللفظ بمنزلته، فالأسماء العجمية ترجمة تلك الألقاب والأوصاف، و لذا انعقد الإجماع على إطلاقها، نعم لا يجوز ترجمة العَلَم، فالله عَلَم والباقي ألقاب و أوصاف بخلاف المرادف العربي للأسمآء العربية، لأنها لا ضرورة إلى إطلاقها فلا يؤذن فيها، أما العجم فيحتاجون إلى الترجمة للسهولة في الفهم". (امداد الفتاوی: ۵۱۳/۴، مسائل شتی، دارالعلوم کراچی)

(وكذا في اليواقيت والجواهر لعبد الوهاب الشعراني، ص: ۷۸، مصر)

جانتے ہوئے کہ فلاں لفظ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس کی بے ادبی کرنے کا حق نہیں، اس سے پورا پرہیز لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۹ھ۔

اسماء الٰہی دوسری زبانوں میں

سوال[۸۴]: ''شحنۂ شریعت'' رسالہ میں ہے کہ اللہ کو صرف انہیں ناموں سے یاد کرنا لازم ہے جو قرآن میں بتلائے گئے ہیں: جیسے رحمٰن، ستار، غفار وغیرہ اور اللہ پاک کو ایسے اسماء سے موسوم نہ کرنا چاہئے، جو اس میں نہیں بتلائے گئے معنی خواہ اس کے اچھے ہوں خواہ خراب جیسے: ''گاڈ، ایزد، یزدان، رام، ایشور، پرمیشور، پروردگار'' وغیرہ۔ اگر فارس کا رہنے والا فارسی زبان میں ''خدا'' کہتا ہے جو اس کی مادری زبان ہے، اسی طرح ہندوستان کا رہنے والا جس کی مادری زبان ہندی ہے، ہندی زبان میں ''رام'' کہتا ہے، پھر خدا اور رام میں کیا فرق ہے، اگر خدا کہنا جائز ہے تو رام کہنا کیوں ناجائز ہے؟ اگر ایک فارس کا رہنے والا کافر اپنی فارسی زبان میں اللہ کو ''خدا، ایزد، یزدان'' کہتا ہے اور عیسائی اپنی زبان میں ''گاڈ''، یزیدی اپنی زبان میں ''شیطان'' کہتا ہے، حبشی اپنی زبان میں ممبو کہتا ہے، آریہ اپنی زبان میں پرچودیات کہتا ہے پرکھودراجمبو، بمبو، بھگوان کہتا ہے، ان کا یہ کہنا اسلام کے قبول کرنے کے بعد بھی کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ اور اگر اسلام کے بعد بھی اس نام سے اللہ کو

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و للہ الأسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا﴾ ..... عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : " إن للہ تعالیٰ تسعۃ و تسعین إسماً، مائۃ إلا واحدۃ، من أحصاھا دخل الجنۃ". (التفسیر المظہری :۳/۴۳۶، تفسیر سورۃ الأعراف ، حافظ کتب خانہ)

" و منہا أن للہ مائۃ اسم غیر اسم، من دعا بہا استجاب اللہ لہ". (حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین: ۲/۱۱۳،قدیمی)

"ھی معظمۃ فی کل لغۃ مرجعہا إلی ذات واحدۃ، فإن اسم اللہ لا یعرف العرب غیرہ، و ھو بلسان فارسی "خدا" أی بلسانہ الحبشۃ "واق" و بلسان الفرنجی "کریطرد روا". بحث علی ذلک فی سائر الألسن، تجد ذلک الاسم الإلہی معظماً فی کل لسان من حیث لا یدل علیہ". (الیواقیت والجواہر ، ص:۷۸)

(و کذا فی امداد الفتاویٰ :۴/۵۱۳، مسائل شتیٰ ، دارالعلوم کراچی)

پکارتے ہیں تو اسلام اور کفر مسلمان اور کافر میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔

محض اس امتیاز کے واسطے اللہ نے اسمائے حسنیٰ سے واقف کر دیا اور کوئی حجت باقی نہ رہی، تفصیلی جواب دیجئے، شاید ان کی سمجھ میں آجائے اور اصلاح ہو جائے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر مراد یہ ہے کہ جواز کا دار مدار صرف ان ناموں پر ہے جو کہ قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں تو بڑی دِقت پیش آجائے گی، اس لئے کہ شاید قرآن شریف میں تمام اسماء حسنیٰ بھی موجود نہ ہوں، نیز کتب سابقہ: توراۃ، انجیل، زبور، صحف ابراہیم وموسیٰ کیا سب عربی ہی میں ہیں اور ان میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء مبارکہ مذکور ہیں، ان کے متعلق صاحب شحنہ کیا کہیں گے؟

بوستان، سکندر نامہ، مثنوی مولانا روم جن میں بیشتر مواقع میں دعائیں ہیں اور فارسی کے بہت سے اسماء سے خطاب کیا گیا ہے، کیا ان سب کا پڑھنا ناجائز ہے حالانکہ ان کتب کی تعلیم صدیوں سے بلکہ زمانہ مجتہدین سے مدارس میں ہوتی چلی آرہی ہے اور تصوف، حدیث، فقہ، تفسیر کا بہت بڑا ذخیرہ فارسی اور اردو وغیرہ میں موجود ہے اور مصنفین نے اس کا اہتمام نہیں کیا کہ اسماء حسنیٰ مذکور فی القرآن ہی سے تعبیر کریں، شیخ محی الدین ابن عربی نے ایک ہزار نام اللہ پاک کے تحریر کئے ہیں (۱) (كذا في الطحطاوي، ص: ٥) (٢)۔

کتب عقائد، شرح مواقف، شرح مقاصد، شرح عقائد، مسامرہ، شرح فقہ اکبر میں بھی اسماء حسنیٰ کے

---

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿و لله الأسماء الحسنىٰ فادعوه بها﴾ قال الحافظ أبو بكر بن العربي عن بعضهم: إن لله تعالىٰ ألف اسم، قال ابن العربي: و هذا قليل فيها". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٣٩٦، سعيد)

"قال أبو البقاء و لو قلت: لاسم الله أو باسم ربي أتيت الألف و نحوه مما أضيف إلى غير الجلالة من أسماء الباري نحو باسم الخالق. و ذكر الفقيه الإمام أبو بكر العربي أحد أئمة المالكية في كتابه "عارضة الأحوذي في شرح الترمذي" أن بعضهم جمع من الكتاب والسنة، من أسماء الله ألف اسم فالله علم". (تفسير ابن كثير: ٢/٣٥٨، دار السلام)

(وكذا في تفسير روح المعاني: ٩/١٢٢، دار إحياء التراث العربي)

(٢) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، المقدمة: ١/٣، دار المعرفة)

علاوہ دوسرے اسماء بھی ذکر کئے ہیں، اگر صاحب شحنہ یہ کہتے کہ نماز میں دوسرے ناموں یا دوسری زبان کے ناموں سے احتراز کرنا چاہئے تب بھی ان کا کہنا ایک حد تک صحیح ہوتا، اگر چہ یہ بھی اجماعی چیز نہیں کیونکہ بعض ائمہ کے نزدیک فارسی میں تکبیر تحریمہ کہنا اور فارسی میں قرأت کرنا درست ہے (۱) اور بعض کے نزدیک اذکار صلوٰۃ کو مطلقاً ہر زبان میں پڑھنا درست ہے (کذا فی ردالمحتار: ۱/ ۲۲۵) (۲)۔

تفصیل دیکھنی ہو تو آ کام النفائس دیکھئے، شیخ عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر کے ص:۸۷ پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء جس زبان میں ہیں سب کے سب قابل تعظیم واحترام ہیں: "فإن قلت: فهل يعم تعظيم الأسماء جميع الألفاظ الدائرة على ألسنة الخلق علىٰ اختلاف طبقاتهم وألسنتهم؟ فالجواب: نعم، هى معظمة فى كل لغة مرجعها إلىٰ ذات واحدة، فإن اسم الله لا يعرف العرب غيره، و هو بلسان فارسى "خدا" أى بلسانه الحبشة "واق" و بلسان الفرنجى "كريطرد روا"، بحث على ذلك فى سائر الألسن تجد ذلك الأسماء الإلهى معظماً فى كل لسان من حيث

---

(۱) "و أما صحة الشروع بالفارسية و كذا جميع أذكار الصلاة فهى على الخلاف، فعنده تصح الصلوة بها مطلقاً ...... والظاهر أن الصحة ولاتنفى الكراهة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب فى الدعاء بغير العربية: ۱/۵۲۱، سعيد)

"قوله: (كما لو قرأ بها عاجزاً): أى لو قرأ بالفارسية حالة العجز عن العربية، فإنه يصح، و هذا بالاتفاق". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۶، رشيديه)

(و كذا فى النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۰۶، رشيديه)

(۲) "(كما صح لو شرع بغير عربية) ...... و على هذا بخلاف الخطبة و جميع أذكار الصلاة، و أما ما ذكره بقوله: (أو آمن أولبّى أو سلم أو سمى عند ذبح) أو شهد عند حاكم أو رد سلاماً، و لم أر لو شمت عاطساً (أو قرأ بها عاجزاً) فجائز إجماعاً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۸۴، سعيد)

(و كذا فى التاتارخانية، كتاب الصلوة، افتتاح الصلاة بالتهليل: ۱/۴۴۰، إدارة القرآن)

(و كذا فى النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، رشيديه)

"(قوله: و جعل العينى الشروع كالقرأة) فى أنها لا تجوز بغير العربية إلا عند العجز (قوله: ولا سند يقويه) بل الوجه الجواز، لأن المقصود التعظيم، و هو يحصل بأىّ لغة كانت". (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل الشروع فى الصلوة: ۱/۲۱۷، دار المعرفة)

لا یدل علیه"۔

امام بخاریؒ نے ایسی احادیث پاک بھی ذکر کی ہیں جن میں دوسرے اسماء استعمال کئے گئے ہیں، اگر مراد یہ ہے کہ دوسرے نام اگر چہ دیگر اقوام کے نزدیک خدا ہی کے نام ہیں، لیکن چونکہ وہ دیگر اقوام کے شعار بن چکے ہیں اور مسلم کو غیر مسلم کے شعار سے اجتناب چاہئے تو یہ مراد بھی خلاف شرع نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہیں(۱) مگر اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جا سکتا ہے جو غیر اقوام کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں کیا جا سکتا، جیسے خدا، ایزد، یزدان کہ یہ نام کسی مخصوص غیر مسلم کے شعار نہیں بلکہ بکثرت اہل اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اسماء الٰہی میں الحاد کا مطلب

سوال[۸۵]: اسماء الٰہی میں الحاد کرنے کی تعریف کیا ہے؟ کیا ملحد دائرہ اسلام سے خارج ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ملحد کہتے ہیں سیدھے راستہ سے ہٹنے والے کو، جو شخص شریعت اور اسلام کا سیدھا راستہ چھوڑ کر کسی دوسری طرف چلے، اگر وہ بالکل حدود اسلام سے باہر نکل جائے تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا، بت پرست کہتے تھے کہ لات (بت) لفظ اللہ سے بنا، ہے اور عزیٰ (بت) لفظ: عزیز سے بنا ہے، اور منات (بت) لفظ:

---

(۱) "(الإعطاء باسم النیروز والمهرجان لا یجوز): أی الهدایا باسم هذین الیومین حرام (وإن قصد تعظیمه) کما یعظمه (یکفر)". (الدر المختار).

" والأولیٰ للمسلمین أن لا یوافقهم علی مثل هذه الأحوال لإظهار الفرح والسرور اهـ". (رد المحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۶/۷۵۴، ۷۵۵، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الخنثی، مسائل شتیٰ: ۶/۴۴۶، رشیدیه)

(۲) (فیروز اللغات اردو جامع، مرتبه الحاج مولوی فیروز الدینؒ، ص:۵۸۵، ۱۴۵، ۱۴۶۷، فیروز سنز لمیٹڈ)

(و کذا فی نور اللغات، مولوی نور الحسن نیّر مرحوم: ۲/۱۲۴۴، ۱/۴۲۵، ۴/۱۷۲۳، سنگ میل پبلی کیشنز لاهور)

منان سے(۱)۔قرآن کریم نے کہا کہ یہ اسماء الٰہی میں الحاد ہے، کیونکہ یہ اللہ کے ناموں کا بگاڑنا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "والملحد: و هو من مال عن الشرع القويم إلى جهة من جهات الكفر، من ألحد في الدين حار و عدل .... فالملحد أوسع فرق الكفر حداً: أي هو أعم من الكل". (رد المحتار: ۴/ ۲۴۱، باب المرتد، مطلب: في الفرق بين الزنديق والمنافق، سعيد)

﴿و ذروا الذين يلحدون في أسمائه﴾. الآية، حيث اشتقوا منها أسمآءً لآلهتهم كاللات من الله، والعزى من العزيز، و مناة من المنان". (تفسير الجلالين مع حاشية الصاوي: ۲/ ۱۱۳، بيروت)

"والإلحاد يكون بثلاثة أوجه: أحدها بالتغيير فيها كما فعله المشركون، و ذلك أنهم عدلوا بها عما هي عليه، فسمّوا بها أوثانهم، فاشتقوا اللات من الله، والعزى من العزيز، و مناة من المنان". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۷/ ۲۰۸، بيروت)

ما یتعلق بالإشراک باللہ تعالیٰ و صفاته

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کا بیان)

شرک کی تفصیل

سوال[۸۲]: شرک کے معنی کیا ہیں؟ کیا خدا کے بیٹا، پوتا، یا ایک خدا کے بجائے دوخدا ماننا ہے؟ یا اس کے علاوہ اور کچھ باتیں شرک کی ہیں؟ یا پھر کون کون باتیں شرک کی ہیں؟ بالتفصیل تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خدائے پاک اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے، اس کے مثل اور کوئی ذات ماننا یہ شرک ہے، اس کی صفات کے مثل کسی میں صفات ماننا، یہ شرک ہے۔ جو کام صرف اسی کے لئے کئے جائیں وہ کام کسی اور کے لئے کرنا شرک ہے۔ مرادیں صرف اسی سے مانگی جاتی ہیں، کسی اور سے مانگنا شرک ہے(۱) بہشتی زیور میں بہت سی

---

(۱) "(و لا شيء مثله) اتفق أهل السنة على أن الله ليس كمثله شيء لا في ذاته و لا في صفاته ولا في أفعاله". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، تفسير قوله تعالىٰ: ﴿ليس كمثله شيء﴾، (سورة الشورىٰ: ۱۱)، ص: ۹۸، قديمي)

"أحدهما أن يجعل لله نداً يدعوه كما يدعو الله، ويسأله الشفاعة كما يسأل الله، ويرجوه كما يرجو الله، و يحبه كما يحب الله، و يخشاه كما يخشى الله، وبالجملة فهو أن يجعل لله نداً يعبده كما يعبد الله،و هذا هو الشرك الأكبر و هو الذى قال الله فيه : ﴿ واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً﴾ (النسآء : ۳۶) وقال : ﴿ و لقد بعثنا في كل أمة رسولاً أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت ﴾ (النحل : ۳۶) وقال تعالىٰ : ﴿ ويعبدون من دون الله ما لا يضرهم و لا ينفعهم، و يقولون هؤلاء شفعاؤنا عند الله، قل أتنبّئون الله بما لا يعلم في السمٰوات و لا في الأرض، سبحانه و تعالىٰ عما يشركون ﴾ (يونس :۱۸) وقال تعالىٰ : ﴿ الله الذى خلق السمٰوات والأرض و ما بينهما في ستة أيام، ثم استوى على العرش، مالكم من دونه من ولي و لا شفيع، أفلا تتذكرون ﴾ (السجدة : ۴) والآيات في النهي عن هذا الشرك و بيان بطلانه كثيرة جداً". (تيسير العزيز الحميد شرح كتاب التوحيد، ص: ۳۰، مكتبه دار الباز، مكة)

مثالیں اس کی موجود ہیں (۱) خدا کا بیٹا پوتا ماننا، یا ایک خدا کی بجائے دو یا زیادہ خدا ماننا، یہ بھی شرک ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۸۹ھ۔

شرک فی وجود الوجوب

سوال[۸۷]: شرك في وجوب الوجود اور شرك في العبادة کس کو کہتے ہیں؟ اور شرک کی کل کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جس طرح باری تعالیٰ واجب الوجود ہے، ازلی، ابدی، غیر فانی ہے، اسی طرح کسی اور چیز کو تسلیم کرنا شرک فی وجوب الوجود ہے اور خدائے وحدہ کے ساتھ کسی اور شئی کی بھی عبادت کرنا شرک فی العبادۃ ہے۔ شرک فی الأسماء، شرک فی الصفات، شرک فی الأفعال بھی شرک کی قسمیں ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۷ھ۔

---

(۱) (بہشتی زیور، عقیدوں کا بیان: ۱/۴۵، دارالاشاعت)

(۲) ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۝ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ (الإخلاص)

(۳) "و إنما قلنا: إنه حي قيوم، لأنه واجب الوجود لذاته، و كل ما سواه فإنه ممكن لذاته محدث حصل تكوينه و تخليقه و إيجاده على ما بيّنا كل ذلك في تفسير قوله تعالىٰ: ﴿الله لا إله إلا هو الحي القيوم﴾، وإذا كان الكل محدثاً امتنع كون شيء منها ولداً و إلهاً كما قال: ﴿إن كل من في السموات والأرض إلا آت الرحمن عبداً﴾". (التفسير الكبير: (آل عمران: ۱، ۲)، ۷/۱۵۶، داالكتب العلميه طهران)

"إذا ثبت هذا فاعلم أن علماء نا رضي الله تعالىٰ عنهم قالوا: الشرک علی ثلاث مراتب و كله محرم: وأصله اعتقاد شريک لله في ألوهيته و هو الشرک الأعظم، و هو شرک الجاهلية، و هو المراد بقوله تعالىٰ: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرک به و يغفر ما دون ذلک لمن يشاء﴾ (النسآء: ۴۸). ويليه في الرتبة اعتقاد شريک لله تعالىٰ في الفعل، و هو قول من قال: إن موجودا ما غير الله تعالىٰ يستقل بإحداث فعل و إيجاده، وإن لم يعتقد كونه إلهاً كالقدرية مجوس هذه الأمة، وقد تبرأ منهم ابن عمر كما في حديث جبريل عليه السلام. ويلي هذه الرتبة الإشراک في العبادة و هو الرياء، وهو أن يفعل شيئاً من =

کافر ومشرک میں فرق

سوال[۸۸]: کافر ومشرک میں کیا فرق ہے؟ کیا جس طرح گنہگار مؤمن کو اللہ پاک چاہے بخشے یا نہ بخشے، اسی طرح مشرکوں کو بھی چاہے بخشے چاہے نہ بخشے؟ اللہ پاک میں اتنی قدرت ضرور ہے کہ مشرکوں کافروں کو بھی بلاحساب کتاب جنت اعلی میں داخل کردے، ﴿إن الله على كل شئ قدير﴾(۱) لیکن اللہ پاک کافروں ومشرکوں کو نہیں بخشے گا، کیونکہ وہ قرآن مجید میں یوں فرماتا ہے: ﴿إن الله لايغفر أن يشرك به ويغفرمادون ذٰلك لمن يشاء﴾(۲)۔

= العبادات التي أمر الله بفعلها له لغيره، و هذا هو الذی سيقت الآيات و الأحاديث لبيان تحريمه، و هو مبطل للأعمال، وهو خفي لا يعرفه كل جاهل غبی". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی: (النسآء : ۳۶)، ۱۱۸/۵، دارالكتب العلمية، بيروت)

"الشرک فی الربوبية: و هو نوعان: أحدهما: شرک التعطيل، و هو أقبح أنواع الشرک، كشرک فرعون، إذ قال: (و مارب العالمين) و من هذا شرک الفلاسفة القائلين بقدم العالم و أبديته، و إنه لم يكن معدوماً أصلاً، بل لم يزل و لا يزال، والحوادث بأسرها مستندة عندهم إلى أسباب و وسائط اقتضت إيجادها، يسمونها: العقول، والنفوس .... ومن هذا شرک من عطّل أسماء الرب وأوصافه من غلاة الجهمية و القرامطة.

النوع الثانی: شرک من جعل معه إلهاً آخر، و لم يعطّل أسمائه و صفاته و ربوبيته كشرک النصاری الذين جعلوه ثالث ثلاثة، و شرک المجوس القائلين بإسناد حوادث الخير إلى النور و حوادث الشر إلى الظلمة .... القسم الثاني: الشرک فی توحيد الأسماء والصفات، و هو أسهل مما قبله، و هو نوعان: أحدهما: تشبيه الخالق بالمخلوق، كمن يقول: يد كيدي، وسمع كسمعي، و بصر كبصري، و استواء كاستوائي، و هو شرک المشبهة، الثاني: اشتقاق أسماء للآلهة الباطلة من أسماء الإله الحق، قال الله تعالیٰ: ﴿ولله الأسماء الحسنى، فادعوه بها، و ذروا الذين يلحدون في أسمائه، سيجزون ما كانوا يعملون﴾ (الأعراف: ۱۸۰) قال ابن عباس: يلحدون في أسمائه: يشركون، وعنه: سموا اللات من الإله، و العزى من العزيز". (تيسير العزيز الحميد، ص: ۲۷، ۲۸، المكتبة السلفيه)

(۱) (البقرة: ۲۰)

(۲) (النساء: ۴۸، ۱۱۶)

الجواب حامداًومصلياً

ہرمشرک تو کافر ہے، لیکن ہرکافرمشرک نہیں (۱) کافرتو وہ بھی ہے جوضروریاتِ دین نصِ قطعی وغیرہ کاانکارکرے(۲) مگراسے مشرک نہیں کہتے، بلکہ مشرک اسے کہتے ہیں، جواللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کوشریک کرے، خواہ ذات میں خواہ صفات وافعال وغیرہ میں (۳) اللہ تعالیٰ نے دونوں کونہ بخشنے کاوعدہ فرمایاہے: ﴿الـذين كفروا وكذبوا بآيتنا أولئك أصحاب النار﴾(٤)، ﴿إن الله لايغفر أن يشرك به﴾ الخ(۵)۔

لیکن باوجوداس کے قدرت سلب نہیں ہوئی، بلکہ مغفرت پرقدرت باقی ہے کمافی کتب العقائد(٦)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ معین مفتی مظاہرعلوم سہارنپور۔

---

(۱) أنظر المسئلة الآتية: ”مشرک اورکافرمیں فرق“)

(۲) ”والكفر لغةً الستر وشرعاً : تكذيبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،في شيٍ مماجاء به من الدين ضرورةً“. (الدرالمختار مع ردالمحتار : ۲۲۳/۴،باب المرتد من كتاب الجهاد، سعيد)

”والكفر لغةً الستر،وشرعاً: تكذيبه محمداً صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى شي ممايثبت عنه ادعاه ضرورةً“. (البحرالرائق: ۲۰۲/۵،باب احكام المرتدين،رشيديه)

(۳) ”حقيقة الشرک أن يعتقد إنسان فی بعض المعظمين من الناس أن الأثار العجيبة الصادرة منه إنما صدرت لكونه متصفاً بصفة من صفات الكمال مما لم يعهد فی جنس الإنسان، بل يختص بالواجب جل مجده لايوجد فی غيره، إلا أن يخلع بخلعة الأ لوهية على غيره، أو يَفْنَى غيره فی ذاته، ويبقى بذاته أو نحوذالک مما يظنه هذا المعتقد من أنواع الخرافات كما ورد فی الحديث :”إن المشركين كانوا يلبّون بهذه الصيغة: لبيک لبيک، لاشريک لک إلا شريكاًهولک تملكه وما ملک“، فيتذلل عنده أقصى التذلل، ويعامل معه معاملة العباد مع الله تعالى“. (حجة الله البالغة: ۶۱/۱،۶۴، باب أقسام الشرک، إدارة المنيرية)

(۴) (سورة البقرة ۳۹) (۵)(سورة النساء ۱۴۸)

(٦) (إن الله على كل شئ قدير) (سورة البقرة: ۱۴۸)

”والله تعالى لايغفر أن يشرک به بإجماع المسلمين، لكنهم اختلفوا فی أنه يجوز عقلاً أم لا، فذهب بعضهم إلى أنه يجوز عقلاً.وإنما عدمه بدليل السمع“. (شرح العقائد، ص:۸۵ دهلی)

مشرک اور کافر میں فرق

سوال[۸۹]: مشرک اور کافر میں کیا فرق ہے اور مشرک اور کافر کی کیا تعریف ہے؟

الجواب حامداً مصلياً :

ہر مشرک کافر ہے، لیکن ہر کافر مشرک نہیں، بلکہ بعض کافر غیر مشرک بھی ہوتا ہے، مشرک وہ شخص ہے جو توحید کا منکر ہو، یعنی خدا کو ایک نہیں مانتا، بلکہ اس کے ساتھ شریک مانتا ہے اور خدا کا بھی منکر نہیں۔ اور جو کافر مشرک کا مقابل ہے، وہ ہے جو خدا کو تو ایک مانتا ہے، لیکن خدا کے تعین میں غلطی کرتا ہے، مثلاً حضرت مسیح کو خدا اور معبود مانتا ہے تو یہ شخص کافر ہے مشرک نہیں، شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب، ص:۲۷۵ میں ایسا ہی بیان کیا ہے(۱) اور الیواقیت والجواہر کے، ص:۳۳ میں بھی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "و فرق بينه و بين الكفار من أهل الكتب المنزّلة، فإن المشرك قادح في الحق و في الكون بشركه، فلم يكن له مستند يعصمه من القتل، لأنه قدح في التوحيد و في الرسل، والكفار من أهل الكتاب لم يقدحوا في التوحيد و لا في الكون: أعنى الرسل، لكن قدحوا في رسول معين لهوى، أو شبهة قائمة بنفوسهم أداهم ما قام بهم إلى جحود الحق ظلماً و علواً مع اليقين به". (الفتوحات المكية، الباب الخامس والسبعون ومائتان في معرفة منزل التبري من الأوثان من المقام الموسوي، و هو من منازل الأمر السبعة : ۴/۳۳۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "فإن قيل : فهل كل كافر مشرك كماأن كل مشرك كافر، أم لا؟ فالجواب ما قاله في الباب الخامس والسبعين و مائتين: أن كل مشرك كافر و ليس كل كافر مشركاً، فأما كفر المشرك، فلعدوله عن أحدية الإله، و أما شركه، فلأنه نسب الألوهية إلى غير الله مع الله، و جعل له نسبتين فأشرك، و أما وجه كونه لا يلزم أن يكون كل كافر مشركاً، فهوأن الكافر هوالذي يقول: إن الإله واحد غير أنه أخطأ في تعيين الإله .... الخ". (اليواقيت والجواهر، المبحث الأول في بيان أن الله تعالىٰ واحد أحد منفرد في ملكه لا شريك له: ۱/۶۲، دارإحياء التراث العربى و مؤسسة التاريخ العربى بيروت)

صفات باری تعالیٰ میں کسی کو شریک کرنا

سوال[۹۰]: خالق اپنی صفت خاصہ کی وجہ سے قادرِ مطلق اور یکتا بھی، مخلوق میں ہونا محال ہے، ممکن اور متنفس کے ساتھ تشبیہ دینا توحید میں عیب لگانا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قادر مطلق جل شانہ کے اوصاف خاصہ میں کسی مخلوق کو شریک کرنا غلط ہے، شرک فی الصفات ہے، اس کی توحید میں عیب لگانا ہے۔ معاذ اللہ(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۲۱/۱۲/ ۹۵ھ۔

کیا اولیاء کو ذاتی قدرت ہے؟

سوال[۹۱]: ما قولکم دام فضلکم اندریں مسئلہ یکے ا زپیش امام مسجد در وعظ خود این می گوید که قدرتیکه مر خدا را هست اولیاء راهم باشد، باین الفاظ هم می گوید که بعضے از انبیاء و اولیاء مردگان را بالفاظ "قم بإذنی" و نگفت "قم بإذن اللّٰه" حیات بخشنده اند، پس بعضے از مقتدیان که در پس در نماز اقتداء کرده بودند اقتداء کردن در پس آن امام ترک کرده اند، دریں باب از روئے اعتقاد وفقه چه می گویند ترکِ اقتداء از روئے فقه و عقائد اولیٰ است یا ناجائز یا اقتداء در پس او جائز؟ دلیل و برهان فقه عقائد فرموده مستحق اجر شوند.

سائل: ابوالقاسم نمبر: ۸، حق درگاہ اسٹریٹ، پرنگی پیٹی مدراس، انڈیا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

فبعد! امام را نشاید که ایں چنین سخن بر زبان راند که موجبِ فتنه و فساد عقیده

---

(۱) "والشرک أن یثبت لغیر اللّٰه سبحانه وتعالی شیأً من الصفات المختصة کالتصرف فی العالم بالإرادة الذی یعبر عنه "بکن فیکون"، أو العلم الذاتی من غیر اکتساب بالحواس ودلیل العقل والمنام والإلهام ونحوذالک، أوالإیجاد لشفاء المریض". (الفوزالکبیر: ص: ۱۸، مکتبه خیر کثیر)

"فالشرک فی الربوبیة، فإن الرب سبحانه هوالمالک المدبرالمعطی المانع الضار النافع الخافض الرافع المعز المذل، فمن شهد أن المعطی أو المانع أوالضار أوالنافع أو المعز أوالمذل غیره فقدأشرک بربوبیته". (مجموعة الفتاوی لابن تیمیة: ۱/۷۲، بیروت)

شود، قدرتیکہ در مردم ظاهر می شود، ذاتی وخانه زاد نیست، بلکه پر توِ قدرت قادرِ مطلق است جل شانه، کسے نمی تواند که بغیر مددِ خدا ذرّه و برگ کا هے را از جائے بجنباند، و از بعض اولیاء که این جمله منقول است در حقیقت ِحکایت جمله است که" از سروش در گوش ایشان گفته شد نه که از نفس خود گفته بودند". چنانچه در گوش منصور آواز آمد "أنا الحق" او مست شده همان آواز را می گفت، شنیدگان فهمیدند که او دعویٰ می کند پس بگذشت برو آنچه گذشت. اگر مرادِ امام همین است، در پسِ او نماز جائز است(۱) مگر او رَا احتیاط لازم است، و اگر انبیاء اولیاء را قدرتے مستقل مثل قدرتِ حق تعالیٰ مسلّم می دارد، این شرک است(۲) . فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "والصلاة خلف كل بر و فاجر": أي صالح و طالح (من المؤمنين جائزة): أي لقوله صلى الله عليه وسلم : (صلوا خلف كل بر و فاجر)". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص:٦٧، قديمى)

"و تجوز الصلاة خلف كل بر و فاجر لقوله عليه السلام :"صلوا خلف كل بر و فاجر" و لأن علماء الأمة كانوا يصلون خلف الفسقة و أهل الهواء والبدع من غير نكير". (شرح العقائد النسفية للتفتازانى، ص: ١٦٠، قديمى)

(وكذا فى شرح العقيدة الطحاوية لابن ابى العز، ص: ٣٧٣، ٣٧٤، قديمى)

(۲) "و يليه فى الرتبة اعتقاد شريك لله تعالىٰ فى الفعل، و هو قول من قال : إن موجوداً ما غير الله تعالىٰ يستقل بإحداث فعل و إيجاده و إن لم يعتقد كونه إلهاً كالقدرية مجوس هذه الأمة، و قد تبرأ منهم ابن عمر كما فى حديث جبرئيل عليه السلام ".(الجامع لأحكام القرآن للقرطبى، (النسآء:٣٦) ١١٨/٥، دار الكتب العلمية)

"حقيقة الشرك أن يعتقد إنسان فى بعض المعظمين من الناس أن الآثار العجيبة الصادرة منه إنما صدرت منه لكونه متصفاً بصفة من صفات الكمال مما لم يعهد فى جنس الإنسان، بل يختص بالواجب جل مجده لا يوجد فى غيره إلا أن يخلع هو خلعة الألوهية على غيره، أو يفنَى غيره فى ذاته و يبقى بذاته أو نحو ذلك مما يظنه هذا المعتقد من أنواع الخرافات، كما ورد فى الحديث:"إن المشركين كانوا يلبّون بهذه الصيغة: لبيك، لبيك لا شريك لك إلا شريكاً هو لك، تملكه و ما ملك". فيتذلل عنده أقصى التذلل، و يعامل معه معاملة العباد مع الله تعالىٰ". (حجة الله البالغة، باب أقسام الشرك : ١٨٣/١، ١٨٤، قديمى)

کیا اولیاء پر موت طاری نہیں ہوتی ؟

سوال[۹۲]: ما تقولون فی معنی الأولیاء لا یموتون هل هذه الجملة جزء من حدیث أم کیف؟ و یعتقد فرقة ضالة أن الأولیاء أحیاء لا یموتون، بل هم یغیبون من نظر الناس و یسمعون کلام الناس من مقام تکلموا من قریب أو بعید؟ المستفتی :فدوی محمد بدر الدجیٰ عفی عنه ضلع چاٹگام۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

هذا لم یوجد فی شيء من کتب الأحادیث الصحیحة والحسان فیما أعلم۔ وأما السماع من أیّ مقام، تکلموا من قریب أو بعید، فهو شان السمیع الخبیر، لا یشارکه أحد، ومن اعتقده فهو شرك فی الصفات، قال القاری فی شرح الفقه الأکبر: "إن رجال الغیب هم الجن، لأن الإنس لایکون دائماً محتجباً عن أبصار الإنس، و إنما یحتجب أحیاناً، فمن ظن أنهم من الإنس فمن غلطه و جهله وسبب الضلالة فیهم، و بالجملة فالعلم بالغیب أمر تفرّد به سبحانه و لا سبیل إلیه للعباد إلا بإعلام منه وإلهام بطریق المعجزة أو الکرامة أو إرشاد إلی الإستدلال بالأمارات فیما یمکن فیه ذلك۔

ثم اعلم أن الأنبیاء علیهم السلام لم یعلموا المغیبات من الأشیاء إلا ماأعلمهم اللّٰه تعالیٰ أحیاناً، وذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر بإعتقاد أن النبی علیه الصلاة والسلام یعلم الغیب، لمعارضة قوله تعالیٰ: ﴿قل لا یعلم من فی السمٰوات والأرض الغیب إلا اللّٰه﴾ کذا فی المسایرة اهـ"(۱)۔ وقال فی الفتاویٰ البزازیة: "تزوج بلا شهود وقال: **خدا و رسول خدا و فرشتگان را گواه کردم**، یکفر؛ لأنه اعتقد أن الرسول والملك یعلمان الغیب اهـ"(۲)۔

"من قال: إن أرواح المشایخ حاضرة تعلم یکفراهـ"(۳)۔فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم و علمه أتم و أحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی بمدرسہ مظاہر علوم سہارنفور الہند۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفر له المبتلیٰ بامانة الإفتاء بالمدرسة العلیة المشتهرة بمظاهر علوم الواقعة ببلدة سهارنفور یوپی، ۷/جمادی الاولی /۶۷هـ.

---

(۱) (شرح الملا علی القاري علی الفقه الأکبر، ص: ۱۵۱، قدیمی)

(۲) (الفتاوی البزازیة : ۳۲۵/۶، الثانی فیما یتعلق باللہ تعالیٰ من کتاب السیر، رشیدیه)

(۳) (الفتاوی البزازیة : ۳۲۶/۶، الثانی فیما یتعلق باللہ تعالیٰ، رشیدیه)

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿ قل لا أملک لنفسی نفعاً و لا ضراً إلا ما شاء اللہ ولو کنت أعلم الغیب لاستکثرت =

کسی بزرگ کی دوہائی

سوال[۹۳] : دوہائی کے کیا معنیٰ اور غیر اللہ کی دوہائی دینا جیسے کہے کہ سلیمان علیہ السلام اور پیران پیر کی دوہائی سے بولتا ہوں کہ ایسا کام نہ کرو، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً :

دوہائی (۱) اس طرح ناجائز ہے، بلکہ شرک ہے کہ غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح متصرف مانتا ہے(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، ۹/ جمادی الاولی/ ۶۷ھ۔

= من الخیر﴾ (الأعراف :۱۸۸)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ عندہ علم الساعة وینزل الغیث و یعلم ما فی الأرحام﴾ (سورة لقمان: ۳۴)

"والتحقیق أن الغیب ما غاب عن الحواس والعلم الضروری والعلم الاستدلالی، و قد نطق القرآن بنفی علمه عمن سواہ تعالیٰ، فمن ادعی أنه یعلمه کفر، ومن صدق المدعی کفر". (النبراس ، ص: ۳۴۳، امدادیه ملتان)

"رجل تزوج امرأةً بغیر شهود فقال الرجل والمرأة: خدائے را، وپیغامبر را گواہ کردیم، قالوا: یکون کفراً، لأنه اعتقد أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یعلم الغیب، وهو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الأحیاء فکیف بعد الموت". (فتاوی قاضی خان :۳/ ۵۷۶، باب ما یکون کفرا من المسلم و ما لا یکون، رشیدیه)

(وکذافی الفتاوی العالمکیریة: ۲/ ۲۶۶ ، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، رشیدیه)

(۱) "کسی کا نام لے کر فریاد کرنا"۔(فیروز اللغات :ص:۶۵۷ ، فیروز سنز)

(۲) "و منها أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالیٰ، و اعتقادہ ذلک کفر". (رد المحتار کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام من شمع أو زیت أو نحوہ: ۲/ ۴۳۹، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر : ۲/ ۵۲۰، رشیدیه)

(والنهر الفائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر : ۲/ ۴۲، امدادیه)

شہید بابا پر دونے چڑھانا

سوال[۹۴]: مسجد میں یا مکان کے کسی طاق میں یہ کہہ کر کہ یہاں شہید بابا ہیں، اس پر ہندو مسلمان دونے (۱) چڑھاتے ہیں، از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مشرکانہ حرکت ہے (۲) توبہ لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کسی پیر کے نام بچہ کے سر پر چوٹی رکھنا

سوال[۹۵]: بزرگوں سے منت ماننا اور بزرگوں کے نام پر بچوں کے سر پر چوٹی رکھنا، پھر وقت مقررہ پر درگاہوں میں جا کر منڈوانا، از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ حرام اور شرک ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ''مزار پر پھول یا شیرینی کا چڑھاوا چڑھانا'' (فیروز اللغات: ص: ۶۵۷، فیروز سنز)

(۲) "من قال: إن أرواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر". (الفتاویٰ البزازية: ۶/۳۲۶، الفصل الثانی فيما يتعلق بالله تعالیٰ، رشيديه)

(وكذا في مجموعة الفتاوى: ۱/۴۶، كتاب العقائد، سعيد)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة﴾. (سورة النساء: ۱۷)

قال الله تعالیٰ: ﴿واستغفروا ربكم ثم توبوا إليه إن ربى رحيم ودود﴾. (سورة هود: ۹۰)

(۴) "واعلم أن النذر الذى يقع للأموات من أكثر العوام، و ما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت و نحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام". (رد المحتار: ۲/۴۳۹، كتاب الصوم، مطلب فى النذر، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۵۱، الباب السادس فى زيارة القبور، رشيديه)

"عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنها قال: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم ينهى عن القزع، قيل لنافع: ما القزع؟ قال: يحلق بعض رأس الصبى و يترك البعض".

"عن ابن عمر أن النبى صلى الله عليه وسلم رأى صبياً قد حلق بعض رأسه وترك بعضه، فنهاهم عن =

کسی مردہ بزرگ کا کسی انسان میں حلول کرنا

سوال[۹۶]: پیر یا غوث بزرگ عورت میں آسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ صفت انسان کی نہیں، بلکہ شیطان کی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

گمراہ مرشد کے کہنے سے قبر کو سجدہ کرنے کا حکم

سوال [۹۷]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک مرشد صاحب رہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ''نماز، نماز کیا جو آدمی رات دن محنت و مزدوری کرتا ہے اور دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرتا ہے، کیا یہ نماز نہیں ہے''؟ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے قبر پر سجدہ کرایا، میں قسم کھاتا ہوں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اندر ہی اندر اللہ سے ڈرتا ہوں، اپنی غلطی سے بے حد نادم ہوں، یہ شخص کوئی عالم و فاضل نہیں ہیں، بلکہ پہلے انہوں نے زندگی ایک فلمی ہیرو کی طرح گزاری اور اب پیر بن گئے ہیں۔ حضرت والا! مجھے سچی توبہ کا راستہ

= ذلک''. (مشکوة المصابیح ، ص: ۳۸۰، باب الترجل، قدیمی)

(۱) ''و ذکر أبوالحسن الأشعری في مقالات أهل السنة و الجماعة أنهم يقولون: إن الجن تدخل في بدن المصروع کماقال الله تعالیٰ: ﴿الذين يأكلون الربوا لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس﴾ الاية (سورة البقرة: ۲۷۵). قال عبد الله بن أحمد بن حنبل: قلت لأبي: إن قوماً يقولون: إن الجن لا تدخل في بدن الإنس. قال: يا بني! يكذبون، هوذا يتكلم على لسانه''. (آکام المرجان فی غرائب الأخبار وأحكام الجان، بيان دخول الجن في بدن المصروع، ص: ۱۰۷، مکتبہ خیر کثیر)

''تصرف جن و شیاطین در بدن آدمی: یعنی در روح هوائی وتسمیه او که حامل قوی است، و آنرا بصرع الجن در عربی می نامند، و بآسیب وخبط در عرف تعبیر میکنند، نزدِ اهلسنت بلکه اکثر فرقِ اسلام مسلّم است، چنانچه در تفسیر نیشاپوری وغیره درتحت آیه: ﴿يتخبطه الشيطان من المس﴾ مذکور است: ''وأكثر المسلمين على أن الشيطان قادر على الصرع والقتل والإيذاء بتقدير الله تعالیٰ''. (فتاوی عزیزی، ص: ۱۱۲، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

(وکذا فی مجموعة الفتاوی، کتاب العقائد (اردو): ۹۳/۱، سعید)

بتلا دیجئے، تاکہ گمراہی سے بچوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

جن مرشد کے آپ نے حالات لکھے ہیں وہ ہدایت کے مرشد نہیں، بلکہ ضلالت کے مرشد ہیں یعنی ہدایت کے راستہ سے ہٹا کر گمراہ کرنے والے ہیں، ان کا کام جنت کے راستہ پر چلانا نہیں، بلکہ دوزخ کے راستہ پر چلانا ہے۔ آپ نے ان کے کہنے سے، قبر پر سجدہ وطواف وغیرہ کیا تو وہ بھی غلط طریقہ اختیار کیا، تعلیماتِ اسلام کے خلاف کیا، ان کی نیت کا حال ہم نہیں جانتے، صورۃً یہ ضرور شرک ہے، دوسرے دیکھنے والے بھی اس سے گمراہ ہوں گے، آپ نے بھی سخت غلطی کی، معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں: ''لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق'' الحديث(۱)۔ آپ اپنی نیت کی وجہ سے شرک حقیقی سے اگرچہ بچ گئے، لیکن قبر کو سجدہ کرنا بھی صورۃً شرک ہوا(۲)، دیکھنے والوں نے بھی یہی سمجھا کہ آپ نے قبر کو سجدہ کیا ہے، مٹی پر مصلی بچھا کر خدا کو سجدہ نہیں کیا، نہ اس مقصد کے لئے ان گمراہ مرشد نے آپ کو سجدہ کرنے کے لئے کہا تھا۔

بہر حال سخت معصیت کا صدور ہوا، سچے دل سے توبہ کیجئے، استغفار پڑھئے اور صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں نے قبر کو سجدہ نہیں کیا، نہ قبر کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا ہوں، بلکہ قبر کو سجدہ کرنا معصیت اور شرک سمجھتا ہوں، گمراہ مرشد کے کہنے سے جو صورت پیش آئی اس سے توبہ کرتا ہوں (۳) توبہ کی تکمیل کے لئے، کچھ صدقہ بھی دے دیجئے، کچھ روزے بھی رکھ لیجئے، سچی توبہ سے اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑے گناہ معاف فرما دیتے ہیں: لقوله تعالیٰ: ﴿إني لغفار لمن تاب﴾ الاية (٤) امید ہے کہ اس کو بھی معاف فرمائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثانی، ص: ۳۲۱، قديمی)

(۲) ''و ما يفعله من السجود بين يدى السلطان، فحرام، والفاعل والراضی به آثمان، لأنه أشبه بعبدة الأوثان، و ذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود، لأنه يريد به التحية، وقال شمس الأئمة السرخسی: السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر''. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل فی البيع: ۳۶۴/۸، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إلا الذين تابوا وأصلحوا و بيّنوا، فأولئك أتوب عليهم، و أنا التواب الرحيم﴾ (البقرة : ١٦٠)

قال علامة الآلوسی تحتها : ''أی أظهروا ما بينه الله تعالىٰ للناس معاينة، و بهذين الأمرين تتم =

قبروں کو سجدہ کرنا اور چومنا

سوال[۹۸]: ایک مولوی صاحب فارغ التحصیل مدرسہ ہذا حسب ذیل امور کا ارتکاب کرتے ہیں، کیا شریعت کی رو سے مذہب حنفی میں یہ باتیں کرنا اور تعلیم دینا جائز ہے یا کیا؟ یہ مولوی صاحب خاندانی پیر ہیں، اپنے بزرگوں کے مزارات پر جا کر درو دیوار کو چومتے ہیں، مزار کے دروازہ پر جا کر سر رکھتے ہیں، پھر اندر داخل ہوتے ہیں اور ان کو دیکھ کر مرید بھی بڑھ چڑھ کر ایسا کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا حرام؟ آرڈر کرنے والا کیسا ہے؟ حوالہ جات کتب معتبرہ فقہ، حدیث، تفسیر سے جوابات ارقام فرما کر عند اللہ مشکور ہوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مزار کے دروازہ پر جا کر سر رکھنا، سجدہ کی ہیئت بنانا اگر بقصدِ تعظیم ہو تو حرام ہے، اگر بقصد عبادت ہو تو شرک ہے، قبر کو بوسہ دینا یا مزار کے درو دیوار کو چومنا بھی حرام ہے:

"من سجد للسلطان بنية العبادة أولم يحضرها فقد كفر. و فى الخلاصة: و من سجد لهم إن أراد به التعظيم: أى كتعظيم الله سبحانه، كفر، و إن أراد به التحية، اختار بعض العلماء أنه لا يكفر، أقول: هذا هو الأظهر. وفى الظهيرية: قال بعضهم: يكفر مطلقاً، و أما تقبيل الأرض فهو قريب من السجود، إلا أن وضع الجبين أو الخد على الأرض فحش و أقبح من تقبيل الأرض، أقول: وضع الجبين أقبح من وضع الخد اهـ". شرح فقه اکبر: ص:۲۳۸ (۱).

=التوبة، و قيل: أظهروا ما أحدثوه من التوبة ليمحوا سمة الكفر عن أنفسهم و يقتدى بهم أضرابهم، فإن إظهار التوبة ممن يقتدى به شرط فيها على ما يشير بعض الآثار". (روح المعانی: ۲۸/۲، دار إحياء التراث العربى)

(۴) (طه: ۸۲)

(۱) (شرح الفقه الأكبر لملا على القارئ: أواخر فصل فى الكفر صريحاً و كناية، ص:۱۹۳، قديمى)

(و كذا فى البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل فى البيع: ۳۶۴/۸، رشيديه)

(و روح المعانى تحت قوله تعالىٰ: (وإذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم) الاية: ۲۲۸/۱، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"والسجدة حرام لغيره سبحانه اهـ". شرح فقه اكبر، ص: ٢٣٠ (١) "والمستحب لزيارة القبور أن يقف مستدبر القبلة مستقبلاً وجه الميت، و أن يسلم، و لا يمسح القبر، ولا يقبّله، و لا يمسه، فإن ذلك من عادة النصارىٰ اهـ". طحطاوی، ص: ٣٤١ (٢).

"و من وقف بالقبر لا يلتصق به، و لا يمسه (إلى قوله): فينبه العالم غيره على ذلك، و يحذر هم من تلك البدع التي أحدث هناك من لا علم عنده ليطوف بالقبر الشريف كما يطوف بالكعبة الحرام و يتمسح به و يقبله الخ". مدخل: ١/٢٦٢ (٣). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف، ۱۹/محرم الحرام/۶۳ھ۔

پیرومرشد کو سجدہ کرنا

سوال[۹۹]: کیا اللہ تعالیٰ کو ایک سجدہ اور دوسرا سجدہ پیرومشائخ کو درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہر سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے، پیرومرشد کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے اور نماز میں پیرومرشد کے لئے سجدہ کرنا شرک ہے (۴)۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ "اگر اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے سجدہ جائز ہوتا تو

---

(١) (شرح الفقه الأكبر أواخر فصل فی الكفر صريحاً و كناية، ص: ١٨٧)

(٢) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل فی زيارة القبور، ص: ٦٢١، قديمی)

(٣) (المدخل لابن الحاج، فصل فی زيارة القبور: ١/٢٥٦، مصطفیٰ البابی الحلبی)

(٤) "و ما يفعله من السجود بين يدي السلطان، فحرام، والفاعل والراضی به آثمان؛ لأنه أشبه بعبدة الأوثان، و ذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود، لأنه يريد به التحية، وقال شمس الأئمة السرخسيؒ: السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل فی البيع: ٨/٣٦٤، رشيديه)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن والعشرون فی ملاقاة الملوك الخ: ٥/٣٦٨، ٣٦٩، رشيديه)

(وكذا فی شرح الفقه الأكبر، أواخر فصل فی الكفر صريحاً و كناية، ص: ١٩٣، قديمی)

عورت کو کہا جاتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے"(۱)، اس وجہ سے کسی کو بھی خدا کے سوا سجدہ نہ کیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۰/۹/۲۴ھ۔

مصنوعی قبر کی پرستش

سوال[۱۰۰]: زید مصنوعی قبر بنا کر پرستش کرتا کراتا ہے، یہ کس درجہ کا جرم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ مستحق لعنت ہے(۲) اس کو توبہ لازم ہے، تجدیدِ ایمان اور تجدید نکاح بھی کرے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۴/۱۶ھ۔

---

(۱) "و عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "لو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرئة أن تسجد لزوجها" رواه الترمذی". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء و ما لكل واحد من الحقوق، الفصل الثانی، ص: ۲۸۱، قديمی)

و ذكر العلامة الجصاص بلفظ: "أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "ما ينبغی لبشر أن يسجد لبشر، ولو صلح لبشر أن يسجد لبشر، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها من عظم حقه عليها".

(أحكام القرآن، باب السجود لغير الله تعالیٰ: ۱/۴۶، تحت قوله تعالیٰ: ﴿وإذ قلنا للملائكة اسجدوا لأدم﴾" الاية (البقرة: ۳۴)، قديمی)

و قال العلامة الآلوسی تحت آية البقرة رقمها: ۳۴: "إن السجود الشرعی عبادة، و عبادة غيره سبحانه و تعالی شرك محرم فی جميع الأديان و الأزمان، و لا أراها حلّت فی عصر من الأعصار". (روح المعانی: ۱/۲۲۸، دار إحياء التراث العربی)

(۲) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان "پیرومرشد کو سجدہ کرنا")

"و من سجد للسلطان بنية العبادة أو لم تحضره، فقد كفر. و فی الخلاصة: و من سجد لهم إن أراد به التعظيم كتعظيم الله سبحانه، كفر". (شرح الفقه الأكبر للقاریؒ، أواخر فصل فی الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۹۳، قديمی)

(۳) "و ما كان فی كونه كفراً إختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح و بالتوبة و الرجوع عن ذلك =

پیرانِ پیر کا کلمہ اور جلوس

سوال[۱۰۱]: دونوں عیدوں میں چاندی پنجہ حضرت محی الدین جیلانیؒ کے علموں پر چڑھانا اور دف سے تال میں "ھو اللہ لا اللہ، ھو اللہ لا اللہ محی الدین جیلانی" ایک چھوٹی نقاری سرنائی، الوانی، تلوار سیخ سلائی کے ساتھ جلوس نکالنا، جس میں نہ تکبیراتِ تشریق ہوں، نہ ذکر ہو تو ایسے جلوس میں شامل ہونا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ جلوس مشرکانہ ہے، اس میں شرکت حرام ہے، ایمان کا خطرہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا عبدالقادر جیلانی کا نام لینے سے بال گھٹ جاتے ہیں؟

سوال[۱۰۲]: مسلمان کہتے ہیں کہ عبدالقادر جیلانی کا نام لینے سے ڈیڑھ بال گھٹ جاتے ہیں، اگر لاکھ مرتبہ نام لیا جائے تو بال ترشوانے کی ضرورت نہیں پڑیگی۔

=بطریق الاحتیاط". (التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی إجراء کلمة الکفر الخ: ۵/۱۶۴، إدارة القرآن)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین، قبیل باب البغاة: ۲/۲۸۳، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین﴾ (سورة الأنعام: ۶۸)

"و ذلک عموم فی النهی عن مجالسة سائر الظالمین من أهل الشرک وأهل الملة لوقوع الإسم علیهم جمیعاً". (أحکام القرآن للجصاص: ۳/۲، تفسیر سورة الأنعام: آیت: ۶۸)

"عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: "من کثّر سواد قوم فهو منهم، و من رضی عمل قوم کان شریکاً لمن عمله". (المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة: ۲۲۴)

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشکوة المصابیح، ص: ۳۷۵، کتاب اللباس، قدیمی)

الجواب حامداً و مصلیاً :

ہمارا یہ عقیدہ نہیں، اگر کسی نے ہماری طرف اس کو منسوب کیا ہے تو غلط منسوب کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بڑے پیر صاحب کا ملک الموت سے ارواح کو چھین کر زندہ کر دینا

سوال[۱۰۳] : ایک عورت کا شوہر مرگیا وہ عورت رورہی تھی، اتنے میں بڑے پیر صاحب نے دریافت کیا اس نے کہا کہ میرا شوہر مرگیا، اس کو تسلی دے کر وہ چوتھے آسمان پر گئے اور ملک الموت کو پکڑا اور ایک روح مانگی، اس فرشتے نے نہیں دیا تو ملک الموت سے وہ زنبیل بڑے پیر صاحب نے چھین لی اور تمام روحیں زمین پر چھوڑ دی تو سب کے سب زندہ ہوگئے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ واقعہ سراسر جھوٹ ہے، جس طرح دوسرے مذہب کے لوگ اپنے بزرگوں کی طرف جھوٹے قصے منسوب کرتے ہیں تو مسلمانوں نے بھی ایسی ہی صورت اختیار کرلی۔ إنالله وإنا إليه راجعون۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

کیا بڑے پیر صاحب اور شمس تبریز نے مردوں کو زندہ کیا؟

سوال[۱۰۴] : کیا یہ بات صحیح ہے کہ بڑے پیر اور شمس تبریز رحمہ اللہ تعالیٰ نے مردے زندہ کئے ہیں؟ کیا بزرگوں سے ایسی کرامات ثابت ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

میں نے کسی مستند کتاب میں یہ نہیں دیکھا کہ بڑے پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت شمس تبریز رحمہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا ہے، اللہ پاک نے حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ معجزہ عطا

فرمایا تھا(۱) اور بھی کسی کے ذریعہ کسی مردہ کو زندہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں (۲) لیکن کوئی شخص خود کسی مردہ کو زندہ نہیں کرسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۹۱ھ۔

بزرگ کی پھونک کا اثر ایک میل تک پہونچنا

سوال[۱۰۵]: یہاں پرٹھیرالونامی ایک گاؤں ہے، یہاں پر بیلم بابونامی ایک شخص کو کسی کامل بزرگ نے کچھ آیات قرآنی عطا فرمائی ہیں اور دریافت کرنے پر وہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کے ساتویں پارے کی وہ آیتیں ہیں جسے پڑھ کر وہ ہوا میں پھونک مارتے ہیں جس کا اثر ایک میل تک اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے پانی سے بھرے ہوئے برتنوں میں پہونچ جاتا ہے اور ان کی بتائی ہوئی ترکیب کے موافق اس پانی کا استعمال کرنے سے ہزاروں خلق خدا نے فائدہ اٹھایا ہے اور بیماریوں سے نجات حاصل کی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک شخص داڑھی نہ رکھتا ہو مگر نمازی ہو یا بے نمازی ہو اور اسے کسی کامل بزرگ کی طرف سے کوئی آیات قرآنی یا اسماءِ حسنیٰ میں سے کوئی اسم عطا کیا گیا ہو اور وہ ان آیات یا اسماءِ حسنیٰ کو پڑھ کر پانی پر پھونک مار دیتا ہو تو ایسا پانی پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے پانی سے فائدہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور پھونک کا اثر اتنی دور تک پہونچ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آیاتِ قرآنی اور اسماءِ حسنیٰ کا اثر یقیناً حق ہے(۳) بسا اوقات پڑھنے والے کی زبان کی وجہ سے ان کا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحيِ الموتى بإذن الله﴾. (آل عمران: ۴۹)

وقال تعالیٰ: ﴿و إذ تخلق من الطين كهيئة الطير بإذني، فتنفخ فيهافتكون طيراً بإذني، وتبرىء الأكمه والأبرص بإذني، وإذ تخرج الموتى بإذني﴾. (المائدة: ۱۱۰)

(۲) (فيكون طيراً باذن الله) و أشار بذلک إلى أن إحياء ه من الله تعالیٰ، و لكن بسبب النفخ .... بل لو شاء الله تعالیٰ الإحياء بنفخ أيّ شخص كان، لكان من غير تخلف ولا استعصاء". (روح المعانی، (آل عمران: ۴۹): ۳/۱۶۸، دار إحياء التراث العربی)

(۳) "عن أبي لَهيعة عن قيس بن الحجاج قال: قال شيطاني: دخلت فيک و أنا مثل الجزور و أنا فيک اليوم مثل العصفور، قال: قلت: و لم ذلکَ؟ قال تذيبنی بكتاب الله عزوجل .... و عن أبی خالد =

اثر ظاہر نہیں ہوتا، بسا اوقات ایسے شخص کے پڑھنے سے بھی اثر ظاہر ہو جاتا ہے جو بظاہر بزرگ معلوم نہیں ہوتا، پھونک کا اثر اللہ تعالیٰ کی مدد سے بہت دور تک پہونچ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

پیر بزرگ کی سواری کا آنا

سوال[۱۰۶]: بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ بڑے پیر غازی میاں ہٹھیلے بابا کی سواری آ گئی، اس کی کوئی اصل ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بزرگ حضرات انتقال کے بعد کسی پر سوار ہو کر اس کو نہیں ستاتے، سواری آنے کے متعلق لوگوں میں جو خیالات پھیلے ہوئے ہیں وہ شرعاً بے اصل ہیں، البتہ جنات اور شیاطین آ سکتے ہیں اور جس کا نام چاہیں بتلا دیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۷/۱۳ھ۔

= الوالبی قال: خرجت وافداً إلى عمر رحمه الله و معي أهلي، فنزلنا منزلاً و أهلي خلفي، فسمعت أصوات الغلمان و جلبتهم، فرفعت صوتي بالقرآن، فسمعت وجبة شيء طرح فسألتهم، فقالوا: أخَذَتنا الشياطين فلعبت بنا، فلما رفعت صوتک بالقرآن ألقونا و ذهبوا". (آكام المرجان في غرائب الأخبار و أحكام الجان، بيان تأثير القرآن والذكر والرقى، ص: ۹۸، مكتبه خير كثير)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه إن ناساً من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتوا على حي من أحياء العرب فلم يَقرُوهم، فبينما هم كذ لک إذا لدغ سيد أولئک، فقالوا: هل معكم دواء أو راق؟ فقالوا: نعم إنكم لم تقرونا و لا نفعل حتى تجعلوا لنا جعلاً، فجعلوا لهم قطيعاً من الشاء، فجعل يقرأ بأم القرآن و يجمع بزاقه و يتفل فبرأ الخ". (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الرقى بفاتحة الكتاب: ۲/۸۵۴، قديمي)

(۱) "سوال: نبی یا صدیق یا شہید یا ولی یا صالح کا بعد موت یا قبل موت کسی کے سر پر آنا اور اس کی زبان پر بولنا اور اس کی مدد کرنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟ .... =

کیا بوعلی شاہ قلندرؒ کے مزار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں؟

سوال[۱۰۷]: حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ جن کا مزار پانی پت میں ہے، ان کے مزار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے مزار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تشریف لانا کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

صاحب مزار کے متعلق عقیدہ

سوال[۱۰۸]: کیا اولیاء کرام کے نام سے نیاز و نذر اور منتیں مرادیں مانگنا جائز ہے یا صریح شرک ہے اور ان کے مزارات پر پھول چڑھانا اور ریشمی زری کی چادریں چڑھانا درست ہے یا اسراف؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولیائے کرام کے لئے نذر ماننا اور ان کے مزارات پر چڑھاوے چڑھانا حرام ہے، اگر یہ عقیدہ بھی ہو

= جواب: ثابت نہیں، ایسے امور کا قائل واہی، اس کا قول قابلِ سماعت نہیں، البتہ شیاطین، جن ایسے کام کیا کرتے ہیں، جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے: ﴿الذين يأكلون الربوا لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشياطين من المس﴾ الاية

(مجموعة الفتاوى (اردو)، كتاب العقائد : ۱/۷۰، سعيد)

(وكذا في امداد المفتيين، ص: ۱۲۰، دارالاشاعت)

"قال عبد الله بن أحمد بن حنبل :قلت لأبي: إن قوماً يقولون: إن الجن لا تدخل في بدن الإنس، قال: يابنيّ! يكذبون ، هوذا يتكلم على لسانه". (آكام المرجان في غرائب الأخبارو أحكام الجان ، بيان دخول الجن في بدن المصروع، ص:۱۰۷، مكتبه خير كثير)

"وكانت الشياطين تتراء ى لهم أحياناً، و قد يخاطبونهم من الصنم و يخبرونهم ببعض الأمور الغائبة أو يقضون لهم بعض الحوائج". (مجموعة الفتاوى لإبن تيمية رحمه الله ، فصل في تزيين الشيطان العبادات البدعية لأهلها: ۱۰/۲۳۸، مكتبة العبيكان)

کہ وہ صاحب مزار ہماری مرادیں پوری کرتے ہیں اور دنیا کی سب چیزیں ان کے تصرفات سے ہوتی ہیں تو شرک ہے:

”واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، و ما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت و نحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو باطل و حرام. قال فی البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق و لا یجوز، ولأنه عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق، و منها: أن المنذور له میت والمیت لا یملك. و منها: أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللّٰه تعالیٰ، کفر اهـ“. طحطاوی علی المراقی ،ص:۳۳۸(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ایک شیعہ پیر کے عقائد وخیالات

سوال[۱۰۹]: ایک پیر مسمی بہ قاتل معروف ومشہور ہے، تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ مذہب روافض سے تعلق رکھتا ہے، بناءعلیہ وہ اہل سنت والجماعت کے عقائد، فقہ کو محو اور نسیان کے گھاٹ اتار دینا واجب اور فرض عین سمجھتا ہے، شب وروز اسی بیخ کنی میں غوطہ زن ہے اور بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے باطل مذہب کا شکار بناتا اور گمراہ کرتا ہے۔ اس کے بہت لوگ مرید ہیں منجملہ ان کے چند یہاں قصبہ بھوساور، ریاست بھرتپور کے اندر بھی موجود ہیں جن کے ذریعہ اس مبطل کے عقائد باطلہ اور خبیثہ کا ظہور ہوتا ہے۔

مثلاً پہلا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہ کسی کو سلام نہیں کرتے، دوسرا یہ ہے کہ کسی کے پیچھے نماز پڑھنا اچھا نہیں سمجھتے خواہ امام کتنا ہی بڑا متقی وپرہیز گار کیوں نہ ہو، کہتے ہیں کہ یہ معلوم نہیں کہ یہ امام حلالی ہے یا حرامی، زنا کاری کو مباح اور عین ثواب سمجھتے ہیں۔ سوم یہ کہتے ہیں ہماری شریعت اَور ہے اور علماء کی اَور، دیگر ہمارے پیر کا مرتبہ خدا تعالیٰ سے بھی بڑھ کر ہے، ہمارے پیر کے سامنے اللہ تعالیٰ ہے ہی کیا چیز، بلکہ خدا تعالیٰ بڑا ہی لُچا ہے۔ چہارم حقیقی دین درویشوں ہی کے

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصوم، باب مایلزم الوفاء به، ص:۶۹۳، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسده، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام من شمع أو زیت أو نحوه: ۲/۴۳۹، سعید)

(والبحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر: ۲/۵۲۰، رشیدیه)

پاس ہے، علماء کے پاس کچھ نہیں کیونکہ وہ مثل حمار وحشی کے ہیں، خدا تعالیٰ سے درویش ہی لوگ ڈرتے ہیں، علماء نہیں ڈرتے ہیں اور قرآن وحدیث کو درویش ہی لوگ سمجھتے ہیں علماء کچھ نہیں سمجھتے ہیں، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ:

۱......کیا واقعی پیش امام کی اس قدر تحقیق وتفتیش کرنا ضروری ہے کہ یہ حلالی ہے یا حرامی؟

۲......کیا درویشوں اور علماء کی شرع علیحدہ علیحدہ ہیں؟

۳......اور کیا پیر کا مرتبہ نعوذ باللہ منہ خدا تعالیٰ سے بڑھ کر ہے اور کیا خدا تعالیٰ لُچا ہے؟

۴......اور کیا خدا تعالیٰ سے درویش ہی لوگ ڈرتے ہیں، علماء لوگ نہیں ڈرتے ہیں، باوجود کہ پیر کا مرتبہ خدا تعالیٰ سے اعلیٰ واعظم ہونے کے؟ نیز کیا فرمان خداوندی نعوذ باللہ من ذلک لغو اور باطل ہے: ﴿إنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء﴾ (۱)۔

الحاصل جن لوگوں کے عقائد مذکورہ بالا کے مطابق ہوں تو کیا ان کو مسلمان کہا جا سکتا ہے؟ نیز ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اور سلام وکلام، تعلقاتِ دنیویہ مثلاً: اکل وشرب، بیع وشراء اور نکاح وغیرہ کرنا کیسا ہے اور جو عورتیں کہ ان کے نکاح کے اندر ہیں ان کا علیحدہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

بلا وجہ کسی کے متعلق یہ تحقیق وتفتیش کرنا یہ حرامی ہے یا حلالی ہے یہ جائز نہیں اور کسی پر بلا دلیل شرعی حرامی ہونے کی بدگمانی کرنا یا الزام لگانا حرام ہے (۲)، اگر اسلامی حکومت ہو اور دوسرے شرائط بھی پائے جائیں تو

---

(۱) (الفاطر: ۲۸)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین اٰمنوا اجتنبو کثیراً من الظن إن بعض الظن إثم، و لا تجسسوا و لا یغتب بعضکم بعضاً، أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیه میتاً فکرهتموه﴾ (الحجرات: ۱۲)

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "إیاکم والظن، فإن الظن أکذب الحدیث، و لا تحسّسوا، و لا تجسّسوا، و لا تنافسوا، و لا تباغضوا، ولاتدابروا، و کونوا عباد اللہ إخواناً". (الصحیح لمسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب تحریم الظن والتجسس والتنافس والتناجش ونحوها: ۲/۳۱۶، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الأدب، باب قوله تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین اٰمنوا اجتنبو کثیراً من الظن﴾ الآیة: ۲/۸۹۶، قدیمی)

الزام لگانے والے پر حد قذف جاری کی جائے گی: "و هو كحد القذف كمية و ثبوتاً، و يحد الحر و العبد قاذف المسلم الحر البالغ العفيف بصريح الزنا أو بقوله: زنأت فى الجبل أولست لأبيك الخ". درمختار علی الشامی: ۴/ ۱۶۷، ۱۶۸ (۱)۔

۲...... یہ جاہلوں اور گمراہ کرنے والوں کا خیال اور من گھڑت عقیدہ ہے کہ علماء اور درویشوں کی شریعت علیحدہ علیحدہ ہے، شریعت کا حکم سب کے لئے برابر واجب العمل ہے (۲)۔

۳...... یہ اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ کفریہ عقیدہ ہے، ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کرنا اور اس قسم کے خلاف شرع عقائد سے توبہ کرنا لازم ہے (۳)۔

۴...... چھوٹا، بڑے سے ڈرا کرتا ہے، اہل علم اپنی حقیقت کو پہچانتے ہیں اور اپنا چھوٹا ہونا اور خدائے برتر کا اکبر من کل شیء ہونا ان کو خوب معلوم ہے، اس لئے خداوند تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور جو شخص نعوذ باللہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ سے بڑا جانتا ہے وہ کہاں ڈرے گا، ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو اولاً نرمی سے سمجھایا جائے کہ ان کا یہ عقیدہ اللہ پاک اور اس کے سچے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے اور بدترین معصیت ہے، اس عقیدہ سے توبہ کر کے تجدید اسلام وتجدید نکاح شرعاً ضروری ہے، اگر وہ مان لیں تب تو بہتر ہے ورنہ ان سے ترکِ تعلق کر دیا جائے تا کہ ان کا اثر دوسروں پر نہ پڑے اور خود تنگ آ کر توبہ کر لیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶ رجب ۵۹ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، باب حد القذف: ۴/ ۴۴، ۴۷، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود: ۲/ ۵۲۹، مكتبه شركت علميه)

(وكذا كنز الدقائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، ص: ۱۸۹، رشيديه)

(۲) "ولايصل العبد ما دام عاقلاً بالغاً إلى حيث يسقط عنه الأمر والنهى لعموم الخطابات الواردة فى التكاليف و إجماع المجتهدين على ذلک". (شرح العقائد النسفية للتفتازانى، ص: ۱۶۶، مبحث لا يبلغ وليّ درجة الأنبياء، قديمى)

"عن عائشة رضى الله عنها قالت: أتى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بسارق فقطعه فقالوا: ما كنا نراک تبلغ به هذا، قال: "لو كانت فاطمة لقطعتها". (المشكوة، ص: ۳۱۴، باب الشفاعة فى الحدود، قديمى) =

پیر کو حاجت روا سمجھنا

سوال[۱۱۰]: ایک پیر صاحب کے انتقال کے بعد ان کے ایک مرید نے یہ الفاظ کہے ہیں: ''اے اللہ! ہم دین ودنیا کی حاجت کس سے طلب کریں، جس سے ہم روحانی اور جسمانی حاجتیں طلب کرتے تھے وہ دنیا سے کوچ کر گئے''۔ یہ الفاظ اس کی زبان پر لانا کہاں تک درست ہے؟ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اصالۃً حاجت روا خدائے وحدہ لا شريك له ہے(۱)، کسی اور کو حاجت روا سمجھنا تعلیمات اسلام

= (۳) "فيكفر إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به، أو سخر باسم من أسمائه أو بأمر من أوامره". (البحر الرائق :۲۰۲/۵ ، باب أحكام المرتدين ، رشيديه)

(۴) "والهجر فوق ثلاث دائر مع القصد، فإن قصد هجر المسلم حرم، و إلا لا: أى بأن كان الهجر لموجب شرعى لا يحرم". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموى: ۹۷/۱، القاعدة الثانية ، إدارة القرآن)

"قال الخطابى : رُخّص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران فى حق من حقوق الله تعالىٰ فيجوز فوق ذلك، و فى النهاية : فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مرّ الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح:۷۵۸/۸، ۷۵۹، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و إذا سألك عبادى عنى فإنى قريب، أجيب دعوة الداع إذا دعان، فليستجيبوا لى وليؤمنوا بى، لعلهم يرشدون﴾". (البقرة: ۱۸۶)

و قال تعالىٰ: ﴿و من أضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له إلى يوم القيامة ، و هم عن دعائهم غافلون﴾ . (الاحقاف: ۵)

"إنكار لأن يكون أضل من المشركين ...... أى وهو أضل من كل ضال حيث ترك دعاء المجيب القادر المستجمع لجميع صفات الكمال ...... و دعا من ليس شانه الإستجابة له و إسعافه بمطلوبه (إلى يوم القيامة) .... (وهم عن دعائهم) ...... أى والذين يدعون من لا يستجيبون لهم عن دعائهم إياهم (غافلون) لا يسمعون و لا يدرون ، أما إن كان المدعو جماداً ، فظاهر، و أما إن كان من =

کے خلاف ہے، اللہ پاک کے علاوہ پیر وغیرہ سے حاجت طلب کرنا جائز نہیں (۱)۔ اس مرید نے اپنے پیر کے بارے میں جو مذکورہ الفاظ کہے ہیں، ان سے ایہامِ شرک ہوتا ہے، لیکن کسی مسلمان کے قول پر شرک وکفر کا حکم لگانا شریعت میں بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے، جب تک اس کے کلام کا صحیح محمل ذرا بھی نکل سکتا ہے (گو تاویل سے ہی ہو) سخت حکم لگانے میں جلدی نہ کی جائے۔

"وقد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع و تسعون إحتمالاً للكفر و احتمال واحد في نفيه، فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالإحتمال الثاني، لأن الخطاء في إبقاء ألف كافر أهون من الخطاء في إفناء مسلم واحد". شرح فقه اكبر، ص: ۱۹۹ (۲)۔

یہاں اس کے کلام کا محمل یہ ہے کہ وہ خدا کو حاجت روا سمجھتے ہوئے اپنے پیر صاحب کو سفارشی سمجھتا تھا

= ذوى العقول، فإن كان من المقبولين المقربين عند الله تعالىٰ، فلإشتغاله عن ذلك بما هو فيه من الخير، أو كونه في محل ليس من شان الذى فيه أن يسمع دعاء الداعي للعبد كعيسى عليه الصلوٰة السلام اليوم". (روح المعانى : ۶/۲۶، ۷، دار إحياء التراث العربى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين تدعون من دون الله لايملكون من قطمير﴾ (الفاطر: ۱۳) وقال الله تعالىٰ: ﴿والذين تدعون من دون الله لا يستطيعدون نصركم، ولا أنفسهم فيصرون﴾ (الأعراف: ۱۹۷) "إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم مثل: يا سيدى فلان! أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شئى اهـ". (روح المعانى(المائدة) : ۱۲۸/۶، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

وقال الله تعالىٰ: ﴿والذين يدعون من دونه لا يستجيبون لهم بشئى﴾. (الرعد: ۱۴)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للقارى، مطلب فى التوبة و شرائطهما :ص: ۱۶۲، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في احكام المرتدين، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب السير، باب احكام المرقدين: ۲۱۰/۵، رشيديه)

و فى "مالا بد منه" امام ناصر الدین گفتہ کہ: ....وآنچہ دررِدّت بودن آن شک است، ازاں حکم بردتِ نباید کرد: کہ ثابت از شک زائل نہ شود، حال آنکہ: "الاسلام يعلو و لا يُعلى" ودر حکم بہ کافر گفتن اہل اسلام جلدی نہ باید کرد، حال آنکہ بہ صحتِ اسلام مکرہ علماء حکم کردہ اند"۔ (باب الفاظ الکفر :ص:۱۳۱، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

یعنی پیر صاحب کی سفارش اور دعا سے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) حاجتیں پوری ہوا کرتی تھیں، اب پیر صاحب نہیں رہے تو کس کی سفارش سے پوری ہوں گی، کوئی سفارشی ہی نہیں رہا۔ اس لئے نہ اس پر شرک کا حکم لگایا جائے نہ اس کو اس قسم کا عقیدہ رکھنے اور بات کہنے کی اجازت دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸۹/۴/۱۷ھ۔

پوجا کے لئے چندہ اور پوجا کی مٹھائی کھانا

سوال [۱۱۱]: میں آر۔ ایم۔ ایس میں کام کرتا ہوں، ہر جمعرات کو آفس میں ہندو لوگ ستیہ نارائن کی پوجا کرتے ہیں تو اس پوجا کے لئے ہم سب سروس والوں سے دس پیسے یا کبھی زیادہ، شیواجی (۱) وغیرہ کے نام پر بھی کبھی ایک یا دو روپئے دینے پڑتے ہیں۔ چونکہ ہم مسلمان تھوڑے ہیں ہماری چل نہیں سکتی، سوچ یہ ہے کہ پیسے دینے سے مالی شرک ہوگا اور اگر نہ دیئے تو ڈبل دشمن بن جائیں گے، نیز پوجا کی مٹھائی کھوپرا کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر پیسے دیئے بغیر چھٹکارہ نہیں تو جو لوگ مانگتے ہیں ان کو مالک بنانے کی نیت سے دیدیں (۲) پھر وہ اپنی طرف سے جہاں دل چاہے خرچ کریں، مٹھائی اور کھوپرا بھی اگر لینا ضروری ہو تو اس کو لے لیں، پھر کسی جانور کو دیدیں، پوجا کی مٹھائی وغیرہ نہ کھائیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۵/۲۷ھ۔

---

(۱) ''ہندوؤں کا بڑا دیوتا''۔ (فیروز اللغات: ۵۵۵)

(۲) اپنی طرف سے بطور حصہ کے دینا ناجائز اور حرام ہے۔ کما سیأتی تخریجہ مفصلا تحت عنوان: ''اسکول میں پوجا کے لئے چندہ دینا اور پوجا کا کھانا کھانا''۔

(۳) یہ نذر لغیر اللہ کے قبیل سے ہے اور نذر لغیر اللہ حرام ہے اور حرام کا کھانا بھی حرام ہے: ''و أما النذر الذی ینذرہ أکثر العوام علی ما ھو مشاھد کأن یکون لإنسان غائب أو مریض أو لہ حاجة ضروریة، فیأتی بعض الصلحآء فیجعل سترہ علی رأسہ، فیقول: یا سیدی فلان! إن ردّ غائبی أو عوفی مریضی أو قضت حاجتی، فلک من الذھب کذا، فھذا النذر باطل بالإجماع لوجوہ: منھا أنہ نذر لمخلوق، والنذر للمخلوق لا یجوز؛ لأنہ عبادة والعبادة لا تکون للمخلوق، و منھا أن المنذور لہ میت، و المیت لا یملک، و منھا أنہ إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالیٰ، واعتقادہ ذلک کفر .... فإذا علمت ھذا، فما یؤخذ من =

اسکول میں پوجا کے لئے چندہ دینا اور پوجا کا کھانا کھانا

سوال[۱۱۱۲]: ہم لوگ ایسی جگہ کے باشندے ہیں کہ جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے، جس کے قریب تین ہائی اسکول ہیں مگر اردو کی تعلیم کسی میں نہ تھی، ہمارے جیسے جو کامیاب ہوتے ہیں ان کی ملازمت میں کچھ دشواری ہوتی ہے اس لئے ہم لوگوں کو بہت کوشش کے بعد ایک ہائی اسکول اردو گرانٹ پرائیویٹ طریقہ سے امسال رکھا گیا ہے جس میں احقر کو اسکول کے مینجگ نے منتخب کیا ہے اور تنخواہ بھی اس وقت اس کمیٹی سے دی جاتی ہے، یہاں مسلمان بچوں کی تعداد بیس ہے اور ہندو بچوں کی تعداد تین سو تک ہے، یہاں تمام قوانین ہندوانی ہیں جس میں تمام پوجا بھی شامل ہے: مثلاً: گنیش پوجا، سرتی پوجا، لکھی پوجا وغیرہ کیا جاتا ہے۔

ہر ماسٹر مسلمان بچوں سے جبراً کہتا ہے کہ تم لوگ اس پوجا میں چندہ دو اور دینا ہوگا جب کہ تم اس اسکول میں تعلیم پاتے ہو، تو بچے مجبور ہو کر اپنے سرپرست سے کہہ کر چندہ لاتے ہیں۔ ان پوجاؤں میں کچھ کھانے کی چیزیں بھی ہوتی ہیں وہ کھایا کرتے ہیں۔ احقر نے جب امسال یہاں ملازمت کی تو ہیڈ ماسٹر سے کہا کہ ایسا چندہ ہمارے دھرم میں نہیں ہے، آپ کیوں بچوں سے یہ چندہ لیتے ہیں، تو وہ بولے ہم لوگ اسکول کے قانون سے تمام سے لیتے ہیں ان سے بھی لیں گے۔ اب جو کھانا وغیرہ ہوتا ہے اس بارے میں ان سے پوچھا تو بولے ہم لوگ یہ جو روپیہ لیتے ہیں پوجا کے نام سے، حقیقت میں یہ پوجا نہیں ہے، بلکہ ایک فشٹ کھانا مقصد ہے، اس میں پوجا سے کوئی نقص نہیں ہے اور ہم تو آپ کے بچوں کو پوجا کی ہوئی چیز نہیں دیتے ہیں، کھانے کی جو چیز پوجا نہیں ہوتی ہے اس کو دیتے ہیں تو اس کھانے میں آپ کا کیا حرج ہے؟ احقر نے کہا جب ایسا ہے تو آپ یہ فشٹ پوجا کے دوسرے دن کریں جب اس پوجا سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ بولے اس میں اسکول کا نقصان ہے چھٹی زیادہ ہو جاتی ہے، پڑھائی نہیں ہو سکتی ہے اور ہم کو ضروری ہے کہ ہر پوجا میں اس دن اسکول کی چھٹی کریں تو اسی چھٹی میں یہ فشٹ کر لیتے ہیں، تاکہ اور چھٹی کی نوبت نہ آسکے۔

اس کے علاوہ تمام استاذوں سے ایک مدعو نوٹس لی جاتی ہے جس پر تمام اساتذہ دستخط کرتے ہیں۔ اگر

= الدراهم والشمع والزيت وغيرها، و ينقل إلى ضرائح الأولياء تقرباً إليهم، فحرام بإجماع المسلمين".

(البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، ۵۲۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

کوئی نہ آئے تو باز پرس ہوتی ہے، نیز لڑکوں سے بھی معمولی، خاص کر اگر احقر نہ آئے تو زیادہ تر دشمنی کا باعث ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ملازمت اور گرانٹ پر نقصان آسکتا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ کیا بچے اس حال میں چندہ دیکر کھا سکتے ہیں؟ اور احقر حتی الامکان یہ کوشش کرتا ہے کہ اس پوجا میں نہ کھائے یا نہ شریک ہو، اگر بالکل مجبور ہوکر وہ کھانا کھالیا تو امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر اس چیز اور کھانے کا پوجا سے کوئی تعلق نہیں تو موجودہ حالت میں کھانے کے لئے چندہ دینے اور اس کھانے کی وجہ سے کفر وشرک کا حکم نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۹۲ھ۔

---

(۱) هذا حكم الواقعة المذكورة ، أما من أهدى شيئاً ذلک اليوم حسب اعتقادٍ ما : أى موافقةً لهم أو تحسيناً لفعلهم أو تعظيماً لمذهبهم و معتقدهم أو إعانتهم على كفرهم أو تشبهاً بهم،فقد عدّ الفقهاء ذلک كله من جملة الكفر:

قال الملا على القاريؒ " من أهدى بيضةً إلى المجوس يوم النوروز كفر : أى لأنه أعانه على كفره وإغوائه، أو تشبه بهم فى إهدائه ، ومفهومه أنه لو أهدى شيئاً فى يوم النوروز إلى المسلم لا يكفر .... و فى مجموع النوازل : اجتمع المجوس فقال مسلم : سيرة حَسَنة و ضعوها، كفر : أى لأنه استحسن وضع الكفر مع تضمن استقباحه سيرة الإسلام ، وفى الفتاوى الصغرى : من اشترى يوم النوروز شيئاً و لم يكن يشتريه قبل ذلک، أراد به تعظيم النوروز ، كفر: أى لأنه عظّم عيد الكفَرة".

(شرح الفقه الأكبر للقارى، فصل فى الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۸۶ ، قديمى)

(و كذا فى الفتاوىٰ البزازية ، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً ، الفصل الثانى ، النوع السادس فى التشبيه : ۶/۳۳۳، رشيديه)

(و كذا فى خلاصة الفتاوى ، كتاب ألفاظ الكفر ، الفصل الثانى، الجنس السادس فى التشبيه : ۳۸۷/۴، رشيديه)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية ، كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بتلقين الكفر والأمر بالارتداد الخ: ۲/۲۷۶،۲۷۷، رشيديه)

(و كذا فى التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين ،فصل فى الخروج إلى النشيدة : ۵۲۱/۵، إدارة القرآن) =

دُرگا پوجا میں چندہ دینے والے کا حکم

سوال[۱۱۳]: اس مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے جو ہندوؤں کے دُرگا (ہندوؤں کی دیوی بھوانی) پوجا اور سرش پوجا میں چندہ دیتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر پوجا کو اچھا سمجھ کر چندہ دیتا ہے تو سخت گنہگار ہے اس کو فوراً توبہ لازم ہے، اگر کسی مجبوری کی وجہ سے چندہ دیتا ہے تو اس کو چاہئے کہ جو شخص چندہ لینے کے لئے آیا اس کو دینے کی نیت سے دیدے براہ راست پوجا کے لئے نہ دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

مشرکانہ طریقہ پر کنویں کے افتتاح میں شرکت

سوال[۱۱۴]: ایک مسلم شخص نے کنواں کھدوانا شروع کیا، افتتاح تو دو مولوی صاحب اور ایک قاضی

= أما إذا لم يكن على قصد التعظيم والتحسين والتشبه وغير ذلك فلا بأس به و لايكون كفراً، لكن الترك و الإحتراز أولى، كما قال العلامة البزازؒ في فتاواه قال: و إن أخذه لا على ذلك الوجه (أي الموافقة) لا بأس به، والإحترازعنه أسلم، المسلم إذا أهدى يوم النيروز إلى مسلم آخر شيئاً ولم يُرد به تعظيم ذلك اليوم، و لكن جرى على ما اعتاده بعض الناس، لا يكفر، لكن لا ينبغي له أن يفعل ذلك". (البزازية، كتاب الألفاظ الخ، الفصل الثاني، النوع السادس: ۶/۳۳۳)

(وكذا في الشرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً وكنايةً، ص: ۱۸۶)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في الخروج إلى النشيدة: ۵/۵۲۱، إدارة القرآن)

(۱) قال الله تعالى: ﴿و تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾. (سورة المائدة: ۲)

"ذمي سأل مسلماً عن طريق البِيعة لا ينبغي للمسلم أن يدلّه على ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۵۰، كتاب السير، الباب الثامن في الجزية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۵۹۱، الباب الثالث في الوكالة بالبيع، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۳۵۹، كتاب الكراهية، الثالث فيما يتعلق بالمناهي، رشيديه)

امام صاحب کے ہاتھوں ہوا، لیکن اس طرح چونکہ کھودنے والے غیر مسلم تھے انہوں نے ایک پتھر کو بھیروں (۱) کے نامزد کر کے سیندور لگایا (۲) پتھر کی پوجا کی، گڑ اور چنے کا بھوگ (۳) لگایا، بھیروں کی جے بولی (۴)، تب پجاری نے زمین پر سات پھاوڑے (۵) مارے، اس کے بعد مولویوں نے سات سات پھاوڑے مار کر کھلا شرک کیا، اب ان لوگوں کے پیچھے نماز وغیرہ کا کیا ہوگا؟ نیز ان لوگوں نے اس کی اجرت گیارہ گیارہ روپے بھی لئے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

شرک کی قباحت و مذمت تو کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں بلکہ سب کو ہی معلوم ہے (۶) مگر صورت مسئولہ میں جس نے شرک کیا ہے وہ تو ہے ہی مشرک (۷) مسلمانوں نے تو یہ کام نہیں کیا، لیکن جس مسلمان نے شرک کی اجازت دی یا اس کو پسند کیا یا ساتھ دیا، اس نے بھی گناہ کا کام کیا، اگر معلوم تھا کہ یہ شرک ہے تو زیادہ خطرناک ہے (۸) اگر یہ سمجھا کہ یہ کوئی خاص طریقہ ہے جو کنواں کھودنے کے وقت کیا جاتا ہے اور عدم واقفیت کی وجہ سے

---

(۱) ''بھیروں'' ''سیو جی کا اوتار''۔ (فیروز اللغات: ص: ۲۴۲)

''اوتار'' ہندوؤں کے عقیدے میں خدا کا کسی جنم (خلقت) میں داخل ہو کر مخلوق کی اصلاح کے لئے دنیا میں آنا''.

(الفیروز، ص: ۱۳۵)

(۲) ''سرخ رنگ کا ایک سفوف (پسی ہوئی چیز، پوڈر) جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں''۔ (الفیروز، ص: ۸۳۰)

(۳) ''بھوگ'' کھانا، تبرک، دیوتاؤں کا چڑھاوا''۔ (الفیروز، ص: ۲۴)

(۴) ''جے'' عروج، تسلیم، شاباش، زندہ باد''۔ (الفیروز، ص: ۵۰۴)، یعنی ان دیوتاؤں کی شان میں جو تسلیمی اور داد کے کلمات کہے جاتے ہیں۔

(۵) ''پھاوڑا'' کدال، بیلچہ''۔ (الفیروز، ص: ۳۱۳)

(۶) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنه من یشرک باللہ، فقد حرّم اللہ علیه الجنة، و مأواه النار، و ما للظالمین من أنصار﴾. (المائدة : ۷۲)

(۷) یعنی کرنے والے ہندو ہی ہیں، جیسے کہ سوال میں مذکور ہے۔

(۸) یہ رضا بالکفر والشرک کے قبیل سے ہے اور رضا بالکفر پر فقہاء کرامؒ نے کفر کا حکم عائد کیا ہے: " و ذکر شیخ الإسلام: إن الرضابکفر غیره إنما یکون کفراً إذا کان یستجیزه و یستحسنه ". (شرح الفقه الأکبر للقاری، فصل فی الکفر صریحاً و کنایة، ص: ۱۸۰، قدیمی)

(و کذا فی الفتاویٰ البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الرابع فی الإیمان =

اس کو یہ دیکھتے رہے تو پھر زیادہ تشدد کی ضرورت نہیں، تاہم توبہ واستغفار پھر بھی کریں، خاص کر امام وقاضی کا بڑا منصب ہے، جو جو اس میں شریک رہے سب ہی دو رکعت صلوۃ توبہ پڑھ کر توبہ کرلیں، امام صاحب خود بھی توبہ کریں اور مقتدیوں کو بھی توبہ کرادیں (۱) آئندہ ہرگز ایسے کام میں شریک نہ ہوں (۲) نہ امام نہ مقتدی، نیز امام صاحب، موذن صاحب، قاضی صاحب کے حق میں یا کسی بھی مسلم کے حق میں شرک وغیرہ کا لفظ استعمال نہ کریں، اب اس قصہ کو ہوا نہ دیں بلکہ ختم کردیں۔ حق تعالیٰ سب کو صراط مستقیم پر چلائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۶/۳/۹۴ھ۔

کیا کسی خاص کنویں کے پانی میں شفاء ہے؟

سوال [۱۱۵]: ایک کنواں ہے جس میں چشمہ نکل آیا ہے اس کنویں کے پانی کے متعلق سنا ہے کہ کسی کو کسی تکلیف میں فائدہ ہوگیا اس وجہ سے عامۃ الناس بغرضِ شفاء اس کنویں کے پانی کو استعمال کرنے اور حاصل

= والإسلام: ۳۲۹/۲، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالإيمان والإسلام: ۲۵۷/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجرآء كلمة الكفر الخ: ۴۶۰/۵، إدارة القرآن)

(۱) "ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح، وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴۶۱/۵، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر، إدارة القرآن)

(۲) "إعلم أن من أراد أن يكون مسلماً عند جميع طوائف الإسلام، فعليه أن يتوب من جميع الآثام: صغيرها و كبيرها، سواء ما يتعلق بالأعمال الظاهرة أو الأخلاق الباطنة، ثم يجب عليه أن يحفظ نفسه في الأقوال و الأفعال والأحوال من الوقوع في الارتداد، نعوذ بالله من ذلك، فإنه مبطل للأعمال و سوء خاتمة المآل، و إن قدر الله عليه و صدر عنه ما يوجب الردة، فيتوب عنها ويجدّد الشهادة لترجع له السعادة". (شرح الفقه الأكبر للقارى، بحث التوبة، ص: ۱۶۱، قديمى)

کرنے کے لئے مستقل سفر کرتے ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

بعض جگہ پانی میں قدرتی طور پر ایسا مادہ ہوتا ہے جس سے جسمانی امراض سے شفاء ہوجاتی ہے یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں ہے اگر بات یہیں تک محدود ہے تو کچھ مضائقہ نہیں، جیسے بعض ادویہ کا استعمال ہوتا ہے یا تبدیلی آب وہوا کے لئے بعض مقامات کا سفر کیا جاتا ہے، اطباء وڈاکٹر تجویز کرتے ہیں کہ فلاں جگہ کی آب وہوا گرم یا سرد یا تر ہونے کی وجہ سے مریض کے موافق ہے یا بعض امراض میں جاری پانی سے غسل تجویز کیا جاتا ہے، لیکن اگر عقائد فاسد ہونے کا مظنہ (اندیشہ) ہو کہ اس پانی کی پوجا شروع ہوجائے گی تو پھر اس فتنے کو روکنے کی ضرورت ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی ملک میں وہ کنواں ہے اس کو سمجھا کر حسنِ تدبیر سے آمادہ کیا جائے کہ وہ اس کو بند کرادے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کسی خاص درخت سے شفاء حاصل کرنا

سوال[۱۱۶]: یہاں تحصیل جانسٹھ مظفر نگر کے ایک گاؤں میں پندرہ بیس یوم سے ایک ببول کے درخت کے نیچے مسلم وغیر مسلم، مرد، عورت، جوان، بوڑھے تقریباً ہر قسم کے لوگ اپنی حاجات مثلاً شفائے امراض وغیرہ کے لئے آتے ہیں، تمام دن اس درخت کے نیچے بھیڑ رہتی ہے، دور دراز سے لوگ کثرت سے آتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں کوئی پیر صاحب ہیں، کوئی کہتا ہے کہ یہاں کوئی جن ہے اور سنا ہے کہ اب وہاں مزار بھی بنانے کی اسکیم ہے، لوگوں کا یہ عقیدہ بن رہا ہے کہ اس درخت کے نیچے بیٹھنے سے شفاء ہوتی ہے، جانے والے بتاتے ہیں کہ ضرورت منداس درخت کے نیچے مٹھی بند کر کے بیٹھتے ہیں اور نظر درخت کی طرف رہتی ہے، مٹھی خود بخود کھل جاتی ہے اور مرض وغیرہ سے شفاء مل جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ باتیں ہوتی ہوں، جو لوگ وہاں جاتے ہیں ان کی نیت سے تو اللہ ہی واقف ہے، بظاہر تو استعانت من غیر اللہ ہے اور بظاہر شرک وبدعت معلوم ہوتی ہے اور یہ وہی شکل ہے جیسے قبور اولیاء اللہ پر لوگ جاتے اور اپنی حاجات مانگتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہاں اپنی ضرورت کے لئے جانا شرک ہے؟ ایسے لوگوں کے لئے کیا وہی وعید ہے جو مشرکین کے لئے خلود فی النار کی آئی ہے؟ اگر جانے والے مسلمان ہوں تو ان کے نکاح باقی رہتے ہیں یا

ٹوٹ جاتے ہیں؟ جیسے کفر کے بارے میں لکھا ہے کہ ایمان سے خارج ہوجانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ہوسکتا ہے کہ وہاں جناتی شیطانی کوئی اثر ہو جس سے لوگ متاثر ہوتے ہوں اور عقائد فاسد کرنے کی غرض سے یہ اثرات مرتب ہوتے ہوں کہ مٹھی خود بخود کھل جاتی ہے اور مرض سے شفاء مل جاتی ہے (۱)، مگر جب تک ان لوگوں کے عقائد کی تحقیق نہ ہوان کے اس عمل کی وجہ سے خلود فی النار کا حکم نہیں ہوگا (۲) البتہ اس عمل سے شدت کے ساتھ روکنا ضروری ہے، اول شفقت سے تفہیم کی جائے پھر وعید سنائی جائے اور عقائدِ باطلہ اختیار کرنے کی صورت میں وعیدِ شدید، خلود فی النار بتلائی جائے اور یہ کہ اس دنیا میں نکاح باقی رہنا بھی دشوار ہوگا۔ استفتاء اور فتویٰ مشتہر کرنا مناسب نہیں، بسا اوقات اس سے طبائع میں ضد اور عناد پیدا ہوکر زیادہ خرابی پیدا ہوتی ہے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی صاحبِ نسبت بزرگ عالم کا وعظ کرایا جائے جس میں وہ حکمت و موعظت سے

---

(۱) "والإنسان إذا فسدت نفسه أو مزاجه يشتهي ما يضره و يلتذّبه، بل يعشق ذلک عشقاً يفسد عقله و دينه و خلقه و بدنه و ماله، والشيطان هو نفسه خبيث، فإذا تقرّب صاحب العزائم والأقسام و كتب الروحانيات السحرية و أمثال ذلک إليهم بما يحبونه، فمن الكفر و الشرک صار ذلک كالرشوة والبرطيل لهم، فيقضون بعض أغراضه كمن يعطى غيره مالاً ليقتل له من يريد قتله أو يعينه على فاحشة أو ينال معه فاحشة". (آكام المرجان فى أحكام الجآن، الباب الثامن والأربعون فى بيان السبب الذى من أجله تنقاد الجن والشياطين، ص: ۹۹، ۱۰۰، مكتبه خير كثير)

"و كانت الشياطين تتراء ى لهم أحيانًا، و قد يخاطبونهم من الصنم و يخبرونهم ببعض الأمور الغائبة، أو يقضون لهم بعض الحوائج، فكانوا يبذلون لهم هذا النفع القليل بمااشتروه منهم من توحيدهم و إيمانهم الذى هلكوا بزواله كالسحر". (مجموعة الفتاوى لإبن تيميةؒ ، فصل فى تزيين الشيطان العبادات البدعية لأهلها: ۱۰/۲۳۸، مكتبة العبيكان)

(۲) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمى رجل رجلاً بالفسوق و لا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلک". (صحيح البخارى، كتاب الأدب ، باب ما ينهى عن السباب واللعن : ۲/۸۹۳، قديمى)

"و لايجوز أن يرمي مسلم بفسق و كفر من غير تحقيق". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۲، قديمى)

لوگوں کو سمجھائیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

درخت کے پاس بیٹھنے سے شفاء

سوال[۱۱۷]: یہاں پر ایک مہوا(۱) کا درخت ہے، بہت سے مریض اس کے پاس جا کر درود شریف پڑھتے ہیں، اس پڑھنے والے پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے، جو مریض اچھا ہونے والا ہے درخت کی طرف سرکنے لگتا ہے اور جو مریض اچھا ہونے والا نہیں ہے وہ بیٹھا رہتا ہے۔ بہت سوں نے اس کا تجربہ کیا ہے تو اس درخت کے پاس جانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص عرصہ سے بیمار ہے تو اس درخت کے پاس جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً :

درود شریف کی ترغیب وفضیلت قرآن کریم (۲) اور حدیث شریف سے ثابت ہے(۳) زیادہ سے

---

(۱) "ایک درخت کا نام ہے، جس کے پھلوں کو کھاتے، پھولوں کی شراب اور بیجوں کا تیل نکالتے ہیں"۔(نور اللغات، ص:۱۴۱۸)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله و ملائكته يصلون على النبي، يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه و سلموا تسليماً﴾ (الأحزاب: ۵۶)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ واحدةً صلى الله عليه عشراً". رواه مسلم".

"عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ صلاةً واحدةً صلى الله عليه عشر صلوات، و حطت عنه عشر خطيئات، و رفعت له عشر درجات". (رواه النسائي)

"وعن ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم عليّ صلاةً". رواه الترمذي".

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالیٰ عنه قال: "من صلى على النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم واحدةً صلى الله عليه و ملائكته سبعين صلاةً". رواه أحمد".

"وعن رويفع رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من صلى على محمد و قال: اللهم أنزله المقعد المقرب عندك يوم القيامة، وجبت له شفاعتي" رواه أحمد".

(مشكوة المصابيح، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم و فضلها: ۱/۸۶، ۸۷، قديمي)

زیادہ پڑھا جائے، مکان پر بھی مسجد میں بھی حتی کہ چلتے پھرتے بھی، مگر اس مخصوص درخت کے پاس جا کر بیٹھنا نہ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے نہ یہ کوئی حکمت اور طب کا مسئلہ ہے، بلکہ وہاں جا کر بیٹھنے سے لوگ اعتقاد کریں گے کہ اس درخت کو بھی کوئی دخل ہے، یہ درخت واجب التعظیم وتکریم ہے، پھر اس پر چڑھاوے شروع ہو جائیں گے، اس کی پوجا ہونے لگے گی، اس سے عقائد فاسد ہو کر دین تباہ و برباد ہو جائے گا، اس لئے وہاں ہرگز نہ جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹/۴/۹۳ھ۔

کامیابی کے لئے ایک درخت کے نیچے خاص ہیئت اختیار کرنا

سوال [۱۱۸]: ایک درخت ہے اس کے نیچے جا کر بہت سے آدمی اکڑو بیٹھ جاتے ہیں اور ہاتھ زمین پر ٹیک لیتے ہیں اور نظر پیر پر رکھتے ہیں، کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اگر مقصد میں کامیابی ہے تو ہاتھ آگے کو سرک جاتے ہیں اور پھر اوندھا زمین پر گر جاتا ہے، اگر مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی تو ویسے ہی بیٹھا رہتا ہے کچھ نہیں ہوتا۔ اس طرح کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا ناجائز؟ اور یہ سجدے میں شمار ہوتا ہے یا نہیں اور جو شخص اس درخت کے نیچے جا کر ایسا کرے اس پر شرک لازم آئے گا یا نہیں؟ نیز انسان کی تقدیر خاص پوری عمر کا اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ لکھتا ہے یا کہ ہر سال ایک ایک سال کا لکھا جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ماں کے پیٹ میں جب بچہ میں روح ڈالی جاتی ہے اسی وقت اس کی ساری زندگی کا رزق اور عمل وہیں لکھ دیا جاتا ہے(۱)، اس کی تفصیل کا علم اللہ کو ہے اور کسی کو نہیں کہ کیا کیا لکھا ہے، کسی درخت کے نیچے جا کر اکڑو بیٹھ کر زمین پر ہاتھ ٹیکنا اور یہ سمجھنا کہ اگر مقصود میں کامیابی ہوگی تو ہاتھ آگے کو سرک کر زمین پر گر جائے گا ورنہ اسی طرح بیٹھا رہے گا، یہ کوئی ٹوٹکا اور شگون ہے، شرعی چیز نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگوں نے کامیابی اور

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "وکّل اللہ بالرحم ملکاً فیقول: أي رب! نطفة، أی رب! علقة، أی رب! مضغة، فإذا أراد اللہ أن یقضي خلقها، قال: یارب! أذکر أم أنثی، أشقی أم سعید؟ فما الرزق، فما الأجل؟ فیکتب کذلک فی بطن أمه". (صحیح البخاری، کتاب القدر: ۲/۹۷٦، قدیمی)

ناکامی کی کچھ علامتیں تجویز کررکھی تھیں جن کی کوئی واقعی بنیاد نہیں تھی، شریعت نے ایسی چیزوں کو استقسام قرار دیکر منع فرمایا ہے(۱)، تاہم اگر زمین پر سر گر گیا تب بھی اس کو شرک نہیں کہا جائے گا، مگر اس سے منع کیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۳/۱۶ھ۔

قبر کی مٹی سے شفاء

سوال[۱۱۹]: ایک مرتبہ ایک گاؤں میں جاڑے بخار کی بہت کثرت ہوئی، جو شخص قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا اسے آرام ہو جاتا، بس لوگ اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر میں مٹی ڈالو تب ہی ختم، کئی مرتبہ مٹی ڈال چکا، پریشان ہو کر ایک مرتبہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت، یاد رکھو! اگر اب کوئی اچھا ہو تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے، لوگ جوتہ پہن کر تمہارے اوپر چلیں گے، بس اسی دن سے آرام نہ ہوا، پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔ کیا ایسا عقیدہ رکھنا درست ہے اور شریعت کا کیا حکم ہوگا؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾. (المائدة: ۹۰)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن تستقسموا بالأزلام﴾ (المائدة: ۳)

"أی حرم علیکم أیها المؤمنون الاستقسام بالأزلام، واحدها "زلم" و قد تفتح الزاي، فيقال: زلم، و قد كانت العرب في جاهليتها يتعاطون ذلك، و هي عبارة عن قداح ثلاثة، على أحدها مكتوب: افعل، وعلى الآخر: لا تفعل، والثالث: غفل ليس عليه شيء .... و قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: هي قداح، كانوا يستقسمون بها الأمور". (تفسير ابن كثير، (المائدة): ۱۸/۲، مکتبہ دار السلام الرياض)

"والحق عندی أن الاستقسام الذی كان يفعله أهل الجاهلية حرام بلا شبهة كما هو نص الكتاب، و أن حرمته ناشئة من سوء الاعتقاد، و أنه لا يخلو عن تشاؤم، و ليس بتفاؤل محض". (روح المعانی، المائدة: ۵۹/۶، دار إحياء التراث العربی)

الجواب حامداً و مصلياً :

اصل شفاء دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں خواہ کسی حکیم، ڈاکٹر کی دوا کے ذریعہ سے ہو یا کسی عامل کے تعویذ اور پھونک سے دیں، خواہ کسی بزرگ کی کرامت (خاک قبر وغیرہ) سے دیں، خواہ بغیر کسی ظاہری سبب کے دیں، ایک ہی چیز سے جب وہ چاہیں شفاء دیدیں، جب چاہیں نہ دیں، یہ عقیدہ صحیح اور درست ہے(۱)۔ شفاء کو کسی غیر کے قبضۂ قدرت میں تجویز کرنا درست نہیں، خواہ وہ غیر کوئی زندہ ولی وغیرہ ہو یا مردہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۵ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۵ھ۔

بدعات شرکیہ

سوال[۱۲۰]: قبر پرست مسلمان جن کو قبوریین کہا جاتا ہے ان کے افعال شرکیہ و بدعیہ جیسے مزارات اولیاء وانبیاء کو سجدہ کرنا یا ان کی قبور کے غسل کے پانی کو متبرک سمجھنا اور بطور آب زمزم کے اس کو لانا اور ان کو حاضر وناظر خیال کرنا اور ان کو مشکل کشا سمجھنا اور ان کے نام کے وظائف پڑھنا اور ان کو عالم الغیب جاننا اور ان کے مزارات پر نذریں چڑھانا اور ان کے نام کے وہاں پر بکرے ذبح کرنا اور ان کی طرف اپنے بچوں اولادوں کو منسوب کرنا کہ یہ بچہ ہم کو فلاں پیر نے دیا ہے وغیرہ وغیرہ، یہ امور شرکیہ کفریہ کرنے والے مسلمان ہیں یا نہیں اور ان میں اور کفار قریش مکہ میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی اولیاء وانبیاء واوثان سے ایسی ہی عقیدت رکھتے تھے،

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا مرضت فهو يشفين﴾ (الشعراء: ۸۰)

"فقال أنس رضي الله تعالىٰ عنه: ألا أرقيك برقية رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال: بلى قال: "اللهم رب الناس، مذهب البأس، اشف أنت الشافي، و لا شافي إلا أنت شفاءً لا يغادر سقماً".

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يرقي يقول: "امسح البأس رب الناس، بيدك الشفآء، لا كاشف له إلا أنت". (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب رقية النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۸۵۵/۲، قديمى)

﴿وإذا مرضت فهو يشفين﴾: أي إذا وقعتُ في مرض، فإنه لا يقدر على شفائي أحد غيره بما يقدر من الأسباب الموصلة إليه". (تفسير ابن كثير، (الشعراء): ۴۵۱/۳، دار الفيحاء و دار السلام)

بینوا توجروا۔ طالب تحقیق ابوالعتیق محمد پٹھان، ۱۸/ رجب/ ۶۴ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

مردم شماری کے اعتبار سے ان کا نام مسلمان ہے، لیکن شرعی نقطۂ نظر سے یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں (۱)۔ مشرکینِ عرب بھی ایسے ہی عقائد واعمال کی وجہ سے مشرک کہلاتے تھے، یہ لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۰/۱۱/۶۴ھ۔

اس میں تفصیل کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ اگر انبیاء اولیاء کے لئے وہ قدرت اور اختیار بالذات مانتے ہوں اور حاضر وناظر بلاواسطہ سمجھتے ہوں تب تو وہی جواب ہے جو مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے، ورنہ تغلیظاً تو ان پر حکم کفر کرنا جائز ہے، حقیقۃً تمام احکامِ کفر جاری نہ کئے جائیں گے۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذیعقدہ ۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیعقدہ/ ۶۴ھ۔

---

(۱) أما قوله: ''قبور کے غسل کے پانی کو تبرک سمجھنا اور بطور آبِ زمزم اس کو لانا'' فباطل لا أصل له في الدين، لأنه لم يذكره أحد من السلف ولم يعتقده، وأما التبرك به فمردود على قفى قائله، وكيف يتبرك به وهو اعتقاد باطل وبدعة شنيعة مذمومة. والله تعالىٰ أعلم.

وأما قوله: ''اور ان کو حاضر وناضر خیال کرنا'' فقد قال محمد بن شهاب البزاز: "قال علمائنا: من قال: أرواح المشايخ حاضرة، يكفر". (الفتاوىٰ البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثاني في ما يتعلق بالله تعالى: ۶/ ۳۲۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/ ۲۰۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ثم ألفاظ الكفر أنواع: ۲/ ۵۰۵، غفارية)

وأما قوله: ''ان کو مشکل کشا سمجھنا'' فباطل لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تدع من دون الله مالا ينفعك ولا يضرك، فإن فعلت فإنك إذاً من الظالمين﴾. (يونس: ۱۰۶) .... =

....

= قد بحث العلامة الألوسيؒ تحت هذه الآية طويلاً فقال: "(ولا تدع من دون الله) استقلالاً ولا اشتراكاً (ما لاينفعک)بنفسه إذا دعوته بدفع مكروه أو جلب محبوب (ولا يضرک) إذا تركته بسلب المحبوب دفعاً أو رفعاً، أو بإيقاع المكروه ...... (وإن يمسسک الله بضر) تقرير لما أورد فی حيز الصلة من سلب النفع من المعبودات الباطلة، وتصوير لإختصاصه به سبحانه، وإن يصبک بسوءٍ مّا (فلا كاشف له) عنک كائناً من كان وما كان (إلا هو) ...... (وإن يردک بخير) تحقيق لسلب الضرر الخ".(روح المعاني: ۱۱/ ۱۹۸، ۱۹۹، دار إحياء التراث العربی)

وأما قوله: "ان کے نام کے وظائف پڑھنا" فلا يجوز، لأن الأوراد المثابة على فعلها خاصة بأسماء الله تعالیٰ، وقال تعالیٰ: ﴿فاذكرونی أذكركم، واشكروا لی، ولا تكفرون﴾ (البقرة: ۱۵۲)

ولما رواه مسلم فی كتاب الذكر والدعاء الخ: "عن أبی هريرة قال: كان رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فی طريق مكة ...... فقال: "سيروا هذا جمدان، سبق المفردون، قالوا: وما المفردون يا رسول الله؟ قال: "الذاكرون الله كثيراً والذاكرات". (باب الحث على ذكر الله تعالى: ۲/ ۳۴۱، قديمی)

قال الملا علی القاری تحت هذا الحديث: "المفردون أنفسهم عن أقرانهم ...... بنيل الزلفی والعروج إلى الدرجات العلی، لأنهم أفراد بذكر الله تعالیٰ عن من لم يذكر الله تعالیٰ، أو جعلوا ربهم فرداً بالذكر، وتركوا ذكر ما سواه، وهو حقيقة التفريد هنا". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب ذكر الله عزوجل و التقرب إليه: ۵/ ۳۴، رشيديه)

وأما قوله: "ان کو عالم الغیب جاننا" فهو إشراک بالله فی صفاته وهو تعالیٰ منزه عنه، ونفی الله تعالیٰ هذه الصفة عن جميع مخلوقاته، وأثبتها لنفسه بقوله : ﴿وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلاهو﴾.(الأنعام: ۵۹)

"والمراد بالغيب المغيبات على سبيل الاستغراق، والمقصود على كل تقدير أنه سبحانه هو العالم بالمغيبات كما هی ابتداء (لايعلمها إلا هو) ......والكلام إما مسوق لبيان اختصاص المقدورات الغيبية به سبحانه من حيث العلم أثر بيان إختصاص كلها به تعالیٰ من حيث القدرة ...... وإما لإثبات العلم العام له سبحانه، وهو علمه بكل شئ بعد إثبات العلم الخاص، وهو علمه بالظالمين". (روح المعانی: ۷/ ۱۷۰، ۱۷۱، دار إحياء التراث العربی)

وأما قوله: "ان کے مزارات پر نذرانے چڑھانا اور ان کے نام پر بکرے ذبح کرنا" فباطل وحرام كماسيأتی تخريجه......=

قبر پر چراغ، منت، ذبح، سجدہ وغیرہ

سوال[۱۲۱]: مصنوعی قبر بنا کر اس کو کسی ولی کا مزار قرار دینا، اس میں چراغ جلانا اور منت چڑھانا اور بکرا گائے وغیرہ منت کر کے وہاں پر ذبح کرنا اور لوگوں کو کھلانا اور مزار کو سجدہ کرنا، شرعاً یہ افعال کیا حکم رکھتے ہیں اور فاعل فعل مذکورہ کو کیا حکم لگایا جاسکتا ہے اور اس قسم کا طعام حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مصنوعی قبر بنا کر کسی ولی کا مزار قرار دینا مخلوق کو دھوکہ دینا ہے لہٰذا قطعاً ناجائز ہے(۱) اور دیگر افعال مذکورہ بھی ممنوع اور ناجائز ہیں، اگر واقعی کسی بزرگ کی قبر ہو تب بھی افعالِ مذکورہ کا ارتکاب ناجائز ہوگا اور قبر کو

= تحت عنوان: ''قبور کا چڑھاوا''۔

وأما قوله: ''ان کی طرف اپنے بچوں اور اولاد کو منسوب کرنا'' فاعتقاد باطل لقول الله عز وجل: ﴿والله جعل لكن من أنفسكم أزواجاً وجعل لكم من أزواجكم بنين وحفدة، ورزقكم من الطيبات، أفبالباطل يؤمنون، وبنعمة الله هم يكفرون﴾ (النحل: ۷۲)

وقوله تعالىٰ: ﴿يهب لمن يشآء إناثاً، ويهب لمن يشآء الذكور، أو يزوجهم ذكراناً وإناثاً، ويجعل من يشآء عقيماً، إنه عليم قدير﴾ (الشورى: ۴۹،۵۰)

فهذه صفة خاصة لله تعالىٰ لا مجال لغيره فيها قطعاً. فقط والله تعالىٰ أعلم.

(۱) قال ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "فكذلك المنافق سمّى مخادعاً لله وللمؤمنين بإظهاره ما ظهر بلسانه تقيةً بما يخلص به من القتل والسبى والعذاب العاجل، وهو لغير ما أظهره مستبطن، وذلك من فعله وإن كان خداعاً للمؤمنين فى عاجل الدنيا، فهو لنفسه بذلك من فعله خادع، لأنه يظهر لها بفعله ذلك بها أنه يعطيها أمنيتها ويسقيها كأس سرورها، وهو موردها حياض عطبها، ومجرعها به كأس عذابها، ومذيقها من غضب الله وأليم عقابه مالا قبل لهابه، فذلك خديعته نفسه ظناً منه مع إساء ته إليها فى أمر معادها أنه إليها محسن كما قال تعالى: (وما يخدعون إلا أنفسهم وما يشعرون) إعلاماً منه عباده المؤمنين أن المنافقين بإساءتهم إلى أنفسهم فى إسخاطهم عليها ربهم بكفرهم وشكهم وتكذيبهم غير شاعرين ولادارّين ولكنهم على عمى أمرهم مقيمين". (تفسير ابن كثير تحت قوله تعالىٰ: ﴿يخادعون الله اهـ﴾ البقرة: ۱/۷۷، مكتب دار السلام الرياض)

سجدہ کرنا شرک ہے، اگر بنیت عبادت ہو(۱) اگر بہ نیت تعظیم ہو تو حرام ہے، مشابہ بالشرک ہے(۲)۔ اگر نذر خدا کے لئے کی جائے اور اس کا کھانا مزار کے فقراء کو کھلا دیا جائے تو وہ کھانا فقراء کے لئے جائز ہے اور اگر نذر صاحبِ مزار کے لئے کی جائے تو حرام ہے، اس کا کھانا درست نہیں:

"اعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلیٰ ضرائح الأولیاء الکرام، تقرباً إلیهم فهو باطل وحرام اهـ. قال فی البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق وهو لا یجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق، ومنها أن المنذور له میت والمیت لا یملك الخ". ص:٤٣ طحطاوی (٣)۔ "السجود لغیر اللّٰه علی وجه التکرمة والتحیة منسوخ بما روت عائشةؓ وجابر بن عبد اللّٰهؓ وأنسؓ أن النبی صلی اللّٰه علیه ولسم قال: "ما ینبغی لبشر لو صلح لبشر أن یسجد لبشر، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها من عظم حقه"۔ أحکام القرآن: ١/٣٥(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن أبی هریرة قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "لو کنت آمر أحداً أن یسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها". رواه الترمذی". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب عشرة النساء وما لکل واحدة من الحقوق، ص: ۲۸۱، قدیمی)

قال الملا علی القاری: "فإن السجدة لا تحل لغیر اللہ". (المرقاة شرح مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب عشرة النساء الخ: ۴۰۲/۶، رشیدیه)

(۲) "و کذا ما یفعلونه من تقبیل الأرض بین یدی العلماء والعظماء فحرام، و الفاعل والراضی به آثمان؛ لأنه یشبه عبادة الوثن، و هل یکفر إن علی وجه العبادة والتعظیم؟ کفر، و إن علی وجه التحیة لا، و صار آثماً مرتکباً لکبیرة" (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغیره: ۳۸۳/۶، سعید)

(۳)(حاشیة الطحطاوی علیٰ الدر المختار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسد، قبیل باب الإعتکاف: ۱/۴۷۱، ۴۷۲، دار المعرفة بیروت)

(وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

(۴)(أحکام القرآن للجصاص، باب السجود لغیر اللہ تعالیٰ، تحت قوله تعالیٰ: ﴿وإذ قلنا للملائکة اسجدوا﴾ الآیة (البقرة: ۳۴): ۳۲/۱، دار الکتاب العربی)

مزارات پر عورتوں کا جانا اور منت مانگنا

سوال[۱۲۲]: مزارات پر عورتوں کا جانا اور وہاں منتیں مانگنا اور وہاں سے واپس آ کر تبرک تقسیم کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر مرادیں اور منتیں مانگنا حرام ہے، جیسا کہ البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تصریح موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبور کا چڑھاوا

سوال[۱۲۳]: چڑھاوے کی اشیاء "وما أهل به لغير الله" کے تحت علماء حرام قطعی فرماتے ہیں، بدعتی لوگ اس آیت سے صرف اس ذبیحہ کو مراد لیتے ہیں جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور بظاہر صحیح بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مفسرین نے اس آیت میں صرف ذبح حیوانات ہی کو ذکر کیا ہے۔ مفصل مدلل جواب مرحمت ہو کر شفاء میسر ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مفسرین نے "وما أهل بـه لغير الله" کے ذیل میں چڑھاوے کو بھی ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو تفسیر فتح العزیز پارہ الم، ص:۶۱۵، وتفسیر احمدی۔ اور فقہاء کے کلام میں مستقلاً چڑھاوے کی حرمت موجود ہے، درمختار(۲) طحطاوی(۳) فتاویٰ عالمگیری(۴) بحر رائق(۵) وغیرہ سب کتب میں اس کو بصراحت لکھا ہے:

"واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراهم والشموع

---

(۱)(کتاب الصوم، فصل فی النذر: ۲/۵۲۰، ۵۲۱، رشیدیه)

(وسیأتی تخریجه تحت عنوان: "قبور کا چڑھاوا" أعنی الحواشی الآتیة)

(۲)(الدر المختار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لایفسد، قبیل باب الاعتکاف: ۲/۴۳۹، سعید)

(۳) (حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم و ما لا یفسد، قبیل باب الإعتکاف: ۱/۴۷۱، ۴۷۲، دار المعرفة بیروت)

(۴) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصوم، فصل فی المتفرقات، قبیل کتاب المناسک: ۱/۲۱۶، رشیدیه)

(۵) (البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر: ۲/۵۲۰، ۵۲۱، رشیدیه)

والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو باطل وحرام اهـ. قال في البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق ولا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق، ومنها أن المنذور له ميت والميت لا يملك، ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ كفر، أللهم إلا أن يقول: يا الله! إني نذرت لك إن شفيت مريضي أو رددت غائبي أو قضيت حاجتي أن أطعم الفقراء الذين بباب السيدة نفيسة، أو الفقراء الذين بباب الإمام الشافعي، أوالإمام الليث، أو أشترى حصراً لمسجدهم أو زيتاً لوقودها، أو دراهم ممن يقوم بشعائرها إلى غير ذلك مما يكون فيه نفع للفقراء، أو نذر لله عزوجل۔ وذكر الشيخ أنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه أو مسجده، فيجوز بهذا الإعتبار، إذ مصرف النذر الفقراء وقد وُجد، ولا يجوز أن يصرف ذلك إلى غني غير محتاج إليه ولا لشريف منصب؛ لأنه لا يحل له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً، ولا لذي نسب لأجل نسبه ما لم يكن فقيراً، ولا لذي علم لأجل علمه مالم يكن فقيراً، أو لم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للإجماع على حرمة النذر للمخلوق، ولا ينعقد، ولا تشتغل به الذمة، وأنه حرام بل سحت" اهـ. طحطاوي، ص:٤٠٣(١)۔

تاوقتیکہ چڑھاوا چڑھانے والا اپنے اعتقاد اور نیت سے توبہ اور رجوع کرکے بیع یا ہبہ یا صدقہ وغیرہ کے ذریعہ سے کسی کو نہ دے اس کا کھانا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۴/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

مزارات کا چڑھاوا

سوال[۱۲۴]: جو ملکات بادشاہوں نے پیروں کے نام وقف کردی تھیں تو ان کی آمدنی سے اگر لنگر خانہ جاری کیا جاوے تو وہ کھانا کیسا ہے اور جو پیروں پر چڑھایا جاوے اس کا کھانا کیسا ہے اور جو باشرع اس چڑھاوے میں سے لڑ جھگڑ کر مثل ترکہ جدی سمجھ کر حصہ لیتا رہے تو وہ شخص کیسا ہے؟

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، ۶۹۴، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقف نے وقف کی آمدنی سے لنگر خانہ جاری کرنے کی اجازت دیدی تھی تو مستحق کو اس کا کھانا جائز ہے (۱)۔ اگر وہ چڑھاوا پیروں اور مزاروں کے نام کا ہے تو اس کا چڑھانا اور کھانا ناجائز ہے اور اگر وہاں کے فقراء کے لئے ہے تو فقراء کو کھانا درست ہے، اگر وہ باقاعدہ شرعی طور پر وقف ہے تو اس میں میراث جاری نہ ہوگی بلکہ واقف نے جو حصہ جس طرح متعین کردیا ہے اس کے موافق مستحقین میں تقسیم کیا جاوے گا، اگر وہ باقاعدہ وقف نہیں بلکہ کسی خاص شخص کی ملک ہے تو اس میں شرعی طور پر میراث جاری ہوگی:

"واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراهم الشمع والزیت ونحوها إلیٰ ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو باطل وحرام"۔ طحطاوی، ص: ٤٠٣ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مزاروں کا چکر

سوال [۱۲۵]: ۱.....خداوند کریم قرآن شریف میں فرماتے ہیں "اتباع کرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی" پھر مزاروں کا چکر، مرادوں کا مانگنا کیسے اسلام میں داخل ہوگیا ہے؟

۲.....نیاز وفاتحہ کی شرطیں کیا ہیں، کیا فاتحہ کی ہوئی مٹھائی یا مرغ مسلم مردے تک پہونچتا ہے؟

۳.....لوگ کہتے ہیں چونکہ اولیاء کرام اور صالحین دنیا میں بھی زندہ ہیں اور آخرت میں بھی، اس لئے وہ مدد کو آتے ہیں ان کا خیال مذکور کہاں تک صحیح ہے؟

۴.....کیا اسلام سے پہلے دوسرے مذاہب میں بھی اس طرح اولیاء کرام یا پیر پیدا ہوتے تھے، اگر نہیں تو خدا تک رسائی کیسے ہوتی تھی؟

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم: شرط الواقف کنص الشارع: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مرادیں مانگنے کے لئے مزاروں کا چکر غلط اور خلاف شرع ہے(۱) البتہ ایصال ثواب کے لئے اور دنیا کی محبت کم کرنے کے لئے قبرستان جانے کی ترغیب آئی ہے(۲)۔

۲......کوئی بھی نیک کام کرکے بغیر کسی ایسی پابندی کے جس کا شرعاً ثبوت نہ ہو، ثواب پہونچا دینا درست ہے، شرعی طریقہ پر صدقہ کرنے سے جو ثواب حاصل ہو وہ مردہ کو پہنچتا ہے(۳)۔

۳......اس پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں۔

۴......پہلے بھی پیدا ہوئے تھے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۷/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

قبروں کا طواف کرنا اور چومنا

سوال[۱۲۶]: بزرگوں کی قبروں کا طواف کرنا اور اس کو بوسہ دینا کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: "﴿ذلک بأن اللہ ہو الحق، وأن ما یدعون من دونہ ہو الباطل، وأن اللہ ہو العلی الکبیر﴾ (الحج: ۶۲)

وقال تعالیٰ: ﴿والذین تدعون من دونہ، لا یستطیعون نصرکم، ولا أنفسہم ینصرون﴾" (الأعراف: ۱۹۷)

(۲) "وعن ابن مسعود أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور، فزوروہا، فإنہا تزہد فی الدنیا، وتذکر الآخرۃ". رواہ ابن ماجہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، الفصل الثالث، ص: ۱۵۴ قدیمی)

(۳) "فللإنسان أن یجعل ثواب عملہ لغیرہ عند أہل السنۃ والجماعۃ صلاۃً کان أو صوماً أو حجاً أو صدقۃً أو قراءۃً للقرآن، أو الأذکار، أو غیر ذلک من أنواع البر، ویصل ذلک إلی المیت، وینفعہ، قالہ الزیلعی فی باب الحج عن الغیر". (مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی زیارۃ القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قدیمی)

(۴) جیسے حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کی قوم میں پانچ حضرات: ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے، کما فی تفسیر ابن جریر، وروح المعانی وغیرہما تحت قولہ تعالیٰ: ﴿ولا تذرنّ وداً ولا سواعاً ولا یغوث ویعوق ونسراً﴾ (النوح: ۲۳)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدعتِ ضلالت اور معصیت ہے۔ فتاوی عزیزی: ۲/۱۰۳ (۱)، ومجموعہ فتاوی: ۳/۶۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نذرانۂ مزارات کی تفصیل

سوال [۱۲۷]: شہر گوالپاڑہ میں مسلمانوں کے ایک قبرستان میں مدفون خراسانی پیر صاحب کے بارے میں آپ سے چند سوالات عرض کرنا چاہتا ہوں، برائے کرم ان سوالوں کے جوابات مع حوالہ کتبِ معتبرہ ارسال کرنے سے آپ کا بہت بہت مشکور ہوں گا۔ سوال عرض کرنے سے قبل مذکورہ قبرستان میں مدفون شاہ پیر صاحب کے مزار کے بارے میں ایک مختصر بیان آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے بارے میں میرے سوالات کے جوابات شریعت اسلامی کے متعلق واضح طور پر تحریر کرنے میں آپ کو سہولت ہوجائے اور ہمیں بھی اس کے معنیٰ اور مطلب سمجھنے میں آسانی ہوجائے۔

مختصر بیان: آج سے تقریباً ایک سو سال قبل سید ابوالقاسم خراسانیؒ پیر صاحب شہر گوالپاڑہ میں تشریف لائے تھے اور دین اسلام کی خدمت انجام دیئے، ان کی معیت میں لوگوں نے معرفت وسلوک اور ہدایت پاکر کافی فائدہ اٹھایا، پیر صاحب گوالپاڑہ کے لوگوں کو بہت محبوب سمجھتے تھے، گوالپاڑہ کے لوگ بھی ان کی بہت تعظیم وتکریم کرتے تھے اور آج تک ان کی تعظیم گوالپاڑہ کے لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔

گذشتہ ۱۳۰۳ھ میں پیر صاحب کا انتقال ہوگیا اور ان کو مسلمانوں کے مذکورہ قبرستان کے ایک اونچی جگہ میں دفن کیا گیا، اس بارے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ مذکورہ مسلمانوں کا قبرستان مذکورہ پیر صاحب کے انتقال سے بہت پہلے سے تھا، علاوہ ازیں مذکورہ مسلمانوں کا قبرستان پیر صاحب کا اپنا قائم کردہ ہرگز نہیں تھا، سرکاری ریکارڈ کے مطابق وہ عام مسلمانوں کا قبرستان کرکے سرکار کے یہاں درج ہے۔

خراسانی پیر صاحب کے انتقال کے بعد گوالپاڑہ کے مسلمان زائرین مزار کے آنے جانے کے لئے

---

(۱) (فتاویٰ عزیزی، باب التصوف، طواف کا حکم، ص: ۱۵۸، سعید)

(۲) (مجموعة الفتاوی (اردو)، کتاب الحظر والإباحة، پانچ سوال متعلق عبادت وثبوت فاتحہ مروجہ وطوافِ قبر اھ: ۲/۲۲۴، سعید)

پانچ سوفٹ لمبا ایک پکا راستہ بنا دیا اور ہر سال عرس مبارک کیا جاتا ہے اور پیر صاحب کی خدمت عوام کی طرف سے کی جاتی ہے۔

فی الحال اس بارے میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آج سے تقریباً بیس یا بائیس برس پہلے پیر صاحب کے نواسے سید محی الدین صاحب تشریف لائے اور اپنی مرضی سے پیر صاحب کے مزار پر رکھے ہوئے بکس میں عوام کی منت وعطیہ ونذرانہ وغیرہ کا جو سالانہ جمع ہوتا ہے آج تک اپنی مرضی کے مطابق صرف کرتے آئے ہیں اور اس کا کوئی حساب وغیرہ نہیں ہے اور ایک بات یہ ہے کہ سید محی الدین صاحب کے گوالپاڑہ میں تشریف لانے سے پہلے پیسہ وغیرہ بکس میں تھا اور اس میں جمع شدہ پیسہ مزار اور قبرستان کے جنگل کی صفائی کے کام میں صرف ہوتا تھا اور یہ بھی سب کو معلوم تھا اور مسلمان عوام کا یہ خیال تھا کہ جب سید محی الدین صاحب پیر صاحب کے خاندان کے آدمی ہیں تو پیر صاحب کے مزار اور ساتھ ساتھ پورے قبرستان کی ترقی اور نفع کا کام اس بکس کے ذریعہ حاصل کردہ عوام کا پیسہ اچھی طرح صرف کریں گے، لیکن بعد میں افسوس کے ساتھ دیکھا گیا کہ سید محی الدین صاحب اس بکس کی آمدنی کے پیسہ سے مذکورہ مزار اور قبرستان کی ترقی میں کوئی خاص کام نہ کر کے خود اپنے نان ونفقہ میں صرف کرتے آئے ہیں۔

اس بارے میں عوام میں سے کسی نے سنجیدگی کے ساتھ سید محی الدین صاحب سے پوچھا، تو اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ ''یہ میرے دادا کی وراثت ہے اور عوام میرے دادا پیر صاحب کو عطیہ اور ہدیہ دیتے ہیں، لہٰذا میں وارث ہونے کی حیثیت سے اس روپیہ پیسہ کو صرف کرنے کا مجھے پورا حق حاصل ہے'' اور سید صاحب عوام کو اس کا حساب دینے کے لئے راضی نہیں ہوئے، اب مذکورہ پیر صاحب کے مزار میں رکھے ہوئے بکس میں جو منت، ہدیہ، عطیہ وغیرہ کا پیسہ دستیاب ہوتا ہے، اس بارے میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱...... کسی ولی یا بزرگ یا پیر صاحب کے مزار پر کس کس وجہ سے منت کر سکتے ہیں؟ یا کس کس مقصد سے عطیہ یا ہدیہ دینا جائز ہے؟

۲...... کسی مسلمان عوام کے قبرستان میں مدفون کسی بزرگ یا پیر صاحب کے مزار کو مرکز ٹھہرا کر مذکورہ بزرگ کے کوئی وارث اپنے کو اس مذکورہ کام کا خادم بننے کا اظہار کر کے مذکورہ مزار میں لوگوں کے عطیہ، ہدیہ یا منت کے دئے ہوئے روپے پیسے اپنی مرضی کے مطابق اپنے نان ونفقہ میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۳......ولی بزرگ یا پیر صاحب کے مزار سے حاصل کردہ لوگوں کے عطیہ، ہدیہ یا منت کے روپے پیسے کس کس موقع پر خرچ کر سکتے ہیں؟ اوراس کے جمع اور خرچ کا حساب عوام سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

۴......قرآن پاک میں امانت کے بارے میں کیا بیان ہے اور کس انداز سے ہے؟ اس بیان کے مطابق عوام کے رفیق، جیسے مسلمانی عوام کے قبرستان وغیرہ میں، کسی درسگاہ، خانقاہ یا کسی پیر بزرگ کے؟

۵......مذکورہ مزار کے منت کے بکس میں کوئی غیر مسلم آدمی اگر عطیہ یا ہدیہ دیدے تو اس روپیہ پیسہ کو مزار یا قبرستان کی ترقی میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......خدا کے نام پر ثواب حاصل کرنے اوراس کو راضی کرنے کے لئے صدقہ دینا، خیرات کرنا (۱) اور اس کا مصرف ان فقراء کو قرار دینا جو مزار کی حفاظت وخدمت کیلئے رہتے ہیں شرعاً درست ہے (۲)، وہ محافظ وخادم اگر صاحب مزار کے اقرباء ہوں تو وہ بھی ایسی رقوم کے مستحق ہو سکتے ہیں بلکہ دوسروں پر مقدم ہیں، لیکن وہ خدمت وحفاظت بھی کرتے ہیں، اس کو ان بزرگ کی میراث تصور نہ کریں، میراث تو ان اشیاء میں جاری ہوتی ہے جو مرنے والے نے اپنی مملوکہ اشیاء بطور ترکہ چھوڑی ہوں (۳) اس لئے (نہ) اس کو میراث کہا جائے گا نہ اس میں ورثہ کے درجات ذوی الفروض، عصبات، ذوی الارحام کا لحاظ ہوگا۔

براہ راست صاحب مزار کے نام پر کچھ ہدیہ عطیہ دینا یا نذر ماننا جائز نہیں، نہ ایسی رقوم کو لینا درست ہے، نہ خدام مزار کے لئے، نہ ورثہ پیر صاحب کے لئے۔ نذر خدا کے نام پر ہو اور مصرف خدام مزار ہوں تو درست ہے جبکہ یہ خدام فقراء مستحقِ صدقہ ہوں، مالدار، ذی علم و باوجاہت ہوں تو نہیں لینا چاہئے:

"واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراهم والشمع

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وما أنفقتم من نفقة أو نذرتم من نذر، فإن اللّٰہ یعلمه﴾ الآیة (البقرة: ۲۷۰)

(۲) "لو قال: علَیّ أن أطعِم هذا المسکین هذا انطعام بعینه، فأطعم هذا الطعام مسکیناً آخر، أجزأه، والأفضل أن یطعمه ذلک المسکین". (الفتاویٰ التاتار خانیه: ۴۳/۵، إدارة القرآن)

(۳) "الموروث هو الترکة، ویسمی أیضاً میراثاً، وهو ما یترکه المورث من المال أو الحقوق التی یمکن إرثها عنه". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۲۴۹/۸)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۴۸۹/۸، رشیدیه)

والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل و حرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام اهـ". درمختار. (قوله: تقرباً إليهم) كأن يقول: يا سيدى فلان! إن ردّ غائبى أو عوفى مريضى أو قُضِيت حاجتى، فلك من الذهب أو الفضة أو من الطعام أو الشمع أ والزيت كذا، بحر".

"(قوله: باطل وحرام) لوجوه: منها: أنه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق، ومنها أن المنذور له ميت والميت لا يملك، ومنها: أنه إن ظن أن الميت يتصرف فى الأمور دون الله تعالىٰ واعتقاده ذلك كفر، أللهم إلا أن يقال: ياالله! إنى نذرت لك إن شفيتَ مريضى أو رددتَ غائبى أو قضيت حاجتى أن أطعم الفقراء الذين باب السيدة نفيسة، أو الإمام الشافعى، أو الإمام الليث، أو اشترى حصراً لمساجد هم أو زيتاً لوقودها أو دراهم لمن يقوم بشعائرها إلى غير ذلك ممايكون فيه نفع للفقراء والنذر لله عز وجل. وذكر الشيخ: إنما هو محل لصرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه أو مسجده فيجوز بهذا الإعتبار، ولا يجوز أن يصرف ذلك لغنى ولا لشريف منصب أو ذى نسب أو عالم مالم يكن فقيراً، ولم يثبت فى الشرع جواز الصرف للأغنياء لإجماع على حرمة النذر للمخلوق، ولا ينعقد ولا تشتغل الذمة به، ولأنه حرام بل سحت، ولا يجوز لخادم الشيخ أخذه إلا أن يكون فقيراً أو له عيال فقراء عاجزون فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتدأة، وأخذه أيضاً مكروه مالم يقصد الناذر التقرب إلى الله تعالىٰ وصرفه إلى الفقراء ويقطع النظر عن نذر الشيخ۔ "بحر ملخصاً عن شرح العلامة قاسم". (رد المحتار، قبيل باب الاعتكاف: ۱۲۸/۲، مصرى: ۴۳۹/۲ (۱)۔

۲...... دینے والا جبکہ جائز طریقہ پر دے اور لینے والا مستحق ہو جس کی تفصیل نمبر: ا میں آ گئی تو اس کو جائز

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصوم: ۴۳۹/۲، سعید)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل فى النذر، قبيل باب الاعتكاف: ۵۲۱/۲، رشيديه)

(وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ۲۰۳، قديمى)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، فى المتفرقات، قبيل كتاب المناسک: ۲۱۶/۱، رشيديه)

(وحاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصوم، قبيل باب الإعتكاف)

مصرف میں صرف کرنا درست ہے جیسا کہ فقیر کا حال ہوتا ہے(۱)۔

۳...... دینے والے نے جبکہ بطور صدقہ ان کو دیا تو وہ مالک ہوگئے(۲)، کھانے کپڑے اور دیگر ضروریات میں خرچ کر سکتے ہیں، ان سے حساب لینے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر مصرف کی تعیین کر کے دیں، مثلاً اس رقم سے فقراء کو کپڑا بنا کر دیدیں پھر اسی کام میں صرف کرنا لازم ہوگا اور حساب لینے کا بھی حق ہوگا۔

۴...... دوسرے کی چیز جو اپنے پاس ہو، اس کی حفاظت ہو اور اس کے صرف کرنے کی تعیین وتقیید ہو وہ امانت ہے جیسے متولی مسجد ومہتمم مدرسہ کے پاس مسجد ومدرسہ کی اشیاء ہوتی ہیں، اشیاء موقوفہ بھی متولی کے پاس امانت ہوتی ہے، متولی خواہ پیر صاحب کے رشتہ دار ہوں یا غیر ہوں۔

۵...... پیسہ دینے کی تفصیل نمبر:۱ میں آگئی، اس کا لحاظ ضروری ہے، غیر مسلم کی دی ہوئی رقم کا حکم بھی یہی ہے جبکہ وہ کارِ ثواب سمجھ کر دے۔

تنبیہ: مزار پختہ بنانا(۳)، اس پر قبہ بنانا(۴)، اس پر چادر چڑھانا(۵)، اس پر چراغ جلانا(۶)، اس پر

---

(۱) (راجع، صفحہ: ۱۹۹، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۲) "إعلم أن أسباب الملک ثلاثة: ناقل کبیع وهبة". (الدر المختار) (قوله: ناقل): أی من ملک إلی ملک". (رد المحتار، کتاب الصید: ۶/۴۶۳، سعید)

(۳،۴)"عن جابر رضی الله عنه قال: نهی رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم أن یجصص القبر، وأن یبنی علیه، وأن یقعد علیه". (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل فی النهی عن تجصیص القبور الخ: ۱/۳۱۲، قدیمی)

وقال العلامة النووی: "والبناء علیه" فإن کان فی ملک البانی فمکروه، وإن کان فی مقبرة مسبلة فحرام، نص علیه الشافعی والأصحاب، قال الشافعی فی الأم: ورأیت الأئمة بمکة یأمرون بهدم ما یبنی، ویؤید الهدم قوله: "ولا قبراً مشرفاً إلا سویته". (شرح مسلم: ۱/۳۱۲، قدیمی)

(۵) "وکره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبور الصالحین والأولیاء، قال فی فتاویٰ الحج: وتکره الستور علی القبور". (ردالمحتار: ۶/۳۶۳، کتاب الکراهیة، قبل فصل فی النظر واللمس، سعید)

(۶) "وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسراج ".رواه أبوداؤد والترمذی والنسائی". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۷۱، کتاب الصلوٰة، باب المساجد ومواضع الصلوٰة ، قدیمی)

چڑھاوا چڑھانا (۱)، اس کو چومنا (۲)، اس کا طواف کرنا (۳)، اس کو سجدہ کرنا (۴)، عرس کرنا (۵)، قوالی کرنا (۶)، یہ سب امور خلافِ شرع ہیں، بعض کی حرمت ومعصیت بہت شدید ہے، ایسی چیزوں سے پورا احتراز واجب اور لازم ہے۔

اگر وہ قبرستان مملوکہ ہے تو مالکان ہی اس کے انتظامات کے ذمہ دار ہیں، جس کو وہاں دفن کیا جائے گا اس کے ورثاء ذمہ دار نہیں ہوں گے، پورے قبرستان کے تو بہت سے حقوق ہیں، دینے والے نے جو چیز وہاں کے خدام کو دی ہیں تو ان خدام سے مدرسہ وغیرہ کے لینے کا حق نہیں، بہتر ہے کہ دینے والوں سے دریافت کرلیا جائے، وہ مدارس ومکاتب وغیرہ میں صرف کرنے کی اجازت دیں تو وہاں ان کی ہدایت کے مطابق صرف کیا جائے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مزارات کا چڑھاوا''.)

(۲)"ولا یمسح القبر، ولا یقبّله، ولا یمسه، فإن ذلک من عادة النصاری کذا فی شرح الشرعة".
(حاشیة الطحطاوی علی المراقی، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۱، قدیمی)

(۳)(تقدم تخریجه تحت عنوان: ''قبروں کا طواف کرنا'')

(۴)(قد مضی تخریجه تحت عنوان: ''بدعات شرکیہ'')

(۵) "ولا یجوز مایفعل الجهال بقبور الأولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها، واتخاذ السراج والمساجد إلیها، ومن الاجتماع بعد الحول کالأعیاد، ویسمونه عرساً". (التفسیر المظهری: ۵۲/۲، حافظ کتب خانه، کوئٹه)

(۶) قال ابن أمیر الحاج فی المدخل: "فانظر رحمنا الله وإیاک إلی هذا المغنی، إذا غنی تجد له من الهیبة والوقار، وحسن الهیئة والسمت، ویقتدی به أهل الإشارات والعبارات ...... فإذا دبّ معه الطرب قلیلاً، حرک رأسه کما یفعله أهل الخمرة سواء بسواء ...... ثم إذا تمکن الطرب منه ذهب حیاءه، ووقاره ...... فیقوم ویرقص، وینادی ویبکی ویتباکی، ...... وربما مزّق بعض ثیابه، وعبث بلحیته، وهذا منکر بیّن، لأن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی عن إضاعة المال، ولا شک أن تمزیق الثیاب من ذلک". (فصل فی المولد: ۷/۲)

بن بیوی خدا برکت، پانچ پیر مزار پر نذرانے

سوال[۱۲۸]: مسلمانوں میں سے ایک جماعت نے بن بیوی خدا برکت اور پانچ پیر وغیرہ کے نام سے درگاہ بنوا کر وہاں دودھ وغیرہ نذرانہ دیتے ہیں اور ان سے اپنی حاجت مانگتے ہیں تو اب دریافت کرنا یہ ہے کہ کوئی مسلمان اگر یہ سب فعل کرے تو شریعت کی رو سے اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ اس شخص پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہم اہلِ سنت مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ کوئی مسلمان اگر اسے بُرا جان کر درگاہ کو توڑ ڈالے تو اس کے لئے کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ طریقہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، شرعاً ہرگز اس کی اجازت نہیں (۱)، یہ مشرکین کا طریقہ ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو نرمی سے فہمائش کی جائے کہ ایسا کرنے سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے، وہ اگر باز نہ آئیں تو ان سے قطع تعلق کرنے میں اہل السنۃ والجماعۃ حق بجانب ہوں گے (۲)۔

کوئی مسلمان اگر ایسی جگہ کو توڑ دے جہاں مشرکانہ کام کئے جاتے ہیں تو وہ شرعاً مجرم نہیں (۳)، اس پر اگر فتنہ برپا ہو یا قانونی گرفت ہو تو اس کا انتظام پہلے لازم ہے، نیز اگر واقعۃً وہاں کسی پیر بزرگ کا مزار (قبہ) ہو تو

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''نذرانہ مزار کی تفصیل'')

(۲)''قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلّته، ولایجوز فوقها، إلاإذا كان الهجران فی حق من حقوق الله فیجوز فوق ذلک''. (مرقاة المصابیح: ۷۵۸/۸، كتاب الآداب، باب ماینهی من التقاطع والتدابیر اهـ، رشیدیه)

''وفی النهایه: یرید به الهجر ضد الوصل یعنی فیما یكون بین المسلمین من عتب وموجدة أو تقصیر یقع فی حقوق العشرة والصحبة دون ما كان من ذلک فی جانب الدین، فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مرّالأوقات مالم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق''. (مرقاة المفاتیح، الفصل الأول، باب ماینهی من التقاطع والتدابراهـ، كتاب الآداب: ۷۵۹/۸، رشیدیه)

(۳)''وضمن بكسر معزف قیمته صالحاً لغیر اللهو، وقال: لایضمن، ولایصح بیعها، وعلیه قال فی الرد: هذا الاختلاف فی الضمان دو ن إباحة إتلاف المعازف''. (رد المحتار، كتاب الغصب، فصل فی مسائل متفرقة: ۲۱۲/۶، سعید)

اس کی توہین نہ کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

دریا کے نام پر ذبح اور تصدق

سوال[۱۲۹]: ایک قریہ کے لوگ برلبِ دریا بکرا ذبح کریں بایں غرض کہ دریا زمین کو نقصان نہ کرے اور اسی جگہ ختم قرآن شریف کرنا، مذبوح مذکور کا گوشت یہاں ہی پکانا اور کھانا پکا کر ختم کرنے والوں کو یہاں ہی کھانا کھلانا بایں غرض کہ حضرت خضر علیہ السلام فعل مذکورہ پر خوش ہوں اور آئندہ زمین میں نقصان نہ ہونے پاوے اور فعل کرنے والے مسلمان بھی رہیں۔ محمد شفیع ضلع راولپنڈی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کوئی شیء بغیر حکم خداوندی کے نہ نفع پہونچا سکتی ہے نہ نقصان، دریا کا زمین کو نفع یا نقصان پہونچانا بھی حکم خداوندی کے ماتحت ہے(۱) پس دریا کے نام پر یا دریا کے لئے بکرا ذبح کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ دریا بکرا لے کر خوش ہوجائے گا اور ہمیں نقصان نہ پہونچائے گا، یا حضرت خضر علیہ السلام کے لئے بکرا ذبح کرنا کہ اگر ہم نے بکرا ذبح کرکے اس کا گوشت یہاں پکا کر قرآن شریف ختم کرنے والوں کو نہ کھلایا تو حضرت خضر علیہ السلام ناراض ہوجائیں گے اور آئندہ زمین کو نقصان پہنچائیں گے اور ایسا کرنے سے وہ خوش ہوجائیں گے اور زمین کو نقصان نہ پہنچائیں گے ناجائز ہے اور ایسا عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں، اس فعل سے بچنا چاہئے اور اس عقیدہ سے

---

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: كنت خلف رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يوماً فقال: "يا غلام .... و إذا سألت فاسأل الله، و إذا استعنت فاستعن بالله، واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوک بشئی لم ينفعوک إلا بشیء قد كتبه الله لک، و لو اجتمعوا على أن يضرّوک بشیء لم يضروک إلا بشیء قد كتبه الله عليک اهـ". (مشكوة المصابيح: ۴۵۳/۲، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثانی، قديمی)

قال القاری: "و خلاصة المعنی: أنک وحّدِ الله فی المطلب المهرب، فهو الضار النافع والمعطی المانع .... إذ ما من حادثة من سعادة و شقاوة، و عسر و يسر، وخير و شر، و نفع و ضر، وأجل و رزق إلا و يتعلق بقدره و قضائه". (المرقاة شرح المشكوة: ۱۶۴/۹، كتاب الرقاق، باب التوكل و الصبر، رقم الحديث: ۵۳۰۲، رشيديه)

توبہ واجب ہے(۱) ہاں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء، اور التجا کرنا کہ وہ دریا کے نیز ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رکھیں، ضرور نافع اور مستحسن ہے(۲) اس طرح نقصان سے بچنے کے لئے حسبِ مقدرت خدا کے نام پر خیرات کرنا بھی مفید اور موجب ثواب ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ جمادی الاولی/۵۶ھ

---

(۱) "ذبح کردن جانور بنام غیر خدا خواه پیغمبر باشد خواه ولی خواه شهید خواه غیر انسان، حرام است، و اگر به قصدِ تقرب بنام اینها ذبح کرده باشد، ذبیحۂ آن جانور هم حرام و مردار میشود، و ذبح کننده مرتد میشود، توبه ازیں فعلِ منع لازم است، در تفسیر نیشاپوری و دیگر تفاسیر مرقوم است: قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبيحةً و قصد بذبحه التقرب إلى غير الله، صار مرتداً و ذبيحته ذبيحة مرتد". (فتاوی عزیزی: ۱/۵۰، مسئله ذبحِ جانور بنام غیر الله تعالیٰ، کتب خانه رحیمیه دیوبند)
(و كذا في بدائع الصنائع: ۶/۲۴۵، كتاب الذبائح و الصيود، دار الكتب العلمية)

(۲) "چنانچہ خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے اوقات میں مختلف دعائیں منقول ہیں: "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يدعو عند الكرب: "لا إله إلا الله الحليم الحكيم، لا إله إلا الله رب العرش العظيم، لا إله الا الله رب السموات والأرض و رب العرش الكريم". (جامع الترمذي: ۲/۱۸۱، كتاب الدعوات، باب ما يقول عند الكرب، سعيد)

قال القاري تحته: "ثم هذا في الذكر إشارة بأنه لا يقدر أحد على إزالة الغم إلا الله. قال الطيبي: هذا ذكر يترتب عليه رفع الكرب اهـ". (المرقاة شرح المشكوة: ۵/۲۶۶، كتاب الدعوات، باب الدعوات في الأوقات، الفصل الأول، رقم الحديث: ۲۴۱۷، رشيديه)

"وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه كان إذا كربه أمر قال: "يا حي يا قيوم! برحمتك أستغيث". (كتاب الأذكار للنووي، كتاب الأذكار والدعوات الخ، باب دعاء الكرب والدعاء عند الأمور المهمة، ص: ۱۶۴، رقم الحديث: ۳۶۰، مكتبة دار البيان)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الصدقة تمنع ميتة السوء". قال المناوي: "الحالة التي يكون عليها الإنسان من الموت" قال التوربشتي: "و أراد بها مالا تُحمد عاقبته و لا تؤمن عائلته من الحلال كالفقر المُدقِع، والوصب الموجع، والألَم المقلق، والعلل المفضية إلى كفران النعمة و نسيان =

''بھوک'' کا جانور ذبح کرنا اور کھانا

سوال[۱۳۰] : چه میفر مایند علماء کرام ومفتیان عظام درحکم جانور یکه بطریق بھو ک گذاشته ،یعنی اگر بکسے اثرِ جنات یامرضِ شدیدلاحق شود، اکثر مقصود جانور ازاں برنگ گوناگوں آمیخته بنام ارواحِ خبیث مطلقاً می گذارند، ومی پندارند که تاثیر ازاں بدو لاحق شده اَو راشفادهد. خوردن آن شرعاً جائز باشد یانه؟وملکِ آں شخص زائل شد یانه، اگر شود، تصرفِ اوچه حرج آید؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایں چنیں حیوان از ملک مالکِ خارج نه میشود، وبنامِ رواحِ خبیثه گذاشتنش روانیست، وهم چنیں بغیر تملیک گذاشتن نادرست تاوقتیکه مالک ازیں گذاشتن رجوع کرده بکسے، برائے خداندهد، یابد ست اورنفر وشد یابطریق دیگر مثل هبه مالک نگر داند،آنکس راخوردن ودرآن تصرف کردن روا نخواهد شد، ودلائلِ آن درفتاوی عزیزی بر،ص: ۲۲،وص: ۲۳،(۱)وغیره مرقوم است . فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور، ۲۳/۱۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۵۵ء۔

= الذکر والأهوال الشاغلة عمّاله و علیه". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناویؒ :۷/۳۸۰۲، رقم الحدیث: ۵۱۴۳ ، مکتبه نزار مصطفی الباز، الریاض)

(۱)(فتاوی عزیزی، ص: ۵۰۷، سعید)

"واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، ومایؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل وحرام".(رد المحتار: ۲/ ۴۳۹، کتاب الصوم، قبیل باب الاعتکاف، سعید)

" ولقائل أن یقول: یستدل بالآیة علی نظیر ذلک، وهو ما یُلقی فی الأنهار والطریق وقرب الأشجار من طرح البیض والفراریج ونحوذلک، فلایجوز فعله، ولایزول ملک المالک".(تفسیر القاسمی: ۴/۴۰۴، (سورة المائده :۱۰۳)

"وفی الصید أنه لایملکه إذالم یبحه، وکذا فی الدابة إذا سیبها کما بسطه الشرنبلا لی".

(ردالمحتار، کتا ب الصید: ۶/۴۷۷،سعید)........................ =

بت کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا حکم

سوال[۱۳۱]: ایک ہندو نے بتوں کے نام پر ایک سانڈ چھوڑا اور کئی سال گزرنے کے بعد مالک نے ایک برہمن کو بلا کر اس سانڈ کو اس کے حوالہ کر کے اس کو مالک بنا دیا، برہمن نے اس کو ایک مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دیا، مسلمانوں نے اس کو شرعی طریق سے ذبح کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ از طرف مولوی عبدالغفور رنگپوری معرفت عبدالرحمٰن کامل پوری۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عامۂ مفسرین نے "ما أهل لغير الله" کی تفسیر "ذبح للأصنام فذكر عليه غير اسم الله" (مدارک) کی ہے(۱)، لہٰذا اس تفسیر کے موافق سانڈ جو کہ بتوں کے نام چھوڑ دیا گیا تھا اور اس کے بعد مالک نے وہ کسی کو دے دیا خواہ وہ ہبۃً ہو خواہ قیمتاً اور پھر شرعی طریق پر اس کو ذبح کرایا گیا تو وہ شرعاً حرام نہ ہوگا، کیونکہ وہ بت کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا، لیکن بعض محققین نے "ما أهل به لغير الله" کو عام کہا ہے یعنی خواہ بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے خواہ بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جائے، دونوں صورتوں میں وہ جانور حرام ہوتا ہے۔ اول صورت میں اس کا حلال ہونا ممکن نہیں ہے، کیونکہ بت کے نام پر ذبح کر دیا گیا اور حرمت مقرر ہو چکی۔

ثانی صورت میں حلال ہونا ممکن ہے وہ اس طرح کہ مالک اپنے اس فعل یعنی بت کے نام پر چھوڑنے

= (وكذا في امداد الفتاوى: ۹۹/۴، مكتبه دار العلوم كراچى)

(وكذا في مجموعه الفتاوى: ۱۸۲/۲، كتاب الحظر والإباحة)

ترجمۂ سوال: اگر کسی جانور کو بھوک کے طریق پر چھوڑ دیا گیا ہو اس کا کیا حکم ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی پر جنات کا اثر ہو یا مرضِ شدید لاحق ہو تو کسی جانور کو مختلف رنگوں میں رنگ کر ارواح خبیثہ کے نام پر یا مطلقاً چھوڑ دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس کی تاثیر سے بیمار کو شفا ہوگی۔ اس جانور کا شرعاً کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس شخص کی ملکیت اس جانور سے زائل ہو جاتی ہے؟

ترجمۂ جواب: اس طرح جانور مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا اور ارواحِ خبیثہ کے نام پر چھوڑنا جائز نہیں، اس طرح کسی کو مالک بنائے بغیر چھوڑنا بھی درست نہیں، جب تک مالک ارواح خبیثہ کے نام پر چھوڑنے سے رجوع کر کے کسی کو خدا واسطے نہ دے یا اس کے ہاتھ فروخت نہ کرے یا کسی دوسرے طریقہ پر مثل ہبہ مالک نہ بنا دے اس کو کھانا اور اس میں تصرف کرنا جائز نہ ہوگا اور اس کے دلائل فتاوی عزیزی، ص: ۲۲، ص: ۲۳، وغیرہ میں مرقوم ہیں، فقط۔

(۱) (تفسير مدارك التنزيل: ۹۸/۱، سوره البقرة: ۱۷۳)

سے رجوع کر لے اور اس کے بعد شرعی طریق پر ذبح کیا جائے، اس سے حرمت مرتفع ہوجائے گی، دوسری تفسیر احوط ہے(۱)۔ پس اگر صورت مسئولہ میں مالک نے اپنے فعلِ سابق، یعنی: بتوں کے نام پر چھوڑنے سے رجوع کر لیا تھا اور اس کے بعد دوسرے شخص کو دیا ہے تب تو جائز ہے اور اگر اپنے سابق فعل سے رجوع نہیں کیا تو ناجائز ہے: "لو ذبح شاةً على النصب من الأنصاب أو على قبر من القبور، وقصد به التقرب إلى صاحب القبر أو صاحب النصب، وذكر اسم الله عليها، لاتحل ا هـ". فتاوی عزیزی، ص: ۲۳ (۲)۔

قال في البحر: "لايجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولاالتصرف فيه بوجه من الوجوه، إلاأن يكون فقيراً أوله عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرون، فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتدأة، وأخذه أيضاًمكروه مالم يقصد الناذر التقرب إلى الله وصدقة إلى الفقراء، ويقع عن نذر الشيخ،ا هـ". طحطاوی: ۱/۴۷۱ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۶/ ۵/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۱۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "إذا اجتمع الحلال والحرام، أو المبيح والمحرّم، غلب الحرام والمحرّم". (شرح الأشباه والنظائر، القاعده الثانية: ۱/۳۰۱)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۱۱۹، سعيد)

"بت کے نام پر چھوڑ ہوئے سانڈ کا حکم مثل سائبہ کے ہے اور سائبہ ملکِ غیر ہونے کی وجہ سے حرام ہوتا ہے، لیکن مذکورہ صورت میں جب مالک نے زندہ سانڈ کو برہمن کے ملک میں دیا اور پھر مسلمان نے برہمن سے خرید کر شرعی طریقہ سے ذبح کیا تو اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں رہی، اور محققین نے بھی ایسے جانور کو حرام قرار نہیں دیا ہے، بلکہ اس جانور کو حرام قرار دیا ہے جو غیر اللہ کے نام نذر کی جائے پھر مالک یا اس کا وکیل اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کردے تو اس صورت میں ناذر کا مقصد ذبح ہی ہوتا ہے، اسلئے یہ "وما أهل به لغير الله" میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور پہلی صورت میں ناذر کا مقصد ذبح نہیں ہوتا"۔ (امداد الفتاوی: ۴/۹۹)

(واحسن الفتاوی: ۱/۵۰) (ومجموعه الفتاوی: ۲/۱۸۲، ۲۴۹، سعيد)

(خير الفتاوی: ۱/۶۰۰) (امداد المفتيين، ص: ۹۳۲)

(۲) (فتاوی عزيزی، ص: ۴۸۴، سعيد)

(۳) (حاشية الطحطاوی على الدر المختار، كتاب الصوم: ۱/۴۷۱، دار المعرفة بيروت)

دیوی دیوتاؤں کے نام پر تقسیم ہونے والی اشیاء کا حکم

سوال[۱۳۲]: ا......دیوی دیوتاؤں کے نام پر تقسیم ہونے والی اشیاء، مثلاً: گڑ شکر وغیرہ حلال ہیں یا حرام؟

۲......دیوی دیوتاؤں کے نام پر چھوڑے ہوئے یا دیوی دیوتاؤں کے لئے خریدے ہوئے جانور کو کسی مسلمان کے ہاتھ سے ذبح کرانے کے بعد اس کا گوشت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......حرام ہے(۱)۔

۲......ہرگز جائز نہیں، بلکہ میتہ کے حکم میں ہے، کذا فی الاکلیل (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

اہلِ ہنود کے مخصوص بکروں کا حکم

سوال[۱۳۳]: ہمارے علاقہ میں بعض ہنود کے پاس ایسے بکرے ملتے ہیں جو کان کٹے ہوئے ہیں اور اس کے کانوں میں بالی بھی ڈالی ہوئی ہوتی ہے، ایسے بکرے کا مسلمانوں کے لئے خریدنا اور اس کی

---

(۱)"واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراھم والشموع والزیت ونحوھا إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیھم، فھو بالإجماع باطل وحرام اھـ". (الدر المختار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لایفسد، قبیل باب الاعتکاف: ۴۳۹/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر: ۵۲۱/۲، رشیدیہ)

(۲) غیر اللہ کے نام پر خریدنے سے ایسے تمام جانور حرام ہو جاتے ہیں، پھر جب تک اس فعلِ قبیح سے توبہ کر کے "بسم اللہ" پڑھ کر جانور ذبح نہ کیا جائے تو حرام ہی ہوگا:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما أھل بہ لغیر اللہ﴾: أی ذکر علیہ غیر اسم اللہ، و ھی ذبیحۃ المجوسی والوثنی والمعطل، فالوثنی یذبح للوثن، والمجوسی للنار، والمعطل لا یعتقد شیئاً فیذبح لنفسہ اھـ".

(أحکام القرآن للقرطبی: ۱۵۰/۲، (سورۃ البقرۃ: ۱۷۳)، دار الکتب)

"قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبیحۃً وقصد بذبجھا التقرب إلی غیر اللہ صار مرتداً، و ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد". (غرائب القرآن علی ھامش جامع البیان لابن جریر الطبری: ۱۲۰/۲، (سورۃ البقرۃ: ۱۷۳)، دار المعرفۃ بیروت)

بیع کرنا، نیز اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ بکرے غیر اللہ کے نام پر چڑھائے گئے تو ان کو خریدنا اور گوشت کھانا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۶ھ۔

کالی بکری کو مخصوص طور پر ذبح کرنا

سوال[۱۳۴]: ایک شخص رمضان کی ۲۷/ تاریخ کو ایک سیاہ رنگ کی بکری ذبح کرتا ہے اور تمام گھر کے آدمی ہلدی میں ہاتھ رنگ کر اس پر لگاتے ہیں، پھر امام صاحب سے ذبح کراتے ہیں، اور اس کے سری وپائے چوراہے راستہ میں دفن کرتے ہیں اور گوشت کی پلاؤ پکوا کر کھلاتے ہیں اور وہ بکری کالی کے نام سے کرتے ہیں اور امام صاحب سے قل پڑھواتے ہیں، اگر امام یہ کام نہ کرے تو مسجد میں نہیں رہ سکتا۔ اس بکری کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فعل سخت گناہ، قریب شرک ہے (۲) اور اس بکری کا کھانا حرام ہے، وہ بالکل مردار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان المبارک/ ٦٦ھ۔

---

(۱) "غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کا حکم مثل سائبہ کے ہے اور سائبہ ملک غیر ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے اگر مالک کی اجازت سے مذکورہ جانور کو خرید کر ذبح کیا جائے تو حلال ہے کیونکہ جب ناذر مالک نہ رہا تو اس کا فساد نیت بھی قابل اعتبار نہیں رہا"۔ (امداد الفتاوی: ۹۹/۴) (وکذا فی مجموعة الفتاوی: ۲۴۹/۲) (واحسن الفتاوی: ۱/۱۵) (وامداد المفتیین، ص: ۹۳۹)

(۲) اس کو قریب شرک اس لئے فرمایا ہے کہ ایسے ذبائح اکثر لوگ غیر اللہ (کسی صاحب مزار وغیرہ) کی خوشنودی کے لئے اپنی مرادیں پوری ہونے کی غرض سے کرتے ہیں، اور یہ حرام ہے اور ایسے ذبیحوں کا کھانا قرآن پاک کی آیت کے تحت حرام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: "﴿إنما حرّم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر و ماأهل به لغیر الله﴾. الایة" (البقرة: ۱۱۵)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ تحتها: "أی ماوقع متلبساً به أی بذبحه الصوت لغیر الله تعالیٰ =

غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ سے گائے گابھن کرانا

سوال[۱۳۵]: غیر اللہ کے نام پر یعنی رام سیپ درگاہ وغیرہ کے نام ہندو لوگ بیل، بھینس چھوڑتے ہیں، اس کا کھانا مسلمانوں کے لئے درست ہے یا نہیں؟ اور اس سانڈ سے جو کہ غیر اللہ کے نام پر ہے مسلمانوں کو اپنی گائے اور بھینس وغیرہ کو گابھن کرانا درست ہے یا نہیں؟ اگر اس کا کھانا درست نہیں ہے تو اس سے گابھن کرانا اور بچہ پیدا کرنا کیسے درست ہے؟ ایک مجبوری یہ ہے کہ مسلمان کوئی سانڈ نہیں چھوڑتا، بتایئے کہ نسل کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟ نیز مینڈک، کیکڑا، گیدڑ، بلی اور انسانوں کے بال، سانپ کا چمڑا، بیچنا یا خریدنا، اس کا پیسہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور حرام ہے اس کا کھانا ہرگز جائز نہیں (۱)، ایسے جانور سے اگر گائے وغیرہ گابھن ہو کر بچہ دے تو وہ بچہ مردار نہیں (۲)۔ مردہ مینڈک، کیکڑا، گیدڑ، بلی اور انسانوں کے بالوں کی خرید وفروخت ناجائز ہے (۳)، اس کی قیمت کا پیسہ بھی جائز نہیں، سانپ کا چمڑہ دباغت دیکر بیع کرنا

=..... و المراد– بغير الله – تعالىٰ الصنم وغيره كما هو الظاهر". (روح المعاني : ۴۲/۲، دار احياء التراث العربی)

وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "وكذلک حرّم عليهم ماأهل به لغير الله، و هو ما ذبح على غير اسمه تعالىٰ من الأنصاب والأنداد والأزلام ونحو ذلک الخ ". (تفسير ابن كثير : ۲۷۹/۱، مكتبه دار السلام رياض)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''اہلِ ہنود کے مخصوص بکروں کا حکم'')

(۲) "فلو كانت أمه حلالاً، لكان حكمه حكم أمه، لأن حكم الولد حكم الأم، إذ هو كبعضها، ألاترى أن حمارةً أهلية لوولدت من حمار وحشي، لم يوكل ولدها،ولوولدت حمارة وحشية من حمارأهلىّ أكل ولدها، فكان الولد تابعاً لأمه دون ابيه". (أحكام القران للجصاص : ۲۷۱/۳، ۲۷۲،سورة النحل، تحت قوله تعالىٰ: (والأنعام خلقها)، قديمی)

"إن ولد الحيوان يتبع أمه". (ردالمحتار: ۲۸۴/۴،كتا ب اللقيط، مطلب فيمن وجد خطباً، سعيد)

(۳)فی الدر المختار :"وبطل بيع قن ...... وشعر الإنسان لكرامة الآدمي ولو كافراً". قال الشامیؒ :"لايجوز الانتفاع به لحديث: "لعن الله الواصلة والمستوصلة". وإنما يرخص فيما يتخذ من الوبر، فيزيدفی قرون النساء وزوا بهن". هدايه.(فرع) لو أخذ شعر النبی صلى الله عليه وسلم ممن عنده وأعطاه هداية عظمية لاعلى وجه البيع، فلابأس به، سائحانی عن الهندية". (الدر المختار: ۵۸/۵،كتاب البيو ع مطلب فی بطلا ن بيع، سعيد) .... =

جائز ہے (۴)، اس کا پیسہ بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

پیر کے نام کا بکرا ذبح کرنے سے حلال نہیں

سوال [۱۳۶]: پیر کے نام کا بکرا جبکہ وقتِ ذبح اللہ کا نام لیا جائے حرام ہے یا حلال یا مکروہ، جبکہ تفسیر میں حرام ہونے کا ثبوت نہیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

حرام ہے: صرح به في تفسير الإكليل حاشية مدارك التنزيل، وأكثر فيه من النقول، وأيضاً صرح به في تفسير عزيزي (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

= وفي النهر: "ولم يجز أيضاً بيع شعر الإنسان ولا الانتفاع به، لأن الآدمي غير مبتذل، فلا يجوز أن يكون شئي من أجزاء ه مهاناً مبتذلاً وهذا الإطلاق يعم الكافر". (النهر الفائق: ۴۲۸/۳، باب البيع الفاسد، امداديه ملتان) (وكذا في البحر الرائق: ۱۳۳/۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه) (وكذا في تبيين الحقائق: ۳۷۶/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، بيروت)

(۴) قال الحصكفي رحمه الله: "يباع إلا جلد إنسان وخنزير وحية". قال الطحطاوي: "(قوله: وحية) ينبغي تقييده بالحية الصغيره التي لهادم، فإن جلدها لرقته لايحتمل الدبغ، ومالادم لها طاهرة لعدم حلول الحياة فيها. والكبير ينبغي طهارة جلد ها بالدبغ حيث احتمله، ويجوز بيعه للانتفاع به كمايد ل عليه ظاهر كلامهم في الطهارة عند ذكر الدبغ وحرره". (حاشيه الطحطاوي على الدر المختار: ۷۲/۳، باب البيع الفاسد، بيروت) (وكذا في ردالمحتار على الدر المختار: ۷۳/۵، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وأما مالايحتمل الدباغ مثل جلد الحيه الصغيرة، والفارة لايطهر بالدباغ كاللحم". (تبيين الحقائق، ۹۱/۱، كتاب الطهارة، سعيد)

(۱) قال الشاه عبدالعزيز المحدّث الدهلوي في فتاواه: " لو ذبح شاةً على النصب من الأنصاب أو ...... =

حضرت سید سالار غازی مسعود کی نذر

سوال[۱۳۷]: غازی مسعود سالار غازی کی یادگار سالانہ تازہ کرنے کے لئے اپنے مکان میں نشان مٹی کے گولے کی طرح بناتے اور اس سے ڈرتے، نیز تبرک مانتے ہیں اور سالار غازی صاحب کے نام پر خصی و مرغ ذبح کرتے ہیں، خصی و مرغ کا خون نیز ہڈیاں سب اسی مٹی کے ڈھیر اور نشان میں دفن کردیتے ہیں، یہ سب ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے کرتے ہیں، خصی نیز مرغ کا گوشت کھاتے نیز اقرباء میں تقسیم کرتے ہیں، اگر کوئی منع کرے تو اس کو برا تصور کرتے ہیں۔ ایسا کرنا کرانا اور اس میں مدد کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ سب مشرکانہ رسمیں ہیں ان سے توبہ واجب ہے(۱)، نذر صرف اللہ پاک کے لئے جائز ہے اور کسی کے لئے جائز نہیں (۲) غیر اللہ پر ذبح کیا ہوا جانور مرغ خصی وغیرہ کھانا قطعاً حرام ہے: قال اللہ تعالیٰ ﴿و ما أهل به لغير الله﴾ الاية (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= علی قبر من القبور، وقصدبه التقرب إلى صاحب القبر أو صاحب النصب، وذكر اسم الله عليه، لا تحل اهـ". (فتاویٰ عزیزی، ص: ۴۸۴، سعید)

(۱) "ذبح کردنِ جانور بنام غیر خدا خواه پیغمبر باشد خواه ولی خواه شهید خواه غیر انسان، حرام است، و اگر به قصدِ تقرب بنام اینها ذبح کرده باشد ذبیحهٔ آن جانور هم حرام و مردار میشود، و ذبح کُنـنـده مرتد میشود، توبه ازیں فعلِ منع لازم است، درتفسیر نیشاپوری و دیگر تفاسیر مرقوم است: قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبيحةً، و قصد بذبحه التقرب إلى غير الله صار مرتداً، و ذبيحته ذبيحة مرتد". (فتاوی عزیزی: ۱/ ۵۰، مسئله ذبح جانور بنام غیر الله تعالیٰ، کتب خانه رحیمیه دیوبند)

(وكذا في روح المعاني: ٦/ ٥٨، (سورة المائده: ٣)، دار إحياء التراث العربي)

(۲) "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشموع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام اهـ". (الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مطلب في النذر الذي يقع للأموات الخ. قبيل باب الاعتكاف: ۲/ ۴۳۹، سعيد)

(۳) (البقرة: ۱۷۳) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما أهل لغير الله به﴾: أي ماذبح فذكر عليه غير اسم الله فهو حرام، =

اولیاء اللہ کیلئے نذر ماننا

سوال[۱۳۸] : کیا مشکل کے وقت مرحوم بزگان دین اولیاء کرام کو پکارنا، منتیں ماننا، پیروں کے نام سے نذر و نیاز کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ پیروں کو اللہ کے برابر نہیں مانتے، ہم ان کو اللہ کے بندے مانتے ہیں، اسی نے اس کو یہ قدرت وتصرف بخشا ہے، اس کی مرضی سے عالم میں تصرف کرتے ہیں، ان سے مدد مانگنا عین اللہ سے مدد مانگنی ہے، کیا ایسا عقیدہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا عقیدہ رکھنا تعلیمات اسلام کے خلاف اور غلط ہے، اس کو توبہ لازم ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ ایمان بالکل ہی سلب نہ ہو جائے: "أما النذر الذی ینذره أکثر العوام علی ماهو مشاهد کأن یکون لإنسان غائب أومریض أوله حاجة ضروریة، فیأتی بعض الصلحاءِ، فیجعل ستره علی رأسهِ فیقول: یاسیدی فلان! إن ردّ غائبی أو عوفی مریضی أو قضیت حاجتی، فلك من الذهب ومن الفضة کذا أو من الطعام کذا، أو من الماء أو من الشمع کذا، أومن الزیت کذا، فهذا النذر باطل بالإجماع لوجوه: منها: أنه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لاتکون للمخلوق، ومنها: أن المنذور له میت والمیت لایملك، ومنها: أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللّٰه تعالی، واعتقاده ذلك کفراھ". بحر: ۲/۲۸۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

= لأن اللہ تعالیٰ أوجب أن تذبح مخلوقاته علی إسمه العظیم، فمتی عدل بها عن ذلک و ذکر علیها اسم غیره من صنم أو طاغوت أو وثن أو غیر ذلک من سائر المخلوقات، فإنها حرام بالإجماع".

(تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۲، ۱۳، (سورة المائدة:۳)، دار الفیحاء بیروت)

(وکذا فی روح المعانی: ۸/۴۴، (سورة الأنعام: ۱۴۵)، دار إحیاء التراث العربی)

(وکذا فی فتاوی عزیزی: ۱/۵۰، مسئلہ :ذبح جانور بنام غیر اللہ تعالیٰ" کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

(۱) (البحر الرائق: ۲/۵۲۰، کتاب الصوم، فصل فی النذر، رشیدیه)

"اعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم یقصد واصرفها لفقراء الأنام". (الدر المختار، ۲/۴۳۹، کتاب الصوم، سعید)

غیر اللہ کے نام کا جانور

سوال[۱۳۹]: جو بکرا وغیرہ بنام غیر اللہ چھوڑا گیا ہو، اس کو شرعی طریق سے ذبح کر کے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ محمد اصغر، ہوشیار پوری

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر مالک اپنی نیت سے توبہ کر کے خود ذبح کردے یا کسی کے ہاتھ فروخت کردے یا ویسے ہی ہبہ کردے تب تو درست ہے(۱)، اگر مالک نے توبہ نہیں کی بلکہ اس کو چھوڑے رکھا اور کسی نے اس کو ذبح کردیا تو یہ جائز نہیں، اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۸/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

بھینٹ کا مرغا

سوال[۱۴۰]: کسی جانور مثلاً: مرغا وغیرہ کو جانوروں کے اوپر سے پھیر کر یا کسی انسان کے سر پر سے پھیر کر رکھا جائے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ مشرکانہ طریقہ ہے اور اس کو بھینٹ چڑھانا کہتے ہیں، یہ غیر اللہ کے لئے نذر ہوتی ہے جو کہ مردار کے حکم میں ہے، اس کا کھانا جائز نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیو بند، ۱۴/۲/۱۳۹۵ھ۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''بت کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا حکم'')

(۲) ''اگر مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کیا تو اس میں دو وجہ سے حرمت آگئی ایک مالک کی فسادِ نیت کی وجہ سے کیونکہ جانور کو سائبہ کرنے سے مالک کا ملک زائل نہیں ہوتا اور دوسرے غصب وسرقہ کی وجہ سے''۔ (امداد الفتاوی ۴/۹۹)

(۳) ''اعلم أن النذر الذی يقع للأموات من أكثر العوام إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام''. (الدر المختار: ۲/۴۳۹، كتاب الصوم، سعيد) .... =

غیر اللہ کے نام پر ذبح مشرکانہ عمل ہے

سوال[۱۴۱]: ۱...... زید نے ایسے بت اور مورتی کی منت مانی جس کو ہندو لوگ پوجتے ہیں اور ان پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، پھر چند سال کے بعد وہ اپنے لڑکے کے سر پر سے چوٹی اتروانے کے لئے ایک یا دو بکرے اسی بت اور مورتی کے نام سے مانے، پھر وہاں ایک یا دو بکرے اسی بت کے نام ذبح کئے۔

۲...... بکرا اس بت یا مورتی کا مانا ہوا تھا اور جہاں پر بت اور مورتی ہے وہاں لے جا کر اپنے لڑکے کے سر پر چوٹی اتروا کر بغیر کسی کا نام لئے ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت نہ اللہ کا نام لیا اور نہ کسی بت و مورتی کا نام لیا۔

۳...... زید نے بکرا اسی بت اور مورتی کے نام کا مانا ہوا تھا اور مورتی اور بت گاہ پر پہونچ کر ''بسم اللہ، اللہ اکبر'' کہہ کر ذبح کیا تو کیا ان تینوں صورتوں میں بت کے نام کی منت ماننے سے توبہ کرنا ضروری ہے؟

۴...... اگر کسی شخص نے منت مذکورہ بالا طریقے پر مانی اور وہ اپنے گھر پر منت پوری کرتا ہے تو کیا اس کو توبہ کرنے کی ضرورت ہوگی؟

۵...... اگر کسی نے غیر اللہ کے نام کی منت مانی اور بے خبری کی وجہ سے کھالیا تو کیا گنہگار ہوگا؟

۶...... اگر کسی نے یہ سمجھ کر کھالیا کہ بھائی ناراض ہو جائے گا تو کیا فتویٰ ہے؟

۷...... زید کو معلوم ہے کہ غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا شرک ہے اور کھانا حرام ہے، پھر بھی وہ اپنی منت پوری کرتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہوگا؟ مولوی عبدالمجید قاسمی بناس کانٹھا گجرات۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح نذر ماننا مشرکانہ طریقہ ہے جو کہ سخت معصیت ہے اور ایسا بکرا حلال نہیں، تینوں صورتوں

= ''وکذا مایقع من المعتقدین للأموات من الذبح علی قبورهم، فإنه مما أهل به لغیر اللہ، ولا فرق بینه وبین الذبح للوثن''. (فتح القدیر للشوکانی: ۱/۱۷۰، مصر)

''قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبیحةً وقصد بذبحها التقرب إلی غیر اللہ صار مرتداً، و ذبیحته ذبیحة مرتد''. (تفسیر النیشابوری بهامش الطبری: ۲/۱۲۰، دار المعرفة بیروت)

''لو أن مسلماً ذبح ذبیحةً وقصد بذبحها التقرب إلی غیر اللہ، صار مرتداً، و ذبیحته ذبیحة مرتد''. (التفسیر الکبیر للإمام فخر الدین الرازی: ۵/۱۱، طهران)

میں حرام اور مردار ہے(۱) قرآن شریف وحدیث شریف کا جو فیصلہ ہے وہ بالکل حق ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، کسی کو اس کے خلاف فیصلہ دینے کا حق نہیں (۲)، مہمان کو اگر علم ہو کہ یہ کھانا غیر اللہ کے نام کا اور بت کی نذر کا ہے تو اس کو بھی کھانا حرام ہے (۳)۔

جو شخص بت کی پوجا کرے وہ اسلام سے خارج ہے (۴) نہ اس کا ایمان باقی رہا، نہ اس کا نکاح باقی رہا، تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح لازم ہے (۵)، شوہر نے اگر ایسا کیا ہے تو جب تک وہ تجدید ایمان وتجدید نکاح نہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما حرّم عليكم الميتة والدم و لحم الخنزير و ما أهل به لغير الله﴾. الآية (البقرة: ۱۷۳)

"﴿و ما أهل به لغير الله﴾ والمراد بغير الله تعالىٰ الصنم و غيره كما هو الظاهر". (روح المعاني: ۴۴/۲، (البقرة: ۱۷۳)، دار إحياء التراث العربي)

"ذبح لقدوم الأمير يحرم؛ لأنه أهل به لغير الله (ولو) وصلية(ذكر اسم الله تعالىٰ)". (الدر المختار: ۳۰۹/۶، كتاب الذبائح، سعيد)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ما كان لمؤمن و لا مؤمنة إذا قضى الله و رسوله أمراً أن يكون لهم الخِيَرة من أمرهم﴾. الآية (الاحزاب: ۳۶)

(۳) "و في الأشباه: الحرمة تنتقل مع العلم". (الدر المختار: ۳۸۵/۶، فصل في البيع، سعيد)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۲/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۴) "لو سجد لصنم .... يكفر". (رد المحتار: ۲۲۲/۴، باب المرتد، سعيد)

"عبادة الصنم كفر، و لا اعتبار بما في قلبه". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۲۲، كتاب السير، قبيل اللقيط واللقطة الخ، دار الفكر)

(۵) "ما يكون كفراً اتفاقاً يبطل العمل والنكاح .... و ما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة و تجديد النكاح .... (قوله: والتوبة): أي تجديد الإسلام". (رد المحتار على الدر المختار: ۲۴۶/۴، ۲۴۷، باب المرتد، مطلب جملة من لا يقتل إذا ارتد، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۳/۲، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، قبيل الباب العاشر في البغاة، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۴۵۸/۵، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر الخ، إدارة القرآن)

کرلے بیوی اس کو پاس نہ آنے دے، جب یہ نذر ماننا ہی حرام ہے، شرک ہے تو اپنے گھر پر بھی اس کو پورا کرنا ناجائز ہے(۱) لہٰذا صورت نمبر:۴ کی صورت بھی پہلی ہی صورتوں میں داخل ہے۔

غیر اللہ کی منت ماننے کا مستقل گناہ ہے اور جس نے بے خبری میں ایسا کھانا کھالیا تو اس کو توبہ واستغفار لازم ہے، کھلانے والے کو بھی سرزنش کرے اور آئندہ کو پوری احتیاط کرے۔ بھائی کی ناراضگی کے اندیشہ سے بھی حرام ومردار کھانا جائز نہیں، اللہ اور رسول کو ناراض کر کے بھائی کو راضی کرنے کا انجام خطرناک ہے(۲)، غیر اللہ کی منت ماننے پر جو وعید ہے اس کا علم نہیں تھا جہالت میں منت مان لی ہے اور اب یہ علم ہوا کہ یہ حرام اور شرک ہے ہرگز وہ منت پوری نہ کرے بلکہ اس سے توبہ کرے، غیر اللہ کی منت ماننا بالکل حرام ہے خواہ وہ بت ہو یا کوئی بزرگ(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۶ھ۔

النذر لغیر اللہ

سوال[۱۴۲]: العبادة مطلقاً مالیةً کانت أوبدنیةً من الحقوق الخالصة للّٰہ تعالی، فالإتیان بشئی من العبادات لغیره تعالی إشراك باللّٰہ تعالی، فالنذر لتعظیم المخلوق والإهلال

---

(۱) "واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام .... تقرباً إلیهم فهو بالإجماع باطل وحرام". (الدر المختار) قوله: (باطل و حرام) لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق .... ومنها أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالیٰ، کفر". (الدر المختار، کتاب الصوم، مطلب: النذر الذی یقع للأموات: ۲/۴۳۹، سعید)

(۲) "عن النواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق". رواه فی شرح السنة". (مشکوة المصابیح، ص: ۳۲۱، کتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثانی، قدیمی)

(و فیض القدیر: ۱۲/۶۴۸۲، رقم الحدیث: ۹۹۰۳، نزار مصطفی الباز)

(ومسند الإمام أحمد: ۶/۵۹، رقم الحدیث: ۲۰۱۳۰، دار إحیاء التراث العربی)

(۳) (راجع رقم الحاشیة: ۱)

بشئی لأجل تعظیم غیر اللّٰہ کفر وإشراك باللّٰہ تعالی، والمنذور حرام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

العبادة مختصة باللّٰہ تعالیٰ، والندر لغیر اللّٰہ حرام أو شرك، والمنذور لغیر اللّٰہ حرام ألبتة، لقولہ تعالی: ﴿ وماأھل بہ لغیر اللّٰہ﴾ (۱) والبسط فی البحر الرائق(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/ ۸۸ھ۔

نذر لغیر اللہ کا حکم

سوال[۱۴۳]: کیا نذر و نیاز کا کھانا امیر، صاحبِ نصاب کھا سکتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین یا ائمہ مجتہدین یا بڑے پیر صاحب نظام الدین اولیاؒء یا باقی معتمد علیھم بزرگانِ دینؒ کا تیجہ، دسواں، چالیسواں ہوا ہے، ہوا ہے تو کس بزرگ نے کیا؟ مع نام کے تحریر فرمائیں اور موتیٰ کو ایصال ثواب کی نیت سے پکایا ہوا کھانا غریبوں کا حق ہے یا مالداروں کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نذر کسی میت کے لئے مانی گئی تو وہ حرام ہے اس کو کھانا کسی کو بھی جائز نہیں، اگر نذر خدا کے لئے ہے اور ثواب میت کے لئے تو فقراء کو اس کا کھانا شرعاً درست ہے، مالدار، عہدہ دار، علماء کو ایسا کھانا نہیں کھانا چاہئے:

---

(۱) (البقرة: ۱۷۳)

(۲) "أماالنذر الذی ینذرہ أکثر العوام علی ماھو المشاھد کأن یکون لإنسان غائب أومریض أولہ حاجة ضروریة، فیأتی بعض الصلحاء، فیجعل سترہ علی رأسہ، فیقول: یاسیدی فلان! إن رد غائبی أو عوفی مریض أو قضیت حاجتی، فلک من الذھب ومن الفضة کذا، أو من الطعام کذا، أو من الماء، أو من الشمع کذا، أومن الزیت کذا، فھذا النذر باطل بالإجماع، لوجوہ: منھا: أنہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز، لأنہ عبادة والعبادة لاتکون للمخلوق، ومنھا: أن المنذور لہ میت والمیت لایملک، ومنھا: أنہ إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالی، واعتقادہ ذلک کفر". (البحر الرائق: ۲/ ۵۲۰، کتاب الصوم، فصل فی النذر، رشیدیہ)

"ألـلهـم إلا أن يقول: يا الله! إنی نذرت لك إن شفيتَ مريضی أو رددتَ غائبی أو قـضيـت حـاجتـی أن أطعِـم الـفـقراء الذين بباب السيدة النفسة، أو الفقراء الذين بباب الإمام الشـافعی أوالإمـام الـليـث أو أشتـری حـصـراً لمساجد هم أو زيتاً لوقودها، أو دراهم لمن يقوم بشـعـائـرهـا إلی غير ذلك مما يكون فيه نفع للفقراء، و النذر لله عزوجل۔ وذكر الشيخ: إنما هو بيـان لـمـحـل صـرف الـنـذر لـمستـحقيه القاطنين برباطه أو مسجده، فيجوز بهذا الإعتبار، إذ مـصرف النذر الفقراء وقد وُجد، ولا يجوز أن يصرف ذلك إلی غنی غير محتاج إليه ولا لشريف مـنـصب ، لأنه لا يحل له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً، ولا لذی نسب لأجل نسبه ما لم يكن فـقيـراً، ولا لـذی عـلم لأجل علمه مالم يكن فقيراً، و لم يثبت فی الشرع جواز الصرف للأغنياء لـلإجـمـاع علی حرمة النذر للمخلوق، ولا ينعقد، ولا تشتغل به الذمة، وأنه حرام بل سحت".
طـحـطـاوی عـلـی مراقی الفلاح: ۲/ ۳۷۹(۱)، تیجہ، دسواں، چالیسواں شرعاً ثابت نہیں، بدعت اور ممنوع ہے، شامی (۲) فتاوی بزازیہ (۳) وغیرہ میں صراحۃ ممانعت موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۲۴/ ۱۰/ ۶۰ھ۔

نذر لغیر اللہ

سوال[۱۴۴]: بزرگوں کے مزاروں پر جونذر ونیاز چڑھائی جاتی ہے، اسی طرح بزرگوں کوخوش کرنے کے لئے ان بزرگوں کے نام پر جومرغ وغیرہ ذبح کرتے ہیں ان کا کھانا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جوعوام بزرگوں کے نام کی نذر ونیاز مانتے اور مزارات پر چڑھاتے ہیں، وہ سخت گنہ گار ہیں

---

(۱)(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص: ۶۹۳، كتاب الصوم، باب يلزم الوفاء، قديمی)

(۲) "ويـكـره اتـخـاذ الطعام فی اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلی القبر فی المواسم، واتـخـاذ الـدعوة لقرائة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص".
(رد المحتار: ۲/ ۲۴۰،مطلب فی كراهة االضيافة من أهل الميت، سعيد)

(۳) (الفتاویٰ البزازيه، الخامس والعشرون فی الجنائز، وفيه الشهيد: ۴/ ۸۱، رشيديه)

اور وہ نذر حرام ہے، اس کا کھانا بالکل ناجائز ہے اور مرغ وغیرہ جو جانور بھی بزرگوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں وہ بالکل مردار ہے، اگر نذر ماننے وقت بزرگوں کے نام کی نذر مانی، پھر اس کو ''بسم اللہ ،اللہ اکبر'' کہہ کر ذبح کیا جاوے وہ بھی حرام ہے(۱)۔

''اعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل وحرام اه. درمختار. (قوله: باطل و حرام): لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق ولا یجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق، ومنها: أن المنذور له میت والمیت لا یملك، ومنها: أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالیٰ، کفر الخ''. طحطای: ۲/ ۴۷۱(۲)۔

---

(۱)''قال العلماء :لو أن مسلماًذبح ذبیحةً وقصد بذبحها التقرب إلی غیر الله، صار مرتداً، و ذبیحة ذبیحة مرتد''. (التفسیر الکبیر للإمام فخر الدین الرازی: ۵/۱۱ ،دارالکتب طهران)

''ذبح لقدوم الأمیر ونحوه کواحد من العظماء یحرم؛ لأنه أهل به لغیرالله، ولو ذکر اسم الله تعالی''. (الدر المختار، کتاب الذبائح: ۶/ ۳۰۹،سعید)

''عن الحسن البصری سئل عن امرأ ة عملت عرساً للعبها فنحرت فیه جزوراً فقال: لاتوکل، لأنها ذبحت لصنم''. (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۸۰ ،دارالقلم، بیروت)

''قال صاحب الروض :''إن المسلم إذاذبح للنبی صلی اللهعلیه وسلم کفر''. قال الشوکانی :''وإذاکان الذبح لسید الرسل کفراً عنده ، فکیف بالذبح لسائر الأموات''.(فتح البیان: ۱/۲۷۵،مصر)

''ومثله مایقع من المعتقدین للأموات من الذبح علی قبورهم، فإنه مما أهل به لغیر الله، ولافرق بینه وبین الذبح للوثن''. (فتح القدیر: ۱/ ۱۷۰، للعلامه الشوکانی، مصر)

''لو أن مسلماً ذبح ذبیحةً وقصد بذبحها التقرب إلی غیر اللهصار مرتداً ،وذبیحته ذبیحة مرتد''.(تفسیر النیسابوری علی هامش الطبری: ۲/ ۱۲۰، بیروت)

(وکذا فی موضح القرآن: ۱/ ۳۲،سعید)

(وکذا فی معارف القرآن: ۱/ ۴۲۲،۴۲۴، إدارة المعارف)

(۲) (حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۴۷۱، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده، قبیل باب الإعتکاف، دار المعرفة)

"وماأحل به : یعنی دیگر آں جانور که آواز برآورده شد، وشهرت دا شد درحقِ آں جانور که بغیر الله یعنی برائے غیرخدااست، خواه آں غیربُت باشد یاروحے خبیث که بطریقِ بھوگ که بنامِ اوبد هنده، خواه جنے مسلط برخانه یاسرائے که بدون دادنِ جانور از ایذائے سکنه آنجادست بردار نشود، یاتوپ را روانه کردن ندهد، وخواه پیرے وپیغمبر رابایں وضع جانور مقرر کرده، همه حرام است،و درحدیث صحیح وارداست: "ملعون من ذبح لغیرالله" یعنی هر که بذبحِ جانور تقرب بغیرِ خدانماید ملعون است، خواه در وقتِ ذبح نامِ خدا بگیرد یانے، زیراکه چوں شهرت داد که این جانور برائے فلانے است ذکر نام خداوقت ذبح فائده نه کرد، آں جانور منسوب بآں غیر گشت، وخبثے گشت که زیاده از خبثِ مردار است ،زیراکه مردار بے ذکر نام خدا جان داده است ،وجانِ این جانور را از آں غیرِ خدا قراداده گشته اند، وآں عینِ شرک است، وهرگاه ایں خبث دروے سرایت کرد، دیگر بذکرِ نام حلال نمی شود ،مانندِ سگ وخوک که اگر بنامِ خدامذبوح شوند حلال نمی مگرد، کذافی الإکلیل، ج: ۲، من تفسیر فتح العزیز للشاه عبدالعزیز المحدث دهلوی)(۱).

---

(۱) "ملعونٌ من ذبح لغیر الله"(فتاو ی عزیز ی، ص: ۵۰۵، سعید)

"لعن اللهمن ذبح لغیر الله"(التفسیر المظهری: ۳/ ۲۰، حافظ کتب خانه)

"عن علی رضی الله تعالیٰ عنه حدثنی رسول اللهصلی اللهعلیه وسلم بأربع کلمات : "لعن اللهمن ذبح لغیر الله". (معارج القبول بشرح سلّم الوصل إلی علم الأصول فی التوحید: ۱/ ۲۱۴،سعودی)

ترجمہ: اکثرعوام کےطرف سےمردوں کی خاطر جونذر چڑھائی جاتی ہےاور بزرگوں کےمزارات پرجوموم بتی خوشبواورروپیہ چڑھایاجاتا ہےجس کا مقصدان بزرگوں کوخوش کرنااوران کاتقرب حاصل کرنا ہے یہ سب باتفاق ائمہ حرام ہے اور باطل ہیں (درمختار) طحطاوی میں ان کےحرام اورناجائز ہونے کی کئی وجہ لکھی ہیں: ایک تو یہ کہ مخلوق کے لئے نذر ماننا ہے، حالانکہ نذرعبادت ہے جوخالق کےساتھ مخصوص ہے۔دوسرے یہ کہ جس کے لئے نذر مانی ہے وہ مردہ ہےتو بھلاوہ کسی چیز کا کیسے مالک ہوسکتا ہےاورتیسرے یہ کہ اس میت کےساتھ یہ اعتقادبھی کیا جاتا ہے کہ وہ عالم میں تصرف کرتا ہےاور یہ عقیدہ رکھنا تو کفر ہے۔

غیراللہ کی نذر کا کھانا کیا کیا جائے

سوال[۱۴۵]: غیراللہ کی نذر ونیاز کا کھانا بلاعلم تحفہ میں آجائے اور پھر واپس کرنے پر واپس نہ لیں تو اس کو غرباء کو دیا جاسکتا ہے کہ نہیں یا دفن کردیا جائے یا جانور کو دیدیا جائے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر غیراللہ کے نام کی نذر ہے تو اس کو ایسی جگہ رکھ دیا جائے کہ اسے جانور کھالے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۸۷/۶/۱۶ھ

= الاکلیل: ۶/۲، میں ہے، دوسرے وہ جانور بھی حرام ہیں جن کے بارے میں اعلان اور شہرت دیدی گئی ہو کہ یہ غیراللہ کے واسطے ہیں، خواہ وہ غیراللہ بت ہو یا کوئی خبیث روح جیسا کہ بت وغیرہ کے نام پر بھوگ چڑھاتے ہیں اور خواہ وہ روح کسی ایسے جن کی ہو جو کسی مکان پر مسلط ہو اور وہ بغیر اس جانور کے بھینٹ چڑھائے وہ جن اس گھر کے رہنے والوں سے دست بردار نہ ہو یا وہ جن توپ کو نہ چلانے دے اور ایسے ہی کسی پیر پیغمبر کے واسطے کوئی زندہ جانور موسوم کردیا جائے، یہ سب شکلیں حرام ہیں اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "جو شخص کسی جانور کو ذبح کر کے غیراللہ کا تقرب کرنا چاہے وہ ملعون ہے" خواہ ذبح کے وقت غیراللہ کا نام لے یا نہ لے۔ اس واسطے ہے کہ جب اس بات کی شہرت دیدی گئی کہ یہ جانور فلاں (پیر، پیغمبر) کے واسطے تو بوقت ذبح خدا کا نام لینا مفید نہ ہوگا، کیونکہ وہ جانور غیراللہ کی طرف منسوب ہو ہی چکا ہے اور اس نسبت کی وجہ سے اس میں ایسی برائی پیدا ہوگئی، جو مردار کی برائی سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ مردار میں صرف یہی برائی ہے کہ اس کی موت بغیر اللہ کے نام لئے ہوئے واقع ہوئی ہے اور اس جانور کی جان اس غیر خدا کے لئے مقرر کر کے لی گئی ہے اور یہ عین شرک ہے اور جب یہ برائی اس میں سرایت پذیر ہوگئی تو اب نام خدا لینے سے یہ حلال نہیں ہوسکتا جیسے کہ کتا اور سور اگر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ تو حلال نہیں ہوجاتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) "قيل: لتحمل الخمر إليها، أما إذاقيدت إلى الخمر، فلابأس به كمافي الكلب والميتة". (الهداية، كتاب الأشربة: ۴۹۶/۴، شركة علمية)

"قال بعض المشايخ: لوقاد الدابة إلى الخمر لابأس به". (رد المحتار: ۴۴۹/۶، كتاب الأشربة، سعيد)

"قال بعض المشايخ: لونقل الدابة إلى الخمر لابأس به، ولو نقل الخمر إلى الدابة يكره". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأشربة: ۴۱۱/۵، رشيديه)

"قوله: كمافي الكلب: أي لايحمل الميتة إلى الكلب، لكن يؤتى الكلب إليها". (الكفاية مع فتح القدير، كتاب الأشربة، فصل طبخ العصير: ۴۰/۹، المكتبه النوريه الرضوية سكهر)

ما يتعلق بالاستمداد بغير الله تعالیٰ[1]

(غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کا بیان)

الاستغاثة

سوال[۱۴۶]: الاستغاثة إلى المخلوق، والإ ستغاثة فوق الأسباب، و دعائه دعاءً غيبياً حياً كان المدعو أو ميتاً إشراك بالله تعالیٰ أم لا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

"يكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضره تعلم". كذا في مجمع الأنهر (۱)۔ *فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔*

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

نداء الاموات

سوال[۱۴۷]: إذا دعا أحد: يا شيخ محی الدين رحمه الله تعالیٰ! يا أبا بكر! يا عثمان!، وغيرهم من الأولياء الكرام، بعض العلماء يقولون: هو شرك محض، والبعض يقولون: ليس بشركٍ، وإذا كان شركاً فما الجواب لما ورد في التحيات" أيها النبی" فإن الناس يقولون: إن الأولياء يسمعون بعد الموت، إذا سئل شيئاً يجيبون، و هكذا عقيدة الناس، و في أكثر البلاد يقرأ الناس: محی الدين شيئًا لله، وفيه يدعو العامة: يا محی الدين! فإنهم يقولون: إن محی الدين

---

(۱) (مجمع الأنهر، باب المرتد، النوع الأول : ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربی)

(وكذا فی الفتاوىٰ البزازية: ۳۲۶/۶، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثانی، النوع الثانی فيما يتعلق بالله تعالیٰ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۹/۵، رشيديه)

يحضر في ذلك المجلس و يجيب دعائهم، و هذا مجرب لأكثر الناس،إن الناس لا يفهم أن محى الدين هو الله،ولكن يقولون: و له مرتبة ليس ذلك لعامة العلماء والناس، ما الجواب؟(١).

الجواب حامداً و مصلياً:

من اعتقد أن الأولياء والصلحاء بعد مفارقة أرواحهم من الأبدان يتصرفون في الكون،و لهم قدرة على أن يغيثوا من استغاثهم،و يسمعون و يَصِلون للإعانة من أىّ مكانٍ ينادون،فهذا الاعتقاد لا أصل له في الدين من الكتاب والسنة،وقد صرّح الفقهاء بخلافه حيث قالوا في باب المرتد: "و يكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم اهـ". مجمع :١/٦٩٩(٢)

(۱)(**ترجمۂ سوال و جواب**): "جب کوئی شخص "یا شیخ محی الدین یا ابوبکر، یا عثمان" یا ان کے علاوہ دوسرے اولیاء کرام کو پکارتا ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ شرک محض ہے اور بعض کہتے ہیں کہ شرک نہیں اور اگر شرک ہو تو اس کا کیا جواب ہوگا، جو التحیات میں "أيها النبی" وارد ہوا ہے، پس بے شک لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء موت کے بعد بھی سنتے ہیں اور جب ان سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا ہے، اس کا جواب دیتے ہیں، لوگوں کا عقیدہ یہی ہے اور اکثر بلاد میں لوگ "محی الدین شیئاً للہ" کہتے ہیں اور عوام "یا محی الدین"۔ پس بلاشبہ وہ اس کے قائل ہیں کہ محی الدین اس مجلس میں موجود ہیں اور ان کی پکار کا جواب دیتے ہیں، یہ اکثر لوگوں کا مجرب ہے، لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ محی الدین ہی اللہ ہے، البتہ اس کے قائل ہیں کہ ان کا ایسا مرتبہ ہے جو عامۂ علماء اور عام لوگوں کا نہیں ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: جو شخص اس کا معتقد ہے کہ اولیاء وصلحاء اپنی ارواح کے بدنوں کے جدا ہونے کے بعد بھی عالم میں تصرف کرتے ہیں اور ان کو اس کی قدرت ہے کہ اپنے سے مدد طلب کرنیوالوں کی مدد کریں اور جس جگہ سے بھی ان کو پکارا جائے، ان کی سنیں اور ان کی مدد کو پہونچیں، تو اس اعتقاد کی دین میں کتاب وسنت سے کوئی اصل نہیں، اور تحقیق فقہاء نے اس کے خلاف کی صراحت کی ہے اس طرح کہ مرتد کے باب میں بیان کیا ہے کہ ارواح مشائخ کو حاضر و ناظر اعتقاد کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے، مجمع الأنہر: ۱/ ۶۹۹، والبحر الرائق: ۵/۱۲۴۔ اور رد المحتار میں کہا ہے کہ اگر کوئی یہ گمان کرے کہ مردہ امور میں تصرف کرتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ۲/ ۱۲۸۔ اسی طرح طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

تشہد میں جو نداء وخطاب کا صیغہ وارد ہوا ہے، تو وہ نقل کے طور پر پڑھا جاتا ہے، اصل خطاب اور ہر تشہد پڑھنے والے کے پاس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کریمہ کے موجود ہونے کی بنا پر نہیں، جیسا کہ "یا جبال أوّبی" (سورۃ النساء: ۱۰) وغیرہ بہت سی آیات قرآن کریم میں پڑھی جاتی ہیں اور سوائے نقل کے ان سے کچھ اور مقصود نہیں"۔

(٢) (مجمع الأنهر، باب المرتد، ثم إن الفاظ الكفر أنواع : الأول فيما يتعلق بالله تعالىٰ : ١/ ٦٩١، دار إحياء التراث العربي)

والبحر الرائق: ٥/١٢٤ (١)۔ وقال فی رد المحتار: "إن ظن أن المیت متصرف فی الأمور دون اللہ تعالیٰ، کفر". ١٢٨/٢ (٢)، و کذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ٣٧٨ (٣)۔

وأما ما ورد فی التشهد من صیغة النداء والخطاب، فهو یقرأ علی سبیل النقل، لا لأصل الخطاب و حضور الروح الکریمة عند کل متشهد کما یقرأ فی القرآن الکریم: ﴿یا جبال أوّبی﴾ (٤) و غیره من الآیات الکثیرة لیس المقصود منها سوی النقل۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

انبیائے کرام کو پکارنا

سوال[۱۴۸]: بعض لوگ مصیبت اور حاجت کے وقت انبیاء علیہم السلام، یا اولیاء کرام کو دور سے بطور استمداد پکارتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ سنتے ہیں، اس صورت سے کہنا (ان کو پکارنا) جائز ہے یا نہیں؟ اور اس اعتقاد والے کا کیا حکم ہے؟

دور سے "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کہنا یا نماز میں "أیها النبی" پڑھنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری پکار کو سن رہے ہیں اور خبردار ہوتے ہیں، ایسے اعتقاد والے پر کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ بھی اسلام کے خلاف ہے، جب ایسا عقیدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق رکھنا کفر ہے تو کسی اور نبی، یا ولی کے متعلق کیسے درست ہوگا؟ (۵) "یا رسول اللہ" اس عقیدے سے کہنا کہ ہر جگہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آواز کو خود سنتے ہیں ناجائز ہے اور اس عقیدہ سے کہنا کہ ملائکہ آپ کو اس کی اطلاع کرتے

(١) "وفی البزازیة: قال علماؤنا: من قال أرواح المشایخ حاضرة تعلم یکفر". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ٥/٢٠٩، رشیدیه)

(٢) (رد المحتار، کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام من شمع أو زیت أو نحوه: ٢/٤٣٩، سعید)

(٣) (الطحطاوی علی مراقي الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ٦٩٣، قدیمی)

(٤) (سورة السباء: ١٠)

(٥) "إن الناس قد أکثروا من دعاء غیر اللہ تعالیٰ من الأولیاء الأحیاء منهم والأموات وغیرهم، مثل: یا سیدی فلان! أغثنی، و لیس ذلک من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه =

ہیں درست ہے(۱)، لیکن عوام کے عقائد میں ضرور اس سے فساد آتا ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔

"أيها النبی" نماز میں پڑھنا شرعاً ثابت ہے لہٰذا اس کو پڑھنا جائز ہے(۲) اور عقیدہ یہ رکھنا چاہئے کہ ملائکہ کے ذریعے سے درود وسلام آپ تک پہنچتا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۵/۴/۲۶ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

اولیاء اللہ سے مدد مانگنا

سوال[۱۴۹]: اولیاء اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے، یا نہیں؟ فقط

الجواب حامداًومصلياً:

حضرات اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا درست ہے، مثلاً: یا اللہ اپنے اولیاء کے طفیل یا فلاں بزرگ کے طفیل مجھے نیک بیٹا عطا فرما(۴)، خود براہ راست اولیاء اللہ سے یہ چیز نہ

= بذلک، وأن لا يحوم حول حماه، وقد عدّه أناس من العلماء شركاً". (روح المعانی، [المائدة: ۳۵]، ۱۲۶/۶، دار إحياء التراث العربی)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن لله ملائكةً سياحين فی الأرض يبلغوني من أمتي السلام". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها: ۸۶/۱، قديمی)

(۲) "قال عبد الله: كنا إذا صلينا خلف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلنا: السلام على جبرئيل و ميكائيل، السلام على فلان و فلان، فالتفت إلينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "إن الله هو السلام، فإذا صلّى أحدكم فليقل: التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته .... الخ". (صحيح البخاری، باب التشهد فی الآخرة: ۱۱۵/۱، قديمی)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة رقمها: ۱)

(۴) "عندنا و عند مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ يجوز التوسل فی الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين فی حياتهم و بعد وفاتهم بأن يقول في دعائه: أللهم إني أتوسل إليك بفلان أن تجيب دعوتي و تقضي حاجتي إلى غير ذلك". (المهند على المفند، الجواب عن السوال الرابع، ص: ۳۲، مكتبة العلم)

مانگی جائے کہ اے فلاں بزرگ آپ مجھے بیٹا دے دیجئے، اسی طرح کسی مصیبت یا بیماری وغیرہ میں مبتلا ہو تو بزرگ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے، براہ راست بزرگ سے نہیں، جیسے کہ بعض جگہ دستور ہے کہ بڑے پیر صاحب، یا کسی اور بزرگ سے مدد مانگتے ہیں اور کہتے ہیں: "یا غوث المدد" شرعاً اس کی اجازت نہیں (۱) جو شخص متبع سنت اور نیک آدمی ہو ہمارے اطراف میں، اس کو وہابی کہتے ہیں، اگرچہ وہ کچھ بھی مراد لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۶۷ھ۔

پیران پیر سے مدد مانگنا

سوال [۱۵۰]: ایک عورت دردزہ کی تکلیف میں کسی ولی سے استغاثہ کا کلمہ مثلاً: "یا محی الدین" بے اختیار زبان سے کہتی رہے، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ نیز اس علاقہ میں استغاثہ کرنا عوام میں رائج ہے، مثلاً "یا غوث الأعظم"، لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کہنے والوں کے پیش نظر واقعۃً ان اولیاء سے استغاثہ ہی مقصود ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بلکہ صراحۃً جب پوچھا جائے تو وہ بھی استغاثہ کی نفی ہی کرتے ہیں، گویا محض عادتاً یہ کلمات زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ محمد مصطفیٰ مدراسی۔

---

(۱) "دوم آنکہ بالاستقلال چیزے کہ خصوصیت بجناب الٰھی دارد مثل: دادنِ فرزند، یا بارش باران، یا دفعِ امراض، یا طولِ عمر، و مانندِ آن چیزھائے آنکہ دعاء و سوال از جنابِ الٰھی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست نمایند، این نوع حرام مطلق، بلکہ کفر است. واگر مسلمانان کسے از اولیائے مذھبِ خود خواہ زندہ باشد یا مردہ این نوع مدد خواھد از دائرہ مسلمانان خارج می شود". (فتاوی عزیزی، بیان در شبھاتِ بت پرستان: ۱/ ۴۵، ۴۶، کتب خانہ رحمیہ دیوبند)

"إن الناس قد أکثروا من دعاء غیر اللہ تعالیٰ من الأولیاء الأحیاء منهم والأموات و غیرهم، مثل: "یا سیدی فلان! أغثني"، و لیس ذلک من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلک، وأن لا یحوم حول حماه، و قد عدّه أناس من العلماء شرکاً، و إن لا یکنه فهو قریب منه". (روح المعاني، [المائدة: ۳۵] ۶/ ۱۲۸، دار احیاء التراث العربی)

الجواب حامداًومصلياً:

اگر حضرت محی الدین قدس اللہ سرہ کو حاضر وناظر، فریادرس اعتقاد نہ کرتے ہوئے بھی یہ صورت اختیار کی جاتی ہے، تب بھی یہ صورۃً شرک ہے، اس لئے اس سے توبہ واجتناب ضروری ہے، اگر اعتقاد بھی ہو تو پھر شرک ظاہر ہے، جیسا کہ مجمع الأنہر میں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۲۴/ ۵/ ۹۴ھ۔

پیران پیر سے مدد مانگنے سے متعلق شعر کا حکم

سوال[۱۵۱]:

اللہ میرے بادشاہ ہیں محمد وزیر
توڑ دو میری مصیبتیں کھول دو میری زنجیر
مدد کر پیران پیر

آیا اس قسم کے کلمات شرک ہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

حضرت پیران پیر قدس اللہ سرّہٗ، یا اَور کسی بزرگ مرحوم سے مدد مانگنا جائز نہیں (۲) اگر اعتقاد یہ ہو کہ وہ مدد کرتے ہیں اور میری آواز کو سنتے ہیں تو یہ شرک ہے (۳) اس لئے ہرگز اس طرح دعا نہ کی جائے، دعاء

---

(۱) "و يكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر، باب المرتد، النوع الأول: ۱/ ۶۹۱، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ۵/ ۲۰۹، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تدع من دون الله ما لا ينفعك و لا يضرك، فإن فعلت فإنك إذاً من الظالمين، وإن يمسسك الله بضر فلا كاشف له إلا هو، وإن يردك بخير فلا رآدّ لفضله﴾. (يونس: ۱۰۶، ۱۰۷)

قال الله تعالىٰ: ﴿و من أضل ممن يدعوا من دون الله من لا يستجيب له إلى يوم القيامة، وهم عن دعائهم غافلون﴾" (الاحقاف: ۵)

(۳) "و يكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر، باب المرتد، النوع =

صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہیئے (۱) کہ وہ واجب وخالق ہے، حاضر وناظر ہے، معین ومددگار ہے، سمیع وبصیر ہے، اَور کسی کی یہ شان نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۹۴ھ۔

پیر وفقیر سے حاجتیں مانگنا

سوال[۱۵۲]: جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر نہیں بلکہ نور ہیں، یعنی خدا کے نور سے جدا ہیں، یا ان کو خدا نے نوری ذات سے پیدا کیا ہے، اور تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام عالم الغیب ما کان وما یکون اور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، اسی طرح تمام پیغمبر علیہم الصلاۃ والسلام، پیر فقیر خدائی طاقتوں کے مالک ہیں، اب ہمیں پیروں فقیروں سے حاجت مانگنی چاہیے، کیونکہ یہ ہمارے خدا کے وکیل ہیں، ہماری سفارش کر کے کام کروا دیں گے، ایسے عقیدہ والا آدمی شریعتِ محمدی میں مسلمان ہے، یا کافر؟ اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنا چاہیے یعنی نماز جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے عقیدے رکھنا درست نہیں (۲)، ایسے شخص کو توبہ لازم ہے، اگر ایسے عقیدے والے آدمی کو ان عقیدوں کے اعتبار سے دلائل کی روشنی میں دیکھا جائے اور تاویل بعید کر کے اس کو نہ بچایا جائے، تو اس کو مومن و

= الأول: ۱/ ۲۹۱، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ۵/ ۲۰۹، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم﴾ (المومن: ۲۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿أجيب دعوة الداع إذا دعان فليستجيبوا لي و ليؤمنوا بي، لعلهم يرشدون﴾. (البقرة: ۱۸۶)

"وإذا سألت فاسئل الله و إذا استعنت فاستعن بالله". (المشكوة، باب التوكل والصبر: ۲/ ۴۵۳، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ قل إنما أنا بشر مثلكم﴾ ". (الكهف: ۱۱۰)

"ثم اعلم أن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما علّمهم الله تعالىٰ أحياناً، و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاده أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿ قل لا يعلم من فى السموات والأرض الغيب إلا الله ﴾ كذا فى المسايرة". (شرح الفقه الأكبر =

موحد نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کے اوپر مشرک ہونے کا حکم لگایا جائے گا(۱)، مگر چونکہ شریعت کا حکم یہ بھی ہے کہ جہاں تک ہوسکے مسلمان پر کفر کا حکم نہ لگایا جائے اور اس کے کلام کی ایسی تاویل کرلی جائے کہ وہ مسلمان رہ سکے اور کفر سے بچ جائے خواہ وہ تاویل کتنی ہی بعید ہو، اس لئے ایسے آدمی پر کفر کا فتویٰ لگا کر اس کو اسلام سے خارج نہیں کیا جاتا(۲) اور مسلمانوں کی طرح تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ کو منع نہیں کیا جاتا، پس اسی سے سمجھ لیجئے کہ ایسے عقیدے کتنے غلط اور خطرناک ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

طلب الحاجة من اہل القبور

سوال[۱۵۳]: قصد قبور العباد الصالحين لعرض الحاجات إليهم، وكانت الشفاعة منهم ليس أمراً مشروعاً، بل هو شرك بالله أو بدعة محرمة؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قصد القبور وزيارتها لتذكر الآخرة والموت مندوب كماورد فى الحديث (۳) وطلب الحاجة من الله تعالى متوسلاً و متشفعاً بأوليائه مباح (٤) و طلب الحاجة من أهل القبور

= لملا على القارى، ص: ۱۵۱، قديمى)

(۱) "ويكفر: بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر، باب المرتد، ص: ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربى)

(۲) وفى الدر المختار: "إذا كان فى المسئلة وجوه توجب الكفر وواحد يمنعه، فعلى المفتى الميل لما يمنعه". (باب المرتد من كتاب الجهاد: ۴/۲۳۰، سعيد)

"وقد ذكروا أن المسئلة المتعلقه بالكفر إذا كان لها تسع و تسعون احتمالاً للكفر، واحتمال واحد فى نفيه، فالأولى للمفتى والقاضى أن يعمل بالاحتمال النافى؛ لأن الخطأ فى إبقاء ألف كافر أهون من الخطأ فى إفناء مسلم واحد". (شرح الفقه الأكبر للقارى، أواخر بحث التوبة، ص: ۱۶۲، قديمى)

(۳) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ...... "فزوروا القبور، فإنها تذكّركم الموت". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز: ۱/۳۱۴، قديمى)

(۴) "عندنا و عند مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ يجوز التوسل فى الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين فى حياتهم و بعد وفاتهم بأن يقول في دعائه: اللهم إني أتوسل إليک بفلان أن تجيب دعوتي و تقضي حاجتي إلى غير ذلک". (المهند على المفند، الجواب عن السوال =

بدعة؛ لأنه قريب من الشرك (۱)۔ فقط واللّٰہ سبحانه تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

اولیاء سے استمداد

سوال[۱۵۴]: مزارات پر چادر چڑھانا اولیاء اللہ سے استمداد چاہنا کن صورتوں میں جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مزارات پر چادر چڑھانا منع ہے "ويكره الستور على القبور" (۲) اولیاء اللہ کی ارواح سے استمداد کرنا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ہم جب مصیبت میں گرفتار ہوکر ان بزرگوں کو آواز دیتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں تو وہ ہماری فریاد کو ہر جگہ سنتے اور ہماری مدد کے لئے آتے ہیں، یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ مشرکانہ عقیدہ ہے، اس سے اسلام سلامت رہنا دشوار ہے:"ويكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر :۶۹۹/۲)(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

استمداد

سوال[۱۵۵]: زید کہتا ہے کہ استمدادِ غیر اللہ حرام ہے خواہ حالِ حیات میں ہو یا بعد از موت، خواہ انبیاء علیہم السلام ہوں یا صلحاء واولیاء وغیرہ اور زید اپنے استدلال میں آیت کریمہ پیش کرتا ہے ﴿إياك نعبد و إياك نستعين﴾ (۴) اور حدیث بھی پیش کرتا ہے "إذا استعنت فاستعن بالله"(۵)۔

= الرابع، ص: ۳۲، مكتبة العلم)

(۱) "لم يشک في أن الإستغاثة بأصحاب القبور .... أمر يجب اجتنابه، و لا يليق بأرباب العقول ارتكابه". (روح المعانی، [المائدة : ۳۵]: ۱۲۹/۶، دار إحياء التراث العربی)

(۲) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل فی النظر واللمس: ۳۶۳/۶، سعيد)

(۳) (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: ۵۰۵/۲، الغفارية)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۹/۵، رشيديه)

(۴) (الفاتحه :۴)

(۵) (مشكوة المصابيح، باب التوكل والصبر: ۴۵۳/۲، قديمی)

اور عمر کہتا ہے تمہارا یہ قول استمداد غیر اللہ خواہ حال حیات میں ہو یا ممات میں ہو حرام ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر کس و ناکس حالتِ حیات میں امداد طلب کرتا ہے، بقول تمہارے حرام ہے اور نیز انبیاء واولیاء وغیرہ کے توسل سے استمداد کرنا، تمہارا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ حدیث کے خلاف ہے: "إذا أراد عوناً، فليناد عباد الله أعينوني يا عباد الله أعينوني" (۱)۔

محمد فائق پرتاب گڈھی طالب مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

آج کل عوام میں جو طریقہ استمداد باہل القبور کا جاری ہے وہ حرام بلکہ شرک ہے، کیونکہ عوام اعتقاد کرتے ہیں کہ اہل قبور ہماری آواز کو ہر جگہ سے سنتے ہیں، اور مستقل علم وقدرت رکھتے ہیں کہ ہر جگہ سے ہماری ہر طرح کی امداد کر سکتے ہیں، یہ عقیدہ شرک ہے (۲)۔

"ويكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم اه" مجمع. (۳) "و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاده أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالیٰ: ﴿قل لا يعلم من فی السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ كذا فی المسايرة". شرح فقه اكبر (٤)۔

" أهل الهند لهم اليد الطولیٰ فی ذلك قاتلهم الله، فإنهم يطوفون بقبر الولی الذی

---

(۱) "عن عتبة بن غزوان عن نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا ضلّ أحدكم شيئاً أو أراد عوناً و هو بأرض ليس بها أنيس، فليقل : يا عباد الله! أعينوني، فإن لله عباداً لا نراهم ". و قد جرّب ذلک". رواه الطبراني و رجاله وثقوا على ضعف في بعضهم إلا أن يزيد بن عليّ لم يدرک عتبة". (مجمع الزوائد، كتاب الأذكار، باب ما يقول إذا انفلتت دابته أو أراد غوثاً أو أضل شيئاً: ۱۳۲/۱۰، دار الفكر)

لیکن یہ حدیث ضعیف اور منقطع ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں کما اشار الیہ المصنفؒ۔

(۲) "و لا أرى أحداً ممن يقول ذلک إلا وهو يعتقد أن المدعو الحي الغائب أو الميت المغيب يعلم الغيب أو يسمع النداء، ويقدر بالذات أو بالغير على جلب الخير و دفع الأذى، وإلا لما ادعاه ولا فتح فاه". (روح المعانی (المائدة: ۳۵): ۱۲۸/۶، دار إحياء التراث العربی)

(۳) (مجمع الأنهر، باب المرتد، ص: ۶۹۱/۱، دار إحياء التراث العربی)

(۴) (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص: ۱۵۱، قديمی)

(والمسايرة مع المسامرة، ص: ۸۸/۲، مصر)

يعتقدون فيه، و يظنون أنهم هو المتصرف فى الكون، وأن الإنسان إذا تمسك بهذا فلا حاجة له بالصلوة والصيام، وأكثر ما غلوا فى ذلك أتباع سيدنا عبد القادر الجيلانى رضى الله تعالىٰ عنه و نفعنا ببركاته، فإنه معاذ الله أنّى يرضىٰ بتلك الكفريات التى يعتقدونها. "تبليغ الحق". والبسط فى "الفتاوى العزيزى".

اورحدیث "إذا أراد عوناً" الخ کہاں ہے؟ حوالہ دیا جائے (۱)، البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرے کہ اے خدا اپنے انبیاء اولیاء صلحاء کی برکت سے مجھے بھی صلاحیت دے یا میرا فلاں کام کردے تو اس طرح دعا کرنا درست ہے، نیز بزرگانِ دین کو ایصال ثواب کر کے بطریق مذکور دعاء کرنا موجب برکت ہے۔ احیاء سے اپنے روز و شب کے کاروبار میں امداد لینا جائز ہے، کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے، بلا ایک دوسرے کی اعانت کے اس کو زندگی بسر کرنا دشوار ہے، نیز اس میں کوئی امر غیر مشروع لازم نہیں آتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

اہل قبور سے استمداد

سوال [۱۵۶]: اولیاء اللہ (مرحوم) سے دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دور سے مدد کے لئے پکارنا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مراد صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے (۲)، کسی مرحوم ولی کو مدد کے لئے پکارنا منع ہے، اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہم جہاں سے پکاریں، ولی مرحوم ہماری پکار کو سنتے ہیں اور ہماری مدد کے لئے آتے ہیں، تو یہ عقیدہ قطعاً غلط اور

---

(۱) (راجع، ص: ۳۵۴، رقم الحاشية: ۱)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إياك نعبد و إياك نستعين﴾. (الفاتحة: ۴)

"وإذا سألت فاسئل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله". (مشكوة المصابيح، باب التوكل والصبر: ۲/۴۵۳، قديمى)

تعلیمات اسلام کے خلاف ہے(۱)، سخت خطرناک ہے: ''إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالیٰ، فاعتقادہ ذلک کفر" اھـ". درمختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غیر اللہ سے مدد طلب کرنا

سوال[۱۵۷]: ایک شخص نامی بنگالی موضع ہذا میں آیا اور اس نے گاؤں کے لوگوں میں یہ کہنا شروع کیا کہ میرے جنات تابع ہیں اور اگر کسی شخص کو کوئی مشکلات ہوں، وہ مجھ سے دور کی جا سکتی ہیں، چنانچہ گاؤں ہذا میں ایک نہیں، بلکہ چالیس گھروں میں اس کا تسلط جمنے لگا اور وہ ایسے ایسے حربے استعمال میں لانے لگا، جس سے گاؤں میں ایک دو لڑکیوں کی بھی شادی اس کے ذریعہ سے عمل میں آئی، اب بنگالی نے ختمات بھی پڑھنے شروع کئے، جس ختمات میں یہ جادوگر بنگالی یہ کلمات پڑھتا ہے، بلکہ کل مورخہ تقریباً ۷/۱۰/۴۶ کو اس بنگالی جادو گر نے معہ کچھ افراد ساتھ لے کر اندر ختم یہ پڑھا، جو حرف بحرف گزارش ہے: ﴿واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان و ما کفر سلیمان و لکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس﴾ یا إبلیس، أبو جھل، ھامان، لعین شداد و نمرود لعین، **ھر بلا سے نجات، گواھم من سلیمان بادشاہ بن داود علیھم السلام المدد"**.

اس ختم میں صرف تین اشخاص تھے اور بعد میں دوسرا امام آیا اور اس نے اس معاملہ کو آشکار کیا، برائے کرم جواب جو بروئے شرع محمدی ہو مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح ختم پڑھنا اور اس میں شریک ہونا جائز نہیں، اگر عقیدہ یہ ہو کہ جن کو پکارا گیا ہے، یہ مدد کے

---

(۱) "و لا أری أحداً ممن یقول ذلک إلا وھو یعتقد أن المدعو الحي الغائب، أو المیت المغیب یعلم الغیب، أو یسمع النداء، و یقدر بالذات، أو بالغیر علی جلب الخیر و دفع الأذی، و إلا لما ادعاہ، ولا فتح فاہ". (روح المعانی، (المائدہ: ۳۵)، ۱۲۸/۶، دار إحیاء التراث العربی)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسد، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام من شمع أو زیت أو نحوہ: ۴۳۹/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر: ۵۲۰/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی حاشیہ الطحطاوی علی مراقي الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یلزم الوفاء بہ، ص: ۶۹۳، قدیمی)

لئے پہنچتے ہیں تو یہ شرک ہے(۱) اس سے ایمان سلامت نہیں رہے گا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

صاحب قبر سے دعاء کی درخواست

سوال[۱۵۸۱]: قبرستان کا زائر صاحب قبر کو خطاب کر کے یوں کہہ سکتا ہے کہ ''اے صاحبِ قبر! آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری مغفرت کی دعا کیجئے'' ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ یہ عمل حدیث شریف سے ثابت ہے۔

الجواب حامداًومصلياً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر ہو کر اس طرح دعاء کی درخواست تو ثابت ہے(۳)، لیکن دوسری جگہ کسی قبر پر جا کر کسی صاحب قبر سے اس طرح خطاب کرنا ثابت نہیں، جس حدیث سے اس کے ثبوت میں استدلال کیا جاتا ہے، جب تک وہ سامنے نہ ہو اس کے متعلق کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "وفي البزازية: قال علماؤنا : من قال أرواح المشايخ حاضرة تعلم، يكفر". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۵/ ۲۰۹،رشيديه)

(وكذا مجمع الأنهر،كتاب السير، باب المرتد، النوع الأول : ۱/ ۶۹۱،دار إحياء التراث العربى)

(۲) "و لا تجوز الإستعانة بالجن ، فقد ذم الله تعالى الكافرين على ذلك فقال الله تعالىٰ: ﴿و أنه كان رجال من الإنس يعوذون برجال من الجن" فزادوهم رهقا﴾. (الجن : ۶)

و قال الله تعالىٰ : ﴿و يوم يحشرهم جميعاً يا معشر الجن قد استكثرتم من الإنس ، و قال أولياۤء هم من الإنس : ربنا استمتع بعضنا ببعض﴾ الآية. قوله تعالىٰ :﴿ قال: النار مثواكم خلدين فيها﴾. (شرح الفقه الأكبر ،ص: ۱۵۱، قديمى)

(وكذا فى شرح العقيدة الطحاوية ، مطلب فى التنازع فى حقيقة السحر وأنواعه ، ص: ۴۲۱)

(۱) "و قد ذكر جماعة: منهم الشيخ أبو نصر بن الصباغ فى كتابه الشامل الحكاية المشهورة عن العتبي قال: كنت جالساً عند قبر النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فجاء أعرابى فقال: السلام عليك يا رسول الله،سمعت الله يقول :﴿و لو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً﴾" و قد جئتك مستغفراً لذنبي مستشفعاً بك إلى ربي، ثم أنشأ يقول: =

مُردوں سے قبول دعاء کی درخواست

سوال[۱۵۹]: بزرگان دین کے مزار پر جا کر اس طور سے دعاء کرنا کہ "آپ اللہ کے نیک بندے ہیں، آپ ہماری فلاں پریشانیوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمادیں کہ اللہ ہماری ضرورت کو پورا کردے" یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

۲.....اس طرح دعاء کرنا کہ "اے اللہ ہماری فلاں ضرورت ان بزرگوں کے طفیل میں پوری کردے" درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......اس طرح دعا کرنا ثابت نہیں ہے، اس میں ان بزرگوں کو دعاء کرنے کے لئے خطاب کیا گیا ہے، میت کے ساتھ جو معاملہ شرعاً ثابت ہے اس کی اجازت ہے، اپنی طرف سے اس میں اضافہ نہ کیا جائے (۱)۔

=

یا خیر من دفنت بالقاع أعظمه
فطاب من طیبهن القاع والأكم
نفسي الفداء لقبر أنت ساكنه
فيه العفاف وفيه الجود والكرم

ثم انصرف الأعرابی، فغلبتني عيني فرأيت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في النوم فقال: "يا عتبي! ألحق الأعرابی، فبشره أن الله قد غفر له". (تفسير ابن كثير، (النساء: ٦٤)، ۱/۶۹۱، مكتبه دار الفيحاء)

"روى أبو صادق عن علي قال: قدم علينا أعرابی بعد ما دفننا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بثلاثة أيام، فرمى بنفسه على قبر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و حثا على رأسه من ترابه، فقال: قلت: يا رسول الله! فسمعنا قولک، ووعيتَ عن الله فوعينا عنک، وكان فيما أنزل الله عليک ﴿و لو أنهم إذ ظلموا أنفسهم﴾ الاية. وقد ظلمت نفسي و جئتک تستغفرلي، فنودي من القبر أنه قد غفر لک". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی، [النساء: ٦٤]، ۵/۱۷۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) "والتفصيل فی المسئلة أن التوسل بالمخلوق له تفاسير ثلاثة: **الأول**: دعائه واستغاثته كديدن المشركين وهو حرام إجماعاً ...... **الثاني**: طلب الدعاء منه ...... و لم يثبت فی الميت بدليل فيختص هذا المعنى بالحی، **والثالث**: دعاء الله ببركة هذا المخلوق المقبول، وهذا قد جوّزه الجمهور". (بوادر النوادر: ۲/۷۰۶، ۷۰۸، اداره اسلاميات لاهور)

"ومنهم من يقول للغائب أو الميت من عباد الله تعالىٰ الصالحين: يا فلان! ادع الله تعالىٰ ليرزقني كذا وكذا، و يزعمون أن ذلک من باب ابتغاء الوسيلة، و يروون عن النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه =

۲......اس طرح درست ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۱۹۸۶ء۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

"یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" کہنا یا پڑھنا

سوال[۱۲۰]: "یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" کا ترجمہ ومطلب کیا ہے؟ اسے لکھنا اور بطور وظیفہ پڑھنا کیسا ہے؟ یہ کلمہ کب اور کیوں جاری ہوا؟ اس کے محرکِ اول کون ہیں؟ فقط نعمت اللہ جنگ لائن، عابد روڈ حیدر آباد۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں حضرت سید عبدالقادر صاحب سے کچھ اللہ کے واسطے مانگا گیا، سوال خود ان ہی سے ہے، اور اللہ جل جلالہ عم نوالہ کو وسیلہ بنایا گیا ہے یہ طریقہ غلط ہے، برعکس ہو گیا، مانگنا چاہئے تھا خدائے پاک مالک الملک سے اور وسیلہ بنالیا جاتا اس کے مقبول بندے کو، مگر یہاں معاملہ الٹا ہو گیا، یہ معلوم نہیں اس کا موجد کون ہے، اس کا وظیفہ ناجائز ہے(۲)۔

= قال: "إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأهل القبور، أو فاستغيثوا بأهل القبور". و كل ذلك بعيد عن الحق بمراحل". (روح المعاني: ۱۲۵/۶، بيروت)

(۱) "عن عثمان بن حُنَيف رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: أدع الله لي أن يعافيني (إلى قوله) إني أسئلك و أتوجه إليك بمحمد نبي الرحمة". الحديث.

(سنن ابن ماجة، ص: ۱۰۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الحاجة، مير محمد)

(وكذا في مشكوة المصابيح: ص: ۱۳۲، باب الإستسقاء، الفصل الثالث)

(وكذا في فتح الباري: ۳۹۹/۲، باب تحويل الرداء في الاستسقاء)

(۲) "اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات مقدسہ میں یکتا ہے اسی طرح اس کی صفات میں کسی کا شریک ہونا ناممکن ہے، غیر اللہ سے استغاثہ اور طلبِ رزق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس کے ساتھ شریک پیدا کرنے والوں کی مغفرت نہیں ہوگی۔

قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشآء﴾ (النسآء: ۴۸)

قال العلامة الآلوسي تحتها: " والشرك يكون بمعنى اعتقاد أن لله تعالىٰ شأنه شريكاً، إما في الألوهية أو في الربوبية ......(و من يشرك) ...... أي و من يشرك بالله تعالىٰ الجامع لجميع صفات الكمال من =

''غوث'' صوفیاء میں ایک منصب اور عہدہ ہے، اپنے لغوی معنی میں نہیں، تاہم اس سے عقائد فاسد ہوتے ہیں یعنی لوگ ان کو فریادرس اور ہر ایک کی پکار سننے والا اور مدد کے لئے پہونچنے والا سمجھتے ہیں تو اس سے بچنا لازم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۵ھ۔

''یا شیخ عبدالقادر جیلانی'' کا وظیفہ

سوال[۱۶۱]: وظیفہ ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ'' پڑھنا از روئے عقائد اہل سنت والجماعت اور با لخصوص عقائد حنفیہ جائز ہے یا نہیں؟ و نیز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو حاضر و ناظر، عالم الغیب و حاجت روا، فریادرس ،مشکل کشا، متصرف اور ہر شخص کی ہر مقام سے بروقت ندا اور پکار کا سننے والا سمجھ کر وظیفہ مذکورہ پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

اگر مسجد میں کوئی ایسا کتبہ لگا ہو اور کوئی شخص اس کتبہ کو مسجد کی پیشانی سے (اسے قرآن پاک اور سنت رسول اور عقائد اہل سنت والجماعت کے خلاف بلکہ مسجد کی غرض و غایت کے خلاف سمجھتے ہوئے) محو کر دے تو شریعت محمدیہ کے نزدیک اس کا کیا حکم ہے؟ جواب از روئے قرآن پاک وحدیث نبوی وفقہ حنفیہ اور محققین علمائے سلف کے اقوال سے دیا جائے۔ المستفتی: محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلياً:

وظیفہ مذکورہ پڑھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہر جگہ حاضر و ناظر، عالم الغیب وغیرہ وغیرہ ہیں شرعاً کسی طرح جائز نہیں، ایسا عقیدہ حرام بلکہ شرک ہے کیونکہ یہ صفات خداوند تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں: ﴿وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾ (۱) جو شخص کسی اَور میں ان صفات کا عقیدہ رکھتا ہو فقہاء نے اس کی تکفیر کی ہے:"ويكفر لقوله: أرواح المشائخ حاضرة تعلم الخ". مجمع الأنهر :۱/۶۹۹(۲)۔

= الجمال والجلال، أیّ شرک کان﴿فقد افترى إثماً عظيماً﴾. (روح المعانی :۵/ ۵۱-۵۴، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۱)(الأنعام :۵۹)

(۲)(كتاب السير ، باب المرتد ، ثم إن الفاظ الكفر أنواع، النوع الأول : ۱/۶۹۱،دار إحياء التراث العربی)......................=

پس ایسے وظیفہ کا کتبہ مسجد میں آویزاں کرنا بھی جائز نہیں اور مسجد کی پیشانی پر کندہ کرنا بھی منع ہے اور اس کا محو کرنا باعث اجر ہے۔

''یا شیخ عبدالقادر جیلانی'' کی جگہ "یا أرحم الراحمین" پڑھنا چاہئے، جس کے قبضہ وقدرت میں شیخ عبدالقادرؒ بلکہ تمام عالم ہے، خلاف شرع عقیدہ رکھنے والوں کو کسی بہتر تدبیر شرعی اور تفہیم سے راہ راست پر لانا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۲/۹/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳/ رمضان المبارک/ ۵۶ھ۔

''یاغوث'' کہنا

سوال[۱۶۲]: محفل میلاد شریف میں شریک ہو کر یاغوث کہہ کر چیخنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ ناجائز ہے، ایک قسم کا شرک ہے(۱) ایسی محفل میں شرکت نہ کی جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۸۹ھ۔

= (وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً او كفراً، الفصل الثاني، النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالى: ۶/۳۲۶، رشيديه)

(والبحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۱۰۹، رشيديه)

(۱) ایسے الفاظ (یاغوث وغیرہ) اکثر اس عقیدے سے کہے جاتے ہیں کہ یہ حضرات ان مجالس میں حاضر ہوتے ہیں اور علم غیب جانتے ہیں اور یہ شرک وکفر ہے:

قال في البحر الرائق: "قال علمائنا: من قال: أرواح المشايخ حاضرة تعلم، يكفر". (كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً الخ: الفصل الثاني، النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالىٰ: ۶/۳۲۶، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وقد نزّل عليكم في الكتاب أن إذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها، فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا في حديث غيره، إنكم إذاً مثلهم﴾ (النساء: ۱۴۰) .... =

''یاغوث الاعظم المدد'' پکارنا

سوال[۱۶۳]: کیا اولیائے کرام کو اٹھتے بیٹھتے پکارنا جیسا کہ ''یاغوث الاعظم المدد'' یا بڑا پیر جائز ہے یا کھلا ہوا شرک ہے، یا ان کے مزارات پر جاکر دعائیں کرنا یا کرانا کہ یہی دعائیں کرسکتے ہیں، انہی کی خدا سنتا ہے، یہیں سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور مرادیں ملتی ہیں، بے اولادوں کو اولادیں ملتی ہیں، بے روزگاروں کو روزگار ملتا ہے؟ فرمایئے ایسے اعتقادات رکھنے والا باوجود کلمہ پڑھنے کے مسلم رہتا ہے یا مشرک ہوجاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان اعتقادات اور اعمال سے ایمان سلامت نہیں رہتا ہے، اس عقیدہ کو فقہاء نے کفر لکھا ہے: "ویکفر بقوله: أرواح المشائخ حاضرة تعلم اه". مجمع الأنهر: ۱/۶۹۹(۱)۔

''یاعلی مشکل کشا'' کہنے کا حکم

سوال[۱۶۴]: میں نے عام طور سے لوگوں کو کہتے ہوئے یہ سنا ہے ''یاعلی مشکل کشا'' میرے خیال میں ''مشکل کشا'' مشکل کے حل کرنے والے کو کہتے ہیں اور مشکلات کا حل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں تو کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشکل کشا کہنا جائز ہے؟ کسی شاعر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

= قال رشيد احمد الكنكوهي: اس آیت سے عدمِ شرکتِ مجالسِ غیر مشروعہ ثابت ہوتی ہے اس طرح کہ استہزاء بالکتاب اللہ حرام ہے، علیٰ ہذا بدعات خلافِ حکمِ شرع حرام ہیں، جیسا کہ ان کی شرکت کی حرمت ثابت ہوتی ہے"۔(فتاویٰ رشیدیہ، از تالیفات رشیدیہ، کتاب البدعات، شرکتِ مجالس بدعت، ص: ۱۳۷، ۱۳۸، إدارۂ اسلامیات)

قال الشاطبي: " وعن أبي قلابة: لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم، فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون، قال أيوب: وكان (ابو قلابة) والله من الفقهاء ذوي الألباب ...... وعن الحسن: لا تجالس صاحب بدعة، فإنه يمرض قلبك". (الاعتصام، باب في ذم البدع وسوء منقلب أهلها، فصل: الوجه الثالث من النقل، ص: ۶۵، دار المعرفة)

(۱) (كتاب السير، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: ۱/۶۹۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالى: ۶/۳۲۶، رشيديه)

(والبحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

شان میں ایک شعر اس طرح کہا ہے کیا وہ درست ہے؟ وہ یہ ہے:

دور ہوگی اس کی بلا میں نے عقیدت سے کہا
مشکل میں ہوں آ جاؤ یا مولا علی مشکل کشا

الجواب حامداً و مصلیاً:

مشکلات حل کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دینا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس سے مشکلات حل ہوتی ہیں غلط اور مشابہ شرک ہے(۱) اس سے توبہ اور احتیاط لازم ہے، اس مقصد کے لئے جو شعر لکھا ہے وہ بھی غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۹۲ھ۔

چند اشعار اور علی مشکل کشا

سوال[۱۶۵]: شب برات کی محفل میلاد میں ایک شخص نے یہ اشعار کہے جو نیچے درج ہیں، اس پر آپس میں بحث ومباحثہ ہوا کہ ایسے اشعار کہنا بالکل غلط ہے وغیرہ تو ایسے اشعار محفل میلاد اور اس کے علاوہ میں کہنے درست ہیں یا نہیں؟

خدا تک میں رسائی چاہتا ہوں وسیلہ ہے مرا وہ شیخِ اعظم
شفیع الوریٰ تک پہونچ جاؤں گا میں پکڑ لوں گا جب حشر میں تیرا دامان
علی سے ملی تجھ کو مشکل کشائی نہ کیوں مشکلیں پھر ہماری ہوں آسان

---

(۱) "این وظیفه متضمن است ندائے اموات را از امکنۂ بعید، و شرعاً ثابت نیست که اولیآء را قدرتے حاصل است که از امکنۂ بعیده نِدا را بشنوند، .... بلکه اعتقاد اینکه غیر حق سبحانه حاضر و ناظر و عالم خفی وجلی در هر وقت و هر آن است اعتقاد شرک است، درفتاوی بزازیة مینویسند: "تزوج بلا شهود و قال: خدای و رسول خداوفرشتگان راگواه کردم،یکفر، لأنه اعتقد أن الرسول والمَلَک یعلمان الغیب، و قال علمائنا: من قال: إن أرواح المشایخ حاضرة تعلم،یکفر". (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، کتاب الکراهیة: ۴/۳۳۱، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الثانی فیما یتعلق بالله تعالیٰ: ۶/۳۲۶، رشیدیه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

شیخ محقق کامل کی تربیت اور توسل سے طالب صادق کو اللہ پاک کے ساتھ نسبت حاصل ہو جاتی ہے، یہی خدا تک پہونچنا ہے، شفیع الوریٰ کی بارگاہ تک بھی اتباع شیخ کی بدولت پہونچا جاسکتا ہے، لہذا ان دونوں شعروں میں تو کوئی اشکال نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مشکل مقدمات اور معاملات کو آسانی سے حل فرمادیا کرتے تھے اس لئے ان کو "حلّال المعضلات" کہتے تھے (۱) جس کا فارسی میں ترجمہ "مشکل کشا" ہے، لیکن ان کی محبت وعقیدت میں غلو کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہر مشکل کو خواہ کسی زمانے میں پیش آئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حل کرتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ پریشانی اور مصیبت کے وقت "یا علی" پکارتے ہیں حتی کہ اللہ پاک سے بھی وہ لوگ بے نیاز ہو گئے اور جملہ امور میں کارساز حقیقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی قرار دے لیا، یہ عقیدہ اور طریقہ اسلام کے خلاف اور شرک ہے (۲) اس سے بچنا لازم ہے، یہ مروجہ محفلِ میلاد بھی ممنوع ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۵ھ۔

---

(۱) "وقد اشتهر أبو الحسن علي رضي الله تعالىٰ عنه بالقضاء، حتى صار يضرب به المثل في حل المعضلات وفك المغلقات، حتى قيل في مشكلة يستعصي حلّها ويصعب كشف كنهها: "قضية ولا أباحسن لها". يعنون أن علياً أبا الحسن رضي الله عنه وهو حلال المشكلات اهـ". (تعليقات أبي غدة على الأحكام للإمام القرا في المالكي، السوال الرابع، ص: ۴۷، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أمن يجيب المضطرّ إذا دعاه و يكشف السوء، و يجعلكم خفآء الأرض، أإله مع الله، قليلاً ما تذكّرون﴾. (النمل: ۶۲)

قال العلامة الآلوسي تحت قوله تعالىٰ: ﴿وابتغوا إليه الوسيلة﴾ الآية (المائدة: ۳۵): "و استدل بعض الناس بهذه الآية على مشروعية الاستغاثة بالصالحين .... و منهم من يقول للغاءب أو الميت من عباد الله تعالىٰ الصالحين: يا فلان! أدع الله تعالىٰ ليرزقني كذا و كذا، و يزعمون أن ذلك من باب ابتغاء الوسيلة، و يروون عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "إذا أعيتكم الأمور، فعليكم بأهل القبور أو فاستغيثوا بأهل القبور. و كل ذلك بعيد عن الحق بمراحل، (إلى أن قال): والناس قد أفرطوا اليوم ....و أعظم =

"یارسول اللہ" کہنا

سوال[۱٦٦]: یارسول اللہ کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو شرک ہے، البتہ روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر یا رسول اللہ کہنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ٦۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ٦۸ھ۔

اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب

سوال[۱٦۷]: اگر کوئی شخص رباعی ذیل کو اس عقیدے سے پڑھے کہ جو فرشتے درود شریف دربارِ رسالت میں لے جا کر پیش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں، میری طرف سے اس رباعی کو دربار رسالت میں پیش کریں گے، پڑھے تو کسی قسم کا شرک و گناہ تو نہیں جب کہ کسی کے سامنے بھی نہ پڑھتا ہو بلکہ علیحدہ پڑھتا ہو، تاکہ عوام کا عقیدہ خراب نہ ہو، یہ بھی سنا ہے کہ یہ رباعی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ

= من ذلک أنهم يطلبون من أصحاب القبور نحو إشفآء المريض و إغناء الفقير و رد الضالة، و تيسير كل عسير، و توحي إليهم شياطينهم خبر". إذا أعييتكم الأمر الخ" و هو حديث مفترى على رسول الله ﷺ بإجماع العارفين بحديثه، لم يَروِه أحد من العلمآء، و لا يوجد في شيء من كتب الحديث المعتمدة .... إلى قوله: لم يشك أن الإستغاثة بأصحاب القبور .... أمر يجب اجتنابه، و لا يليق بأرباب العقول ارتكابه". (روح المعانی: ۱۲۵/٦، ۱۲۷، ۱۲۹، دار إحياء التراث العربی)

(۱) قال ابن الهمامؒ: " روى أبو حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه في مسنده عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: من السنة أن تأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم من قبل القبلة، وتجعل ظهرک إلى القبلة، وتستقبل القبر بوجهک، ثم تقول: السلام عليک أيها النبي ورحمة الله وبركاته" ...... وعلى ماذكرنا يكون الواقفَ مستقبلاً وجهه عليه الصلوة والسلام وبصره، فيكون أولىٰ، ثم يقول في موقفه: السلام عليک يارسول الله اهــ". (فتح القدير، كتاب الحج، مسائل منثورة، خاتمة تشتمل على ثلاثة مقاصد، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم: ۱۸۰/۳، ۱۸۱، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

علیہ دہلوی کی ہے، اس کی کیا اصل ہے؟ رباعی حسب ذیل ہے:

"یا رسول اللّٰہ أنظر حالنا" تا آخر۔ بیوا توجروا

سائل: عظیم اللہ مہتمم مدرسہ فیض القرآن محلہ چاہ چوڑہ پانی پت ضلع کرنال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ساتھ ساتھ یہ عقیدہ ہونا بھی ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بذاتہ (بلاحکمِ خداوندی) کسی کی کوئی مشکل حل نہیں کر سکتے، بلکہ وہ بھی ہر بات میں خدا تعالیٰ کے محتاج ہیں (۱) البتہ ان کی برکت اور طفیل سے اللہ پاک اپنے بندوں کے بہت سے کام درست اور موافق مقصود بنا دیتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت حق ہے (۲)۔ اس رباعی کا حال مجھے معلوم نہیں کہ کس کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۴/۴/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/ ربیع الثانی/ ۶۱ھ، صحیح: عبداللطیف، ۲۷/ ربیع الثانی/ ۶۱ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یاأیها الناس أنتم الفقراء إلی اللہ و اللہ، هو الغنی الحمید﴾ (الفاطر: ۱۵)

و قال تعالیٰ: ﴿و ما أرسلنا من قبلک من رسول إلا نوحی إلیه أنه لا إله إلا أنا فاعبدون﴾ (الأنبیاء: ۲۵)

(۲) "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "أنا سید ولد آدم یوم القیامة، وأول من ینشق عنه القبر، و أول شافع، و أول مشفع". (الصحیح لمسلم: ۲/۲۴۵، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم علی جمع الخلائق، قدیمی)

"قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لکل نبی دعوة مستجابة، فتَعَجّل کل نبی دعوته، وإنی اکتبأت دعوتی شفاعة لأمتی، فهی نائلةٌ من مات منهم لا یشرک باللہ شیئاً". (سنن ابن ماجة: ۲/۳۲۹، أبواب الزهد، باب ذکر الشفاعة، میر محمد کتب خانه)

"و شفاعة الأنبیاء علیهم السلام حق، و شفاعة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم للمؤمنین المذنبین .... بالکتاب والسنة وإجماع الأمة، قال اللہ تعالیٰ ﴿من ذا الذی یشفع عنده إلا بإذنه﴾ و هو إثبات الشفاعة لمن أذن له بها". (شرح الفقه الأکبر للشیخ أبی منصور السمرقندی، ص: ۱۵۷، ۱۵۸، شفاعة الأنبیاء، الشئون الدینیة، قطر)

ایک شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب

سوال[۱۶۸]:

ذرا چہرے سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ
مجھے دیدار ٹک اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ

یہ شعر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شعر لکھا ہے وہ اس طرح نہیں پڑھنا چاہئے اس سے بچنا بھی لازم ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

بھگوان سے مدد مانگنا

سوال[۱۶۹]: ایک شخص ہیں جو صوم وصلوۃ کے پابند ہیں، ایک حلف نامہ میں انہوں نے تحریر کیا کہ ’’بھگوان میری مدد کرے‘‘، ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(۱) اس قسم کے الفاظ اور اشعار میں شبۂ شرک ہوتا ہے اور جس طرح شرک سے اجتناب لازم ہے اسی طرح شبہاتِ شرک سے بھی ضروری ہے اور یہی تقوی کی اصل ہے، ورنہ ذرائعِ شرک مفضی الی الشرک ہوتے ہیں:

’’عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ’’الحلال بيّن والحرام بيّن و بينهما مشتبهات لا يعلمها كثير من الناس، فمن اتقى المشبهات ، استبرأ لدينه و عرضه، و من وقع في الشبهات كراع يرعى حول الحمى، يوشك أن يواقعه، ألا! و إن لكل ملك حمى، ألا! وإن حمى الله في الأرض محارمه‘‘. الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان ، باب فضل من استبرأ لدينه : ۱/۱۳ ، قديمي)

قال الحافظ ابن حجرؒ :’’و نقل ابن المنير في مناقب شيخه القباري عنه أنه كان يقول : المكروه عقَبَةٌ بين العبد والحرام ، فمن استكثر من المكروه ، تطرّق إلى الحرام ...... و قال: والمراد بالمحارم فعل المنهي المحرّم أو ترك الواجب، و لهذا وقع في رواية أبي فَروة التعبير بالمعاصي بدل المحرم‘‘. (فتح الباري، كتاب الإيمان ، باب فضل من استبرأ لدينه و عرضه: ۱/۱۷۰، ۱۷۱، قديمي

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کہنے سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے، صرف خدا سے مدد مانگی جائے (۱) بھگوان کا وہ مفہوم نہیں ہے جو خدا کا مفہوم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

دیوان وطن کے شرکیہ اشعار

سوال[۱۷۰]: اشعار ذیل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

کسی کو گر رب کی طلب ہے	وہ دیکھے آپ میں مرأتِ رب ہے
کریں گر ذکر شغل اور فکر تو کیا	خدا کو دیکھنے کا اور ڈھب ہے (۲)
خودی ہے آئینہ شانِ خدا کا	خودی ہے معنی اور اثبات رب ہے
گزر کر آپ سے اپنے کو دیکھو	نظر آجائے گا حق کیا عجب ہے
خلاصہ ہے یہی علمِ لدن کا	کہ سب میں رب ہے اور عین عرب ہے
نہیں ہے فرق کچھ احمد احد میں	احد ہے اسم اور احمد لقب ہے
محمد کو خدا کہنا روا ہے	نہیں کہتا ہے وہ جو بے ادب ہے
خدائی ان کا سایہ ہے سراپا	نہ تھا سایہ جواُن کا یہ سبب ہے

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما النصر إلا من عند اللہ إن اللہ عزیز حکیم﴾. (الأنفال: ۹)

"أی و ما النصر بالملائکة و غیرهم من الأسباب...... أو المعنی: لا تحسبوا النصر من الملائکة علیهم السلام، فإن الناصر هو اللہ تعالیٰ لکم، وللملائکة، و علیه فلا دخل للملائکة أصلاً". (روح المعانی: ۹/۱۷۴، دار إحیاء التراث العربی)

" عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: " کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوماً فقال: " یا غلام!...... وإذا سألت فاسأل اللہ، وإذا استعنت فاستعن باللہ. واعلم أن الأمة لو اجتمعت علی أن ینفعوک بشئی لم ینفعوک إلا بشئی قد کتبه اللہ لک، ولو اجتمعوا علی أن یضروک بشئی لم یضروک إلا بشئی قد کتبه اللہ علیک اهـ". (مشکوٰة المصابیح، باب التوکل والصبر: ۲/۴۵۳، قدیمی)

(۲) "ڈھب" "ڈھنگ، طور، طریقہ، روش" (فیروز اللغات: ص: ۶۸۴)

وہ خود ہی حاضر و ناظر جہاں میں اسے کہتے ہیں عالم غیب کا ہے
طلب دنیا کی ہے نہ آخرت کی خداوند، مجھے تیری طلب ہے
یہی ارشاد ہے حضرت وطن کا نظر کو حق نما ہر شیء میں رب ہے

(اشعار مندرجہ بالا مصنفہ کتب دیوان وطن مولوی سید افتخار شاہ صاحب)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان میں سے بعض اشعار شرکیہ مضامین پر مشتمل ہے جن کا کہنا، پڑھنا، سننا جائز نہیں اور اس کا اعتقاد رکھنا شرک ہے(۱) اعاذنا اللہ منہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ مفتی دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) قولہ : ''احمد احد'' لفظ ''احد'' اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے، جس کا معنیٰ ''الوہیت اور اپنی ذات وصفات میں یکتا'' ہونے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا اس کے غیر کے لئے ثابت کرنا شرک وکفر ہے:

''قال اللہ تعالیٰ:﴿ قل ہو اللہ أحد﴾ الإخلاص : ۱)

قال الإمام الأعظمؒ فی الفقہ الأکبر: ''أصل التوحید و ما یصح الإعتقاد علیہ یجب أن یقول: آمنت باللہ .... و اللہ تعالیٰ واحد لا من طریق العدد و لکن من طریق أنہ لا شریک لہ'' قل ہو اللہ أحد، اللہ الصمد'' الخ ..... و لا یشبہہ شئی''. (ص: ۱۴، ۱۵، قدیمی)

قال الملا علی القاری تحتہ : ''وفی شرح القونوی : قال نعیم بن حماد : من شبہ اللہ بشيء من خلقہ ،فقد کفر ..... و قال إسحاق بن راہویۃ : من وصف اللہ تعالیٰ، فشبّہ صفاتہ بصفات أحد من خلق اللہ، فہو کافر باللہ العظیم''. (شرح الفقہ الأکبر، ص: ۱۵، قدیمی)

و قولہ: ''محمد کو خدا کہنا روا ہے'' تو خدا کا معنیٰ ہے ''مالک، آقا، حاکم'' (فیروز اللغات: ص: ۵۸۵)، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جس کا غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا کفر ہے، کما تقدم فی قولہ: ''احمد احد'' اور اسی طرح حاضر وناظر کا عقیدہ بھی ہے۔

و قولہ: ''عالم غیب'' فقد قال اللہ تعالیٰ:﴿ قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا اللہ ﴾.الأیۃ (النمل: ۶۵)

قال العلامۃ الآلوسیؒ :''من ادعی علم الغیب فی قضیۃ أو قضایا، لا یکفر .... و من ادعی علمہ فی سائر القضایا، یکفر''. (روح المعانی : ۲۰/۱۱، دار إحیاء التراث العربی)

وفی الفتاوی العالمکیریۃ : ''رجل تزوج إمرأۃ و لم تحضر الشہود،قال : خدای را و رسول را گواہ =

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے اشعار پر اعتراض

سوال[۱۷۱]:۱...... سلیم کہتا ہے کہ غیر خدا سے مدد مانگنا ناجائز ہے، کلیم کہتا ہے کہ ہمارے پیشوا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے قصائد قاسمی میں لکھا ہے ؂

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسمِ بے کس کا کوئی حامی کار

اگر جائز نہ ہوتا تو کرمِ احمدی کے طالب کیوں ہوئے، سلیم کا قول درست ہے یا کلیم کا؟

۲......جمیل نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفیع نہیں کہنا چاہئے، جلیل نے کہا اگر شفیع کہنا درست نہ ہوتا تو ہمارے پیشوا اپنی کتاب ''قصائد قاسمی'' میں اس طرح نہ لکھتے ؂

گناہ کیا ہے اگر کچھ گنہ کئے میں نے
تجھے شفیع کہے کون اگر نہ ہوں بدکار

ان دونوں میں سے کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں تشریف فرما ہیں، حی ہیں(۱) امت کی طرف سے صلوٰۃ وسلام بذریعہ ملائکہ خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے(۲) اور جو کچھ روضۂ اقدس کے پاس عرض کیا

= کردم...... کفر". (کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع: و منها ما یتعلق بالأنبیآء علیهم السلام :۲/۲۶۶، رشیدیه)

و فی البزازیة علی هامش الهندیة: "یکفر، لأنه اعتقد أن الرسول والملک یعلمان الغیب". (کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الثانی ما یتعلق بالله تعالیٰ: ۶/۳۲۵، رشیدیه)

(۱) "عن أبی الدرداء رضی الله تعالیٰ قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أکثروا الصلوة علیّ یوم الجمعة، فإنه مشهود تشهده الملائکة، و إن أحداً لن یصلی علیّ إلا عرضت علیّ صلوته حتی یفرغ منها"، قال: قلت: و بعد الموت؟ قال: "و بعد الموت، إن الله حرّم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء، فنبی الله حيّ یرزق". (ابن ماجه، کتاب الجنائز، قبیل، کتاب الصیام، ص:۱۱۸، قدیمی)

(۲) "و عنه (أی عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن لله =

جائے اس کو خود سنتے ہیں (۱) اس لئے دوسروں کو یعنی غیر نبی کو نبی پر قیاس کرنا صحیح نہیں استمداد کی تفصیل کے لئے "سبیل السداد" دیکھیں۔

۲......حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً شفیع ہیں، شفاعت فرمائیں گے اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے، صحیح بخاری شریف (۲) اور کتب عقائد (۳) میں یہ مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۳/ ۵/ ۱۳۹۵ھ۔

= ملائكةً سياحين في الأرض، يبلغوني من أمتي السلام". رواه النسائي والدارمي". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها، الفصل الثاني، ص: ٨٦، قديمي)

(١) "و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، و من صلى عليّ نائياً أبلغته". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها، ص: ٨٧، قديمي)

و قال القاري تحته: "قال ميرك نقلاً عن الشيخ: و رواه أبو الشيخ و ابن حبان في كتاب "ثواب الأعمال" بسند جيد". (مرقاة المصابيح، تحت رقم الحديث: ٩٣٤، ٢٢/٣، رشيديه)

(٢) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي". (سنن أبي داؤد، كتاب لزوم السنة، باب في الشفاعة: ٣٠٤/٢، مكتبه امداديه ملتان)

(والمسند لأحمد بن حنبل، مسند أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه: ٧٨/٤، رقم الحديث: ١٢٨١٠، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: في حديث طويل: "إذهبوا إلى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيأتون فيقولون: يا محمد! أنت رسول الله و خاتم الأنبياء، و قد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك و ما تأخر، إشفع لنا إلى ربك، ألا ترى إلى ما نحن فيه. فأنطلِق، فآتي تحت العرش، فأقع ساجداً لربي، ثم يفتح الله عليّ من محامده و حسن الثنآء عليه شيئاً لم يفتحه على أحد قبلي، ثم يقول: يا محمد! إرفع رأسك، سل تعطه واشفع تشفع، فأرفع رأسي، فأقول: أمتي يا رب!، أمتي يا رب!، امتي يا رب!، فيقال: يا محمد! أدخل من أمتك من لا حساب عليهم من الباب الأيمن من أبواب الجنة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، تفسير سوره بني إسرائيل (الإسراء) باب قوله: (ذرية من حملنا مع نوح) الاية: ٦٨٥/٢، قديمي)

(٣) قال الإمام الأعظم أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: "و شفاعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للمؤمنين المذنبين، و لأهل الكبائر منهم المستوجبين لعقاب حق ثابت". (الفقه الأكبر، ص: ٩٤، قديمي)

(و كذا في شرح العقائد النسفية، ص: ٨٧، المطبع اليوسفي لكنؤو)

ما یتعلق بالأنبیاء علیهم السلام و أتباعهم

(انبیائے کرام اوران کے متبعین کا بیان)

نبوتِ تشریعی وغیر تشریعی

سوال[۱۷۲]: ۱......صاحب شریعت کس نبی کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے؟

۲......غیر تشریعی نبی کس کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......جس کی شریعت مستقل ہو(۱)۔

۲......جو دوسرے نبی کے تابع ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۹۳ھ۔

ختم نبوت ذاتی سے متعلق "الشهاب الثاقب" کی عبارت پر اشکال کا جواب

سوال[۱۷۳]: حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الشهاب الثاقب" ص:۱۷۸ میں یہ عبارت ہے:

"پس بنظر اس کے وصف اصلی اور کمال ذاتی کے ممکن ہوگا کہ کوئی نبی اس کے

---

(۱)"والرسول إنسان بعثه الله إلى الخلق لتبليغ الأحكام، وقد يشترط فيه الكتاب، بخلاف النبي فإنه أعم". (شرح العقائد، ص:۱۷، قديمي)

"والرسول من له شريعة وكتاب فيكون أخص من النبي". (شرح الفقه الأكبر لأبي المنتهى، ص: ۱۰۵، قطر)

(وكذا في شرح الملاعلي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۲، قديمي)

(وكذا في النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۵۴، امداديه، ملتان)

(۲) (راجع رقم: ۱)

بعد آوے اگر چہ یہ ممکن کسی وجہ خارجی سے ممتنع ہو گیا ہو''۔

یہ وہی مطلب اس عبارت کا ہے جو ص: ۱۴ میں مجدد بریلوی نے نقل کی ہے کہ:

''اگر فرض کیا جائے وجود کسی نبی کا بعد آپ کے تو آپ کی خاتمیت پر خلل نہ ہوگا ''الی آخرہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے ایک اثر کی تشریح کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے ایک معنی تو وہی ہیں جو سب کے ذہنوں میں موجود ہیں، یعنی یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد تشریف لائے۔'' یہ مطلب بھی درست ہے اور اس پر ہمارا عقیدہ ہے جیسا کہ خود حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''جوابات محذورات عشر'' میں جگہ جگہ تحریر فرمایا ہے کہ ''ختم نبوت اپنا دین وایمان ہے لیکن اس کے علاوہ ایک اور معنی بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ذات اور مرتبہ کے لحاظ سے بھی خاتم النبیین ہیں اور آپ کی ذات تمام انبیاء کے لئے خاتم ہے اور مطلب اس وقت میں بھی صادق ہے جب کہ آپ جملہ انبیاء کے آخر میں تشریف لائے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا، نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اب اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ باطل ہے اور اگر بالفرض آپ سب سے پہلے حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے بھی پہلے تشریف لاتے تب بھی آپ اپنے مرتبہ کے لحاظ سے خاتم النبیین ہی ہو کر تشریف لاتے، اور اگر چہ چند انبیاء کے بعد چند انبیاء سے پہلے تشریف لاتے جب بھی آپ مرتبہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہی ہوتے''۔ الحاصل آپ کا یہ عہدہ اور مقام ہر حال میں آپ کے لئے حاصل ہے''(۱)۔

یہی مطلب ''الشھاب الثاقب'' کی عبارت کا ہے، اب اگر کوئی اپنی باطن کی خرابی اور کج فہمی سے مطلب بگاڑ کر بیان کرے تو خود اس کا مطلب ہوگا، حضرت نانوتوی یا حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا وہ ہرگز مطلب نہیں، اس بگڑے ہوئے مطلب کو ان بزرگوں کی طرف منسوب کرنا افتراء اور بہتان ہے اور اس بگڑے

(۱) راجع للتفصیل: (تحذیر الناس، الشھاب الثاقب اور عبارات اکابر)

ہوئے مطلب پر جوشرعی حکم عائد ہوگا وہ خود اس بگاڑنے والے پر ہوگا نہ کہ ان بزرگوں پر۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیو بند، ۱۸/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۲۰/۶/۸۸ھ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر اشکال اور اس کا جواب

سوال [۱۷۴]: بلاشبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں لہذا اب کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، لیکن اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور اس نے جس طرح پہلے انبیاء بھیجے اب بھی ان کے بھیجنے پر قادر ہے، پھر اب وہ نبی کیوں نہیں بھیجے گا؟ براہ کرم اس اشکال کو دور فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جب وہ قادر مطلق ہے تو اس کو کون مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ضرور نبی بھیجے، کسی کو مطالبہ کا حق نہیں، اس نے اپنے پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی اور خاتم النبیین قرار دیدیا ہے(۱) اس لئے وہ قادرِ مطلق ہونے کے باوجود اب کسی نبی کو پیدا نہیں فرمائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۹/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين﴾ (الأحزاب : ۴۰)

"و قد أخبر الله تبارك و تعالى في كتابه و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في السنة المتواترة عنه أنه لا نبي بعده". (تفسير ابن كثير، (الاحزاب : ۴۰): ۳/۶۵۲، مكتبه دار الفيحاء بيروت)

"و كونه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خاتم النبيين مما نطق به الكتاب و صدعت به السنة، وأجمعت عليه الأمة". (روح المعاني، (الأحزاب : ۴۰) : ۲۲/۵۹، دار الفكر)

(۲) وقال تعالىٰ: ﴿والله يحكم لا معقب لحكمه﴾ (الرعد : ۴۱)

"لأن إخباره تعالىٰ بوقوع الشيء أو عدم وقوعه لا ينفي القدرة عليه، و لا يخرجه من الإمكان الذاتي لامتناع الانقلاب، و إنما ينفي عدم وقوعه أو وقوعه، فيصير ممتنعاً بالغير، واللازم للممكن أن لا يلزم من فرض وقوعه نظراً إلى ذاته مُحال، و أما بالنظر إلى امتناعه بالغير فقد يستلزم الممتنع بالذات كاستلزام ...... =

کیا شیطان کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے؟

سوال[۱۷۵]: زید کہتا ہے کہ شیطان کا علم زیادہ ہے حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے اور بکر کہتا ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم زیادہ ہے، ان دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شیطان ملعون کی کیا حیثیت ہے کہ اس کے علم کو زیادہ کہا جائے جب کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کی وہ شان ہے کہ سید الاولین الاخرین امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خالق کائنات جل شانہ نے شانِ نبوت کے لائق اپنی ذات وصفات اور امور اخروی سے متعلق اتنے علوم عطا فرمائے کہ دیگر تمام انبیاء و ملائکہ اور تمام جن و بشر کے علوم کی حیثیت ان کے سامنے ایسی ہے جیسے بحر ناپیدا کنار کے سامنے ایک قطرہ کی ہوتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ہے(۱)۔ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور اس کے علم کے سامنے تمام مخلوقات کے علوم ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے، کیونکہ حق تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے، اور سب کے علوم کثرت کے باوجود متناہی ہیں، حضرات اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے۔

= عدم المعلول الأول عدم الواجب". (روح المعاني، (البقرة : ٦): ١/١٣٠، دار إحياء التراث العربي)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما ينطق عن الهوى إن هو ألا وحي يوحى﴾ (سورة النجم: ٣)

و قال تعالىٰ: ﴿ذلک من أنباء الغيب نوحيه إليک﴾ (آل عمران: ٤٤)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لقد رأيتني في الحجر وقريش تسألني عن مسراي، فسألتني عن أشياء من بيت المقدس لم أثبتها، فكربت كربةً ما كربت مثله قط، قال: فرفعه الله لي أنظر إليه ما يسألوني عن شيء أنبأتهم به .... اهـ". (الصحيح لمسلم: ١/٩٦، قديمي)

"وان سيدنا و شفيعنا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أعلم الخلق وأفضلهم جميعاً، فمن سوّى بين علمه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعلم الصبي والمجنون أو علم أحد من الخلائق أو تفوّه بأن إبليس اللعين أعلم منه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فهو كافر ملعون لعنة الله عليه". (امداد الفتاوىٰ: ٦/٣٢٧، كتاب العقائد والكلام، دار العلوم كراچي)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات (از بہار شریعت)

سوال[۱۷۶]: بہار شریعت حصہ اول ص:۲۲ ''حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور اکرم کے تحت تصرف کردیا گیا، جو چاہیں کریں، جسے وہ چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہاں ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں، جو انہیں اپنا مالک نہ مانے حلاوت سنت سے محروم ہے، تمام ان کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر ہے، ملکوت السموات والأرض حضور کے زیرِ فرمان، رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا و آخرت حضور کے عطا کا ایک حصہ ہے، احکامِ تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کردیئے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرمائیں اور جس کے لئے جو چاہیں حلال کریں اور جو فرض چاہیں معاف کردیں''۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ عظیم الشان عقیدہ بلانص کیسے تسلیم کیا جاوے، خاص کر جب کہ نصوص اس کے بالکل خلاف موجود ہوں۔ ملاحظہ ہو:

﴿قل لا أملك﴾ الخ الاية (۱) ''عن أبی هريرة قال: لما نزلت: (أنذر عشيرتك) الخ، دعا النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قريشاً'' إلی آخر الحديث. مشكوة، ص:٤٦٠(۲) ﴿ليس لك من الأمر شیٔ﴾ الاية (۳) ﴿قل لا أقول لكم عندی﴾ الاية (۴)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ ﴿قل لا أملک لنفسی نفعاً و لا ضراً إلا ما شاء الله﴾ (الأعراف : ۱۸۸)

و قال تعالیٰ: ''﴿قل لا أملک لنفسی ضراً و لا نفعاً إلا ما شاء الله﴾'' (يونس : ۴۹)

(۲) ''عن أبی هريرة قال لما نزلت: (أنذر عشيرتک) الخ، دعا النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قريشاً، فاجتمعوا فعم و خص: فقال: ''يا بنی كعب بن لؤی! أنقذوا أنفسكم من النار، يا بنی مرة بن كعب! أنقذوا أنفسكم من النار .... يا فاطمة! أنقذی نفسک من النار، فإنی لا أملک لكم من الله شيئاً غير أن لكم رحماً سأبلها ببلالها''. رواه مسلم''. (مشكوة المصابيح، باب الإنذار والتحذير : ۲/۴۶۰، قديمی)

(۳) (آل عمران : ۱۲۸)

(۴) (الأنعام : ۵۰)

عقائد مذکورہ کے ثبوت میں مصنف نے کچھ دلائل بھی پیش کئے ہیں یا نہیں؟ میں نے بہار شریعت کا کبھی مطالعہ نہیں کیا، کسی جگہ سے دستیاب نہیں ہوئی، بریلی سے منگائی تھی وہاں سے جواب نہیں آیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ رجب/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نائب مطلق مالک ومختار ہیں؟

سوال [۱۷۷] : ۱..... ’’حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت تصرف کردیا گیا جو چاہیں کریں، جس سے جو چاہیں لیں جسے جو چاہیں دیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہاں ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں، جو انہیں مالک نہ جانے حلاوت سنت سے محروم ہے، تمام زمین ان کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر ہے، ملکوت السموات والارض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان، جنات ونار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دیدی گئیں، رزق وخیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا وآخرت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا کا ایک حصہ ہے، احکامِ شرعیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ میں کردیئے گئے جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں اور جس پر جو چاہیں حلال کردیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں‘‘۔ (بہار شریعت، حصہ اول، ص:۲۲)

۲..... ’’جتنے فضائل وکمالات خزانۂ قدرت میں ہیں سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے‘‘۔ (ملفوظات خان صاحب، حصہ دوم، ص:۳۹)

۳..... ’’حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خداوند عرب کہہ کر ندا کرسکتے ہیں‘‘۔ (ملفوظات خان صاحب، حصہ اول، ص:۱۸۸)

۴..... ’’انبیاء علیہم السلام کو معجزات وادراک مغیبات ظاہری جوارح، سماع، بصر کی طرح باطنی بخشی ہیں، جب چاہیں خرق عادت فرمالیں، مغیبات کو معلوم فرمالیں، چاہیں نہ فرمائیں‘‘۔ (الأمن والعلی، مصنفہ خان صاحب بریلوی، ص:۲۰۹)

مذکورہ بالا چاروں نمبروں کی تحریر جو مع حوالہ کتب لکھی گئی ہے، معلوم کرنے پر بریلوی حضرات ان عبارات کی یہ تفصیل کرتے ہیں کہ اطاع اللہ، اطاع الرسول کے تحت یہ نظریہ ہے کہ ہر حکم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو ملا ہے، آپ کے کل فرمان باذن اللہ ہیں، آپ نے ذاتی کوئی حکم نافذ نہیں فرمایا، بلکہ خالصتاً ہر حکم ربی امت کو دیا، بایں ہمہ عشق محبت رسول میں یہ تحریر کیا ہے ورنہ ہر چیز کا رب ہی مالک ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارات سے جو ظاہر ہے اور جو تفصیل ان کی نقل کی گئی، زید امام اسی گروپ کی تائید میں ہے اور نظریہ دیوبند سے مناسبت بھی نہیں رکھتا، ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر نماز پڑھ لی تو اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نقل کردہ عبارات کے خلاف بھی خان صاحب بریلوی کی کتابوں میں موجود ہے ''الأمن والعلی'' میں غیر اللہ کو عالم الغیب کہنا منع لکھا ہے، ایک مقام پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا خدائے پاک کے سوا کسی کے لئے بھی علم غیب ذاتی کا ایک ذرہ بھی تسلیم کرے وہ ایمان سے خارج ہے'' اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''علم محیط (یعنی علم کلی) صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، غیر خدا کے لئے علم غیب ماننا درست نہیں''۔

بہر حال آپ کے تحریر کردہ عقائد جو شخص اپنائے ہوئے ہو اس کو امام بنانا جائز نہیں (۱)، آپ صحیح العقیدہ شخص کے پیچھے نماز پڑھیں، اگر کچھ عملی غلطیاں ہوں تو اس کی وجہ سے آپ اعادہ کرتے ہوں تو آپ نفس جماعت کی فضیلت حاصل کرلیں گے۔ خان صاحب بریلوی کا تو اہم عقیدہ یہ ہے کہ علمائے حق جن کے نام بھی تحریر کئے ہیں وہ کافر ہیں، جو ان کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے جس کی وجہ سے اس شخص کا نکاح بھی باقی نہیں رہا، اولا دولد الزنا ہے۔ ایسے عقائد والے کی امامت کی کیا گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۸/۲۷ھ۔

---

(۱) "أما إذا أدى إليه (الكفر) فلا كلام فى عدم جواز الصلاة خلفه". (شرح العقائد النسفية للتفتازانى، ص: ۱۶۱، قديمى)

"فإن كانت (أى البدعة) تكفره فالصلاة خلفه لاتجوز". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

(والحلبى الكبير، فصل فى الامامة، ص: ۵۱۴، سهيل اكيڈمى)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز میں خیال آنا

سوال[۱۷۸]: جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسان نہ سمجھے وہ کون ہے، کیا اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال نماز میں آجاوے تو وہ کتے اور خنزیر سے بھی بدتر ہے؟ ۲۱/ شعبان/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور نماز میں اس طرح جمانا کہ بالکل آپ ہی کی طرف دھیان رہے، کسی دوسری چیز کا خیال دل میں نہ آئے، قطعاً منع ہے، بلکہ ایہام شرک ہے، کیونکہ اس صورت میں نماز اللہ تعالیٰ کی نہ رہے گی، کیونکہ سجدہ وغیرہ سب کچھ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہوگا اور اس کا موہم شرک ہونا ظاہر ہے۔

اور اگر خنزیر وغیرہ کا تصور آئے گا تو حقیر و ذلیل ہو کر آئے گا اس کی کوئی تعظیم دل میں نہ ہوگی لہذا شرک کا شائبہ نہیں، بخلاف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصور کے کہ وہاں تعظیم ملحوظ ہوتی ہے جس میں شرک کا قوی اندیشہ ہے(۱) اور جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسان نہیں مانتا وہ نص قطعی: ﴿إنما أنا بشر

---

(۱) صراط مستقیم میں لکھا ہے:

''اہل مکاشفات یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح اور فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کا حاصل کرنا ہے جو مومنوں کے لئے معراج ہے، نہیں ہرگز نہیں، نماز میں یہ توجہ بھی ایک شاخ ہے خواہ وہ خفی ہو یا اخفی، یہ بھی نہ سمجھئے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح وفرشتوں کا کشف نماز میں برا ہے بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اس کی طرف متوجہ کر دینا اور نیت میں اس مدعا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے خلوص کے مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ علتوں میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق باخلاص لوگوں کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں''۔ (صراط مستقیم (اردو)، ص: ۱۶۸، اسلامی اکیڈمی لاہور)

اور مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''صراط مستقیم کی اس عبارت میں وساوس کے مختلف درجات بیان کئے گئے ہیں کہ بعض کا خطرہ کم اور بعض کا زیادہ ہے، مثلاً زنا کے خیال سے اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ جماع کا خیال بہتر ہے کیوں کہ ایک چیز فی نفسہ جائز ہے اور دوسری حرام ہے، لہٰذا حلال کا وسوسہ حرام کی بہ نسبت بہتر ہے اور اسی طرح گاؤ خر یعنی دنیا کی چیزوں کے خیال میں مستغرق و منہمک اور محو ہو جانا اس لحاظ سے کم خطرناک ہے کہ یہ چیزیں صحیح اور کامل مسلمان کے نزدیک حقیر اور ذلیل اور بے وقعت ہوتی ہیں اور ان میں اس کو کوئی ......=

مثلکم ﴾(۱) کا منکر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۸/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ رمضان ۵۶ھ۔

کیا نماز میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال آنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے؟

سوال [۱۷۹]: ہمارے یہاں دیوبندی مولویوں کو بدنام کر رکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ دیوبندی کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معمولی انسان تھے، ان کا خیال نماز کے اندر آجاوے تو نماز بالکل نہیں ہوتی، اس وجہ سے بدنام کر رکھا ہے، آپ اس کا ضروری فتویٰ بھیجیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ پاک کے سب سے زیادہ اور سب سے اونچے مقرب رسول ہیں، جو کمالات اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں وہ مجموعی طور پر کسی نبی یا فرشتہ کو نہیں ملے، آپ سب پیغمبروں کے سید ہیں، سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہیں (۲) ذات اور صفات سے

= لذت و سرور حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ان سے ایک گونہ اس کو نفرت ہوتی ہے تو لامحالہ وہ ان کو اپنے ذہن اور دل سے فوراً نکالنے کی سعی کرے گا اور اپنے دل کی گہرائیوں میں ان کو ہرگز جگہ نہ دے گا، بخلاف بزرگوں اور ان ہستیوں کے مذکور تصور اور خیال کے کہ چونکہ ان سے مسلمان کی بے حد محبت اور عقیدت ہوتی ہے، اس لئے عین نماز میں صرف ہمت کے درجہ کا خیال اور تصور مضر ہے اور علی الخصوص جناب رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف صرفِ ہمت کر کے دل میں نماز کی حالت میں خیال لانا اور بہ ہمہ وجوہ آپ کی طرف متوجہ ہو جانا مضر تر ہے، کیونکہ آپ کی بے پناہ عقیدت اور لازوال محبت کے پیش نظر اور بے حد تعظیم و تکریم کے لحاظ سے اس خیال میں منہمک ہو کر آدمی توجہ الی اللہ سے محروم ہو جائے گا جو نماز میں مطلوب تھی، اس لئے یہ زیادہ خطرناک ہے کیونکہ دنیا کی دوسری چیزیں تو بے وقعت، حقیر اور ذلیل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم تو ارب کھرب بار تعظیم و تکریم کے مستحق ہیں جو ساری مخلوقات میں جامع کمالات ہیں"۔

جہاں کے سارے کمال ایک تجھ میں ہیں ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

(عبارات اکابر، ص: ۱۰۲، مکتبہ صفدریہ)

(۱) (سورة الكهف: ۱۱۰)

(۲) "وهو صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في جميع أموره على الطاعة والبر والإستقامة التي لم ينلها بشر =

متعلق شان نبوت کے موافق جس قدر علوم آپ کو عطا ہوئے کسی کو بھی نہیں ملے (۱) نہ کوئی آپ کے درجہ کو پہنچا، نہ پہنچ سکتا ہے (۲) جو شخص اس کے خلاف علماء دیوبند کی طرف کوئی بات منسوب کرتا ہے وہ غلط کہتا ہے اور بہتان باندھتا ہے، نماز کو سمجھ سمجھ کر پڑھنے کا حکم ہے، جب نماز میں قرآن پاک کی وہ آیات پڑھے گا جن میں نام مبارک موجود ہے جیسے: ﴿محمد رسول الله﴾ الاية تو معنی پر دھیان کرنے کیلئے تصور مبارک ضرور آئے گا اور جب تشہد پڑھے گا تب بھی تصور آئے گا (۳) پھر کہنا کہ خیال آنے سے نماز نہیں ہوتی اور اس کو علماء دیوبند کی طرف منسوب کرنا بہتان ہے جس سے علماء دیوبند بری ہیں۔ والله علىٰ ما نقول وكيل۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۰ھ۔

= سواه لا من الأولين و لا من الآخرين، و هو صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أكمل البشر على الإطلاق و سيدهم في الدنيا والآخرة". (تفسير ابن كثير، (الفتح : ۲): ۴/۲۳۵، دار الفيحاء)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا سيد ولد ادم يوم القيامة و لا فخر، بيدي لواء الحمد و لا فخر، و ما من نبي يومئذ ادم فمن سواه تحت لوائي، وأنا أول من تنشق عنه الأرض ولا فخر". (جامع الترمذي، أبواب المناقب : ۲/۲۰۲، سعيد)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أتقاكم و أعلمكم بالله أنا". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: 'أنا أعلمكم بالله". : ۱/۷، قديمي)

"(أنا أعلمكم بالله) ظاهر في أن العلم بالله درجات، وأن بعض الناس فيه أفضل من بعض، و أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم منه في أعلى الدرجات". (فتح الباري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا أعلمكم بالله". : ۱/۹۶، قديمي)

(۲) "و لا يبلغ ولي درجة الأنبياء؛ لأن الأنبياء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي ومشاهدة المَلَک، مأمورون بتبليغ الأحكام وإرشاد الأنام بعد الإتصاف بكمالات الأولياء، فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفرٌ و ضلال". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۲۱، قديمي)

(۳) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور")

تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور

سوال[۱۸۰]: التحیات میں ''السلام علیك أيها النبی" سے صوفیاء حضرات استدلال کرتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور ضروری ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ ان الفاظ کی وجہ اور شانِ نزول کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز کے معنی پر دھیان رکھ کر اور سمجھ کر پڑھنا چاہئے اس لئے تصور بھی آئے گا(۱)۔

معراج میں تین چیزیں: ''التحیات، الصلوات، الطیبات" بارگاہِ خداوندی میں پیش کئے تو وہاں سے جواب میں تین چیزیں:" السلام، رحمة، برکات "عطا ہوئیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "وقيل : الخشوع في الصلاة، هو جمع الهمة لها، والإعراض عما سواه، والتدبر فيما يجرى على لسانه من القراءة والذكر .... الخ". (التفسير المظهرى، (المؤمنون : ۲): ۳۶۲/۶، حافظ كتب خانه)

(وكذا في تفسير الخازن، (المؤمنون : ۲): ۲۶۷/۳، دار الكتب العلميه)

"والمراد بخشوعهن سكون الجوارح عن العبث، والقلب عن أن يشتغل بغير ما هو فيه من صلاته بأن يكون متأملاً لمعانى قراته وأذكاره .... الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة : ۲۷۳/۲، رشيديه)

"قال الغزالي في الإحياء : و قبل قولك: "السلام عليك" أحضر شخصه الكريم في قلبك، و ليصدق في أنه يبلغه، و يرد عليك ما هو أوفى منه". (مرقاة الفاتيح، كتاب الصلاة : ۶۳۱/۲، رشيديه كوئٹه)

(۲)" التحيات لله والصلوات والطيبات) .... و هى الصادرة منه ليلة الإسراء، فلما قال ذلك النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بإلهام من الله تعالىٰ، ردّ الله عليه و حيّاه بقوله: "السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته".

(مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، ص : ۲۸۴، قديمى)

کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہاڑ سے گرنے کا ارادہ فرمایا؟

سوال[۱۸۱]: زید نے ایک جلسۂ عام میں دوران تقریر فرمایا کہ ''جب چند روز تک وحی کا آنا رک گیا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہایت غمگین ہو کر بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے تھے تاکہ اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کرلیں''، اور زید نے اپنے قول کے اثبات کے لئے ''بخاری شریف'' کی وہ حدیث جو ''باب التعبير'' دربارہ ''فترة الوحی'' وارد ہے، پیش کی (۱) تو کیا شریعت کی رو سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خودکشی جیسا برا فعل منسوب کرنا قابلِ قبول ہو سکتا ہے، کیا زید اپنے قول میں صادق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں توہین اور گستاخی ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر گستاخی اور توہین قرار پا سکتی ہے تو پھر زید کے لئے شریعتِ مطہرہ کیا حکم نافذ کرتی ہے؟ کہ جو سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خودکشی جیسا برا فعل منسوب کر رہا ہے حالانکہ آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی تردید کر رہا ہے کہ آپ کی قلب مبارک میں کبھی کوئی شک یا وہم پیدا ہوا ہو یا خودکشی جیسے قبیح فعل کا خیال دل میں گزرا ہو، چونکہ سخت مصائب کے وقت بھی آپ نے ایسے عزم و استقلال کا ثبوت دیا ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ بحوالۂ کتب معتبرہ جواب باصواب سے ممنون و مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

زید کا بیان صحیح ہے، یہ واقعہ صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے (۲)، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخلاق وصفات کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، جو قرب اور فضل و کمال آپ کو حاصل ہے اور کسی بشر یا ملک کو حاصل

---

(۱) " و فتر الوحي فترةً، حتى حزن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيما بلغنا حزناً عدا منه مراراً، كي يتردى من رؤس شواهق الجبال، فكلما أوفى بذروة جبل لكي يلقي نفسه منه، تبدّى له جبرئيل، فقال: يا محمد! إنک رسول الله حقاً، فيسكن لذلک جأشه و تقر نفسه فيرجع، فإذا طالت عليه فترة الوحى غدا لمثل ذلک، فإذا أوفى بذَروَة الجبل، تبدّى له جبرئيل فقال له مثل ذلک". (صحيح البخارى، كتاب التعبير، باب أول ما بدىء به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة: ۱۰۳۴/۲، قديمى)

(۲) (صحيح البخارى المصدر السابق)

نہیں، بایں ہمہ آپ بشر تھے، طبیعت بشریہ آپ میں موجود تھی وہ آپ سے جدا نہیں ہوئی تھی، لیکن دیگر افراد بشر میں اس بات میں ممتاز تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور اس کے مطابق احکامِ خداوندی پر عمل فرماتے اور دوسروں کو ہدایت کرتے تھے اور آپ معصوم تھے، آپ سے معصیت کا صدور نہیں ہوا، اگر کبھی کوئی بات خلاف اولیٰ صادر ہوئی تو اس پر مطلع کر کے معاف کر دیا گیا: ﴿إنما أنا بشر مثلكم يوحى إليّ﴾ الاية (۱) ﴿وما ينطق عن الهوىٰ إن هو إلا وحى يوحىٰ﴾ الاية (۲) ﴿عفا الله عنك لم أذنت لهم﴾ الاية (۳)۔

واقعہ مسئولہ میں خودکشی کا صدور نہیں ہوا، ورنہ زید نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خودکشی کی نسبت کی اور ارادۂ مذکورہ کا سبب یہ نہیں تھا کہ آپ کو اپنی نبوت یا رسالت میں کوئی وہم ہوا ہو، بلکہ سبب فتح الباری ۱۲/۳۱۸ میں مذکور ہے:

"وأما إرادته إلقاء نفسه من رؤوس الجبال بعد ما نبىء، فلضعف قوته عن تحمل ما حمله عن اعباء النبوة، وخوفاً مما يحصل له من القيام بها من مباينة الخلق جميعاً كما يطلب الرجل الراحة من غم يناله فى العاجل بما يكون فيه زواله عنه، و لو أفضىٰ إلى إهلاك نفسه عاجلاً حتى إذا تفكر فيما فيه صبره على ذلك من العقبىٰ المحمودة، صبر واستقرت نفسه الخ" (٤)۔

جس طرح کے بچے کے انتقال پر رونا اور غمگین ہونا عزم واستقلال کے خلاف نہیں اسی طرح یہ ارادہ اپنی نبوت پر یقین کے خلاف نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابا جان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو امی جان کہنا

سوال [۱۸۲]: ایک خطیب صاحب اپنی تقریر میں یا اپنی گفتگو کے اندر جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ

---

(۱) (الکهف : ۱۱۰) (۲) (النجم : ۳،۴)

(۳) (التوبة : ۴۳)

(۴) (فتح الباری، کتاب التعبیر، باب أول ما بدىء به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الرؤيا الصالحة: ۱۲/۴۴۷، قديمى)

علیہ وسلم وحضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تذکرہ کرتے ہیں تو از راہ غلبۂ محبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام ''ابا جان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' اور ''اماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کہتے ہیں، تمام امت مسلمہ کے روحانی باپ وماں ہیں، اس لئے ہم ان کو ماں باپ کے لفظوں سے صراحۃً تعبیر بھی کر سکتے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ ایسا کرنا بدعت میں شامل ہوگا یا نہیں؟ عام لوگ اگر اس عمل پر اصرار کریں تو کیا حکم ہے؟ بظاہر دو ایک کے ایسا کرنے سے کوئی خرابی نظر نہیں آتی، ہاں کلام اس صورت میں ہے جب عام لوگ اصرار کریں، ہر ایک کا تفصیلی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

خالی ابا جان اور امی جان نہیں کہنا چاہئے (۱)، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ام المومنین کہنا سلف سے منقول ہے: ﴿وأزواجه أمهاتهم﴾ (۲)، امی جان اور ابا جان ہر دو کی شان اقدس سے بہت کم درجہ کا لفظ ہے، ابا جان کہنے میں بظاہر نص قرآنی: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم﴾ الآية (۳) سے بھی تعارض ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) اس کی ممانعت اس وقت ہے جب عمومی معنی مراد ہو اور اس میں فضیلت کا کوئی پہلو ملحوظ نہ ہو۔

(۲) قال الله تعالىٰ ﴿النبى أولى بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم﴾ (الأحزاب : ۶)

"ويسمّى كل من كان سبباً في إيجاد شيء أو إصلاحه أو ظهوره أباً، ولذالك سمي النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أبا المؤمنين، قال الله تعالىٰ : ﴿النبى أولى بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم﴾ و في بعض القرآء ت (وهو أب لهم)". (روح المعاني، (الأحزاب : ۴۰): ۲۲/۴۶، دار الفكر)

(۳) (الأحزاب : ۴۰)

(۴) آیت کریمہ میں نسبی باپ ہونے کی نفی وارد ہوئی ہے، اگر تعظیماً اور تکریماً ابا جان کہا جائے تو بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ حضور پر نور کی شفقتوں کو دیکھ کر ''ابا جان'' بولنا مستحسن ہے، چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"(ولكن رسول الله) استدراك من نفي كونه عليه السلام أبا أحد من رجالهم على وجه يقتضي حرمة المصاهرة و نحوها إلى إثبات كونه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أباً لكل واحد من الأمة فيما يرجع إلى وجوب التوقير والتعظيم له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و وجوب الشفقة والنصيحة لهم عليه =

کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ بڑے بھائی کے برابر ہے؟

سوال[١٨٣]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے، وہ کس طرح سے ممکن ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث پاک میں ارشاد ہے: "أنا سيد ولد آدم ولا فخر". (١) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ اللہ پاک کے نزدیک اتنا بلند ہے کہ نہ کوئی فرشتہ اس کو پاسکتا ہے، نہ کوئی پیغمبر (٢)، پھر بڑے بھائی کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟ البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بلند مرتبہ کے باوجود حضرت عمر کو بھائی

= صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فإن كل رسول أب لأمته فيما يرجع إلى ذلك، وحاصله أنه استدراك من نفي الأبوة الحقيقية الشرعية التي يترتب عليها حرمة المصاهرة ونحوها إلى إثبات الأبوة المجازية اللغوية التي هي من شان الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و تقتضي التوقير من جانبهم والشفقة من جانبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (روح المعاني، (الأحزاب: ٤٠): ٤٦/٢٢، دار الفكر)

(١) (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ٢٢٩١/٥، نزار مصطفى الباز)

(٢) "والمعتقد المعتمد أن أفضل الخلق نبينا حبيب الحق، و قد ادعى بعضهم الإجماع على ذلك، فقد قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: إن الله فضّل محمداً على أهل السماء وعلى الأنبياء". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ١١٤، قديمي)

"و أفضل الأنبياء محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقوله تعالىٰ: ﴿كنتم خير أمة أخرجت﴾. الاية". (شرح العقائد النسفيه للتفتازاني، ص: ١٠٢، المطبع اليوسفي)

"وأفضل الأنبياء محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقوله تعالىٰ: ﴿كنتم خير أمة﴾ الاية .... و عندنا في الاستدلال وجهان: أحدهما الإجماع، فهو قول لم يعرف له مخالف من أهل السنة بل من أهل القبلة كلهم، ثانيهما الأحاديث المتظاهرة كقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله فضّلني على الأنبياء، و فضّل أمتي على الأمم". رواه الترمذي. وقوله: "أنا سيد الناس يوم القيامة" رواه مسلم. و قوله: "أنا أكرم الأولين والآخرين على الله و لا فخر". رواه الترمذي والدارمي. وقوله: "إذا كان يوم القيامة كنت إمام النبيين و خطيبهم و صاحب شفاعتهم غير فخر". رواه الترمذي، و أمثالها كثيرة". (النبراس، ص: ٢٨٦، حقانيه ملتان)

فرمایا ہے(۱) اور امت کو بھی بھائی فرمایا ہے جیسا کہ احادیث میں موجود ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف بھائی کا درجہ دینا

سوال[۱۸۴]: کیا یہ صحیح ہے کہ اگر محنت کریں تو اولیاء اور انبیاء کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں، بعض صاحبان نے تو پیغمبران صاحبان علیہم الصلاۃ والسلام کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں، اس سے زائد اُور کوئی فضیلت نہیں۔ خصوصاً سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں بھی یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں، کیا ایسا کہنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو مولانا فرماتے ہیں:

ہمسری با انبیاء برداختند
اولیاء را خویشتن پنداشتند

جب انبیاء صاحبان علیہم الصلاۃ والسلام کی شان بعید از قیاس ہے تو ان کا مقابلہ کرنے والا گمراہ ہے یا کافر؟ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پرتو عکس سے دوزخ جنت، حور وغلمان، آسمان وزمین اور کل کائنات پیدا کئے گئے ہیں، کوئی نماز یا اوراد بغیر درود شریف کے مقبول نہیں، پھر ان کا مقابلہ کرنا یا مثل ان کے اپنے کو سمجھنا درست ہے؟

---

(۱) "عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه استأذن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی العمرة فقال: "أي أخي! أشركنا في دعائک و لا تنسنا". (جامع الترمذی، أحادیث شتی من أبواب الدعوات: ۱۹۶/۲، سعید)

(۲) "و ددت أنا قد رأينا إخواننا" قالوا: أو لسنا إخوانک یا رسول اللہ؟ قال: "أنتم أصحابي، وإخواننا الذين لم يأتوا بعد". (الصحیح لمسلم، کتاب الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة: ۱۲۷/۱، قدیمی)

"وددت أنی قد رأيت إخواننا". قالوا: یا رسول اللہ ألسنا إخوانک یا رسول اللہ؟ قال: "أنتم أصحابی، وإخواننا الذين لم يأتوا بعد، وأنا فرطهم على الحوض". (سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب حلية الوضوء: ۳۵/۱، قدیمی)

(وابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذکر الحوض، ص: ۳۱۹، قدیمی)

الجواب حامداًومصلياً:

کوئی امتی کسی نبی کے درجہ کونہیں پہنچ سکتا (۱)، ولایت کے اونچے مقامات پر پہنچنا بعید نہیں مگر جو حضرات پہنچتے ہیں وہ دعویٰ نہیں کرتے اور تکبر نہیں کرتے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ صرف بھائی کے درجہ میں ہیں، اس سے زیادہ ان کی کوئی فضیلت نہیں یہ غلط ہے، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں توہین اور گستاخی کرنا کفر ہے (۲)، بلاتحقیق کسی کی طرف کوئی غلط عقیدہ منسوب کرنا درست نہیں، تہمت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

---

(۱) "و لا يبلغ وليّ درجة الأنبياء؛ لأن الأنبياء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي ومشاهدة المَلَك، مأمورون بتبليغ الأحكام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء، فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفر و ضلال". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، قديمى)

"و منها : أن الولي لايبلغ درجة النبي، لأن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام معصومون، مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي حتى في المنام و بمشاهدته الملائكة الكرام، مأمورون بتبليغ الأحكام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء العظام، فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفر و ضلالة و إلحاد و جهالة". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۲۱، قديمى)

"و لا نفضل أحداً من الأولياء على أحد من الأنبياء عليهم الصلاة والسلام و نقول : نبي واحد أفضل من جميع الأولياء". (العقيدة الطحاوية، ص: ۱۴، قديمى)

(۲) "والمنتقص له كافر". (مجموعة رسائل ابن عابدين، تنبيه الولاة والحكام على أحكام شاتم خير الأنام الخ : ۱/۳۱۶، سهيل اكيڈمى)

"و لو عاب نبياً يكفر". (خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر : ۴/۳۸۵، امجد اكيڈمى)

"و لو عاب نبياً كفر". (الفتاوىٰ البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً الثالث في الأنبياء: ۶/۳۲۷، رشيديه)

تمام امت مسلمہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سمجھنا

سوال[۱۸۵]: ایک شخص جو کہ اپنے کو اور تمام امت مسلمہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے برابر تو سبھی لوگ ہوسکتے ہیں اور پیشاب کرنے کے بعد صرف پانی سے طہارت کرلیتا ہے تو ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر وہ نفس مخلوق خدا اور بشر ہونے میں برابر سمجھتا ہے تو یہ عقیدہ درست ہے اور قرآن پاک (۱) حدیث پاک سے ثابت ہے (۲)، اگر وہ درجۂ قرب وفضیلت میں برابر سمجھتا ہے تو اس کو توبہ لازم ہے، پیغمبر کے برابر کوئی امتی نہیں ہوسکتا (۳) اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر تو کوئی پیغمبر بھی نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ کوئی امتی برابری کا دعوی کرے (استغفر اللہ)۔ اگر کوئی شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ ہرگز ہرگز امامت کے

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿هل كنت إلا بشراً رسولاً﴾ (الإسراء: ۹۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم﴾ (الكهف: ۱۱۰)

وقال الله تعالىٰ ﴿أكان للناس عجبًا أن أوحينا إلى رجل منهم﴾ (يونس: ۲)

(۲) قال رسول الله صلى الله عليهوسلم: "إنما أنا بشر مثلكم، أنسى كما تنسون". (صحيح البخارى، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان: ۵۸/۱، قديمى)

(۳) "و لا يبلغ ولي درجة الأنبياء؛ لأن الأنبياء معصومون، مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي ومشاهدة الملک، مأمورون بتبليغ الأحكام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء، فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبى كفرو ضلال". (شرح العقائد النسفية للتفتازانى، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، قديمى)

"ومنها: أن الولي لا يبلغ درجة النبى؛ لأن الأنبياء عليهم السلام معصومون، مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي حتى فى المنام و بمشاهدة الملائكة الكرام، مأمورون بتبليغ الأحكام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء العظام، و ما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولى أفضل من النبى كفر و ضلالة وإلحاد و جهالة". (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص: ۱۲۱، قديمى)

لائق نہیں (۱)۔

جو شخص پیشاب کے بعد ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء نہیں کرتا بلکہ فوراً پانی سے دھولیتا ہے تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا کپڑا ناپاک رہتا ہے، آج کل ڈاکٹروں اور طبیبوں کا تجربہ یہ ہے کہ پیشاب کے بعد عامۂ قطرہ ضرور آتا ہے اس لئے ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

روضۂ اقدس سے دستِ مبارک کا نکلنا

سوال [۱۸۶]: سرور کائنات احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک قبر مبارک سے کسی کے مصافحہ کے واسطے نکلنا صحیح ہے؟ اور از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

سرور کائنات حضرت رسول مقبول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک مزار اقدس سے نکلنا بعض

= "و لا نفضل أحداً من الأولياء على أحد من الأنبياء عليهم السلام، و نقول: نبي واحد أفضل من جميع الأولياء". (العقيدة الطحاوية، ص: ۱۴، قديمي)

(۱) "أما إذا أدى إليه (الكفر) فلا كلام في عدم جواز الصلاة خلفه". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۱، قديمي)

"و شروط صحة الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام و هو شرط عام، فلاتصح إمامة منكر البعث .... الخ". (نور الإيضاح مع شرحه مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمي كراچي)

(و كذا في رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۵۰، سعيد)

(۲) اصل مقصد قطرے سے فراغت اور طہارت حاصل کرنا ہے خواہ ڈھیلے سے ہو یا پانی سے اور یہ کہنا کہ ایسا شخص ڈھیلا اور پانی دونوں چیزیں استعمال کرے اس کا مقصود بھی یہی ہے کہ قطرے سے فراغت حاصل ہو جائے تا کہ اس کے کپڑے پاک رہیں، اور اگر ایک یا دونوں چیزیں استعمال کرنے کے بعد بھی قطرے سے فراغت حاصل نہیں ہوتی تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے کپڑے ناپاک ہیں، اس لئے وہ امامت نہیں کر سکتا اگرچہ بوجہ معذوری اس کی اپنی نماز دوسرے امام کی اقتداء میں درست ہوتی ہے اور اگر ان میں سے صرف ایک سے یقینی طور پر صحیح طرح سے فراغت حاصل ہو تو ایک بھی کافی ہے۔

اولیاء کے لئے شرعاً ممکن ہے محال نہیں، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الحاوی للفتاوی" میں ایسا واقعہ بھی نقل کیا ہے (۱)۔ قبر اطہر میں حیات بھی احادیث سے ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر اطہر سے دست مبارک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی کے لئے نکلنا

سوال [۱۸۷]: کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک کسی کے مصافحہ کے واسطے مزار اقدس سے نکل سکتا ہے؟ شریعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے؟ روایت بے سند کی اشاعت باعثِ فتنہ ہو سکتی ہے کہ نہیں؟

---

(۱) "وقال الشيخ تاج الدين بن عطاء الله في لطائف المنن: قال رجل للشيخ أبي العباس المرسی : يا سيدی! صافحني بكفك هذه، فإنك لقيت رجالاً و بلاداً، فقال: والله ما صافحت بكفي هذه إلا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .. ". وفي بعض المجاميع: حج سيدی أحمد الرفاعي، فلمّا وقف تجاه الحجرة الشريفة أنشد:

في حالة البُعد روحي كنت أرسلها
تقبل الأرض عني و هي نائبتي
و هذه دولة الأشباح قد حضرت
فامدد يمينك كي تحظى بها شفتي

فخرجت اليد الشريفة من القبر الشريف فقبلها".

(الحاوی للفتاوی، كتاب البعث، تنوير الحلك في إمكان رؤية النبي والملك : ۲/۳۱۲، ۳۱۴، دار الفكر)

(۲) "الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون". (ع) عن أنس (ح) ". (فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۳۰۸۹، ۵/۲۵۵۲، نزار مصطفى الباز)

"وكذا أخرجه أبو يعلى في مسنده والبيهقي في كتاب حياة الأنبياء" فأقول: حياة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في قبره هو و سائر الأنبياء معلومة عندنا علماً قطعياً لما قام عندنا من الأدلة في ذلك و تواترت به الأخبار". (الحاوی للفتاوی، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء : ۲/۱۷۸، دار الفكر)

الجواب حامداً و مصلياً :

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں (۱) حدیث پاک میں متعدد سندوں سے یہ چیز مروی ہے اور اس پر مستقل رسائل بھی علماء نے تصنیف کئے ہیں، جس طرح خرقِ عادت کے طور پر حیات ظاہری میں کچھ امور صادر ہوئے ہیں اور ان کا صدور مسلّم عقیدہ ہے اسی طرح باذنہ تعالیٰ اگر کسی کے لئے قبرِ اطہر سے دست مبارک مصافحہ کے لئے نکل آئے تو یہ نہ عقلاً ممتنع ہے نہ شرعاً (۲)۔ علامہ تقی الدین سبکی علامہ سیوطی، علامہ زرقانی اور شیخ عبدالحق رحمہم اللہ نے اس قسم کے متعدد واقعات اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) كما في الحديث: "عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة .... إلى قوله .... فقال: إن الله عزوجل حرّم على الأرض أجساد الأنبياء" (سنن أبي داؤد، باب تفريع أبواب الجمعة : ١/١٥٠، سعيد)

"قال النووي : قال العلماء: الحكمة في أن الأنبياء صلوات الله عليهم أجمعين لا يورثون ...... قلت: أو لأنهم أحياء في قبورهم، فالأموال باق على ملكهم .... و مال السبكي الى الأول، لأن الأنبياء أحياء في قبورهم، و قضيته أنهم يعطون بعض أحكام الدنيا.......... قال ابن عابدين في رسائله : إن المنع ههنا لانتفاء الشرط و هو عدم وجود الوارث بصفة الوارثية كما اقتضاه الحديث، و أما عدم موت المورث بناءً على أن الأنبياء أحياء في قبورهم كما ورد في الحديث .... و أجاد شيخ مشايخنا الكنكوهي قدس سره في الكوكب الدرى في باب ما جاء في تركة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تقريراً أنيقاً ينبغي أن يكتب بماء الذهب فقال: و لأن النبيين صلوات الله عليهم أجمعين لما كانوا أحياءً فلا معني لتوريث الأحياء منهم". (أوجز المسالك شرح المؤطا للإمام مالك رحمه الله تعالىٰ، ماجاء في تركة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ٦/٣٨٢)

(وكذافي عمدة القاري، كتاب المناقب، باب بعد باب قول النبي: "لو كنت متخذاً خليلاً": ١٦/١٨٥)

(٢) "و في بعض المجاميع حج سيدى أحمد الرفاعي، فلما وقف تجاه الحجرة الشريفة أنشد .... فخرجت اليد الشريفة من القبر الشريف فقبّلها". (الحاوى للفتاوى : ٢/٣١٤، كتاب البعث، تنوير الحلك في إمكان رؤية النبي والملك، دار الفكر، بيروت).......................... =

شق صدر اور معراج

سوال[۱۸۸]: جو شخص حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شقِ صدر کو باطل کہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کو خواب وخیال سمجھتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

روح الامین نمبر۴۲ مرزا پور اسٹریٹ کلکتہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً ومسلّماً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شق صدر، روایات صحیحہ سے ثابت ہے، تفسیر فتح العزیز تفسیر الم نشرح: ۲/۲۷۵ میں ہے کہ چار مرتبہ شق صدر ہوا ہے، ابن حبان، حاکم، ابونعیم، ابن عساکر، عبداللہ بن احمد وغیرہم کی روایات صحیحہ کو استدلال میں پیش کیا ہے(۱) لہذا اس کا انکار ناواقفیت یا عناد پر مبنی ہے۔

= "عن أبی الخیر الأقطع قال: دخلت المدینة و أنا بفاقة، فأقمت خمسة أیام ما ذقت ذواقاً، فتقدمت إلی القبر الشریف و سلمت علی النبی و علی أبی بکر و عمر و قلت: أنا ضیفک اللیلة یا رسول اللہ! و تنحیت و نمت خلف المنبر، فرأیت النبی فی المنام و أبو بکر عن یمینه و عمر عن شماله وعلی، بین یدیه، فحرّکنی علیّ و قال: قم قد جاء رسول اللہ، فقمت إلیه وقبلت بین عینیه، فدفع إلیّ رغیفاً، فأکلت نصفه و انتبهت، فإذا فی یدی نصف رغیف". رواہ أبو عبد الرحمن السلمی". (القول البدیع فی الصلوة علی الحبیب الشفیع، ص: ۳۲۵، الباب الرابع فی تبلیغه علیه السلام سلام من یسلّم علیه، مؤسسة الریان، بیروت)

(۱) "روزے همراہ پسران دایۂ خود در کودکان بازی کردہ، در چرانیدنِ گوسفندان مشغول بودند، و بسران دایه برائے گرفتنِ نان و آذوقه پیشِ مادر خود رفته، و آنجناب تنها همراہ گوسفندان در آن صحرا بودند که ناگاہ دو جانور کلان بصورتِ کر گس (که آنرا در زبان هندی گِد گویند) نمودار شدند، یکے مردیگرے را پرسید که این همان شخص ست؟ آن دیگر گفت که آری، پس هر دو متوجهِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم شدند، و آنحضرت بسببِ ترس از ان جانوران رو بگریز نهادند، تا آنکه آن هر دو جانور هر دو بازوئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم را گرفته بر پشت بر زمین انداختند، وبمنقارهائے خود شکم مبارکِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم چاک =

....

=کردند، و از سینه أنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم دل مبارک ر ابرآورده، نیز چاک کردند، وازان خون بسته سیاه بر آورده بر تافتند، و گفتند که این خونِ بسته مردار نصیبِ شیطان ست، در دل هر آدمی این را از دل او بر آوردیم، والا هر گز وسوسهٔ شیطان را قبول نخواهد کرد.

بعد ازان یکے مر دیگرے را گفت که آبِ برف بیار، بآن آب شکمِ ایشان را بشستند، بعد ازان آبِ ژاله طلبیدند، وبآن آب دل را شستند، بعد ازان گفت که سکینه بیار، آنچیری بود بر مثالِ ذر در و آنرا بزلِ ایشان افشاند ند، بعد ازان یکے مر دیگرے را گفت که این را بدوز و آنرا دوخته بمهرِ نبوت مهر کردند، و سینهٔ مبارک آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم را ودخته برابر کردند، چنانچه انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه که خادم ملازمِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بود میگفت که من اثر سوزن را در سینهٔ مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم میدیدم الخ.

دوم آنکه ابن حبان و حاکم وابو نعیم وابن عساکر و ضیائی مقدسی و عبد اللہ بن احمد در زوائدِ مسند بسندِ صحیح روایت کرده اند که آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم چون ده ساله شدند، در صحرائے بودند که دو کس بصورتِ دو مرد ظاهر شدند، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم میفرمودند که من مانندِ چهره هائے آن دو شخص هیچگاه چهرهٔ نورانی ندیده ام، و بوئے خوش که از انها می آمد در هیچ عطرے نشمیده ام، و مانندِ جامه هائے آن دو شخص در نفاست و صفا و درخشندگی هیچ جامه بنظر من نیامده، آن هر دو شخص جبرئیل و میکائیل علیهما السلام بودند، هر دو بازوئے مرا بوجهی گرفتند که اصلاً مرا معلوم نشد،و باسانی تمام بر فقره فقا مَرا غلطانیدند که هیچ عضوِ من بے جا نشد،و درد نه کرد،و بازآنها شکمِ مَر اچاک کردند، و اصلاً خون نه بر آمد، و درد نه شد، و یکے از آنها آب در طشتِ زرین می آورد، و دیگر تمام درد نه مرامی شست، بازیکے مر دیگرے را گفت که دلِ این را چاک کن، و غل و حسد را ازوے دور کن، خونِ بسته بر آورد ند، وبر تافتند. باز گفت مِهرُ بانگی و شفقت در دلِ این بیند، از چیزے بصورتِ تل سیمین آورده در دلِ من انداختند، و دوائے خشکی بر مثالِ زر در بالائے آن پاشیدند، باز انگشت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لاگرفته، گفتند که بر دو سلامت باش. آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فرمودند که من =

معراجِ جسمانی مسجد اقصیٰ تک بحالتِ یقظہ نص قطعی سے ثابت ہے، اس کا انکار کفر ہے اور سماء دنیا تک خبر مشہور سے ثابت ہے، اس کا منکر مضل اور مبتدع ہے اور سماء دنیا سے آگے جنت وعرش وغیرہ تک خبر واحد سے ثابت ہے، اس کا منکر فاسق ہے۔

فی العقائد النسفية: "والمعراج لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى اليقظة بشخصه إلى السماء ثم إلى ما شاء الله تعالىٰ من العلى حق". قال التفتازاني تحت (قوله: حق) "أي ثابت بالخبر المشهور حتى أن منكره يكون مبتدعاً (إلى أن قال) فقوله: في اليقظة إشارة إلى الرد على من زعم أن المعراج كان في المنام(إلى أن قال) و قوله: بشخصه إشارة إلى الرد على من زعم أنه كان للروح فقط(إلى أن قال) و قوله: إلى السماء إشارة إلى الرد على من زعم أن المعراج في اليقظة لم يكن إلا إلى بيت المقدس على ما نطق به الكتاب و قوله : (ثم إلى ما شاء الله) إشارة إلى اختلاف أقوال السلف، فقيل: إلى الجنة، وقيل: إلى العرش، و قيل: فوق

= اذاں وقت در دلِ خود شفقت و رحمت بر هر صغير و كبير مى يابم، واين بار آنحضرت صلى الله تعالىٰ عليه وسلم چون سنِ بلوغ قريب رسيده بود از لوازمِ جوانى ميل بشهوت و سورتِ غضب ست، برائے عصمت از گناهائے كه تعلق باين دو صفت دارند، و بيشتر غلبهٔ آنها در جوانى و ما بعد جوانى ست شقِ صدر مكرر واقع شد. سوم آنكه چون هنگامِ بعثت قريب ست، و زمانِ نزولِ وحى بر دِل مباركِ آنحضرت صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نزديک آمد، بارِ ديگر دلِ ايشان را برائے تنقيه و تقويت چاک كردند .... چهارم: شب معراج، واين با ر شقِ صدر برائے آن بود كه دل مباركِ آنحضرت صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قوتِ سيرِ عالَمِ ملكوت بهم سازند، و طاقت ديدنِ تجليات بديهه و انوارِ مثله ليه پيدا كند". (تفسير عزيزى، (سوره الم نشرح : ۲۳۰- ۲۳۲) ، ارگ بازار قندهار)

(و كذا فى دلائل النبوة للبيهقى، باب ذكر رضاع النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و مرضعته و حاضنته: ۱/۱۳۱، و باب ماجاء فى شق صدر النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ :۵/۲، دار الكتب العلميه بيروت)

العرش إلى طرف العالَم. فالإسراء و هو من المسجد الحرام إلى بيت المقدس قطعيٌّ ثبت بالكتاب، والمعراج من الأرض إلى السماء مشهور، و من السماء إلى الجنة أو إلى العرش أو غير ذلك احاد". شرح عقائد نسفی، ص:۱۰٤ (۱)۔

"قال أهل السنة بأجمعهم: إن المعراج إلى المسجد الأقصىٰ قطعي ثابت بالكتاب، وإلى سماء الدنيا ثابت بالخبر المشهور، و إلىٰ ما فوقه من السموات ثابت بالآحاد، فمنكر الأول كافر ألبتة، و منكر الثاني مبتدع مضل، و منكر الثالث فاسق". تفسیر احمدیہ، ص:۵۰۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ۔

معراج میں رؤیت

سوال[۱۸۹]: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں اللہ پاک کا دیدار ہو گیا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب معراج ہوئی تو اس وقت بعض علماء قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، پھر بعض کہتے ہیں کہ دل کی آنکھ سے دیکھا ہے، بعض کہتے ہیں کہ ظاہری آنکھوں سے اور بعض کہتے ہیں کہ ﴿ما كذب الفؤاد ما رأى﴾ میں حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ تفسیر مدارک میں ہے: "(ما كذب الفؤاد) فؤاد محمد (ما رأى) ماراه ببصره من صورة جبريل عليه الصلاة والسلام: أي ما قال فؤاده لما راه ببصره: لم أعرفك، و لو قال ذلك، لكان كاذباً؛ لأنه

---

(۱) (شرح العقائد النسفيه للتفتازاني، ص:۱۴۴، ۱۴۵ قديمي)

(كذا في شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص:۲۲۳، قديمي)

(۲) (التفسيرات الأحمديه، (الإسراء: ۱)، ص: ۵۰۳، حقانيه پشاور)

عرفه يعني أنه راه بعينه، وعرفه بقلبه، و لم يشك في أن ما راه حق، و قيل: المرئي هو الله سبحانه رآه بعين رأسه، و قيل: بقلبه اهـ". مدارك:۴/۱۴۸ (۱)۔

" ثم الصحيح أنه عليه السلام رای ربه بفؤاده لا بعينه اهـ"۔ شرح عقائد نسفی، ص: ۱۰۵ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (تفسير المدارك (النجم: ۱۱) ۲/۶۱۳، قديمی)

"(بالتخفيف والتشديد): أي فهما قرأتان سبعيتان، فالمعنى على التشديد أن ما رآه محمد بعينه صدقه قلبه و لم ينكره، والتخفيف قيل كذالك، و قيل: هو على إسقاط الخافض، والمعنى ما كذب الفؤاد فيما رآه. قوله:(من صورة جبريل) بيان لماراى، و هذا أحد قولين، و قيل : هو الله عزوجل وعليه فقد رأى ربه مرتين: مرةً في مبادى البعثة و مرةً ليلةالإسراء، واختلف في تلك الرؤية فقيل : رآه بعينه حقيقةً: وهو قول جمهور الصحابة والتابعين، منهم : ابن عباس وأنس بن مالك والحسن وغيرهم".

(حاشية الصاوى على تفسير الجلالين،(النجم : ۱۱): ۶/۱۳ ،دارالباز)

"(ما كذب الفؤاد ما رأى): أى لم يكذب قلب محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليلةالمعراج، وذلك أن الله تعالىٰ جعل بصره في فؤاده حتى رأى ربه تعالىٰ و جعل الله تلك رؤيةً، وقيل: كانت رؤيةً حقيقةً بالبصر، و الأول مروى عن ابن عباس، وفي صحيح مسلم أنه رآه بقلبه، و هو قول أبي ذر و جماعة من الصحابة، والثاني قول أنس و جماعة".

"وروى عن ابن عباس أيضاً أنه قال: أتعجبون أن تكون الخلة لإبراهيم،والكلام لموسى،والرؤية لمحمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و روى عن ابن عباس أيضاً أنه قال : "أما نحن بني هاشم فنقول : إن محمداً رأى ربه مرتين" .... وقال ابن مسعود : رأى جبريل على صورته مرتين، وقرأ هشام عن ابن عامر وأهل الشام (ما كذّب) بالتشديد: أى ما كذب قلب محمد ما رأى بعينه تلك الليلة بل صدقه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (النجم : ۱۱): ۲۷/۶۱، ۶۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) (شرح العقائد النسفية للتفتازاني ، ص:۱۴۵ ،قديمی)

"وأن الصحيح أنه رآه بقلبه و لم يره بعين رأسه". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۲۶ ،قديمی)=

معراج میں اہلِ جنت ودوزخ کو دیکھنا جب کہ ابھی قیامت قائم نہیں ہوئی

سوال[۱۹۰]: دخولِ جنت ودوزخ میدان حشر میں حساب وکتاب کے بعد ہوگا لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں میدانِ حشر سے پہلے جنتی کو جنت میں اور دوزخی کو دوزخ میں کس طرح دیکھا؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جوصورتِ حال اس وقت پیش آئے گی اس کا نقشہ اور خاکہ دکھلایا گیا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۳/۱۲/۹۵ھ۔

مقام محمود

سوال[۱۹۱]: مقام محمود کے بارے میں مختصر تشریح فرمادیں کیا وہ جنت میں ہے یا میدان حشر میں ؟اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیا خصوصیت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

میدان حشر میں پیشی کے لئے شفاعت کی اجازت خاص طور پر دی جائے گی، وہ مقام محمود ہے(۲)۔

= "قال ابن عباس رأى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ربه مرةً أخرى بقلبه، روى مسلم عن أبي العالية عنه قال : (ما كذبَ الفؤاد ما رأى) (ولقد رآه نزلةً أخرى) قال:" رآه بفؤاده مرتين ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي،(النجم : ۱۳): ۶۲/۲۷، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱)"فمضيت هنيهةً فإذا أنا بأخونة عليها لحم مشرح ليس يقربها أحد، و إذا أنا بأخونة أخرى عليها لحم قد أروح وأنتن، عندها أناس يأكلون منها، قلت: يا جبريل! من هؤلاء ؟ قال: هؤلاء من أمتك يأتون الحرام ويتركون الحلال، قال: ثم مضيت هنيهةً فإذا أنا بأقوام مشافرهم كمشافر الإبل قال: فتفتح أفواهم فيلقمون من ذلك الجمر، ثم يخرج من أن أسافلهم فسمعتهم يضجون إلى الله تعالىٰ، فقلت: من هؤلاء يا جبريل ؟ قال: هؤلاء من أمتك ﴿الذين يأكلون أموال اليتامىٰ ظلماً إنما يأكلون في بطونهم نارًا و سيصلون سعيراً﴾ (تفسير ابن كثير :۱۹/۳، (سورة الإسراء)

(۲) "قال ابن جرير : قال أكثر أهل التأويل: ذلك هو المقام الذي يقومه محمد صلى الله تعالىٰ عليه =

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۸ھ۔

مسئلہ شفاعت

سوال[۱۹۲]: مولانا صاحب بی اے منشی فاضل فرماتے ہیں کہ شفاعت کوئی نہیں کرائے گا، کیا قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ یہ نہیں ہے: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ (۱) اس سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شفاعت فرمانا ثابت نہیں ہوتا؟ بخاری شریف پارہ اٹھارہ کتاب التفسیر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ”فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: قیامت کے دن ایماندار لوگ جمع ہوکر حضرت آدم علیہ السلام سے سفارش کرنے کی آرزو کریں گے، حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام انکار کریں گے، بعد اس کے یکے بعد دیگرے پیغمبروں سے عرض کریں گے سب انکار کریں گے، تب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ

= وسلم يوم القيامة للشفاعة للناس ليريحهم ربهم من عظيم ما هم فيه من شدة ذلك اليوم". (تفسير ابن كثير، (الإسراء : ۷۹) : ۳/۵۰، دار القلم)

"وروى الترمذي عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في قوله: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ سئل عنها قال: (هي الشفاعة) قال: هذا حديث حسن صحيح".

"الرابعة: إذا ثبت أن المقام المحمود هو أمر الشفاعة الذي يتدافعه الأنبياء عليهم السلام حتى ينتهي الأمر إلى نبينا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيشفع هذه الشفاعة لأهل الموقف ليعجل حسابهم ويراحوا من هول موقفهم، و هي الخاصة به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (الإسراء : ۷۹): ۱۰/۲۰۱، دار الكتب العلميه، بيروت)

"و من الناس من فسره بمقام الشفاعة في موقف الحشر حيث يعترف الجميع بالعجز، أعم من أن تكون عامةً كالشفاعة لفصل القضاء أو خاصةً كالشفاعة لبعض عصاة أمته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في العفو عنهم". (روح المعاني، (الإسراء : ۷۹): ۱۵/۲۰۴، دا الفكر)

(۱) (الإسراء: ۷۹)

علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں جاکر عرض کریں گے، آپ قبول فرما کر شفاعت کرادیں گے''(۱)۔

کیا قرآن مجید اور حدیث رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا مسلمانوں پر فرض نہیں ہے؟

کیا قرآن مجید اور حدیث شریف رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت کرانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ثابت نہیں ہے؟ کیا شفاعت سے انکار قرآن مجید سے اور حدیث شریف سے انکار نہیں ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شفاعت فرمانا اہل حق کا مذہب ہے اور احادیث مشہورہ سے صراحۃً ثابت ہے:"والشفاعة ثابتة للرسل والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار (إلى أن قال) لنا قوله تعالى: ﴿واستغفر لذنبك و للمؤمنين و المؤمنات﴾ و قوله تعالیٰ: ﴿فما تنفعهم شفاعة الشافعين﴾ إلى أن قال: و قوله عليه الصلاة والسلام: "شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي" و هو مشهور بل الأحاديث في باب الشفاعة متواترة المعنى اهـ". شرح عقائد نسفی، ص:۸۸ (۲)۔

---

(۱) "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "يجتمع المؤمنون يوم القيامة فيقولون: لو استشفعنا إلى ربنا، فيأتون آدم فيقولون : أنت أبو الناس، خلقک الله بيده، وأسجدَ لک ملائكته، و علمک أسماء كل شيء، فاشفع لنا عند ربک حتى يريحنا من مكاننا هذا، فيقول : لست هناكم، و يذكر ذنبه فيستحي، إيتوا نوحاً.......... فيأتوني فأنطلق حتى استاذن على ربي فيؤذن، فإذا رأيت ربي، وقعت ساجداً فيدعني ما شآء، ثم يقال: ارفع رأسک، وسل تعطه، وقل تسمع، واشفع تشفع ...... الخ". (صحيح البخاری ، كتاب التفسير، باب وعلم آدم الأسمآء كلها: ۶۴۲/۲، قديمی)

(۲) (شرح العقائد النسفيه للتفتازانی ، ص: ۱۱۵،۱۱۶ ،قديمی كراچی)

"(و شفاعة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام حق): أی عموماً فی المقصود (و شفاعة نبينا صلی الله عليه و سلم): أی خصوصاً في المقام المحمود واللواء الممدود والحوض المورود (للمؤمنين المذنبين): أی من أهل الصغائر المستحقين للعقاب (ولأهل الكبائر منهم): أی من المؤمنين (المستوجبين للعقاب حق ثابت) فقد ورد: (شفاعتی لأهل الكبائر من أمتی) رواه أحمد و أبو داؤد والترمذی وابن حبان والحاكم عن أنس، والترمذی وابن ماجه وابن حبان والحاكم عن جابر، والطبرانی عن ابن عباس، والخطيب عن ابن عمر و عن كعب بن عجرة رضی الله تعالیٰ عنه، فهو حديث مشهور فی المبنی، بل الأحاديث في باب الشفاعة متواترة المعنی". (شرح الفقه الأكبر للملا علی القاری ، ص: ۹۴، قديمی) =

نیز بہت سی آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں اور آیت: ﴿عسی أن یبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ کے متعلق بھی جمہور قائل ہیں کہ مقام محمود، مقام شفاعت ہے۔ تفسیر مدارک التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

"نُصب علی الظرف: أی عسی أن یبعثك یوم القیامة فیقیمك مقاماً محموداً، أوضمِن "یبعثك" معنی "یقیمك" و ھو مقام الشفاعة عند الجمھور، و یدل علیه الأخبار الخ" (۱) شفاعت کا انکار درحقیقت نصوص قطعیہ اور احادیث صریحہ کا انکار ہے، معتزلہ شفاعت کے منکر ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ نے کتب عقائد وتفسیر میں ان کی تردید کی ہے اور ان کے قول کو باطل قرار دیا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/محرم/ ۵۶ھ۔

شفاعت وافضلیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال [۱۹۳]: ۱...... عمرو بکر مثلاً جن کے عقائد مذکور درج کئے جاتے ہیں اور بکر کی حد سے زیادہ تعدی معلوم ہوتی ہے، بکر کے عقیدہ کا خیال کرتے ہوئے اس کے ساتھ برتاؤ دینی اور دنیاوی جائز ہے یا نہیں اور جماعت میں شامل ہو جائے تو نکال دینے کا حکم ہے یا نہیں اور جماعت میں بھی کچھ نقصان لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے آدمی کو باقی دوسرے امام کے ہوتے ہوئے امام بننا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے ایمان میں خلل آتا ہے یا نہیں اور ایسا ایمان ہونے میں نکاح وغیرہ میں بھی کچھ نقص ہے یا نہیں؟ حد کا حکم ہے یا نہیں؟ سو یہ کہ عمر اور بکر آپس میں جھگڑا کرتے ہیں عمر کہتا ہے کہ شفاعتِ رسول کریم برحق ہے اور بکر کہتا ہے کہ برحق نہیں ہے۔

۲...... عمر کہتا ہے کہ مقام المحمود شفاعت کا مقام ہے اور بخاری شریف میں بھی موجود ہے اور بکر کہتا ہے کہ شفاعت خاص کر رسول کریم کے واسطے معین نہیں ہے۔

۳...... اور عمر کہتا ہے کہ یا رسول اللہ کہنا جائز ہے اور بکر یہ کہتا ہے کہ ہرگز جائز نہیں۔

۴...... عمر کہتا ہے رسول کریم سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور بکر کہتا ہے کہ سب برابر ہیں، سب

= (وکذا فی شرح العقیدة الطحاویه لابن أبی العز، ص: ۲۳۳، قدیمی)

(۱) (تفسیر المدارک، (الإسراء: ۷۹): ۱/۷۲۵، قدیمی)

(۲) (راجع، ص: ۴۰۰، الحاشیه رقمها: ۲)

پیغمبروں سے افضل نہیں؟ صفحہ کتاب لکھ کر جواب تحریر فرماویں۔ حوالے جتنے زیادہ ہوں بہتر ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھ کر اعادہ واجب ہے یا نہیں اور اس کے جنازہ کا کیا کیا جاوے؟ ان مسائل کی بابت زیادہ تنازع ہو رہا ہے اس لئے جواب پوری تکمیل سے تحریر فرماویں، تاکہ فریقین کو تسلی ہو جائے۔ فقط

الجواب حامداً و مصلياً :

ا......شفاعت کے متعلق عمر کا قول حق ہے، بکر کا قول غلط ہے: ''والشفاعة ثابتة للرسل والأخيار فی حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار خلافاً للمعتزلة اهـ". شرح عقائد نسفی، ص: ۸۷(۱)۔

۲......اس میں بھی عمر کا قول حق ہے:" قال أكثر أهل التاويل: ذلك (أى المقام المحمود) هو المقام الذى يقومه محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم القيامة للشفاعة للناس ليريحهم ربهم من عظيم ما هم فيه من شدة ذلك اليوم"۔ تفسیر ابن کثیر:۳/۵۵(۲)۔

"وشفاعة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام: أى عموماً فى المقصود، و شفاعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خصوصاً فى المقام المحمود واللواء الممدود والحوض المورود للمؤمنين المذنبين: أى من أهل الصغائر المستحقين للعقاب و لأهل الكبائر منهم حق، فقد ورد: "شفاعتى لاهل الكبائر من أمتى"۔ رواه أحمد و أبو داؤد والترمذى وابن حبان والحاكم عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه، والترمذى وابن ماجه و ابن حبان والحاكم عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه، والطبرانى عن ابن عباس رضى الله

---

(۱) (شرح العقائد النسفية للتفتازانى ، ص: ۱۱۵ ،قديمى)

"شفاعته فى أهل الكبائر من أمته ممن دخل النار،فيخرجون منها،وقد تواترت بهذا النوع الأحاديث، وقد خفى علم ذلك على الخوارج والمعتزلة، فخالفوا فى ذلك جهلاً منهم بصحة الأحاديث و عناداً ممن علم ذلك، واستمر على بدعته، و هذه الشفاعة تشاركه فيها الملائكة والنبيون والمؤمنون أيضاً".

(شرح العقيدة الطحاويه لإبن أبى العز ، ص: ۲۳۳، قديمى)

(و كذا فى شرح الفقه الأكبر للملا على القارى ، ص: ۹۴، قديمى)

(۲) (تفسير ابن كثير،(سورة الإسراء : ۷۹): ۳/۵۰، دار القلم)

تعالیٰ عنهما، والخطیب عن ابن عمر و کعب بن عجره رضی الله تعالیٰ عنهم، فهو حدیث مشهور فی المبنی بل الأحادیث فی باب الشفاعة متواترة المعنی اهـ". شرح فقه اکبر، ص:۱۱٤(۱)۔

"قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: هذا المقام المحمود مقام الشفاعة، وفی حدیث طویل: "وإنی لأقوم المقام المحمود، قال: ذاك إذا جیء بکم حفاةً عراةً": أی قوله: "فأقوم عن یمینه مقاماً لا یقومه أحد، فیغبطنی فیه الأولون والآخرون". وفی حدیث آخر: "ثم یقوم نبیکم صلی الله تعالیٰ علیه وسلم رابعاً فیشفع لا یشفع أحد بعده أکثر مما شفع". و هو المقام المحمود الذی قال الله عزوجل: ﴿عسی أن یبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ وإلی غیرذلك من الأحادیث الکثیرة اهـ". فتح الباری شرح البخاری، کتاب التفسیر وکتاب الرقاق میں زیادہ تفصیل ہے(۲)۔

۳......''یارسول اللہ'' اس خیال اورعقیدہ سے کہنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ پاک کی طرح حاضر وناظر ہیں اور ہر جگہ سے اس آواز کو خود سنتے ہیں ناجائز بلکہ شرک ہے۔ اوراس عقیدہ سے کہنا کہ ملائکہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ میری اس آواز کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہونچادیتے ہیں جائز ہے، عوام چونکہ اس عقیدہ کو نہ جانتے ہیں نہ سمجھتے ہیں، بلکہ وہ پہلا ہی عقیدہ رکھتے ہیں، اس لئے ان کو منع کیا جاتا ہے، کسی صحیح عقیدہ والے کو بھی عوام کے سامنے اس طرح پکارنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

۴......اس مسئلہ میں بھی عمر کا عقیدہ صحیح اور اہل حق کے موافق ہے:'' أفضل الأنبیاء محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ''۔شرح عقائد نسفی، ص:۱۰۲(۳)۔

---

(۱)(شرح الفقه الأکبر للملا علی القاری، ص: ۹۴، قدیمی)

(۲) (فتح الباری، کتاب التفسیر باب (عسی أن یبعثک ربک مقاما محموداً): ۵۰۹/۸، (وکتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار: ۵۲۰/۱۱، قدیمی)

(۳)(شرح العقائد النسفیة للتفتازانی، ص: ۱۴۱،قدیمی)

"ان أفضل المخلوقات فی الدنیا والآخرة هو سیدنا محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الذی جمع کل خلال الخیر ونعوت الکمال، و بعثته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عامة لجمیع المکلفین، و أفضلیته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی جمیع المخلوقات مما أجمع علیه المسلمون لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم:"أنا أکرم الأولین والآخرین علی الله ولا فخر". (الکوکب الأزهر شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۲۲) =

جس شخص کے ایسے غلط اور خراب عقائد ہوں وہ ضال ومضل ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں، تاہم اگر اسکے پیچھے کوئی نماز پڑھی ہے تو فریضہ ساقط ہوگیا اور نماز جنازہ بھی ایسے شخص پر پڑھی جائے گی: ''ویصلی علی کل فاجر اھـ'' شرح عقائد نسفی، ص:۱۱۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۴/ ربیع الأول/ ۵۸ھ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا ایمان لانا

سوال[۱۹۴]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایماندار ہونے کی روایت کتب سیر میں یا احادیث میں آئی ہے یا نہیں؟ اگر آئی ہے تو کیسی ہے اور ان کے ایماندار ہونے پر اعتقاد ویقین رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایماندار ہونے میں اکابر کے مختلف اقوال ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ ''ماتا علی الکفر''(۲)۔

= "وأنه أفضل الأنبياء وأمته خير الأمم". (شرح المقاصد، المقصد السادس في السمعيات، فصل في النبوة: ۳/۳۰۵، دار الكتب العلميه)

(شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۱، قديمي)

(۱) (والصلاة خلف كل بر و فاجر): أي صالح و طالح (من المؤمنين جائزة: أي لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعلى آله و سلم: "صلوا خلف كل بر و فاجر". (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص: ۷۶، قديمي)

(كذا في شرح العقيد الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۷۳، قديمي)

(۲) "قال القارى: ثم الجمهور على أن والديه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم ماتا كافرين. وهذا الحديث أصح ما روى في حقهما". (بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور: ۵/۲۱۴، امداديه ملتان)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز: ۴/۲۵۱، رشيديه)

ایک روایت میں ہے:"استاذنت ربی أن أستغفر لأمی، فلم یأذن لی"۔ (۱)۔ مسلم کی ایک اور روایت میں ہے:"ان رجلاً قال: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! أین أبی؟ قال: "فی النار" فلماقفا دعاہ فقال: "إن أبی وأباك في النار". مسلم، شامی:۲/۶۳۳ (۲)۔

آیت:﴿ولا تسئل عن أصحاب الجحیم﴾ بصیغہ نہی حضور اکرم کے سوال:"لیت شعری ما فعل أبوای" کے جواب میں نازل ہوئی۔

تفسیر مظہری،ص:۶۷ میں لکھا ہے کہ یہ قوی نہیں (۳) بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ پر ایمان لائے (۴)۔"بیہقی دلائل النبوۃ" میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابن نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی ہے:"و قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم:"و ما افترق الناس فرقتین إلا جعلنی اللہ فی

---

(۱) (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل فی الذهاب إلی زیارة القبور : ۱/۳۱۴،قدیمی)

(۲) (الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب بیان أن من مات علی الکفر فهو فی النار الخ : ۱/۱۱۴، قدیمی)

(ورد المحتار،باب نکاح الکافر، مطلب فی الکلام علی أبوي النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم وأهل الفترة : ۳/۱۸۴،۱۸۵،سعید)

(۳) "و ما ذکر البغوي أنه قال عطاء عن ابن عباس: أن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم قال ذات یوم : (لیت شعری ما فعل أبواي) فنزلت هذه الآیة . و قال عبد الرزاق: أخبرنی الثوري عن موسی بن عبیدة، عن محمد بن کعب القرظي عنه . وأخرج ابن جریر من طریق ابن جریج: أخبرني داؤد بن عاصم عنه، فذکرا نحوه، فلیس بمرضيٍّ عنده و لیس بقوي".(التفسیر المظهری، (البقرة : ۱۱۹): ۱/۱۲۰ ،حافظ کتب خانه کوئٹه)

(۴) " وأورد السهیلی فی الروض الأنف بسند قال:"إن فیه مجهولین عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم سأل ربه أن یحیی أبویه، فأحیاهما له، فآمنا به، ثم أماتهما . و قال السهیلی بعدإیراده : اللہ قادر علی کل شیء، و لیس تعجز رحمته و قدرته عن شیء، و نبیه صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم أهل أن یختص بما شاء من فضله و ینعم علیه بما شاء من کرامته" .(الحاوی للفتاویٰ، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی: ۲/۲۷۸،دار الفکر بیروت)

خيرهما، فأخرجت من بين أبوين فلم يصبني شيء من عهد الجاهلية، و خرجت من نكاح و لم أخرج من سفاح من لون آدم عليه الصلاة والسلام حتى انتهيت إلى أبي و أمي، فأنا خيركم نفساً و خيركم أباً "(۱)۔ تفسیر مظہری: ۱/ ۶۷۔

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ......، ملا علی القاری، قاضی عیاض، قاضی ثناء اللہ وغیرہم نے مستقل تصانیف اس بارے میں کی ہیں اور روایات جمع کی ہیں۔

حق مذہب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نیز اس قسم کے دوسرے مسائل میں کنج وکاؤ کرنا مفید نہیں، بلکہ کسی حد تک مضر ہے لہذا توقف وسکوت بہتر ہے (۲) البتہ عمل سے شب وروز پیش آنے والے مسائل صوم وصلوۃ وغیرہ کی تحقیق مفید بلکہ ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۱/ ۵۸ھ۔

ہذا صحیح: عبد اللطیف، بندہ: عبد الرحمٰن عفی عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۱/ ۵۸ھ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد کی نجات

سوال [۱۹۵]: کتاب ''شریعت کہ جہالت'' میں مسلم شریف کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

---

(۱) (دلائل النبوة، باب ذكر شرف أصل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و نسبة: ۱/ ۱۷۴، دار الكتب العلمية)

(۲) "قال السهيلي في الروض الأنف بعد إيراده حديث مسلم : و ليس لنا نحن أن نقول ذلك في أبويه صلى الله تعالىٰ عليه و آله وسلم لقوله: "(لا تؤذوا الأحياء بسب الأموات)" وقال تعالىٰ: ﴿إن الذين يؤذون الله و رسوله﴾. الاية. وسئل القاضي أبوبكر بن العربي أحد أئمة المالكية عن رجل قال: إن أبا النبي صلى الله تعالىٰ عليه و آله وسلم في النار، فأجاب بأن من قال ذلك ، فهو ملعون لقوله تعالىٰ: ﴿إن الذين يؤذون الله و رسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة﴾ قال: و لا أذى أعظم من أن يقال عن أبيه أنه في النار، و من العلماء من ذهب إلى قول خامس ، وهو الوقف، قال الشيخ تاج الدين الفاكهاني في كتابه "الفجر المنير": الله أعلم بحال أبويه". (الحاوي للفتاوى، مسالك الحنفاء في والدي المصطفى : ۲/ ۲۷۹، دار الفكر)

فرمایا کہ دوزخ میں، راوی کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جواب سن کر وہ شخص واپس ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو واپس بلا کر فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں دوزخ میں ہیں (۱) کچھ لوگ اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باپ کس طرح دوزخ میں ہونگے؟ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ امید ہے کہ اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ حدیث معتبر ہے، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مسئلہ پر متعدد رسائل تصنیف کئے ہیں اور بتایا ہے کہ اس گفتگو کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کے نجات پانے کی اطلاع آپ کو کی گئی ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد ماجد کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ پر ایمان لائے (۲)۔ سیوطیؒ کے خلاف بھی بعض علماء کے رسائل ہیں، احتیاط اور سلامتی کا راستہ ہمارے اور آپ کے لئے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کریں، آپ خود غور کریں کہ آپ کے والد کے متعلق بحث کی جائے کہ دوزخ میں ہیں یا نجات پاگئے تو آپ کو کس قدر یہ بحث گراں گزرے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رجلاً قال لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: أین أبي؟ قال: "فی النار". قال فلما قفی، دعاه فقال: "إن أبي و أباک فی النار". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أن من مات علی الکفر فهو فی النار: ۱/۱۱۴، قدیمی)

(۲) "المسلک الثالث: أن اللہ أحیا له أبویه حتی آمنا به، و هذا المسلک مال إلیه طائفة کثیرة من حفاظ المحدثین وغیرهم .... وأورد السهیلی فی الروض الأنف بسند قال: "إن فیه مجهولین عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و آله وسلم سأل ربه أن یحیی أبویه، فأحیاهما له، فآمنا به ثم أماتهما. وقال السهیلی بعد إیراده: اللہ قادر علی کل شیء، ولیس تعجز رحمته و قدرته عن شیء، و نبیه صلی اللہ تعالیٰ علیه و آله وسلم أهل أن یختص بما شاء من فضله و ینعم علیه بما شاء من کرامته". (الحاوی للفتاویٰ، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی: ۲/۲۷۷، ۲۷۸، دار الفکر بیروت)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا بعد وفات زندہ ہونا اور کلمہ پڑھنا

سوال[۱۹۶]: ایک شخص کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبرستان جا کر اپنے والدین کو زندہ کیا اور ان کو مسلمان کیا، یہ کونسی حدیث کا مضمون ہے؟ اگر یہ بات غلط ہے تو کہنے والا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان رکھتا ہے یا نہیں؟ اور پھر آپ کا ہی کلمہ پڑھتا ہے یہ کیسا مسلمان ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا اللہ کے حکم سے زندہ ہونا اور کلمہ پڑھ کر انتقال کر جانا صحاح میں تو موجود نہیں، البتہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بھی روایت نقل کی ہے(۱) اس لئے اس پر تشدد نہ کیا جائے بلکہ خاموشی اختیار کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۰ھ۔

---

(۱) " وأورد السهيلي في الروض الأنف بسند قال: "إن فيه مجهولين عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها" أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و آله وسلم سأل ربه أن يحيى أبويه، فأحياهما له، فاٰمنا به ثم أماتهما. و قال السهيلي بعد إيراده: الله قادر على كل شيء، و ليس تعجز رحمته و قدرته عن شيء، و نبيه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أهل أن يختص بما شاء من فضله و ينعم عليه بما شاء من كرامته". (الحاوى للفتاوىٰ، مسالك الحنفاء في والدى المصطفى: ۲۷۸/۲، دار الفكر بيروت)

(۲) "قال السهيلي في الروض بعد إيراده حديث مسلم: "وليس لنا نحن أن نقول ذلك في أبويه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم لقوله: "لا تؤذوا الأحياء بسب الأموات" وقال تعالىٰ: ﴿إن الذين يؤذون الله و رسوله﴾. الآية. وسئل القاضي أبوبكر بن العربي أحد أئمة المالكية عن رجل قال: إن أبا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم في النار، فأجاب بأن من قال ذلك فهو ملعون، لقوله تعالىٰ: ﴿إن الذين يؤذون الله و رسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة﴾، قال: و لا أذى أعظم من أن يقال عن أبيه أنه في النار، و من العلماء من ذهب إلى قول خامس، وهو الوقف، قال الشيخ تاج الدين الفاكهاني في كتابه "الفجر المنير": الله أعلم بحال أبويه". (الحاوى للفتاوى، مسالك الحنفاء في والدي المصطفى: ۲۷۹/۲، دار الفكر)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین محترمین کا ایمان

سوال[۱۹۷]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی روح پاک کو ایصال ثواب، صدقہ وختم قرآن کا ثواب پہونچانا چاہئے یا نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین نے کس دین پر انتقال فرمایا؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین قبر میں دوبارہ زندہ ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے، جیسا کہ مولانا عبدالحق صاحب نے ''راحۃ القلوب'' میں لکھا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۶/ رسائل مستقل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے متعلق تحریر کئے ہیں جن میں ایمان کو ثابت کیا ہے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تردید کی ہے، اس مسئلہ پر گفتگو مناسب نہیں، خلافِ ادب ہے(۱) جن اکابر نے گفتگو کی ہے وہ روایاتِ حدیث کی تحقیق کے سلسلہ میں کی ہے، اب کیا ضرورت باقی رہی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/۱۳۶۱ھ۔

عصمت انبیاء علیہم السلام

سوال[۱۹۸]: ایک عالم یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت

---

(۱) "و روى بأسانيد ضعيفة أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و آله وسلم دعا ربه فأحياه و آمنة أمّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، فآمَنَا به. و اختار الإمام الرازي أنهما ماتا على ملة إبراهيم عليه الصلاة والسلام، والجمع أن الإحياء كرامة لهما ليضاعف ثوابهما، و قد ألف الحافظ المحقق جلال الدين السيوطي رسائل ستاً في إثبات إيمانهما و إيمان جميع اٰباء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم إلى آدم، و تبعه محققوا المتأخرين، وعارضه علي بن سلطان القاري برسالته في إثبات كفرهما، فرأى استاذه ابن حجر مكي في منامه أن القاري سقط من سقف فانكسرت رجلاه، فقيل: هذا جزاء إهانة والدي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، فوقع كما رأى، و من أراد كشف مشكلات هذه المسئلة فلينظر في رسائل السيوطي". (النبراس، ص: ۳۱۶، امدادیه ملتان)

اٹھا کر لغزشیں ہوجانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں، کیا یہ فرمانا اصولاً صحیح ہے؟ اب تک انبیاء کے متعلق علماء سے یہی سنا ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں، کیا اس طرح ان کی عصمت پر دھبہ نہیں آتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

انبیاء علیہم السلام کو بشر ہی سمجھا جائے (۱) خدا نہ سمجھا جائے، اس مقصد کیلئے ان سے لغزشوں کا صادر کرانا اور اپنی حفاظت کا اٹھالینا یہ ایک ایسی بات ہے کہ ان عالم صاحب سے پہلے شاید کسی نے نہ کہی ہو، نہ لکھی ہو، نہ کسی کے خیال میں آئی ہو، نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہ وجہ بیان کی گئی۔

خدا اور بشر میں فرق کرنے کیلئے عوارض بشریت اتنے ہیں کہ ان کو دیکھ کر کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اس کیلئے لغزشوں کا صدور ضروری ہے، کھانا پینا (۲)، اونٹ پر سوار ہونا (۳)، بکری کا دودھ دوہنا، عمامہ باندھنا، سر پر تیل لگانا، عمرہ سے حلال ہوتے وقت سر منڈانا، تلوار لے کر میدان جہاد میں جانا، پتھر لگنے سے

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم يوحى إليّ أنما إلهكم إله واحد﴾ (الآية: ۱۱۰، الكهف)

"عن رافع بن خديج رضي الله تعالىٰ عنه قال: قدم نبي الله صلى الله عليه وسلم وهم يأبرون النخل، فقال: "ما تصنعون؟" قالوا: كنا نصنعه قال: "لعلكم لو لم تفعلوا كان خيراً"، فتركوه فنقصت قال: فذكروا ذلك له فقال: "إنما أنا بشر، إذا أمرتكم بشيء من رأيي فإنما أنا بشر". رواه مسلم. (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷، قديمي)

(۲) "فأما المطعم والمشرب، فلم يكن من عادته صلى الله عليه وسلم حبس النفس على نوع واحد من الأغذية لا يتعداه إلى ما سواه، فإن ذلك يضر بالطبيعة ......جداً، بل كان يأكل ما جرت عادة أهل بلده بأكله من اللحم والفاكهة والخبز والتمر وغيرها مما ذكرناه في هديه في المأكول، فعليك بمراجعة هناك". (زاد المعاد، فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في المأكول والشرب، ص: ۸۲۱، دار الفكر بيروت)

(۳) "ومن الإبل القصواء قيل: وهي التي هاجر عليها، والعضباء، والجدعاء، ولم يكن بهما عضب ولا جدع، وإنما سميتا بذلك". (زاد المعاد، فصل في دوابه صلى الله عليه وسلم، ص: ۵۲، دار الفكر، بيروت)

مجروح ہونا، دندان مبارک شہید ہونا، بخار آنا، غسل فرمانا، نکاح کرنا، وفات پانا وغیرہ وغیرہ، یہ سب بہت کافی وافی ہیں فرق کیلئے، اس فرق کے واسطے لغزش کو تجویز کرنا بے نظیر لغزش ہے جس کی ذمہ داری خود لکھنے والے پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۹۵ھ۔

معصوم کون لوگ ہیں؟

سوال[۱۹۹]: ۱...... معصوم کی تعریف میں کون کون آتے ہیں، ان سے بُرے فعل کا ہونا ممکن ہے یا محال؟

۲...... بے گناہ کس کس کو سمجھا جائے، ان سے برے کام کا ہونا ممکن ہے یا غیر ممکن؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱...... انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور معصوم بچے سب معصوم میں داخل ہیں، ان سے بُرے فعل کا صدور جو موجب عذاب ہو ممتنع بالغیر ہے(۱)۔

۲...... بے گناہ معصوم کو سمجھا جائے اس کی تشریح نمبر: ۱ میں آ گئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "والأنبياء عليهم السلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر والكفر والقبائح يعني قبل النبوة و بعدها".
(شرح الفقه الأكبر للإمام السمرقندي، ص: ۱۳۲، ۱۳۳، قطر)

"والأنبياء عليهم السلام كلهم منزهون: أي معصومون عن الصغائر والكبائر". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۵۶، قديمي)

"(وملائكته) بأنهم عباد مكرمون لا يسبقونه بالقول و هم بأمره يعملون، وأنهم معصومون و لا يعصون الله". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۲، قديمي)

"عن الحسن البصري عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يشبّ، وعن المعتوه حتى يعقل".
(جامع الترمذي: ۱/۲۶۳، أبواب الحدود، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، سعيد)
(والصحيح للبخاري: ۲/۷۹۴، باب الطلاق في الاغلاق والكره، قديمي)

(۲) (راجع الحاشية السابقة: ۱)

کوئی غیر نبی بھی معصوم ہے؟

سوال[۲۰۰]: معصوم کا لفظ سوائے انبیاء علیہم السلام کی ذاتِ پاک کے اَور کسی کے لئے بولنا و کہنا جائز ہے یا نہیں؟ یا معصوم کا لفظ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے؟ عام طور پر لوگ چھوٹے بچوں کو معصوم کہتے ہیں، کتنی عمر تک کے بچے معصوم کہلانے کے مستحق ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بچوں کو بھی معصوم کہنا درست ہے، جب تک وہ بالغ نہ ہوں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کیا انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو نبوت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے ملی؟

سوال[۲۰۱]: انبیاء کرام علیہم علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے یا بالعرض؟ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو نبوت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے عطا فرمائی ہے یا بغیر واسطے کے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حدیث "إنما أنا قاسم واللہ یعطی" (۲) نیز دیگر نصوص سے بعض عرفاء نے استدلال کرتے ہوئے

---

(۱) جب تک وہ بالغ نہ ہو تو اس کے گناہوں پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

"عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "رفع القلم عن ثلاثة: عن الصغير حتى يبلغ، و عن النائم حتى يستيقظ، وعن المصاب حتى يكشف عنه".

(مسند الإمام احمد بن حنبل: ۱/۱۸۷، رقم الحديث: ۹۴۳، بيروت)

"عن الحسن البصری عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، و عن الصبى حتى يشب، و عن المعتوة حتى يعقل".

(جامع الترمذی: ۱/۲۶۳، أبواب الحدود، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، سعيد)

(والصحيح للبخاری: ۲/۷۹۴، باب الطلاق فی الاغلاق والكره، قديمی)

(۲) (صحيح البخاری: كتاب العلم، باب من يرد الله به خيراً يفقهه فی الدين: ۱/۱۶، قديمی) =

اس بات کی تصریح کی ہے کہ جملہ معارف ونعماء الٰہیہ نبوت وغیرہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کواللہ پاک نے ابتداءً عطا فرمائی ہیں، پھر آپ کے ذریعہ حسب ہدایت دوسروں کو تقسیم کی گئی ہیں (۱) اصل مہبط ومخزن ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا ساتوں زمینوں میں انبیاء ہیں؟

سوال[۲۰۲]: رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:"مجھ جیسا زمین کے سات طبقوں میں موجود ہے"۔روایت کیسی ہے، اگر صحیح ہے تو کیا مطلب ہے؟

= (والصحيح لمسلم ،كتاب الزكاة، باب النهي عن المسألة : ۱/۳۳۳،قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ:﴿ وإذ أخذ الله ميثاق النبيين لماآتيتكم من كتاب و حكمة، ثم جاء كم رسول مصدق لمامعكم لتؤمنن به و لتنصرنه، قال أأقررتم و أخذتم على ذلكم إصري، قالوا أقررنا، قال فاشهدوا و أنا معكم من الشاهدين﴾ (آل عمران : ۸۱)

"عن العرباض بن ساريه"عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أنه قال:" إني عند الله مكتوب خاتم النبيين، وإن آدم لمنجدل في طينة". (مشكوة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه : ۵۱۳/۲، الفصل الثاني، قديمي)

"یعنی آپ (جناب حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض، اَوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے، پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں، آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے،غرض آپ جیسے نبی الامت ہیں ویسے ہی نبی الأ نبیاء بھی ہیں"۔ (تحذیر الناس:ص:۴)

"اس عبارت میں مولانا موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالذات نبی کہا ہے اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو نبی بالعرض کہا ہے، اس مقام پر بالذات کا یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ آپ کی نبوت خانہ زاد ہے اور کسی کی محتاج نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات ذاتی ہیں، کسی کی رہین منت نہیں ہیں، بلکہ حضرت مولانا موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمالاتِ نبوت براہ راست بغیر کسی کے واسطہ کے مرحمت فرمائے ہیں اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو کمالات نبوت آپ کے واسطے اور طفیل سے عنایت فرمائے ہیں"۔

"تحذیر الناس" کی اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے، پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں"۔ (عبارات اکابر،ص:۱۲۶، مکتبہ صفدریہ)

الجواب حامداً و مصلياً :

یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے، البتہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے(۱)، اس پر حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ''تحذیر الناس'' میں اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے ''مجموعہ فتاویٰ'' کے شروع میں تفصیل سے کلام کیا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیو بند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۸/۱/۸۸ھ۔

انبیاء علیہم السلام کے دین کا نام

سوال[۲۰۳]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء علیہم السلام گذر گئے ان کے دینوں کا نام کیا تھا؟ یعنی جس طرح ہمارے دین کا نام اسلام ہے اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے جتنے نبی اور رسل گذر گئے ان کے دین کا نام کیا تھا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے دین کا نام بھی اسلام ہے ﴿هو سمّاكم المسلمين من قبل﴾ الاية (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۰/۶/۹۶ھ۔

---

(۱) "و أخرج ابن جرير، و ابن أبي حاتم، والحاكم و صححه، والبيهقي في الشعب، وفي الأسماء والصفات عن أبي الضحى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في قوله: (و من الأرض مثلهن) قال: سبع أرضين، في كل أرض نبي كنبيكم، و آدم كآدم، ونوح كنوح، و إبراهيم كإبراهيم، و عيسى كعيسى. قال البيهقي: إسناده صحيح، و لكنه شاذ، لا أعلم لأبي الضحى عليه متابعاً". (الدر المنثور، (الطلاق : ۱۲) : ۲۳۸/۶، مؤسسة الرسالة)

(۲) عبارت طویل ہونے کی بناء پر نقل نہیں کی گئی، لہٰذا دیکھئے: (مجموعة الفتاویٰ (اردو)، كتاب العقائد، بموجب حدیث: "إن الله خلق سبع أرضين اهـ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مماثل اور چھ پیغمبروں کے قائل کا حکم، سعید)

(۳) (الحج: ۷۸) .... =

انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا طریقہ

سوال[۲۰۴]: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب مفتی صاحب! نیچے لکھے ہوئے مسئلہ کا جواب بأ دلہ تحریر فرمائیں۔

کہ سب آدمی جس جگہ سے پیدا ہوتے ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس جگہ سے پیدا ہوئے یا کہ ناف مبارک سے؟ ہمارے اس دیار میں اس مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے، چند عالم کہتے ہیں کہ جمیع انسان جس جگہ سے پیدا ہوتے ہیں، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اسی جگہ سے پیدا ہوئے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ناف مبارک سے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

"عن همام ابن يحيىٰ عن إسحق بن عبد الله أن أم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قالت: لما ولدته، خرج من فرجي نور أضاء له قصور الشام، فولدته نظيفاً ما به قذر"۔ رواه ابن سعد" خميس :۱/۲۰۳(۱)۔

اس روایت کو نقل کر کے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:"**این صریح است در آنکه ولادت از طریقِ معتاد بود که سائر زنا ن راباشد، و حدیث دیگر نیز که دروے آمده: "فأخذني المخاض" که بمعنی دردزه است، نیز ظاهر در آنست**". مدراج النبوۃ:۲/۱۹۔اس سے معلوم ہوا کہ ولادت اس جگہ سے ہوئی جس جگہ سے سب کی ہوتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق نہایۃ الامل،ص:۵۹ میں دو قول اَور بھی لکھے ہیں:اول یہ کہ ناف سے کچھ نیچے ایک سوراخ پیدا ہوا جس سے ولادت ہوئی، پھر وہ فوراً بند ہو گیا،دوم یہ کہ بائیں پسلی کے

= **وقال الله تعالىٰ: ﴿و وصى بها إبراهيم بنيه و يعقوب يٰبنيّ إن الله اصطفى لكم الدين فلا تموتن إلا و أنتم مسلمون﴾. (البقرة: ۱۳۲)** حضرت ابراهیم علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کے ادیان کا نام چونکہ قرآن و حدیث میں نہیں تھا،اس لئے حضرت مفتی صاحب نے جواب میں ان کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔

(۱) (تاريخ الخميس في أحوال أنفس نفيس، ذكر بعض ما وقع حين الولادة: ۱/۲۰۳،مؤسسة شعبان)

نیچے (خاصرہ) سے ولادت ہوئی۔ قولِ اول جمیع انبیاء میں مشترک ہے، قولِ ثانی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، مگر دلیل میں کوئی روایت پیش نہیں کی۔

بطریقِ ولادت معتاد کا سختی سے انکار کیا ہے، لیکن اس نوع کی بحث کرنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ رفیع کے خلاف اور اساءتِ ادب ہے، لہذا اس سے سکوت چاہئے۔ فقط۔

محمود گنگوہی عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نبیوں کی تعداد کتنی ہے؟

سوال [۲۰۵]: دنیا میں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں؟ ان کا شمار قرآن وحدیث میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

چند انبیاء کے نام قرآن وحدیث میں آئے ہیں، بعض روایات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا عدد بتلایا گیا ہے، جیسا کہ ملا علی القاری وغیرہ نے تحریر فرمایا ہے، بغیر گنتی کی تعیین کے جس کو بھی اللہ پاک نے نبی بنا کر بھیجا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "و قد ورد في مسند أحمد رحمه الله تعالىٰ (أنه عليه السلام سئل عن عدد الأنبياء عليه الصلاة والسلام، فقال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً، والرسل منهم ثلاث مائة و ثلاثة عشر، أولهم آدم عليه الصلاة والسلام، و آخرهم محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم)" و هو لا ينافي قوله تعالىٰ: ﴿و لقد أرسلنا رسلاً من قبلك منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك﴾ فإن ثبوت الإجمال لا ينافي تفصيل الأحوال، نعم الأولى أن لا يقتصر على الأعداد، فإن الآحاد لا تفيد الاعتماد في الإعتقاد، بل يجب كماقال الله تعالىٰ: ﴿كل آمن بالله و ملائكته و كتبه و رسله﴾ أن يؤمن إيماناً إجمالياً من غير تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الأصفياء". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۵۷، قديمي)................................ =

تعداد انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام

سوال[۲۰۶]: کل کتنے انبیاء اس دنیا میں آئے؟ صحیح تعداد معلوم نہ ہوسکی، اگر صحیح تعداد کی تصدیق کسی کتاب سے ثابت ہے تو اس کتاب کا نام وحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

کسی آیت قرآنیہ میں تعداد مذکور نہیں، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سوالاکھ کے قریب آئے، قطعیت کے ساتھ عدد کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔ شرح فقہ اکبر (۱) شرح مقاصد (۲) شرح عقائد (۳)

= "وقد روى بيان عددهم في بعض الأحاديث على ما روي أن النبي عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء فقال" مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً" و في رواية: "مائتاألف وأربع و عشرون ألفاً". والأولى أن لا يقتصر على عدد في التسمية، فقد قال الله تعالىٰ: ﴿ منهم من قصصنا عليک و منهم من لم نقصص عليک﴾ و لا يؤمَن في ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم إن ذكر عدد أكثر من عددهم، أو يخرج منهم من هو فيهم إن ذكر أقل من عددهم: يعني أن خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط المذكورة في أصول الفقه لا يفيد إلا الظن، و لا عبرة بالظن في باب الاعتقاد يات خصوصاً إذا اشتمل على اختلاف رواية،و كان القول بموجبه بما يفضي إلى مخالفة ظاهر الكتاب،وهو أن بعض الأنبياء لم يذكر للنبي عليه الصلاة والسلام،و يحتمل مخالفة الواقع وهوعد النبي من غير الأنبياء بناءً على أن إسم العدد اسم خاص في مدلوله لا يحتمل الزيادة والنقصان ".(شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۰۱ المطبع اليوسفي)

(وكذا في النبراس : ۲۸۱،امدايه ملتان)

(۱) "و قد ورد: أنه عليه السلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم السلام فقال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً) و في رواية: ''مائتا ألف و أربعة و عشرون الفاً''. إلا أن الأولى أن لا يقتصر على عدد فيهم". (شرح الفقه الاكبر للملا على القاري : ص: ۵۶. ۵۷،قديمى)

(۲) "يعني قد ذكر في بعض الأحاديث بيان عدد الأنبياء والرسل على ما روى عن أبي ذر الغفاري رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: قلت لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : كم الأنبياء ؟ فقال : "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً''. فقلت: كم الرسل ؟ فقال: "ثلاثمائة وثلاثة عشر جماً غفيراً''،لكن ذكر بعض =

مرقاۃ شرح مشکوۃ وغیرہ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱/۱۲/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۲/۱۲/ ۸۹ھ۔

تعدّدِ آدم علیہ السلام

سوال[۲۰۷]: میں نے بچشم خود کئی تواریخ میں دیکھا ہے اب وہ تاریخ یاد نہیں، بہت غور وخوض کرتا ہوں مگر حافظہ کام نہیں کرتا، اس میں یہ حدیث لکھی تھی: "عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن اللّٰہ تعالیٰ خلق مائتی ألف ادم"۔ راوی سابق اور کتاب کا حوالہ یاد نہیں، یہاں تک لکھا تھا کہ آدم کی اولاد ۴۵/ اور ۵۰/ ہزار سال اس زمین پر حکمراں رہی، اس کے بعد بوجہ معصیت نیست ونابود ہوتی رہی، کیا یہ حدیث صحیح ہے یا میں بھولتا ہوں؟

= العلماء أن الأولى أن لا يقتصر عددهم؛ لأن خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط لا يفيد إلا الظن، ولا يعتبر إلا في العمليات دون الاعتقادات، و ههنا حصر عددهم يخالف ظاهر قوله تعالیٰ: ﴿منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص﴾. (غافر : ۷۸) (شرح المقاصد، المقصد السادس في السمعيات، فصل في النبوة : ۳/۳۱۷، دار الكتب العلميه)

(۳) "(و قد روى بيان عددهم في بعض الأحاديث) على ما روى أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم سئل عن عدد الأنبياء فقال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً" و في رواية: "مائتا ألف وأربع وعشرون ألفاً" والأولى أن لا يقتصر على عدد في التسمية، فقد قال الله تعالیٰ: ﴿منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك﴾. (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۳۹، قديمي)

(۱) "قال: أبو ذر رضي الله تعالیٰ عنه قلت: يا رسول الله! كم وفاء عدة الأنبياء؟: أي كم كمال عددهم قال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفا، والرسل من ذلك ثلاث مائة و خمسة عشر جماً غفيراً". العدد في هذا الحديث وإن كان مجزوماً به، لكنه ليس بمقطوع، فيجب الإيمان بالأنبياء والرسل مجملاً من غير حصر في عدد، لئلا يخرج أحد منهم و لا يدخل أحد من غيرهم فيهم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الفتن، الفصل الثالث : ۹/۷۳۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، آداب الصلاة، مطلب في عدد الأنبياء والرسل عليهم السلام: ۱/۵۲۷، سعيد)

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ حدیث کتب صحاح میں موجود نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

سیدنا آدم علیہ السلام کی سب اولاد سید کیوں نہیں؟

سوال[۲۰۸]: میری نظر سے ایک رسالہ میں مندرجہ ذیل سوال گزرا، اس میں جواب بھی ہے، مگر جواب سوال سے موافقت نہیں کر رہا ہے، سوال کا جواب عام مسلمانوں کے لئے سمجھنا نہایت ضروری ہے، لہذا میں جناب سے مخلصانہ گذارش کروں گا کہ سوال مندرجہ ذیل کا مکمل جواب بالکل سادہ اور سلیس زبان میں مدلل واضح اور صاف طور پر تحریر فرمائیں تاکہ عام مسلمان بخوبی سمجھ سکیں۔

سوال یہ ہے کہ اس بات کو دنیا بخوبی جانتی ہے کہ سب کے باپ یعنی ساری دنیا کے باپ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام ہیں، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے والد ماجد یعنی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام ہیں، ہمارے باپ سید ہیں تو اولاد بھی سید ہونا چاہئے، لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ باپ سید ہوں تو اولاد کوئی سید ہے، کوئی موچی ہے، کوئی قریشی ہے، کوئی راجپوت ہے، کوئی خان صاحب ہے وغیرہ۔ یہ کیوں، کوئی کچھ کوئی کچھ؟ اگر ہمارے باپ سیدنا آدم علیہ السلام ہیں تو ساری کی ساری اولاد بھی سید ہونی چاہئے مگر ایسا نہیں ہے یہ کیوں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

لفظ ''سید'' کے دو معنیٰ ہیں: ایک معنیٰ ہیں آقا، سردار، واجب الاطاعت، اس اعتبار سے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''سیدنا'' کہا جاتا ہے اور ان کی اولاد میں سے جو بھی پیغمبر اور واجب الاطاعت ہوئے سب کو ہی سیدنا کہتے ہیں جیسے سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام وغیرہ اور جو واجب الاطاعت نہیں ہوئے ان کو سیدنا نہیں کہا جاتا ہے۔ جن صفات وکمالات کی وجہ سے باپ واجب الاطاعت ہے اور سیدنا کہلانے کا مستحق ہے اس کی جس اولاد میں وہ صفات وکمالات ہوں وہ اولاد بھی واجب الاطاعت ہوگی اور سیدنا کہلانے کی مستحق ہوگی، اور جس اولاد میں وہ صفات وکمالات نہ ہوں وہ نہ تو واجب الاطاعت ہوگی اور نہ سیدنا کہلانے کی مستحق ہوگی (۱) (ہوسکتا ہے کہ جرائم کی وجہ سے وہ مستحق سزا ہوجائے)۔ بادشاہ کی تمام اولاد بادشاہ

(۱) ''(السيد) :المالك، والملك، والمولى، ذو العبيد والخدم، والمتولي للجماعة الكثيرة و كل من =

نہیں ہوا کرتی۔

دوسرے معنی سید کے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئی، وہ اوران کی اولاد باعتبار نسب کے سید ہیں، وہ جو بھی پیشہ اختیار کرلیں گے اس کی وجہ سے ان کا نسب نہیں بدلے گا سید ہی رہیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

تخلیق بنی آدم پر اشکالات

سوال[۲۰۹]: کٹنگ اخبار منسلک ہے، مجھے اتنی قرآن پاک کی معلومات نہیں، اس لئے آپ کی

= افترضت طاعته". (المعجم الوسيط: ۱/ ۴۶۱، الطبعة الثانية خسرو مهران، ايران)

(۱) "السيد: ذوالسيادة، قد يخفف فيقال: سيد، والعامة تكسر العين فيه، وعند النصارى لقب المسيح، وعند المسلمين: من كان من السلالة النبوية السيدان: الحسن والحسين ابنا علی". (المنجد، ص: ۳۶۱، المطبعة الكاتوليكية)

(وكذا في المنجد من العربية إلى الاردية: ص: ۵۰۰، دار الاشاعت)

"السيد: لقب تشريف يخاطب به الأشراف من نسل الرسول". (المعجم الوسيط: ۱/ ۴۶۱، الطبعة الثانية، خسرو مهران، ايران)

"فإن العلماء ذكروا أن من خصائصه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ينسب إليه أولاد بناته، فالخصوصية للطبقة العليا، فأولاد فاطمة الأربعة: الحسن والحسين و أم كلثوم و زينب ينسبون إليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و أولاد الحسين ينسبون إليهما، فينسبون إليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأولاد زينب و أم كلثوم ينسبون إلى أبيهم لا إلى أمهم، فلا ينسبون إلى فاطمة و لا إلى أبيها صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؛ لأنهم أولاد بنت بنته لا أولاد بنته، فيجرى فيهم الأمر على قاعدة الشرع الشريف في أن الولد يتبع أباه في النسب لا أمه، وإنما خرج أولاد فاطمة و حدها للخصوصية التي ورد بها. الحديث.........والمراد بالحديث ما أخرجه أبو نعيم وغيره: "كل ولد آدم فإن عصبتهم لأبيهم ما خلا ولد فاطمة، فإني انا أبوهم و عصبتهم". (رد المحتار، كتاب الفرائض، باب الوصية للأقارب وغيرهم: ۶/ ۶۸۵، سعيد)

عنایت کی ضرورت ہے، پورے اسلام کے علماء کو چیلنج کیا ہے صرف ایک انسان نے اور ہر عالم اور مفتی اور مولانا مولوی جو بھی ہوں سب کو اس پرچہ کا جواب دینا بہت ضروری ہے۔

مذہب کو اگر موجودہ زمانہ کی روشنی میں پیش نہیں کیا گیا تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ ایک صاحب نے کہا کہ "مذہب کی بنیاد ہی خوف پر ہے، ساری چیزیں اس خوف کے گرد گھومتی رہتی ہیں، اللہ بھی اپنی توحید کا اقرار خوف ہی کے ذریعہ کراتا ہے یعنی اگر تم مجھے نہیں مانو گے تو دوزخ میں ڈال دوں گا، اللہ نے قیامت کا دن رکھا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس دن سب اعمال تولے جائیں گے لیکن اس دن کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ نہایت خوفناک ہے، اللہ کہتا ہے کہ میں تمہاری عبادتوں کا محتاج نہیں ہوں، اگر وہ انسانوں سے بے نیاز ہے تو پھر انسانوں کو بنایا کیوں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کو چاہتا ہوں ہدایت دیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں گمراہ کرتا ہوں، اگر اللہ کو ان کی ضرورت نہیں تو پھر لاکھوں رسولوں کو بھیجا کیوں؟ انھیں بار بار کیوں ڈرایا؟ فرشتوں کی طرح ان کو غلام بنالیتا تو اس قسم کے ڈروں کی کیا ضرورت تھی؟

سزا کے لیے دوزخ کیوں بنائی؟ اللہ میاں کہتے ہیں کہ میں بڑا رحیم وکریم ہوں پھر لاکھوں انسانوں کو دوزخ میں ڈالنا کیا رحیمی اور کریمی ہے" (نعوذ باللہ) اور اس قسم کے سینکڑوں اعتراضات ہیں مثلاً انسان کو پیدا کیوں کیا؟ فرشتوں کو کیسے معلوم ہوا کہ انسان پیدا ہوگا، اللہ اس کو جنت میں رکھے گا، وہاں شیطان بہکائے گا، پھر اللہ سزا کے طور پر آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام کو زمین پر پھینک دیگا، آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ہوگی، یہ قتل وخونریزی کرے گی، کیا یہ انصاف ہے کہ شیطان کے دام میں پھنسا دے اور قیامت کے دن دوزخ میں ڈال دے! غرض ایسے ہی سوالات کئے گئے ہیں میں سنتا رہا اور آپ کو سنا رہا ہوں، کیا ان سوالات کا مولوی صاحب کے پاس جواب ہے جس کو نوجوان قبول کر سکیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سوالات آج ان نوجوانوں کے دماغ میں نئے پیدا نہیں ہوئے، بلکہ بہت پرانے ہیں اور ان پر صدیاں گزر چکی ہیں، تفسیر کبیر، بیضاوی (۱) وغیرہ میں موجود ہیں۔ علماء اسلام نے اردو میں بھی ان کو تفصیل سے

---

(۱) "ويدل على ذلک وجوه: أحدها: أن قولهم (أتجعل فيها)، هذا اعتراض على الله تعالىٰ، وذلک من أعظم الذنوب، وثانيها: أنهم طعنوا في بني آدم بالفساد والقتل، وذلک غيبة، والغيبة من كبائر الذنوب =

لکھ کر جوابات دیئے ہیں، تفسیر حقانی (۱)، تفسیر بیان القرآن وغیرہ میں مذکور ہیں (۲)۔ ''اکسیر فی اثبات التقدیر، شفاء المرتاب، اشرف الجواب، اسلام اور سائنس'' وغیرہ مستقل کتابیں بھی اس قسم کے شبہات واعتراضات کے لئے عرصہ ہوا شائع ہوچکی ہیں، اگر یہ نوجوان طبقہ نہ ان کتابوں کو دیکھے، نہ علماء محققین کے پاس جاکر جوابات حاصل کرے، نہ علومِ اسلامیہ کو پڑھے، نہ اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھے، نہ اہلِ تحقیق کے وعظ سنے، نہ ان کے جلسوں میں جائے، بلکہ ان اعتراضات کو اپنی زندگی کا مشغلہ بنالے اور ان سے تفریح لیتا رہے، تو پھر وہ خود ہی ذمہ دار ہے، آپ نے چونکہ پہلے کبھی یہ سوالات نہیں سنے تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ گہرا تعلق عطا فرمایا ہے، اس لئے آپ کو یہ سوالات اجنبی معلوم ہوئے اور قلب میں کلفت محسوس ہوئی۔ اللہ پاک آپ کے تعلق اسلام اور جذبۂ خیر میں ترقی وپختگی عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

= الخ...... وثانيها لو كان الفساد والقتل فعلاً لله تعالىٰ لكان يجب أن يكون الجواب أن يقول: إني مالك أفعل ماأشاء الخ". (التفسير الكبير، (البقرة: ۳۰): ۲/۱۶۶-۱۷۴، دارالكتب العلمية طهران)

"(قالوا أتجعل فيها من يفسد فيها ويسفک الدماء) تعجب في أن يستخلف لعمارة الأرض وإصلاحها من يفسد فيها ...... والمعنى أتستخلف عصاة ونحن معصومون أحقاء بذلک، والمقصود منه الاستفسار عما رجحهم مع ماهو متوقع منهم على الملائكة المعصومين في الإستخلاف لا العجب والتفاخر". (التفسير للبيضاوي، (البقرة: ۳۰): ۶۳، ۶۴، سعيد)

(۱) ''مگر اس کے ساتھ جب ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا خمیر اور مادہ ایسے اجسام مختلف الطبائع سے ہوگا کہ جن کو قوت شہویہ اور غضبیہ لازم ہے کہ جس سے خواہ مخواہ زنا وغیرہ فساد ظہور میں آتا ہے تو بڑا تعجب ہوا کہ جس میں دو بڑی قوتیں اور ایک قوت عقلیہ عمدہ ہو، اسکا تو پیدا کرنا بھی مقتضیٔ حکمت نہیں چہ جائیکہ اس کو خلیفہ بنادیا جائے پس اس لئے (نہ اعتراض ومباحثہ اور حسد کے طور پر بلکہ) نہایت عجز وانکسار سے یہ سوال کیا کہ یا الٰہی! جب اس کا یہ حال ہے تو پھر اس کو خلیفہ بنانا اس میں کیا حکمت ہے''؟ (تفسیر حقانی (البقرة: ۳۰): ۱/۱۵۴، میر محمد)

(۲) ''خلاصہ یہ ہے کہ جب کام کرنیوالوں کا ایک گروہ موجود ہے تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کوئی کام کا ہوگا کوئی نہ ہوگا، اس خدمت کے لئے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بطور اعتراض کے نہیں کہا نہ اپنا استحقاق جتلایا جوان مقدس خدمت گزاروں پر شبہات پیدا ہوں''۔ (تفسیر بیان القرآن، (البقرة: ۳۰): ۱/۱۷، ۱۸، تاج پبلشرز دهلی)

شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو کس طرح بہکایا؟

سوال[۲۱۰]: حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو بہکانے کے لئے شیطان جنت میں کیسے داخل ہوا، جبکہ شیطان کا داخلہ جنت میں ناممکن ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس میں ایک قول یہ ہے کہ شیطان کے لئے جنت سے نکل جانے کا فیصلہ تو ہو چکا تھا، مگر اس کا نفاذ نہیں ہوا تھا اس لئے اس کو موقع مل گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے وسوسہ ڈالا، اس کے لئے وہاں موجود ہونا ضروری نہیں تھا، دور سے بھی وسوسہ ڈال سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام سے متعلق ایک عقیدہ

سوال[۲۱۱]: ایک شخص حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کا امتحان دراصل اس بات میں تھا کہ ایک دن عبادت کے لئے انہوں نے اس طرح خاص کرلیا تھا کہ اس دن وہ مخلوق سے بے تعلق ہو جاتے تھے، ایک صوفی مرتاض کی ایسی گوشہ نشینی اور ترک علائق کو تو پسندیدہ کہا جاسکتا ہے لیکن ایک خلیفۂ وقت اور مسلمانوں کے سیاسی امیر کے لئے گوشہ نشینی اور وہ پورے ایک دن کے لئے کسی طرح موزوں نہیں کہی جاسکتی تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جس شخص کا یہ عقیدہ ہے، اگر وہ زندہ ہے تو خود اس سے دریافت کیا جائے، اگر زندہ نہیں ہے تو اس نے جس کتاب میں اپنا یہ عقیدہ لکھا ہے، وہ کتاب یہاں بھیج دی جائے یا اس کتاب کا نام مطبع صفحہ لکھ دیں تا کہ اس کو دیکھ کر جواب لکھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

(۱) "وأنه كيف توصل إلى إزلا لهما بعدماقيل له: (أخرج منها،فإنك رجيم) فقيل: إنه منع من الدخول =

کیا حضرت عیسی علیہ السلام وفات پا گئے ہیں؟

سوال[۲۱۲] : ۱...... کیا قرآن کریم سے حضرت عیسی علیہ السلام کا چوتھے آسمان پر مجسم اٹھایا جانا ثابت ہے اور پھر زمین پر اترنا؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر وہ آیت نقل فرمادیں۔

۲...... ہمارے یہاں مسلمانوں میں یہ جھگڑا چل رہا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام وفات شدہ ہیں یا حیات، از روئے قرآن درست کیا ہے؟

۳...... زید کہتا ہے کہ توفی باب تفعل سے ہے اور اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور حضرت عیسی ذی روح ہیں اور مفعول ہیں، ایسی صورت میں توفی کے معنی سوائے قبض روح کے اور کچھ نہیں ہوتے، اس کے خلاف قرآن سے کوئی مثال دیجئے۔

۴...... زید کہتا ہے کہ قرآن مجید، احادیث، تفاسیر اور محاورۂ عرب کی رو سے لفظ ''رفع'' جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف یا کسی انسان کی نسبت بولا جائے گا، تو اس کے معنی ہمیشہ بلندئ درجات اور قرب روحانی کے ہوتے ہیں۔

گذارش ہے کہ کلام عرب سے کوئی ایسی مثال دیں کہ لفظ رفع کا فاعل اللہ تعالیٰ مذکور ہو اور کوئی ذی روح اس کا مفعول ہو اور رفع کے معنی جسم سمیت آسمان پر اٹھا لینے کے ہیں۔

المستفتی:...... ضلع سنگھ محلہ بڑا کنواں قصبہ بگھیڑ، ضلع مظفر نگر۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جواب سے پہلے اولاً بطور تمہید ایک بات ذہن نشین کرلیں، اس کے بعد جواب سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

اصالۃً ہدایت کا سرچشمہ قرآن پاک ہے: ﴿هدىً للناس﴾ (۱) لیکن اس میں عموماً بنیادی اصول دینی امور کو بطور ضابطہ کلیہ مختصراً بیان کیا گیا ہے، تفصیلات وتشریحات کا بیان کرنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد ہے: ﴿لتبين للناس ما نزل إليهم﴾ (۲)۔

= على جهة التكرمة كما كان يدخل الملائكة، ولم يمنع أن يدخل للوسوسة ابتلاءً لآدم وحواء، وقيل: قام عند الباب فناداهما.". (تفسير البيضاوي، (البقرة: ۳٦) ، ص: ۶۹، سعيد)

(۱) (البقرة: ۱۸۵)

(۲) ﴿وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم﴾. (سورة النحل: ۴۴)

مثال:۱ قرآن پاک میں ہے﴿أقيموا الصلوة﴾(۱)نماز قائم کرو،اس کی پوری تفصیل کہ کس نماز میں کتنی رکعات ہیں یا کس رکعت کے بعد قعدہ ہے یا کس رکعت میں صرف ''الحمد'' پڑھی جاتی ہے، کس میں آہستہ سے قرأت کی جاتی ہے اور کس میں آواز سے اور کس میں سورۃ ملائی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ، حتی کہ کس نماز کے وقت کی ابتدا کب سے ہے، انتہا کہاں پر ہے، اس سب کا براہ راست قرآن کریم سے بغیر حدیث کی مدد کے سمجھنا دشوار ہے، اس کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

مثال:۲ ﴿وآتوا الزكوة﴾(۲)اور زکوٰۃ ادا کرو۔اس کی تفصیل کہ چاندی کی کتنی مقدار میں زکوۃ لازم ہے، سونے کی کتنی مقدار میں، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ کی کس حساب سے زمین کی پیداوار میں کس حساب سے، یہ سب احادیث سے معلوم ہوئی، قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں۔

مثال:۳﴿و لله على الناس حج البيت﴾(۳)اور لوگوں کے ذمہ اللہ کے گھر کا حج کرنا لازم ہے۔اس کی تفصیل کہ طواف کا کیا طریقہ ہے، کتنے چکر ہیں، عرفات، مزدلفہ، منیٰ، رمی جمار وغیرہ کے مسائل کو حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے حدیث شریف کی روشنی حاصل کرنا ضروری ہے، حدیث سے بے نیاز ہوکر قرآن شریف کو صحیح طور پر سمجھنا ناممکن ہے، امت کو حکم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تفصیلات کے تحت قرآن شریف سے ہدایت حاصل کریں، اسی سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہی اطاعت ہے:﴿و من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾(۴)جس نے رسول

---

(۱) (سورة البقرة:۴۳)

(۲) (سورة البقرة: ۴۳)

(۳) (سورة آل عمران :۹۷)

(۴) (سورة النسآء :۸۰)

"قال العلامة على القارى فى تشريح قوله عليه السلام : "لا ألفين أحدكم متكأً على أريكته، يأتيه الأمر من أمرى مما أمرت به أو نهيت عنه، فيقول: لا أدرى ما وجدنا فى كتاب الله اتبعناه": والمعنى لا يجوز الإعراض عن حديثه عليه السلام؛ لأن المعرض عنه معرض عن القرآن". (مرقاة المفاتيح: ۱/۴۰۰، ۴۰۱، رشيديه)

کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔ اس لئے کہ یہ تفصیل وتشریح بھی وحی ہی کے ذریعہ ہے: ﴿و ما ينطق عن الهوىٰ إن هو إلا وحي يوحىٰ﴾(۱)۔

قرآن پاک عربی میں نازل ہوا، صحابہ کرام عربی زبان اور محاورات کو خوب سمجھتے تھے، ان کی مادری زبان تھی مگر یہ نہیں فرمایا گیا کہ جس طرح تمہاری سمجھ میں قرآن سے آئے اس طرح نماز پڑھا کرو بلکہ ارشاد ہے "صلوا كما رأيتموني أصلي" (بخاری شریف:۱۰۷۲)(۲) یعنی جس طرح تم مجھ کو (حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو) نماز پڑھتا دیکھو اسی طرح نماز پڑھو۔

الحاصل یہ سمجھنا غلط ہے کہ ہر چیز کی پوری تفصیل وتشریح قرآن پاک میں ہے، حدیث کی ضرورت نہیں، اور یہ مطالبہ قابل تسلیم نہیں کہ ہر چیز کو صرف قرآن سے ثابت کیا جائے اور حدیث کی طرف التفات نہ کیا جائے اور یہ بات کہ جو چیز پوری تفصیل کے ساتھ قرآن پاک میں مذکور نہ ہو اور احادیث سے ثابت ہو، وہ قابل تسلیم نہیں، صحیح نہیں بالکل غلط ہے، ورنہ صلوۃ، زکوۃ، حج اور اس طرح بے شمار دینی امور کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ اس بنیادی تمہید کے بعد آپ کے سوالات کا جواب عرض ہے۔

۱......قرآن کریم میں رفع عیسیٰ کا مختصراً تذکرہ ہے(۳) جیسے کہ ﴿ آتوا الزكوٰة﴾ میں زکوۃ کا تذکرہ ہے، باقی تفصیلات احادیث کے سپرد ہیں، اسی طرح پر زمین پر اترنا بڑی تفصیل کے ساتھ احادیث میں مذکور ہے اور یہ احادیث درجۂ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس کی تصریح فرمائی ہے(۴)۔ نیز حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں تصریح کی ہے(۵) نیز حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر

---

(۱)(النجم :۳،۴)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الآذان، باب الآذان للمسافر إذا كانوا اجماعةً: ۱/۸۸، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ و ماقتلوه يقيناً بل رفعه الله ﴾(النساء :۱۵۷)

(۴)(فتح الباري :۶/۴۹۰، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى، بيروت)

(۵) "فهذه أحاديث متواترة عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من رواية أبي هريرة و ابن مسعود وعثمان بن أبي العاص و أبي أمامة والنواس بن سمعان و عبد الله بن عمرو بن العاص ومجمّع بن حارثة وأبي شريحة و حذيفة بن أسيد رضي الله تعالىٰ عنهم، و فيها دلالة على صفة نزوله و مكانه أنه بالشام بل بدمشق عند المنارة الشرقية .... الخ". (تفسير ابن كثير، (النساء): ۱/۵۰۰،دار القلم)

میں لکھا ہے: "أما رفع عیسی فاتفق أصحاب الأخبار والتفسیر علی أنه رفع ببدنه" (۱)۔ حافظ ابن کثیر نے دس صفحات میں وہ احادیث جمع کی ہیں جس میں حضرت عیسی علیہ السلام کا زندہ مع جسم عنصری کے آسمان پر موجود ہونا، قرب قیامت میں ان کا اترنا مذکور ہے (۲)۔

دونوں چیزیں: حضرت عیسی علیہ السلام کا مع جسم عنصری کے زندہ اٹھایا جانا اور قرب قیامت کے زمین پر اترنا، اجماعی، اتفاقی، قطعی ہیں، ان میں اختلاف نہیں۔ گذشتہ صدی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اس اجماعی عقیدہ کی مخالفت کی ہے اور تیرہ سو سال کے اجماعی عقیدہ کو غلط کہا ہے جس کی تردید میں مستقل کتابیں تصنیف کر کے دلائل جمع کر دیئے گئے۔

۲...... ان کا اٹھایا جانا قرآن پاک میں ہے (۳) تشریح احادیث میں ہے (۴) جیسا کہ جواب نمبر: ۱ میں گزرا، اس کے خلاف کا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔

۳...... زید کا لفظ "توفی" کے متعلق یہ دعویٰ کہاں سے ماخوذ ہے؟ اس کے بالمقابل یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں لفظ توفی باب تفعل سے آئے اور اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور معین شخص (عیسیٰ) مفعول ہیں تو اس کے معنی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لینے کے ہوں گے، اس کے خلاف کوئی ثابت ہی نہیں کر سکتا تو کیا زید کے پاس اس کے خلاف کا ثبوت ہے۔

علاوہ ازیں جب کہ زندہ جسم عنصری کے ساتھ خاص طریقہ سے آسمان پر اٹھا لینے کا واقعہ بطور معجزہ وخرق

---

(۱) (التلخیص الحبیر، کتاب الطلاق، رقم: ۱۶۰۷، ۱۲۵۶/۴، مکتبہ نزار مصطفی الباز)

(۲) دیکھئے: (تفسیر ابن کثیر (النساء): ۴۹۶/۱، دار القلم)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إذ قال الله یاعیسی إنی متوفیک و رافعک إليّ﴾ (آل عمران: ۵۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿و ماقتلوه یقیناً بل رفعه الله﴾ (النسآء: ۱۵۷)

(۴) "ان سعید ابن المسیب سمع أباهریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "والذی نفسی بیده لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم مقسطاً، فیکسر الصلیب، و یقتل الخنزیر، ویضع الجزیة". (صحیح البخاری: ۲۹۶/۱، کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر، قدیمی)

(وسنن ابن ماجه، ص: ۳۰۸، قدیمی)

(ومسند احمد بن حنبل: ۴۰۶/۲، رقم الحدیث: ۹۰۱۷، بیروت)

عادت صرف ایک دفعہ ایک شخص کے ساتھ پیش آیا ہے تو پھر اس کی نظیریں تلاش کرنا یا نظیروں کا مطالبہ کرنا بے محل ہے۔(حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو معراج جسمانی ہوئی، اس کی شان جداگانہ ہے)۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿أللّٰه یتوفی الأنفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها﴾(۱) آیت پاک میں اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور ذی روح مفعول ہے، کیا یہاں بھی "یتوفی" موت کے معنی میں ہے اور نوم کی حالت میں روح قبض ہوجاتی ہے، اور کیا سونے والے پر میت کے احکام: نماز جنازہ، تدفین، عدتِ زوجہ، تقسیم میراث وغیرہ سب جاری ہوں گے؟

یہاں تک لفظ "توفی" کے متعلق زید کے مخصوص نظریہ کا جواب تھا۔

اصل وضع محاوراتِ عرب استعمال کی روشنی میں اس کی حقیقت عرض ہے (و،ف،ی) وفی یفی وفا ثلاثی مجرد، أوفی یوفی إیفاءً باب افعال سے، توفی یتوفی توفیاً تفعل سے، استوفی یستوفی استیفاءً استفعال سے، وفی یوفی توفیةً تفعیل سے، سب طرح یہ لفظ مستعمل ہے، اس کے معنی ہیں پورا کرنا (۲) پورا لینا، پورا وصول کرنا، پورا دینا اسی سے ہے وفاءٌ (عہد) وفا وعدہ عرب بولتے ہیں۔ جیسے کیل واف (پورا پیمانہ) أوفیت الکیل والوزن، میں نے ناپ تول پورا کردیا۔ یعنی کچھ کمی نہیں کی، قرآن پاک میں ہے: ﴿وافوا الکیل إذا کلتم﴾ (۳) یعنی جب تم کسی کے لئے تول کرو تو پورا پورا کیل کرکے دو۔ ﴿أوفوا بعهدی أوف بعهدکم﴾ (۴) تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ ﴿یوفون بالنذر﴾ (۵) نذر پوری کرتے ہیں ﴿وفیت کل نفس ماکسبت﴾ (۶) ہر ایک نے جو کچھ (دنیا میں) کیا یا عمل کیا اس کو پورا دے دیا جائے گا۔

---

(۱) (سورة الزمر: ۴۲)

(۲) "ان التوفی أخذ الشیء وافیاً، ولما علم أن من الناس من یخطر بباله أن الذی رفعه الله هو روحه لا جسده". (التفسیر الکبیر: ۶۸/۸، تفسیر سورة آل عمران، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) (سورة الإسراء: ۳۵)

(۴) (سورة البقرة: ۴۰)

(۵) (سورة الدهر: ۷)

(۶) (سورة آل عمران: ۲۵)

﴿إنما توفون أجوركم﴾ (۱) تم کو بلاشبہ تمہارا اجر پورا کردیا جائے گا۔ ﴿و ما تنفقوا من شیء فی سبیل الله یوف إلیکم﴾ (۲) جو کچھ تم خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو تم کو اس کا پورا اجر دیدیا جائے گا۔ ﴿فوفاه حسابه﴾ (۳) اس کا حساب پورا پورا کیا ﴿إني متوفيك﴾ (۴) میں تجھ کو پورا پورا لے لوں گا۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے دشمن قتل کے درپے تھے اور منصوبہ بنا رہے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھ کو پورا پورا لے لوں گا، ان دشمنوں کو تجھ پر قتل کے لئے قابو نہیں دونگا۔ یہ چیز بطور تسلی کے فرمائی گئی ہے اور تسلی کی صورت یہی ہے کہ دشمن قتل کرنے یا سولی دینے میں ناکام رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھالیا اور دشمن اشتباہ میں رہے، اس کو فرمایا ہے: ﴿و ما قتلوه یقیناً بل رفعه الله إلیه﴾ (۵) حضرت عیسی علیہ السلام کو دشمنوں نے بالیقین قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اگر ''توفی'' سے مراد یہاں موت لی جائے تو اس میں تسلی کی کونسی بات ہے، اس وقت تو مطلب یہ ہوجائے گا کہ یہ لوگ آپ کو قتل نہیں کریں گے بلکہ میں آپ کو موت دوں گا، موت سے تسلی کیا ہوسکتی ہے، علاوہ ازیں اگر وہ دشمنی میں قتل کردیتے تو یہ چیز باعثِ

(۱) (سورة آل عمران: ۱۸۵)

(۲) (سورة البقرة: ۲۷۲)

(۳) (سورة النور: ۳۹)

(۴) (سورة آل عمران: ۵۵)

(۵) (سورة النسآء: ۱۵۷)

''معنی قوله ﴿إني متوفيك﴾: أي متمم عمرك، فحينئذ أتوفاك، فلا أتركهم حتى يقتلوك، بل أنا رافعك إلى سمائي، ومقربك بملائكتي، و أصونك عن أن يتمكنوا من قتلك، و هذا تأويل حسن''. (التفسير الكبير، (آل عمران): ۶۸/۸، دار الكتب العلمية بيروت)

''ان المراد إني مستوفي أجلك و مميتك حتف أنفك، لا أسلط عليك من يقتلك، فالكلام كناية عن عصمته من الأعداء و ما هم بصدده من الفتك به عليه السلام؛ لأنه يلزم من استيفاء الله تعالىٰ أجله و موته حتف أنفه ذلك''. (روح المعاني، (آل عمران): ۲۸۶/۳، دار الفكر)

''أي مستوفي أجلك، و معناه أني عاصمك من أن يقتلك الكفار و مميتك حتف أنفك لا قتلاً بأيديهم (ورافعك إلي) إلى سمائي و مقر ملائكتي''. (تفسير المدارك، (آل عمران): ۱۷۸/۱، قديمي)

ترقی درجات ہوتی، شہید کا درجہ بہت بلند ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہادت کی تمنا کا ذکر خاص انداز میں فرمایا ہے، درجۂ بلند سے بچا کر عام موت کا وعدہ خاص اہمیت نہیں رکھتا، پھر یہ کہ لفظِ ''موت'' یا ''اماتت'' سے کیوں تعبیر نہیں کیا، ''توفی'' میں کیا نکتہ ہے ہاں توفی کے اصل معنیٰ موت کے نہیں، کبھی موت کا مفہوم اس میں پیدا ہوجاتا ہے وہ اس طرح بولتے ہیں (فلان توفی عمره) فلاں شخص نے اپنی عمر پوری کرلی، جب عمر پوری کرلی تو موت آہی جائے گی، آیت ﴿إني متوفيك﴾ کا مفہوم یہ بھی ہے کہ تیری عمر پوری کروں گا اور ان کی اسکیم فیل ہوجائے گی (۱)۔

اس کی صورت یہ ہے کہ جتنی عمر یہاں ہوئی اس کے بعد اٹھالیا گیا پھر زمین پر نزول ہوگا، اس وقت بقیہ عمر پوری ہوگی، جیسا کہ احادیث میں تفصیل مذکور ہے، یہاں تک کہ جب اس وقت انتقال ہوگا تو قبر کی جگہ بھی بتادی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب ایک قبر کی جگہ باقی ہے وہاں دفن ہوں گے (۲)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجموعی حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ نزول کے بعد شادی کریں گے۔

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت طاری ہوچکی ہے وہ آسمان پر زندہ موجود نہیں اور قریب قیامت زمین پر نہیں اتریں گے تو وہ اجماعی عقیدہ کا منکر ہے، قرآن پاک کی آیات کا منکر ہے اور احادیث متواترہ کا منکر ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

رفع عیسیٰ علیہ السلام

سوال [۲۱۳]: حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق ایک مسلمان کا عقیدہ کیا یہ ہونا چاہئے کہ

---

(۱) راجع، ص: ۴۲۹، الحاشیه رقم: ۵)

(۲) "عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ينزل عيسى بن مريم إلى الأرض، فيتزوج، و يولد له، و يمكث خمساً و أربعين سنةً، ثم يموت، فيدفن معي في قبري، فأقوم أنا و عيسى ابنُ مريم في قبر واحد بين أبي بكر و عمر". رواه ابن الجوزي في كتاب الوفاء". (المشكوة، كتاب الفتن، باب نزول عيسى عليه السلام، الفصل الثالث، ص: ۴۸۰)

(۳) اور اس کا انکار کفر ہے (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت تواتر سے'')

وہ زندہ مع جسم وروح آسمان پر اٹھالئے گئے یا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ ان کی روح اٹھائی گئی؟ یا وہ مع جسم وروح اٹھالئے گئے؟ ہم کہہ نہیں سکتے اس لئے کہ قرآن میں اس کی صراحت نہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق یہود کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کو قتل کیا گیا ہے، سولی پر چڑھادیا گیا ہے، ان کی صرف روح اٹھالی گئی، نصاریٰ کا بھی بڑا فرقہ یہی کہتا ہے، قرآن کریم نے اس کی تردید کی ہے: ﴿وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله إليه﴾ الآیہ(۱)۔

روح مع جسم کے اٹھانے کے عقیدہ کو مودودی صاحب نے عقیدۂ باطل (الوہیت مسیح) کا موجب لکھا ہے(۲)، قادیانی نے بھی روح جسمانی کا انکار کیا ہے(۳)۔علمائے حق نے قادیانی کی تردید میں کتابیں لکھی

---

(۱) (النساء: ۱۵۸)

قال الله تعالىٰ: ﴿وقولهم إنا قتلنا المسيح عيسى بن مريم رسول الله، وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم﴾. (النساء: ۱۵۷)

" فقال بعضهم: لما أحاطت اليهود به وبأصحابه، أحاطوا بهم، وهم لايثبتون معرفة عيسى بعينه، وذالک أنهم جميعاً حُوّلوا في صورة عيسى، فأشكِل على الذين كانوا يريدون قتل عيسىٰ، عيسىٰ من غيره منهم، وخرج إليهم بعض من كا ن في البيت مع عيسىٰ فقتلوه وهم يحسبونه عيسىٰ عليه الصلاة والسلام". (جامع البيان للطبری، (النساء): ۱۲/۶، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى وأولاده بمصر)

" واعلم أنه تعالى لما حكى عن اليهود أنهم زعموا أنهم قتلوا عيسىٰ عليه الصلاةو السلام، فالله تعالى كذبهم في هذه الدعوىٰ وقال: "(وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم)". (التفسير الكبير، النساء: ۹۹/۱۱، دار الكتب العلمية، طهران)

(۲) یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن کی یہ پوری تقریر دراصل عیسائیوں کے عقیدۂ الوہیتِ مسیح کی تردید واصلاح کے لئے ہے......الخ"۔(تفهيم القرآن، (آل عمران): ۱/۲۵۷، ۲۵۸، اداره ترجمان القرآن، لاهور)

(۳) "وذالک الشقي المتنبئ (مرزا احمد القادیانی) يقول: إن الفلسفة القديمة والجديدة تحيل عروج جسم إلى السماء."(مجموعة رسائل العلامة أنور شاه الكشميرى، عقيدة الاسلام: ۴۲/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

ہیں، چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "التصـریح بماتواتر فی نزول المسیح" میں تفصیلی دلائل موجود ہیں۔

قرآن کریم میں اس کی بھی صراحت نہیں کہ نماز فجر کی دو رکعت ہیں، ظہر، عصر، عشاء کی چار رکعت ہیں، مغرب کی تین رکعت ہیں، ان رکعت کا انکار وہی کرسکتا ہے جو قرآن کریم کو بلا واسطۂ احادیث سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، مودودی صاحب کا رجحان یہی ہے، پھر جو کچھ سمجھتے ہیں اس کی تائید میں کبھی حدیث کو پیش کرتے ہیں اور کبھی حدیث کی تردید کرتے ہیں، غرض اپنا فہم ان کے نزدیک اصل ہے، اسی کی تلقین اپنی کتب میں متفرق جگہ کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ثبوت تواتر سے

سوال[۲۱۴]: نزولِ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بوقت قیامت کیا آیت قرآنیہ سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو کس آیت سے؟ اگر نہیں ثابت ہے اس پر تواتر ہے یا اجماع ہے یا نہیں؟ اس کا انکار باعثِ کفر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اکثر مفسرین نے آیت قرآنی: ﴿وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيداً﴾ (۱) میں ضمیر کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف راجع قرار دے کر اس سے نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مراد لیا ہے (۲) چنانچہ بخاری شریف کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے:

"عن ابن شهاب أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال

---

(۱) (النساء : ۱۵۹)

(۲) ﴿وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته﴾ والضمير فى قوله: (قبل موته) عائد على عيسى عليه الصلاة والسلام: أي وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن بعيسى قبل موت عيسى عليه الصلاة والسلام، و ذلک حين ينزل إلى الأرض قبل يوم القيامة على ما سيأتي بيانه ". (تفسير ابن كثير، (آل عمران): ۱/۶۱۳، دار القلم) .... =

رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" والذى نفسى بيده ليوشكن أن ينزل بينكم ابن مريم حكماً عدلاً،فيكسر الصليب،ويقتل الخنزير،و يضع الحرب،و يفيض المال حتى لا يقبله أحد، حتى تكون السجدة الواحدة خيرمن الدنيا و ما فيها". ثم يقول أبوهريرة: واقرآوا قرآناً إن شئتم ﴿وإن من أهل الكتاب إلا ليومنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيداً﴾ بخارى:۱/۴۹۰ (۱)۔

اورآیت قرآنی:﴿ وإنه لعلم للساعة فلا تمترن بها واتبعون، هذا صراط مستقيم ﴾ (۲) ایک قرأت "لعَلَم للساعة" (بفتح اللام) ہے،یعنی نزول عیسی علیہ الصلاۃ والسلام علامات قیامت میں سے ہے۔

"قال مجاهد: وإنه لَعَلم للساعة: أى آية للساعة خروج عيسى بن مريم عليهما السلام قبل يوم القيامة،و هكذا روى عن أبى هريرة وابن عباس و أبى العالية و أبى مالك و عكرمة والحسن و قتادة و ضحاك وغيرهم"۔ (عقيدة الإسلام) (۳)۔

= "وقيل : الضميران لعيسى عليه الصلاة والسلام، وروى ذلك عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما أيضاً، وأبي مالك والحسن و قتادة وابن زيد، واختاره الطبراني،والمعنى: أنه لا يبقى أحد من أهل الكتاب الموجودين عند نزول عيسى عليه الصلاة والسلام إلا ليؤمنن به قبل أن يموت، وتكون الأديان كلها ديناً واحداً". (روح المعاني،(النساء): ۲۰/۶،دار الفكر)

"قال الطيبى رحمه الله تعالىٰ : استدل بالآية على نزول عيسى عليه الصلاة والسلام فى آخر الزمان مصداقاً للحديث و تحريره : أن الضمير ين فى "به" و "قبل موته" لعيسى، والمعنى : وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن بعيسى قبل موت عيسى ". (المرقاة، كتاب الفتن، باب نزول عيسى عليه الصلاة والسلام : ۴۳۹/۹، رشيديه)

(۱) (صحيح البخارى، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليه الصلاة والسلام : ۴۹۰/۱،قديمى)

(۲) (الزخرف : ۶۱)

(۳) (مجموعة رسائل الكشميرى، عقيدة الإسلام : ۴۶/۲،إدارة القرآن) .... =

نیز احادیث متواترہ سے بھی نزول مسیح علیہ الصلاۃ والسلام ثابت ہے، چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس کی صراحت کی ہے:"وانه سينزل قبل يوم القيامة كما دلت عليه الأحاديث المتواترة التي سنوردها إن شاء الله قريباً۔ تفسير ابن كثير مع البغوى: ٢/ ١٤ (١) اس مسئلہ سے متعلق بہت سے رسائل چھپ چکے ہیں مثلاً: التصريح بما تواتر فى نزول المسيح، عقيدة الاسلام فى حيات عيسى عليه الصلاة والسلام وغیرہ کا مطالعہ کرلیا جائے۔

عقیدہ نزول عیسی علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لانا فرض ہے، اس کا انکار کفر ہے اور اس کی تاویل کرنا زیغ وضلال اور کفر والحاد ہے:" فالإيمان بها واجب، والإنكار عنها كفر، والتأويل فيها زيغ و ضلال وإلحاد، نزل أهل الإسلام فى حياة عيسى عليه الصلاة والسلام"۔ مقدمة عقيدة الاسلام: ص: ٣١ (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۱/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۱/ ۸۸ھ۔

حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام نزول کے بعد نبی ہونگے یا امتی؟

سوال[۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ استفتاء کے:

کیا حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھایا گیا ہے، اگر اٹھایا گیا ہے تو آپ قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے، اگر ہاں تو بحیثیت امتی کے یا نبی کے؟

نوٹ: جواب قرآنی دلائل سے دیئے جائیں۔

حکیم سید عبدالمجید دہلوی مالک شاہی مطب منڈی پھدوان شاہ پور صوبہ پنجاب، پاکستان۔

= (تفسير ابن كثير، (الزخرف): ٦١، ١٦٩/٤، دار الفيحاء)

(١) (تفسير ابن كثير، (النساء): ١/ ٧٦٨، قبيل ذكر الأحاديث الواردة فى نزول عيسىٰ بن مريم إلى الأرض فى السماء فى آخر الزمان، دارالفيحاء)

(٢) (مقدمه عقيدة الإسلام، ص: ٣٣، إدارة القرآن)

الجواب حامداً و مصلياً :

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کوزندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے: ﴿و ما قتلوه يقيناً بل رفعه الله إليه﴾ الاية (۱) اورقربِ قیامت آپ نزول فرمائیں گے، احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے(۲) اور آپ اس وقت اپنی نبوت کی دعوت نہیں دینگے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملت کی دعوت دیں گے اورخود ان کی نبوت بھی مسلوب نہیں ہوگی بلکہ وہ محفوظ رہے گی۔

"أخرج الطبراني في الكبير والبيهقي في البعث بسند جيد عن عبدالله بن مغفل رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم: "يلبث الدجال فيكم ما شآء الله، ثم ينزل عيسى بن مريم عليه الصلاة والسلام مصدقاً بمحمد و على ملته إماماً مهدياً وحكماً عدلاً، فيقتل الدجال اهـ"۔

"ان عيسى عليه الصلاة والسلام مع بقائه على نبوته معدود في أمة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم وداخل في زمرة الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، فإنه اجتمع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم و هو حي مؤمناً به و مصدقاً، وكان اجتماعه به مرات في غير ليلة الإسراء

---

(۱) (النساء : ۱۵۷، ۱۵۸)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم :"والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً عدلاً مقسطاً الخ". (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليه السلام : ۱/۴۰۹، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى عليه الصلاة والسلام حاكماً بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم الخ: ۱/۸۷، قديمي)

"لاتزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين إلى يوم القيامة"......... قال:" فينزل عيسى بن مريم عليه السلام الخ".

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم : "والله لينزلن ابن مريم حكماً عادلاً"...... الخ. (الصحيح لمسلم، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى عليه الصلاة والسلام حاكماً بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم .... الخ: ۱/۸۷، قديمي)

من جملتها بمكة، روى ابن عدي في الكامل عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينا نحن مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم إذا رأينا برداً ويداً و قلنا يا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم! ما هذا البرد الذي رأينا واليد؟ قال: "قد رأيتموه؟" قلنا: نعم،قال:" ذلك عيسى ابن مريم سلّم عليّ".

إنما يحكم عيسى بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم بالقرآن والسنة،عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم:" ألا! إن ابن مريم ليس بيني و بينه نبي ولا رسول إلا أنه خليفتي في أمتي من بعدي"۔

قال الذهبي في تجريد الصحابة: عيسى بن مريم عليه الصلاة والسلام نبي و صحابي،فإنه رأى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم،فهو اخر الصحابة موتاً اهـ" الحاوي للفتاوى(۱)۔

اس مسئلہ پر علماء حق کے مستقل رسائل شائع شدہ ہیں،علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے: "كتاب الاعلام بحكم عيسى عليه الصلاة والسلام" علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے،مولانا انورشاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک رسالہ ہے عقيدة الاسلام في حيات عيسى عليه الصلاة والسلام۔ نیز شروح حدیث بذل المجهود (۲)، فتح الباري(۳)، عيني(٤) وغیرہ میں بھی

(۱) (الحاوي للفتاوى، كتاب الإعلام بحكم عيسى عليه الصلاة والسلام : ۱۸۸/۲، ۱۹۵، دارالفكر)

(۲) "ان الأحاديث قد تثبت أنه يخرج بعد أمور ذكرت وأن عيسى عليه السلام يقتله (أي الدجال) بعد أن ينزل من السماء ويحكم باالشريعة المحمدية". (بذل المجهود: ۱۱۱/۵، باب خروج الدجال، كتاب الملاحم، معهد الخليل الاسلامي)

(۳) "أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً ". الحديث ...... قوله (حكماً) أي حاكماً، والمعنى أنه ينزل حاكماً بهذه الشريعة، فإن هذه الشريعة باقية لا تنسخ، بل يكون عيسى حاكماً من حكام هذه الأمة الخ ". (فتح الباري: ۴۹۰/۶، ۴۹۱، باب نزول عيسى بن مريم عليها السلام، كتاب أحاديث الأنبياء، دارالمعرفة)

(۴) "أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

اس کی تصریح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ گنگوہی معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ جمادی الأولی/ ۱۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۴/ جمادی الأولی/ ۱۷ھ۔

نزول کے بعد حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت کی حیثیت

سوال [۲۱۶]: ۱...... حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو کیا وہ اس وقت بھی نبی رہیں گے اوران پر وحی آئے گی یا وہ نبوت سے معزول ہو کر آئیں گے؟

ایضاً

سوال [۲۱۷]: ۲...... جب حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو وہ تابع شریعت محمدیہ ہوں گے یا صاحب شریعت نبی ہوں گے؟ اگر وہ تابع شریعت محمدیہ ہوں گے تو شرعی احکام یعنی قرآن کریم میں درج شدہ اَوامر ونواہی اور سنتِ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا علم انہیں کیونکر حاصل ہوگا؟ اگر زبان عربی اور شریعت کے احکام کسی مولوی صاحب سے پڑھیں تو یہ امر ایک نبی کی شان کے خلاف نظر آتا ہے اور پڑھیں بھی تو کس فرقہ کے مولوی سے؟ تمام اسلامی فرقوں کا آپس میں اختلاف ہے حتی کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے سے دریغ نہیں کرتے، اگر اس دنیا میں وہ وحی کے ذریعہ شریعت اسلامی کے احکام حاصل کریں، جس طرح ہمارے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حاصل کیا کرتے تھے یعنی وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا فرشتہ کی وساطت سے جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے:

﴿وما كان لبشر أن يكلمه الله إلا وحياً أو من وراء حجاب أو يرسل رسولاً، فيوحي بإذنه ما يشاء، إنه عليّ حكيم، وكذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا﴾ (سورہ شوریٰ، پ:۲۵، ع:۵)(۱)۔

= "والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً". الحديث .... (قوله حكماً): أي حاكما بهذه الشريعة، فإن شريعة النبي صلى الله عليه وسلم لا تنسخ الخ". (عمدة القارى: ۵۳/۱۶، ۵۴، كتاب أحاديث الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، باب نزول عيسى بن مريم عليهما السلام، رشيديه)

(۱) (الشورى: ۵۱، ۵۲)

تو اس صورت میں وہ بھی ایک صاحبِ شریعت نبی بن جائیں گے، یا اگر آسمان پر بھی شریعت کے احکام کا علم حاصل کریں تو بھی بشر ہونے کے لحاظ سے مندرجہ بالا انہیں تین صورتوں سے حاصل کریں گے، پس شریعت کے احکام یعنی اوامر ونواہی براہ راست بذریعۂ وحی حاصل کرنے کی وجہ سے صاحب شریعت نبی بن جائیں گے حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آخری شریعت والے نبی ہیں۔ اس اشکال کا تفصیلی جواب دیکر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ا......ان کی نبوت سلب نہیں ہوگی، بلکہ وہ محفوظ رہے گی اور وہ احکام (کو) اپنی سابقہ محفوظ نبوت کے تحت جاری نہیں فرمائیں گے جو ان کی امت کے ساتھ مخصوص تھے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے موافق جاری فرمائیں گے (۱)۔

۲......ممکن ہے کہ عین وقت پر شریعت محمدیہ کے متعلق ان کو بذریعہ وحی علم ہو جائے، یہ بھی ممکن ہے حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے علم حاصل کریں کیونکہ قبر اطہر میں حیّ ہیں، یا روح عیسوی روح محمدی سے مستفیض ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خود انجیل میں اس شریعت کے احکام کا علم ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کی ملاقات جب ہوئی اس وقت علم حاصل کرلیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ براہِ راست قرآن کریم سے ان کو علم حاصل ہو جائے۔

"ثم علمه بأحكام شرعنا إما بعلمها من القرآن فقط إذ لم يفرط فيه من شيء إنما

---

(۱)" فإن قيل: قد ورد في الحديث نزول عيسى بعده، قلنا: نعم، لكنه يتابع محمداً عليه السلام؛ لأن شريعته قد نسخت، فلا يكون إليه وحي ونصب الأحكام، بل يكون خليفة رسول الله عليه السلام". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۰۱، طبع فرنگی محلی)

(وكذا في النبراس: ص: ۲۸۰، امدادیه ملتان)

"(حَكَماً): أي حاكماً، والمعنى أنه ينزل حاكماً بهذه الشريعة، فإن هذه الشريعة باقية لا تنسخ، بل يكون عيسى حاكماً من حكام هذه الأمة. .... و للطبراني من حديث عبد الله بن مغفل: "ينزل عيسى بن مريم مصدقاً بمحمد على ملته". (فتح الباري، أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليهما السلام: ۶/۶۰۸، قديمي)

احتجنا إلى غيره لقصورنا، وقد كانت أحكام نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم كلها مأخوذة من القرآن،و من ثم قال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: كل ما حكم به النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم فهو ممافهمه من القرآن،فلا يبعد أن عيسى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم يكون كذالك، أو برواية السنة عن نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، فإنه اجتمع فى حياته مرات،و من ثم عُدّ من الصحابة ۔ أخرج ابن عدى عن أنس بينا نحن مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم إذ رأينا بُرداً ويداً فقلنا: يا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم! ما هذا البرد الذى رأينا واليد ؟ قال: "قد رأيتموه؟" قلنا: نعم،قال: "ذلك عيسى بن مريم سلم عليّ "۔ وفى رواية ابن عساكر عنه: كنت أطوف مع النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم حول الكعبة إذ رأيته صافح شيئًا و لم أره، قلنا: يا رسول الله! رأيناك صافحت شيئاً و لا نراه؟ قال: "ذلك أخى عيسى بن مريم، انتظرته حتى قضىٰ طوافه فسلمت عليه"۔ و حينئذ فلا مانع أنه حينئذ تلقى عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أحكام شريعته المخالفة لشريعة الإنجيل لعلمه أنه سينزل وأنه يحتاج لذلك،فأخذها منه بلا واسطة۔ وفى حديث ابن عساكر: " ألا !إن ابن مريم ليس بينى و بينه نبي و لا رسول، إلا أنه خليفة فى أمتي من بعدى"۔

وقد صرّح السبكى بأنه يحكم بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم بالقرآن والسنة، إما بكونه يتلقها من نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم شفاهاً بعد نزوله من قبره، ويؤيده حديث أبى يعلى: "والذى نفسى بيده لينزلن عيسى بن مريم،ثم لئن قام على قبري وقال: يا محمد! لأجيبنّه". و إما بكونه تعالىٰ أوحاها إليه فى كتابه الإنجيل أو غيره(إلى قوله) يوحى إليه وحيٌ حقيقى كما فى حديث مسلم وغيره عن النواس بن سمعان، و فى رواية صحيحة :"فبينما هو كذلك إذ أوحى إليه ياعيسى! إنى قد أخرجت عباداً لى لا يد لأحد بقتالهم حول عبادى إلى الطور"، و ذلك الوحى على لسان جبريل (إلى قوله) وعيسى بن مريم باق على نبوته و رسالته"۔ إلى آخر ماقال اهـ"۔ فتاوىٰ

حدیثیة، ص: ۲۸۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۸/۷ھ۔

ایک شعر میں مسیح وخضر سے کیا مراد ہے؟

سوال[۲۱۸]: ذیل کا شعر جو حضرت معین الدین چشتی کی شان اقدس میں ہے یعنی شعر:

ترے لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی مسیح وخضر سے اونچا مقام ہے تیرا

(اقبال)

کہاں تک اس شعر کا منسوب کرنا صحیح ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شعراء کے کلام میں بکثرت استعارات وکنایات ہوتے ہیں، ہر لفظ حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہوتا، یہاں مسیح سے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام مراد نہیں بلکہ ان کا وصفِ مشتہر مراد ہے، یعنی طبیبِ حاذق،

---

(۱) (الفتاوى الحديثية، مطلب في حكم عيسى بشرع نبينا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم إما بالاستنباط من الكتب أو لاجتماعه بنبينا مرات، ص: ۲۴۲، ۲۴۳، قديمي)

"إنه عليه الصلاة والسلام حين ينزل باق على نبوته السابقة، لم يعزل عنها بحال، لكنه لا يتعبدبها ...... نعم، لا يبعد أن يكون عليه الصلاة والسلام قد علم في السماء بعضاً، و وُكّل إلى الاجتهاد والأخذ من الكتاب والسنة في بعض آخر، وقيل: إنه عليه الصلاة والسلام يأخذ الأحكام من نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم شفاهاً بعد نزوله و هو في قبره الشريف عليه الصلاة والسلام، وأيد بحديث أبي يعلى: "والذي نفسي بيده لينزلن عيسى ابن مريم، ثم لئن قام على قبري، وقال يا محمد! لأجيبنّه".

وجوز أن يكون ذلك بالاجتماع معه عليه الصلاة والسلام روحانية و لا بدع في ذلك، فقد وقعت رؤيته صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم بعد وفاته لغير واحد من الكاملين من هذه الأمة والأخذ منه يقظةً، .... وقيل: يجوز أن يكون عيسى عليه الصلاة والسلام قد تلقّى من نبينا عليه الصلاة والسلام أحكام شريعته المخالفة لما كان عليه، وهو من الشريعة حال اجتماعه معه قبل وفاته في الأرض لعلمه أنه سينزل و يحتاج إلى ذلك، و اجتماعه معه كذلك جاء في الأخبار". (روح المعاني، (الأحزاب: ۴۱، ۴۳): ۲۲/۵۰، ۵۷، دارالفكر)

جیسے حاتم سے سخی اور رستم سے پہلوان بکثرت مراد لیا جاتا ہے، اسی طرح خضر سے راستہ بتانے والا مراد ہے، مقصد یہ ہے کہ امراض جسمانی میں مبتلا شخص کو اگر طبیب حاذق مل جائے تو بہت بڑی نعمت ہے جس سے اس کو بڑی مسرت ہوتی ہے، اگر راہ گم کردہ مسافر کو رہنما مل جائے تو بہت بڑی نعمت ہے، لیکن آپ کی لحد کی زیارت سے آپ کی متقیانہ ومجاہدانہ زندگی یاد آ کر کے دل زندہ ہوتا ہے جس سے انسان کی دنیوی واخروی زندگی درست ہو کر حیاتِ طیبہ نصیب ہوتی ہے، لہذا یہ نعمت نتائج وفوائد کے اعتبار سے ان دونوں نعمتوں سے بڑھ کر ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام

سوال [۲۱۹]: حضرت خواجہ خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات ہیں، یا وصال پا چکے ہیں اور آپ کس زمانہ میں ہوئے اور کس کی اولاد سے ہیں؟ اور کیا سکندر اعظم کے ہمراہ ظلمات میں آبِ حیات پی کر آئے تھے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

مفصل بیان کرنے کی تو آپ نے کاغذ ہی میں جگہ نہیں چھوڑی، مختصر یہ ہے کہ آپ کے آب حیات پینے کے دونوں قول ہیں، آپ کے نسب اور زمانہ میں اختلاف عظیم ہے، ایک قول لکھتا ہوں، خضر ابن ملکان بن قانع بن عامر بن شامخ بن ارفشخند بن سام بن نوح علیہ الصلاۃ والسلام (۲)۔

ظلمات میں جا کر آب حیات تک پہونچنے کا تذکرہ فتح الباری: ۶/۳۱۰ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) "إذا كانت الحقيقة متعذرةً أو مهجورةً صيّر إلى المجاز، والمهجور شرعاً كالمهجور عادةً، و في الحاشية رقم: ۱۳، إذ ظاهر حال المسلم الإمتناع عن المهجور الشرعي لدينه و عقله، فهو كالمهجور عادةً". (نور الأنوار، مبحث الحقيقة والمجاز، ص: ۱۰۷، سعيد)

(۲) فتح الباری کے نسخوں میں یہ عبارت بعینہ نہیں ملی، بلکہ کچھ یوں ہے:

"خضر بن ملكان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن أرفشخذ بن سام بن نوح" جب کہ علامہ نووی اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ابن عابر" کو "ابن عامر" نقل کیا ہے۔ (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث خضر مع موسى عليه الصلاة والسلام: ۶/۵۳۵، قديمي) .... =

نے کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حیات خضر علیہ الصلاۃ والسلام

سوال[۲۲۰]: حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام زندہ ہیں یا انتقال ہو چکا، ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کا انتقال ہو چکا، ان کی حیات کا قائل ہونا کفر ہے اور بعض لوگوں کے واقعات جو مشہور ہیں کہ ان کو حضرت نبی علیہ الصلاۃ والسلام ملے وہ خضر علیہ الصلاۃ والسلام نہیں ہوتے بلکہ شیطان ہوتا ہے، لہذا دریافت ہے کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں اور جو کچھ یہ شخص کہتا ہے صحیح ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ خضر علیہ الصلاۃ والسلام زندہ ہیں، ہاں بعض اس کے قائل ہیں کہ انتقال کر چکے:

"قال ابن الصلاح: هو حيّ عند جمهور العلماء، والعامة معهم فى ذلك، و إنما شذ بإنكاره بعض المحدثين و تبعه النووى. و زاد أن ذلك متفق عليه بين الصوفية وأهل الصلاح، وحكايا تهم فى رؤيته والاجتماع به أكثر من أن تحصىٰ انتهى. و روى الدار قطنى فى الحديث المذكور قال: مُدّ للخضر فى أجله حتى يكذب الدجال، و قال عبد الرزاق فى مصنفه عن معمر فى قصته الذى يقتله الدجال ثم يحييه: بلغنى أنه الخضر، و كذا قال إبراهيم بن سفيان الراوى

= (و كذا فى شرح مسلم للنووى، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۲۶۹، قديمى)

(و كذا فى تفسير ابن كثير، (الكهف): ۳/۱۳۶، مكتبه دار الفيحاء)

(۱) "و روى خيثمة بن سليمان من طريق جعفر الصادق عن أبيه أن ذا القرنين كان له صديق من الملائكة، فطلب منه أن يدله على شيء يطول به عمره، فدل على عين الحياة، وهي داخل الظلمة، فسار إليها والخضر على مقدمته، فظفر بها الخضر، ولم يظفر بها ذو القرنين". (فتح البارى، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث خضر مع موسى عليهما الصلاة والسلام: ۶/۴۳۴، دار الفكر)

عن مسلم فی صحيحه اهـ". فتح البارى بتغير، ص: ۳۱۰ (۱)۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر تعزیت کے لئے تشریف لائے اور صحابہ کے مجمع میں تعزیت کی ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں کذا فی جمع الفوائد : ۱/۱۳۸ (۲) لہذا ان کی زندگی کے قائل ہونے کو کفر کہنا ناواقفیت پر مبنی ہے اور غلط ہے اس سے توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۶/۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (فتح البارى: كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليه الصلاة والسلام: ۵۳۶/۲، قديمى)

"جمهور العلماء على أنه حيّ موجود بين أظهرنا، وذلك متفق عليه عند الصوفية وأهل الصلاح والمعرفة، و حكاياتهم فى رؤيته والاجتماع به والأخذ عنه و سواله و جوابه ووجوده فى المواضع الشريفة و مواطن الخير أكثر من أن تحصر، وأشهر من أن تستر، و قال الشيخ أبو عمرو ابن الصلاح : هو حي عند جماهير العلماء والصالحين، والعامة معهم فى ذلك، قال: و إنما شذ بإنكاره بعض المحدثين". (شرح مسلم للنووى ، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر عليه السلام: ۲۶۹/۲، قديمى)

(وكذا فى روح المعانى : (الكهف: ۶۵): ۱۵/ ۳۲۱، ۳۲۲ دار إحياء التراث العربى)

(۲) "(أنس) لماقبض النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، و قعد أصحابه حزاناً يبكون حوله، فجاء رجل طويل صبيح فصيح فى إزار و رداء، أشعر المنكبين والصدر، فتخطى الصحابة حتى أخذ بعضادتي الباب، فبكى ساعةً، ثم قال: إن فى الله عزاءً من كل مصيبة، و خلفاً من كل هالك، و عوضاً من كل ما فات، فإلى الله فأنيبوا وإليه فارغبوا، فإنما المصاب من لم يجبره الثواب. فقال القوم: تعرفون الرجل؟ فنظروا يميناً و شمالاً فلم يروا أحداً، فقال أبو بكر: "هذا الخضر أخ النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم". للأوسط ضعيف". (جمع الفوائد، التعزية وأحوال القبور و زيارتها، رقم: ۲۶۳۷، ۱/ ۲۴۱، المكتبة الإسلاميه پاكستان)

"عن أنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه قال: لماقبض رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أحدق به أصحابه فبكوا حوله، و اجتمعوا، فدخل رجل أشهب اللحية، جسيم، صبيح، فتخطى رقابهم فبكى، ثم =

حیات خضر علیہ الصلاۃ والسلام کی تحقیق

سوال[۲۲۱]: حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے پہلی تقریر میں فرمایا ہے جو کتاب کی صورت میں ہے۔

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا
(میر)

مزے جو موت کے عاشق بیان کبھی کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
(ذوق)

تجھے کیا بتائیں اے ہم نشین مجھے موت میں جو مزہ ملا
نہ ملا مسیح و خضر کو وہ نشاط عمر دراز میں
(اقبال)

کلام شاعر تو کوئی سند نہیں، لیکن حضرت مولانا کا تمثیلاً پیش کرنا ہی قابل رد نہیں (مولانا کی نظر میں بھی حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کی مثل حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام بھی حیات ہیں) مگر پارہ نمبر: ۱۵

= التفت إلى أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم فقال: إن في الله عزاءً من كل مصيبة، وعوضاً من كل فائت، وخلفاً من كل هالك، فإلى الله فأنيبوا، وإليه فارغبوا، و نظره إليكم في البلاء، فانظروا فإن المصاب من لم يجبر، فانصرف وقال بعضهم لبعض: تعرفون الرجل؟ قال: أبو بكر و على -رضى الله تعالىٰ عنهما- :"نعم هذا أخو رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم الخضر عليه الصلاة والسلام". (دلائل النبوة للبيهقي، باب ما جاء في عظم المصيبة التي نزلت بالمسلمين بوفاة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم: ۲۶۹/۷، دار الكتب العلمية)

(وكذا في فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما الصلاة والسلام: ۵۳۷/۶، قديمي)

سورہ بنی اسرائیل کے رکوع نمبر: ۲۰ کے بعد کی آیت کے حاشیہ نمبر: ۴ پر حضرت خضر کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات نہیں اور اسی کو ترجیح وصحیح مذہب قرار دیا ہے، جس کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں کہ اصح مذہب اہل حدیث کا یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات نہیں، جو حیات بتاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور سبب اس غلطی کا یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شخص کسی عابد کو دیکھ لیتا ہے اور وہ کہہ دیتا ہے کہ میں خضر ہوں، حالانکہ بشکل انسان شیطان ہوتا ہے جو اس شخص کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اور حافظ ابو الخطاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے حیات ہونے کی ساری روایات غلط ہیں، مگر شاہ عبد القادر صاحب شاید گیلان والے ہوں یا اور کوئی ہوں فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات ہیں اور عوام الناس کے مشاہدات بھی یہی گواہی دیتے ہیں کہ حیات ہیں اور وہ بھولے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ اور ایک جگہ قرآن شریف کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام پیغمبر تھے ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ بندے تھے۔ دونوں باتوں کا جواب تحریر فرمائیں، حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات ہیں یا نہیں؟

محمد فہیم الدین مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن متصل مسجد پوڑی گڑھوال۔

الجواب حامداً و مصلياً:

محدثین کرام عموماً حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات کے قائل نہیں، صوفیائے عظام قائل ہیں(۱)، ان کے حالات پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں مفصل کلام کیا

---

(۱) "و قال ابن الصلاح: هو حيّ عند جمهور العلماء، والعامة معهم في ذلك، وإنما شذ بإنكاره بعض المحدثين و تبعه النووي، وزاد أن ذلك متفق عليه بين الصوفية وأهل الصلاح، و حكاياتهم في رؤيته والاجتماع به أكثر من أن تحصر انتهى الخ". (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما الصلاة والسلام: ۵۳۶/۶، قديمي)

(وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲۶۹/۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (الكهف: ۶۵): ۱۵/۳۲۱، ۳۲۲، دار إحياء التراث العربي)

ہے، اکابر کی اکثریت اس پر ہے کہ وہ پیغمبر نہیں تھے (۱) اب ان کے متعلق بحث علمی تحقیق کے درجہ میں ہے اور بس۔ شعراء بکثرت خضر بول کر طویل الحیات مراد لیتے ہیں جیسے حاتم بول کر سخی، رستم بول کر پہلوان مراد لیتے ہیں، خاص شخصیت مراد نہیں، نیز خضر سے رہنما برائے گم کردہ راہ بھی مراد لیتے ہیں، مسیح سے بھی عموماً دو وصف مراد ہوتے ہیں: ایک طویل الحیات، دوم معالج۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۶/۶/۹۴ھ

ہندوستان میں کون پیغمبر آئے؟ اور مُردوں کو جلانے کا کس نے حکم دیا؟

سوال [۲۲۲]: ہندوؤں میں مردہ جلانے کی رسم کب سے شروع ہوئی ہے؟ اللہ کے حکم کے مطابق اس قوم وملت میں پیغمبر آئے یا نہیں؟ کسی پیغمبر نے مردہ جلانے کی ہدایت انہیں کی ہوگی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ہندوستان میں سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے "سبحة المرجان" میں اس کا ذکر موجود ہے (۲) انھوں نے مردہ جلانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ ان کے بیٹے کو دفن کرنے کا طریقہ بتایا گیا جیسا کہ قرآن پاک پارہ ۶ سورۃ مائدہ میں ہے (۳)۔ اور کسی پیغمبر نے جلانے کا حکم دیا ہو یہ بھی کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔

احادیث میں ایک آدمی کا ذکر ملتا ہے، جس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ اسکی لاش کو جلا کر راکھ کو پانی میں بہا دیا جائے یا ہوا میں اڑا دیا جائے، تاکہ اللہ تعالیٰ عذاب نہ دے سکے، اس کی وصیت کو پورا کیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب راکھ جمع ہوگئی اور پھر وہ آدمی بنا کر سامنے لایا گیا اور اس سے باز پرس کی گئی، تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ تیرے عذاب سے ڈر کر کیا (۴) تو ہوسکتا ہے کہ جو لوگ مردوں کو جلاتے ہیں وہ بھی اسی نظریہ سے جلاتے ہوں، حدیث پاک میں ہے کہ آگ کا عذاب دینا تو آگ کے خالق ہی کا حق ہے، اور کسی کا نہیں (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۸۸ھ۔

---

(۱) "وذهب كثيرون إلى أنه لم يكن نبياً بل كان ولياً، فالله أعلم". (تفسير ابن كثير، (الكهف: ۸۲): ۱۳۵/۳، دار الفيحاء)

(۲) "و منها أول القصد إلى الحرم المكي شرفه الله تعالىٰ من الهند، لأن أول زائر آدم عليه السلام، قال =

....

= السيوطي: أخرج البيهقي عن عطاء قال: هبط آدم بالهند،فقال: يا رب! ما لي لا أسمع أصوات الملائكة كما كنت أسمعها في الجنة؟ فقال له: "بخطيئتك يا آدم! فانطلِق فابنِ لي بيتاً فتطوف به،كما رأيتهم يتطوفون". فانطلق حتى أتى مكة، فبنى البيت،فكان موضع قدمى آدم عليه السلام قرى وأنهاراً وعمارةً، و ما بين خُطاه مفاوز،فحج آدم البيت من الهند أربعين سنة".

"وأخرج ابن جرير في تاريخه عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه ما قال : "إن الله أوحىٰ إلى آدم و هو ببلاد الهند أن حجّ هذا البيت فحج". الحديث .

و منها رجوع آدم عليه السلام من الحرم المكي- زاده الله شرفاً و مهابةً- إلى أرض الهند،واختياره وإياها للتوطن . قال الطبرى في تاريخه : فلما أتم آدم الحج انصرف مع حواء إلى جبل الهند الذى كان نزل عليه من السماء، ثم حج بعد ذلك أربعين سنةً، كلما أتم حجةً في كل سنة انصرف إلى الهند،و قال أيضاً في تاريخه : ثم بنى لنفسه بيتاً بالهند .... الخ" .

وقال الإمام الغزالي قدس سره: وانطلق آدم عليه الصلاة والسلام من أرض الهند إلى مكة......فلما وقف بعرفات وجد حواء ثمةً، فسمي عرفات،فقبل الله توبتهما فانصرفا إلى الهند".

أقول : أخذ من ههنا أن آدم عليه الصلا ة والسلام كانت له ألفةبأرض الهند حيث عاد إليها،واختارها للتوطن".(سبحة المرجان : تأليف حسان الهند المعروف بآزاد البلجرامي :ص: ٨، ٩)

"ثم إن اللهعزوجل أهبط آدم قبل غروب الشمس من اليوم الذى خلقه فيه، وذلك يوم الجمعة من السماء مع زوجته،وأنزل آدم فيماقال علماء سلف أمة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالهند .... عن قتادة قال : أهبط الله عزوجل آدم إلى الأرض و كان مهبطه بأرض الهند .... عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما ماقال: إن أول ما أهبط الله تعالىٰ آدم،أهبطه بدهناء أرض الهند. عن أبى العالية قال: أهبط آدم إلى الهند". (تاريخ ابن جرير الطبرى، القول فى الموضع الذى أهبط آدم و حوا إليه من الأرض حين أهبطا إليها : ١/٨٠، ٨١،مؤسسة الأعلمى للمطبوعات)

"وعن الحسن قال : أهبط آدم بالهند،و حواء بجدة،وإبليس بدستميان من البصرة على أميال،و أهبطت الحية بأصبهان.

وقال السدى : نزل آدم بالهند و نزل معه بالحجر الأسود و بقبضة من ورق الجنة،فبثه في الهند،فنبتت =

مہاتما بدھ، کرشن جی اور رام چندر جی کیا نبی تھے؟

سوال[۲۲۳]: خداتعالیٰ نے تمام روئے زمین کے لئے مختلف اوقات اور مختلف ازمنہ میں ہدایت کے لئے پیغمبر بھیج دیئے ہیں جو ﴿لكل قوم هادٍ﴾ سے ثابت ہے اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبر بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے آئے ہیں جو سب مسلمان اور اسلام کی تعلیم سے آراستہ تھے اور سبھوں نے خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی ہے، قرآن میں صرف عرب کی زمین پر کے چند پیغمبروں کے نام ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام کی اولاد یا عبرانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، باقی ان عظیم ہستیوں کے نام نہیں ہیں۔

مہاتما گوتم بدھ کو ہندوستان، چین اور جاپان کے کروڑوں لوگ پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح کرشن

= شجرة الطيب هناک". (البداية والنهاية، باب ما ورد فی خلق آدم عليه الصلاة والسلام: ۱/۱۳۱، دار الفكر)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿فبعث الله غراباً يبحث في الأرض ليريه كيف يواري سوأة أخيه قال: يٰويلتىٰ أعجزت أن أكون مثل هذا الغراب فأواري سوأة أخي، فأصبح من النادمين﴾. (المائدة: ۳۱)

(۴) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ذكر رجلاً فيمن سلف أو فيمن كان قبلكم قال كلمةً يعني أعطاه الله مالاً و ولداً، فلما حضره الموت قال لبنيه: أيّ أب كنت لكم؟ قالوا: خير أب. قال: فإنه لم يبتئر أو لم يبتئز عند الله خيراً، وإن يقدر الله يعذبه، فانظروا إذا مت فأحرقوني حتى إذا صرت فحماً فاسحقوني، أو قال: فاسحكوني، فإذا كان يوم ريح عاصف، فأذروني فيها"، قال نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فأخذ مواثيقهم على ذلک، و ربي! ففعلوا ثم أذروه في يوم عاصف. فقال الله تعالىٰ: (كن)، فإذا هو رجل قائم، قال الله: (أي عبدي! ما حملک على أن فعلت ما فعلت)؟ قال: مخافتک أو فرق منک" قال: "فما تلافاه أن رحمه"، و قال مرةً أخرى: "فما تلافاه غيرها". (صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: (أنزله بعلمه والملائكة يشهدون): ۲/۱۱۱۸، و باب الخوف من الله في كتاب الرقاق: ۲/۹۵۹، قديمی)

(۵) "عن أبي هريرة –رضي الله تعالىٰ عنه– أنه قال: بعثنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بعث فقال: "إن وجدتم فلاناً و فلانا فأحرقوهما بالنار". ثم قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين أردنا الخروج: "إني أمرتكم أن تحرقوا فلاناً و فلاناً و إن النار لا يعذب بها إلا الله، فإن وجدتموهما فاقتلوهما". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب لا يعذب بعذاب الله: ۱/۴۲۳، قديمی)

جی اور رام چندر جی کو بھی کروڑوں لوگ اپنی زندگی کے پیرو یا پیغمبر مانتے ہیں، کیا ایک مسلمان ﴿لكل قوم هاد﴾ کے فصیح و بلیغ اور معنی خیز جملے کے تحت شک کی بناء پر کرشن جی یا مہاتما گوتم بدھ کو پیغمبر کہہ سکتا ہے؟ اور ان کی تعظیم و تکریم کے لئے حضرت مہاتما بدھ یا حضرت کرشن جی کہتے ہیں؟ ایک مسلمان کے لئے کوئی قباحت تو نہیں ہے، جب کہ ایک دوسرے عالم نے ان دونوں ہستیوں کے ساتھ حضرت کا لفظ لگانا مکروہ اور خلافِ شریعت قرار دیا ہے، ہم آپ سے ملتجی ہیں کہ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً :

جن انبیاء علیہم السلام کے نام نصوص میں آگئے ہیں ان پر علی التعیین ایمان لانا لازم ہے (۱) اور کسی ایسے شخص کے متعلق نبوت کا اعتراف کرنا جس کا نام نصوص میں نہیں ہے نہ لازم ہے، نہ درست (۲) البتہ کسی کو برا کہنا بھی بغیر دلیل کے درست نہیں۔ ﴿لكل قوم هاد﴾ سے استدلال تام نہیں، کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ خبر ثانی ہے مبتدا کی، پوری آیت ہے ﴿إنما أنت منذر و لكل قوم هاد﴾ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں (۳)۔

علاوہ ازیں "ہادی" کا لفظ نبی کے ساتھ مخصوص نہیں، غیر نبی پر بھی اس کا اطلاق آیا ہے اور نبی سے بلکہ سید الأنبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفی بھی کی گئی ہے: ﴿إنك لا تهدى من أحببت﴾ (۴) انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو جو لوگ پہونچاتے ہیں وہ بھی ایک قسم کی ہدایت دیتے ہیں۔

کرشن اور گوتم بدھ اور رام چندر وغیرہ کے صحیح حالات ہمارے علم میں نہیں، تاریخ میں رطب و یابس سب کچھ ہے جو کہ مفید یقین نہیں، اس لئے کف اللسان چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "يجب أن يقول: آمنت بالله و ملائكته و كتبه و رسله". (شرح الفقه الأكبر، ص: ١١، ١٢، قديمى)

(۲) "و قد ورد أنه عليه السلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فقال: "مأة ألف و أربعة و عشرون ألفاً". و في رواية: "مائتا ألف وأربعة و عشرون ألفاً" إلا أن الأولىٰ أن لا يقتصر على عدد فيهم". (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص: ٥٦، قديمى)

"والأولى أن لا يقتصر على عدد فى التسمية فقد قال الله تعالىٰ ﴿ منهم من قصصنا عليك و =

کیا گرونانک کو کوئی کتاب ہے؟

سوال[۲۲۴]: پنڈت گرونانک کے بارے میں کیا رائے ہے؟ آیا اس کو کوئی مرتبہ اسلام کی رو سے حاصل ہے یا نہیں؟ اور اس کو کوئی کتاب بھی ملی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً :

خدائے پاک کی طرف سے کتاب رسول کو ملتی ہے، گورونانک کا وجود ایسے وقت میں ہے کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا تھا(۱) لہٰذا وہاں کتاب کا سوال بے محل ہے، سکھ لوگ اس کو اپنا مقتدی مانتے ہیں اور اس کی تعلیمات سے توحید کو بھی ثابت کرتے ہیں، اور بھی بعض ایسی چیزیں بتلاتے ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے، بعض کتابوں میں اس کا مسلمان ہونا بھی لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۹۲ھ۔

= منهم من لم نقصص عليك﴾ و لا يؤمن في ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم إن ذكر أكثر من عددهم، أو يخرج منهم من هو فيهم إن ذكر أقل من عددهم .... و يحتمل مخالفة الواقع وهو عد النبي من غير الأنبياء أو غير النبي من الأنبياء". (شرح العقائد ، ص: ۱۰۱ ،دهلى)

(۳) "وأخرج ابن مردوى عن ابن عباس، و ابن جرير عن عكرمة و أبي الضحى أن المنذر والهادى هو رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وجه ذلك بأن (هاد) عطف على (منذر) و (لكل قوم هاد) متعلق به قدّم عليه للفاصلة". (روح المعانى :۱۳/۱۰۸ ،تفسير سورة الرعد آيت: ۷)

(۴) (سورة القصص :۵۶)

(۱) قال الله تبارک وتعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين﴾. (الأحزاب : ۴۰)

"عن أبي هريرة –رضي الله تعالىٰ عنه– أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال :"إن مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتاً فأحسنه و أجمله إلا موضع لبنة من زاوية،فجعل الناس يطوفون به و يتعجبون له و يقولون: هلا وضعت هذه اللبنة؟ قال : "(فأنا اللبنة و أنا خاتم النبيين". (صحيح البخارى، كتاب المناقب، باب خاتم النبيين : ۱/۱۵۰۱،قديمى) .... =

رام کرشن کے متعلق کیا عقیدہ رکھا جائے؟

سوال[۲۲۵]: رام کرشن اپنے وقت کے کیا تھے اور اب مسلمانوں کو ان پر کیسا عقیدہ رکھنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

کرشن جی کے متعلق عقیدہ

سوال[۲۲۶]: کرشن جی کو نبی بتلانا اور مسلمانوں کا ان پر ایمان ہے لکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

جس طرح کسی نبی ثابت النبوۃ کی نبوت کا انکار جائز نہیں، اسی طرح کسی غیر ثابت النبوۃ کی نبوت کا اقرار بھی جائز نہیں، بعض انبیاء علیہم السلام کے نام قرآن کریم وحدیث شریف میں آئے ہیں (ان میں کرشن جی کا نام نہیں) ان کے علاوہ کسی معین شخص کی نبوت پر ایمان کی تعلیم اسلام نے نہیں دی، بلکہ اجمالی طور پر ایمان کا حکم ہے اس

= (والصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب ذكر كونه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خاتم النبيين: ۲۴۸/۲، قديمي)

"كلما هلك نبي خلفه نبي، و أنه لا نبي بعدى". (الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة الأول فالأول: ۱۲۶/۲، قديمي)

"وأنه سيكون فى أمتى كذابون ثلاثون، كلهم يزعم أنه نبي الله، و أنا خاتم النبيين لا نبي بعدى". (مشكوة المصابيح، كتاب الفتن: ۴۶۵/۲، قديمي)

(وجامع الترمذى، أبواب الفتن، باب ما جاء لا تقوم الساعة حتى يخرج كذابون: ۴۵/۲، سعيد)

"وقد أخبر الله تبارك و تعالىٰ فى كتابه، و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى السنة المتواترة عنه أنه لا نبي بعده". (تفسير ابن كثير، (الأحزاب): ۶۵۲/۳، مكتبه دار الفيحاء، ومكتبه دار السلام)

طرح کہ جس قدر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ جمادی الاولی/ ۷۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ منظور احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

سلف صالح کا اتباع اور پیروی بہر حال ضروری ہے اور اسی میں ہماری فلاح اور سعادت ہے۔فقط زکریا قدوسی۔

الجواب صحیح: بندہ ظہور الحق عفی عنہ، مدرسہ ہذا۔

ہذا الجواب ہو الحق وبالاتباع احق: امیر احمد کاندھلوی کان اللہ لہ۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن غفرلہ۔احقر علیم اللہ مظاہری عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "وأما الأنبياء والمرسلون،فعلينا الإيمان بمن سمى الله تعالىٰ في كتابه من رسله،والإيمان بأن الله تعالىٰ أرسل رسلاً سواهم وأنبياء، لا يعلم أسماء هم و عددهم إلا الله تعالىٰ الذى أرسلهم، فعلينا الإيمان بهم جملةً،لأنه لم يأت في عددهم نص.وقد قال تعالى:﴿ ورسلاً قد قصصنا هم عليک من قبل،و رسلاً لم نقصصهم عليک﴾ (النساء : ۱۶۴) وقال تعالىٰ: ﴿ ولقد أرسلنا رسلاً من قبلک منهم من قصصنا عليک و منهم من لم نقصص عليک﴾ (غافر : ۷۸). (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز،وجوب الإيمان بالأنبياء والرسل ،ص: ۲۲۷، مكتبه الغرباء الجامعة الستارية، كراتشي)

"وأما المبعوثون فالإيمان بهم واجب،و من ثبت شرعاً تعيينه منهم،وجب الإيمان بعينه، و من لم يثبت تعيينه كفى الإيمان به إجمالاً، (و لا ينبغى فى الإيمان بالأنبياء القطع بحصرهم في عدد) .... فيؤدى: أى فقد يؤدى حصرهم في العدد الذى لاقطع به (إلى أن يعتبر فيهم من ليس منهم) بتقدير كون عددهم في نفس الأمر أقل من الوارد (أو يخرج) عنهم (من هو منهم) بتقدير كون عددهم في نفس الأمر أزيد من الوارد". (المسامرة شرح المسايرة، الإيمان بالمبعوثين واجب، ص: ۲۲۵، المكتبة التجاريه الكبرى مصر) .... =

رام لچھمن وغیرہ

سوال[۲۲۷]: زید کہتا ہے کہ رام لچھمن ہوسکتا ہے کہ اپنے زمانہ میں پیغمبر ہوں، لوگوں نے ان کی تعلیم کو خراب کر کے بدنام کردیا ہے، اس لئے ان کو برا نہیں کہنا چاہئے، زید اپنے قول کی تصدیق اللہ کے فرمان سے پکڑتا ہے کہ (اللہ نے دنیا کے ہر گوشہ میں اپنا پیغمبر بھیجا ہے) ہوسکتا ہے کہ یہی رام لچھمن ہندوستان میں پیغمبر بن کر آئے ہوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے اور شخص مذکور پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہونا چاہئے؟

نیز زید یہ بھی کہتا ہے کہ کسی کافر کو کافر مت کہو، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی وقت ایمان لے آئے۔ تو کیا تقوی اس میں ہے کہ جس کی زندگی کفر میں گزر رہی ہو اور تمام افعال کفریہ ہو رہے ہوں تو ان کو کافر نہ کہا جائے، کیا یہ اللہ ورسول کی مخالفت ہوئی یا نہیں؟ جسے اللہ ورسول نے کافر کہہ دیا تو اسے کافر کہنے میں کیا حرج ہے؟

غلام مرتضی، کٹنی۔

الجواب حامداًومصلياً:

جب تک دلیل شرعی سے ثبوت نہ ہو، کسی کی پیغمبری کا یقین کرنا درست نہیں (۱) بلا وجہ کسی کو برا کہنا بھی

= "ذكر بعض العلماء أن الأولى أن لايقتصر عددهم؛ لأن خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط لا يفيد إلا الظن، ولا يعتبر إلا فى العمليات دون الاعتقادات، وههنا حصر عددهم يخالف ظاهر قوله تعالىٰ: ﴿منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص﴾ (غافر: ۷۸) "و يحتمل أيضًا مخالفة الواقع، و إثبات نبوة من ليس بنبي إن كان عددهم فى الواقع أقل مما ذكر، ونفى النبوة عمن هو نبي إن كان أكثر، فالأولى عدم التنصيص على عدد". (شرح المقاصد، فصل فى النبوة، المبحث السادس: الأنبياء معصومون عما ينافى مقتضى المعجزة: ۲/۳۱۷، دار الكتب العلمية)

(۱) "والأولى أن لايقتصر على عدد التسمية فى ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم ......ويحتمل مخالفة الواقع وهو عدد النبى من غير الأنبياء أو غير النبى من الأنبياء". (شرح العقائد النسفية، ص: ۱۰۱، بحث واول الأنبياء ...... دهلى)

(وكذا فى كفاية المفتى: ۱/۱۰۸، كتاب العقائد، دارلاشاعت كراچى)

درست نہیں (۱) لہذا سکوت ہی احوط ہے۔

جس کا کفر دلیل شرعی سے ثابت ہو وہ کافر ہی ہے اس کو کافر ہی کہا جائے گا، مسلمان نہیں کہا جاسکتا، اگر حق تعالیٰ اسلام کی توفیق دے دے تو اس کو مسلمان کہا جائے گا (۲)۔ اس کی مثالیں دَورِ اول میں بھی موجود ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دین اسلام ملائکہ کے ذریعہ کیوں نہیں پھیلایا جاتا؟

سوال [۲۲۸]: دنیا میں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ موجود ہیں اور ہر ایک اپنے مذہب کو صحیح قرار دیتا ہے اور اپنے ہی مذہب کے بتلائے گئے اصولوں پر رہتا ہے، مذہب اسلام کو تقریباً اسّی فیصد لوگ مذہبِ حق نہیں مانتے اور ایسی صورت میں خدا تعالیٰ کسی فرشتے کے ذریعہ یا کسی ولی اللہ کے ذریعہ مذہب اسلام کیوں نہیں، پھیلاتا اور شیطان کے دھوکہ سے معصوم لوگوں کو کیوں نہیں بچاتا؟ ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ وسلم تبلیغ صرف کفار میں فرمایا کرتے تھے مگر آج کل مسلمان ایسا نہیں کرتے، کیا ایسا کرنے کی ضرورت نہیں؟ براہ کرم

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۱۱، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، قديمی)

(وكذا فی صحيح البخاری: ۱/۱۲، باب خوف المؤمن أن يحبط علمه من كتاب الإيمان، قديمی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الذين يكفرون بالله ورسوله، ويريدون أن يفرقوا بين الله ورسله، ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض، ويريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلاً، أولئك هم الكافرون حقاً﴾. الآيه، (سورة النساء: ۱۵۰، ۱۵۱)

(۳) "عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "اللهم أعز الإسلام بأبی جهل بن هشام، أو بعمر بن الخطاب، فأصبح عمر، فغدا على النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فأسلم ثم صلى فی المسجد ظاهراً". (مشكوة المصابيح، ص: ۵۵۷ مناقب عمر رضی الله عنه، قديمی)

بوضاحت جواب سے مطلع فرماویں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

دین اسلام کی تبلیغ مسلمانوں کے ذمہ میں ہے، فرشتوں کے ذمہ نہیں، اولیاء اللہ نے ہمیشہ دین اسلام کو پھیلایا ہے اور ایک ایک ولی اللہ کے ہاتھ پر ہزاروں آدمی مسلمان ہوئے اور اب بھی اولیاء اللہ ہمیشہ کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ شیطان کے دھوکہ سے بچانے کے لئے قرآن پاک اور حدیث شریف میں طریقے بتا دیئے گئے، ان کے ترجمے ہر زبان میں کر دیئے گئے، جگہ جگہ مدارس قائم کر دیئے گئے کہ لوگ پڑھ کر شیطان کے دھوکہ سے بچنے کے طریقے معلوم کریں، چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کر دی گئی ہیں، خانقاہیں قائم کر دی گئی ہیں جن میں اولیاء اللہ بیٹھ کر یہ سب کچھ کرتے ہیں، اگر کوئی شخص ان سب سے نفع نہ اٹھائے، تو یہ خود انکا قصور ہے۔

دنیوی کاموں کے لئے محنت کرتے ہیں، مثلاً: ایک سیر غلہ پیدا کرنے کے لئے کھیتی کرتے ہیں، کتنی محنت کی جاتی ہے، وہاں یہ سوال نہیں ہوتا کہ فرشتے ہی آ کر یہ سب کام کر دیا کریں، اسی طرح زندگی کے ہر شعبہ کا حال ہے نہ کبھی مکان بنانے کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ کوئی فرشتہ آ کر تعمیر کر دیا کرے، پھر دین کی تبلیغ کے لئے یہ خیال کیوں ہوتا ہے۔ جس چیز کو آدمی پھیلانا چاہتا ہے اس کے لئے جماعت بناتا ہے، اس کا مرکز قائم کرتا ہے، اخبار نکالتا ہے، یا دوسرے اخبارات میں مضمون دیتا ہے، ہر جگہ اس کا پرچار کرتا ہے، اس پر محنت بھی کرتا ہے، روپیہ بھی خرچ کرتا ہے، اپنے دل و دماغ، زبان، عزت، اقتدار غرض ہر قوت کو خرچ کرتا ہے، یہ کبھی کوئی نہیں کہتا کہ فرشتہ آ کر یہ کام کر جایا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۸ھ۔

انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کے اصحاب کا احترام

سوال [۲۲۹]: انبیاء سابقین کے اصحاب کا احترام و اکرام ہمارے فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کے احترام و اکرام کے مثل ہم پر ضروری ہے یا کوئی کمی و بیشی کا فرق ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

فرق ہے:"والحاصل أن أفضل الناس بعد الأنبياء عليهم السلام أبو بكر الصديق،ثم عمر بن الخطاب،ثم عثمان بن عفان،ثم علي بن أبي طالب اهـ"۔ شرح فقه الأكبر:ص:٦٤(١)۔

(ترجمہ) حاصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر بن الخطاب، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحابہ سب عادل اور واجب الاحترام ہیں

سوال[۲۳۰]: ایک شخص تاریخی واقعات پر نظر کرتے ہوئے صحابہ کے درمیان حق اور ناحق کا فیصلہ کرتا ہو تو یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟ اگر ایک کو حق دوسرے کو ناحق کہتا ہو تو ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناحق کہنے کا حق ہے تو پھر اس حدیث کا کیا جواب ہوگا: " فمن أحبهم فبحبي أحبهم و من أبغضهم فببغضي أبغضهم"(۲)۔

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر ملا على القارى، ص: ۶۱، ۶۲، قديمى)

"وأفضل البشر بعد نبيناصلى الله تعالىٰ عليه وسلم أبو بكر الصديق،ثم الفاروق،ثم عثمان ذو النورين،ثم على المرتضى من عباد الله،و خلص أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على هذا وجدنا السلف". (شرح العقائد النسفية للتفتازانى، ص: ۱۴۹، ۱۵۰،قديمى)

"واتفق أهل السنة على أن أفضلهم أبو بكر،ثم عمر،قال جمهورهم: ثم عثمان،ثم على،و قال بعض أهل السنة: من أهل الكوفة بتقديم علىّ على عثمان، والصحيح المشهور تقديم عثمان ". (شرح مسلم للنووى،كتاب فضائل الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم : ۲/۲۷۲،قديمى)

(۲) (مشكوة المصابيح، باب مناقب الصحابة ،ص: ۲/۵۵۴،قديمى)

الجواب حامداً و مصلیاً :

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب واجب الاحترام ہیں، کسی کی شان میں گستاخی وتوہین جائز نہیں، ان کے مشاجرات میں کفِ لسان کا حکم ہے، گواتنی بات صحیح ہے کہ ان میں بعض افضل ہیں بعض سے، لیکن کسی کے متعلق بھی یہ کہنا درست نہیں کہ وہ باطل وضلالت پر تھے، (۱) جو شخص صحابہ کرام کو سب وشتم کرے اس

---

(۱) "والصحابة كلهم عدول مطلقاً: لظواهر الكتاب والسنة وإجماع من يُعتدّ به. في شرح السنة: قال أبومنصور البغدادي: أصحابنا مجمعون على أن أفضلهم الخلفاء الأربعة على الترتيب المذكور، ثم تمام العشرة، ثم أهل بدر، ثم أحد، ثم بيعة الرضوان، و من له مزية من أهل العقبتين من الأنصار، وكذالك السابقون الأولون، وهم من صلى إلى القبلتين، و قيل: أهل بيعة الرضوان، و كذالك اختلفوا في عائشة و خديجة أيهما أفضل؟ وفي عائشة و فاطمة ؟ و أما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة الأخيار. والحروب التي جرت بينهم كانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها بسببها، وكلهم متأولون في حروبها، ولم يخرج بذلك أحد منهم من العدالة؛ لأنهم مجتهدون اختلفوا في مسائل كما اختلف المجتهدون بعدهم في مسائل، و لا يلزم من ذلك نقص أحد منهم". (مرقاة المفاتيح للقاری، كتاب المناقب و الفضائل، باب مناقب الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم : ۱۰/۳۵۵، رشيديه)

"ويكف عن ذكر الصحابة رضوان الله تعالیٰ عليهم أجمعين إلا بخير؛ لما ورد من الأحاديث الصحيحة في مناقبهم، ووجوب الكف عن الطعن فيهم كقوله عليه الصلاة والسلام:" لا تسبوا أصحابی، فلوأن أحدكم إن أنفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم و لا نصيفه". و كقوله عليه الصلاة والسلام :" الله الله في أصحابي لا تتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، و من أبغضهم فببغضی أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، و من آذاني فقد آذى الله، و من آذى الله تعالیٰ فيوشک أن يأخذه". ثم في مناقب كل من أبي بكر و عمر وعثمان وعلي والحسن والحسين رضوان الله تعالیٰ عليهم وغيرهم من أكابر الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم أحاديث صحيحة، وماوقع بينهم من المنازعات والمحاربات فله محل و تأويلات، فسبهم والطعن فيهم إن كان مما يخالف الأدلة القطعية، فكفر كقذف عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، وإلا فبدعة وفسق ". (شرح العقائد النسفی للتفتازانی، ص: ۱۱۶، المطبع اليوسفی)

(وكذا في النبراس، ص: ۳۲۷، ۳۲۸، امداديه ملتان)

پر لعنت وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۹۲ھ۔

اہلِ بیت اور صحابہ کرام سے محبت

سوال [۲۳۱] : ۱...... کیا محبت اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جزو ایمان ہے، اگر جزو ایمان ہے تو نص صریح تحریر فرمائیں اور اگر نہیں ہے تو آیت کریمہ ﴿ولا أسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربىٰ﴾ (۲) کے کیا معنی اور محبت کا اظہار کس طرح سے کیا جاوے اور اہل بیت میں کون کون شامل ہیں؟

صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم

سوال [۲۳۲] : ۲...... جو لوگ مسلمان ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی کرتے ہیں وہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی تائید میں کوئی آیت کریمہ تحریر فرمائیے۔

الجواب حامداً و مصلياً :

۲،۱...... نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لانے والے اور جان نثار امتی کی شان یہ ہے کہ آپ سے تعلق رکھنے والی ہر شیء کے ساتھ علی حسب المراتب محبت رکھے: آپ کی مسجد، آپ کا مزار، آپ کا وطن، آپ کا لایا ہوا قرآن شریف اور اس کے احکام، آپ کی حدیث اور اس کے احکام، آپ کا کھانا، آپ کا پینا، آپ کا لباس، آپ کی سواری اونٹ وغیرہ، آپ کے ہتھیار، تلوار وغیرہ، آپ کا طرز زندگی، طرز عبادت، طرز معاملات، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، عترت پاک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، غرض آپ سے تعلق رکھنے والی ہر شئی محبوب ہونی چاہئے اور جو شئی آپ کو مرغوب وپسندیدہ نہ تھی یا مبغوض تھی اس سے اسی قدر بعد ہونا چاہئے۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا :لعنة الله على شركم". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، باب مناقب الصحابة : ۲/ ۵۵۴، قديمي)

(۲) (الشورىٰ : ۲۳)

حاصل یہ کہ اپنی محبت ونفرت کو من کل الوجوہ آپ کی محبت ونفرت کے تابع کردے، جو شخص اعتقاد وقول وفعل سے اس چیز میں جس قدر راسخ اور کامل ہوگا اسی قدر اس کا ایمان پختہ ہوگا، جس قدر کمی ہوگی اسی قدر ایمان میں ضعف ہوگا، اس کی دلیل وہ بے شمار آیتیں ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو فرض، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور باعثِ فلاح اور آپ کی نافرمانی کو حرام، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور باعث ہلاکت فرمایا گیا ہے، آپ کی محبت کا ہرشئی کی محبت سے زیادہ ہونا ضروری ہے:

"عن أنس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وآله وسلم: "لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين "۔ متفق عليه".

"وعنه قال : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وآله وسلم:" ثلٰث من كن فيه وجدبهن حلاوة الإيمان: من كان اللّٰه ورسوله أحب إليه مما سواهما الخ"۔ مشكوة شريف: ص: ١٤ (١)۔

لیکن شریعتِ مطہرہ نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں صراحۃً مذکور ہے (۲) اور ایمان کا مدار توحید و رسالت وغیرہ عقائد کو قرار دیا ہے، پس اس بنیاد اور مدار کے عدم سے ایمان معدوم ہوگا جو کفر کو مستلزم ہے، باقی عقائدِ واجبہ کے عدم سے کفر نہیں لازم آتا، البتہ ضعف

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان : ١/١٢، قديمی)

(وصحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب حب الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الإيمان: ١/٧، قديمی)

(وصحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان: ١/٧، قديمی)

(٢) "عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بنى الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله و أن محمداً عبده و رسوله، و إقام الصلاة، و إيتاء الزكاة، والحج و صوم رمضان ". متفق عليه ". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان : ١/١٢، قديمی)

(وصحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب قول النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :(بنى الإسلام على خمس) : ١/٦، قديمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أركان الإسلام و دعائمه العظام : ١/٣٢، قديمی)

ایمان کی دلیل ضرور ہے۔

اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبت کا اظہار اس طرح کرنا چاہئے کہ ان حضرات کا نام عظمت واحترام سے لے اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہے، ان کے واقعات پڑھے دوسروں کو سنائے اور ان سے عبرت حاصل کرے کہ کس طرح سرفروشی سے دین کی تبلیغ واشاعت فرمائی ہے اور حسبِ مقدور اس امر میں خود بھی ان کا اتباع کرے، اہلِ بیتِ پاک: ازواج مطہرات، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بغض رکھنا اور یہ سخت حرام ہے، کیونکہ ان سے بغض رکھنا، درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنا ہے اور یہ فی الحقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ سے بغض رکھنا ہے جو شخص گستاخی کے کلمات ان کی شان میں کہتا ہے اس کے اوپر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے ایسے شخص کو کافر قرار دیا ہے:

"عن عبد الله بن مغفل رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم: "الله الله في أصحابي لا تتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، و من اذاهم فقد اذاني، ومن اذاني فقد اذى الله، و من اذى الله فيوشك أن يأخذه". رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب".

"عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم: "إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة الله على شركم". رواه الترمذي اهـ" مشكوة شريف: ص: ٥٥٤(١)۔

"لاأسئلك في القربى" مجھے معلوم نہیں کہ کونسی آیت ہے، کس سورت میں آئی ہے، ممکن ہے کہ سائل کی مراد اس سے: ﴿قل لا أسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربىٰ﴾ (٢) ہو۔ اگر ایسا ہو تو اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے چند اقوال ہیں:

---

(١) (جامع الترمذي، أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب في من يسب أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ٢/٢٢٥، سعيد)

(مشكوة المصابيح، باب مناقب الصحابة: ٢/٥٥٤، قديمي)

(٢) (الشورىٰ: ٢٣)

ایک یہ کہ ”اے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! فرمادیجئے ان مشرکین کو کہ میں اپنی اس تبلیغ اور نصیحت پر تم سے کوئی اجر اور مال نہیں مانگتا، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ مجھ سے شر کو روک لو اور مجھے رسالت کی تبلیغ کرنے دو اور تمہارے درمیان قرابت ہے اس کا خیال کرو اھ“۔ تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۱۱(۱)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قربیٰ سے مراد تقرب الی اللہ ہے یعنی ”صرف یہ چاہتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کر کے اطاعت اور عمل صالح کے ذریعہ سے تقرب الی اللہ حاصل کرو اھ“ تفسیر مدارک: ۴/۸۱(۲)۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو تنگی کا زمانہ تھا اور ضرورتیں درپیش تھیں تو انصار نے کہا آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت فرمائی ہے اور آپ ہمارے اس شہر میں ہمسایہ ہیں، لہذا آپ کے لئے کچھ مال جمع کرنا چاہئے سو جمع کر کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لائے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو واپس کر دیا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ”آپ کہہ دیجئے کہ

---

(۱) ﴿قل لا أسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربىٰ﴾: أي قل يا محمد لهؤلاء المشركين من كفار قريش: لا أسألكم على هذا البلاغ و النصح لكم ما لا تعطونيه، و إنما أطلب منكم أن تكفوا شركم عني، و تذروني أبلغ رسالات ربي، إن لم تنصروني فلا تؤذوني بما بيني و بينكم من القرابة". (تفسير ابن كثير (الشورى: ۲۳): ۴/۱۰۰، دار القلم)

"(قل لا أسئلكم عليه أجرا)" على ما أدعوكم عليه "(إلا المودة في القربىٰ)" تودوني لقرابتي منكم و تحفظوني بها". (روح المعاني، (الشورىٰ: ۲۳): ۲۵/۴۸، دار الفكر)

(و كذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (الشورىٰ: ۲۳): ۱۶/۱۵، دار الكتب العلمية)

(۲) " وقيل: القربى التقرب إلى الله تعالىٰ: أي إلا أن تحبوا الله و رسوله في تقربكم إليه بالطاعة و العمل الصالح". (تفسير المدارك، (الشورىٰ: ۲۳): ۱۰۲۵، قديمى)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا أسألكم على ما آتيتكم من البيّنات و الهدى أجراً إلا أن توادّوا الله تعالىٰ، و أن تقربوا إليه بطاعته". (تفسير ابن كثير، (الشورىٰ: ۲۳): ۴/۱۰۰، ۱۰۱، دار القلم)

و قال آخرون: بل معنى ذلك: قل: لا أسألكم أيها الناس على ما جئتكم به أجراً إلا أن تودّدوا إلى الله، و تتقربوا بالعمل الصالح و الطاعة". (تفسير الطبرى، (الشورىٰ: ۲۳): ۲۵/۲۵، شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابى الحلبى)

تم سے ہدایت اور ایمان کا عوض نہیں مانگتا، البتہ یہ چاہتا ہوں کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو" اھ۔ تفسیر کبیر: ۲۷۳/۷(۱)۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ "اس آیت کریمہ میں قرابت سے مراد حضرت علی و فاطمہ وحسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں اھ" تفسیر ابوالسعود: ۳۵/۸(۲)۔

محدثانہ حیثیت سے ان میں سے بعض روایات پر کلام بھی ہے جس کو ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۸/۷/۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/ رجب المرجب/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "روى الكلبي عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما قدم المدينة كانت تعروه نوائب و حقوق و ليس في يده سعة، فقال الأنصار: إن هذا الرجل قد هداكم الله على يده و هو ابن أختكم و جاركم في بلدكم، فاجمعوا له طائفةً من أموالكم، ففعلوا، ثم أتوه به فرده عليهم، فنزل قوله تعالىٰ: ﴿قل لا أسئلكم عليه أجراً﴾". (التفسير الكبير، (الشورىٰ:٢٣): ١٤١/٢٧، دار الكتب العلمية)

"فقال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما: لما قدم النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة كانت تنوبه نوائب وحقوق لا يسعها ما فى يديه، فقالت الأنصار: إن هذا الرجل هداكم الله به، وهو ابن أخيكم، و تنوبه نوائب و حقوق لا يسعها ما فى يديه، فنجمع له، ففعلوا، ثم أتوه به فنزلت الخ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبى (الشورىٰ:٢٣): ١٦/١٧، دار الكتب العلمية)

(٢) "روي أنها لما نزلت، قيل: يا رسول الله! من قرابتك هؤلاء الذين وجبت علينا مودتهم؟ قال: "عليّ وفاطمة و ابناهما". (تفسير أبى السعود، (الشورىٰ: ٢٣): ٣٠/٨، دار إحياء التراث العربى)

"لما أنزل الله عزوجل: (قل لا أسئلكم عليه أجراً إلا المودة فى القربىٰ) قالوا: يا رسول الله! من هؤلاء الذين نودّهم؟ قال: "علي و فاطمة و ابناهما". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبى (الشورى): ١٦/١٦، دار الكتب العلمية)

"عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قيل: يا رسول الله! من قرابتك هؤلاء؟ قال: "علي و فاطمة وابناهما". (التفسير المظهرى، (الشورى: ٢٣): ٣١٨/٨، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(٣) (تفسير ابن كثير، (الشورى: ٢٣): ١٢٣/٤، مكتبه دار الفيحاء)

آل رسول کا مصداق

سوال[۲۳۴]: ''آل'' کا لفظ صرف اہل بیت کے لئے خاص ہے یا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور جملہ امتیوں کو بھی شامل ہے؟ اگر تمام صحابہ اور تمام متبعین کو شامل ہے تو پھر درود شریف میں: ''وأصحابه'' بڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

''آل رسول'' کا لفظ اہل بیت کے لئے خاص ہے اس لئے صحابہ کرام کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص میرے طریق پر چلے وہ میری آل ہے، اس لئے جہاں اصحاب کا تذکرہ نہیں وہاں اس روایت کے تحت اصحاب کو ''آل'' میں داخل قرار دے لیا جاوے گا(۱) اس روایت پر ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح حصن حصین میں کلام کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) ''و اختلف في الآل المصلي عليهم فقيل: بنو هاشم، و قيل: أولاده، و قيل: الفقهاء المجتهدون، وقيل: أتباعه و هو المختار''. ''و عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه سئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن آل محمد، قال: ''كل تقي'' و في رواية: ''كل مؤمن'' و في سندهما ضعف''.

و في الحاشية رقم: ۳: ''(قوله: هو المختار) والحق أنه ليس بصحيح عند الأبرار لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''لا يصح الصدقة لمحمد و لا لآل محمد'' و لو كان الآل جميع الأتباع حرمت عليهم الصدقة، و لم يقل به أحد''. (النبراس شرح شرح العقائد (تحت قوله: و على آله)، ص: ۱۰)

''(وعلى آله) .... فبالاشتراک اللفظي على ثلثة معان .... الثالث: بمعنى أهل البيت خاصةً: نحو آل محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ''.(امداد الفتاح شرح نور الايضاح و نجاة الأرواح، ص: ۲۷، دار إحياء التراث العربي)

''(و على آله) ...... فالأكثرون أنهم قرابته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذين حرّمت عليهم الصدقة .... و قيل: جميع أمة الإجابة ''.(مقدمة رد المحتار : ۱/۱۳، سعيد)

''و اختلف العلماء في آل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على أقوال: أظهرها وهو اختيار الأزهري وغيره من المحققين أنهم جميع الأمة''. (شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۱/۱۷۵، باب =

مدح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

سوال[۲۳۵]: مدح صحابہ شرعی حیثیت سے فرض ہے، واجب ہے، یا سنت ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مدح صحابہ قرآن وحدیث میں کثرت سے موجود ہے اور ہر جمعہ کو ممبر پر چڑھ کر خطیب مدح صحابہ کرتا ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ شعارِ اہلسنت والجماعت میں سے ہے، اگر اس کی رکاوٹ کی جاوے گی تو اس کا کرنا ضروری ہوگا(۱) لیکن موقعہ اور محل اور نوعیت کی رعایت بہر حال ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

صحابہ کرامؓ سب سنی تھے

سوال[۲۳۶]: مولانا صاحب بی اے منشی فاضل فرماتے ہیں ''نہ میں حنفی ہوں، نہ مالکی، نہ شافعی، نہ حنبلی، نہ شیعہ، نہ قادیانی، نہ سنی، میں مسلم ہوں'' اور ان کے شاگرد چاروں طرف کہتے پھرتے ہیں کہ سنی ہونا قرآن مجید سے ثابت نہیں، سنی تو حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوڈیڑھ سو سال بعد ہوئے جوسن کر مسلمان ہوئے۔

= الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد التشهد، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان، رضي الله عنهم و رضوا عنه، و أعد لهم جنات تجرى تحتها الأنهٰر، خالدين فيها أبداً، ذلك الفوز العظيم﴾ (التوبة: ۱۰۰)

و قال تعالىٰ: ﴿لقد رضي الله عن المؤمنين إذ يبايعونک تحت الشجرة، فعلم ما في قلوبهم، فأنزل السكينة عليهم، و أثابهم فتحاً قريباً﴾ (الفتح: ۱۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿محمد رسول الله والذين معه أشدآء على الكفار رحمآء بينهم تراهم ركعاً سجّدا يبتغون فضلاً من الله و رضواناً، سيماهم في وجوههم من أثر السجود، ذلک مثلهم في التوراة و مثلهم في الإنجيل، كزرع أخرج شطأه فازره فاستغلظ، فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار، وعد الله الذين اٰمنوا و عملوا الصالحات مغفرةً و أجراً عظيماً﴾. (الفتح: ۲۹)

مشکوۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''البتہ آوے گا امت میری پر یعنی زمانہ جیسا کہ آیا اوپر بنی اسرائیل کے مانند پاپوش کے ساتھ پاپوش کے یعنی بہتر گروہ کے، اور ہوگی امت میری تہتر گروہ پر، سب وہ بیچ دوزخ کے مگر ایک گروہ''، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کون ہوگا وہ گروہ؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب'' (۱) اور اس ہی باب میں ارشاد فرمایا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء" (۲) پس لازم پکڑو طریقہ میرا اور طریقہ خلفائے راشدین کا۔ کیا اس سے سنت والجماعت ہونا ثابت نہیں ہوتا؟ اس کو سنی ہونا نہیں کہتے کیا سنت والجماعت یا سنی ہونا کفر ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

سنی وہ جماعت ہے جو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق کے موافق عمل کرتے ہیں جیسا کہ بہت سی احادیث میں سنت اور جماعت صحابہ کے طریق کو اختیار کرنے اور اس پر چلنے کا حکم ثابت ہے اور اس سے علیحدہ ہونے کی برائی اور مذمت صراحۃً موجود ہے۔ لفظ ''سنی'' اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں موجود نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سنت پر عمل کرنے والے بھی اس زمانہ میں موجود نہیں تھے، بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنی تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنی ہونے یعنی سنت پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" من تمسك بسنتي عند فساد أمتي، فله أجر مائة شهيد"۔ رواه البيهقي".

"عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" من

---

(۱) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليأتين على أمتي كما أتى على بني اسرائيل حذو النعل بالنعل، حتى إن كان منهم من أتى أمه علانيةً لكان في أمتي من يصنع ذلک، وإن بني اسرائيل تفرقت ثنتين و سبعين ملةً، و تفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملةً، كلهم في النار إلا ملةً واحدةً". قالوا: من هي يا رسول الله ؟ قال: "ما أنا عليه و أصحابي". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني: ۱/۳۰، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح المصدر السابق)

خالف الجماعة شبراً، فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه".رواه احمد و أبوداؤد" (۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/محرم/۵۶ھ۔

کیا صحابی کی نعش کو دیکھنے والا بھی تابعی ہے؟

سوال[۲۳۶]: تابعی کی کیا تعریف ہے؟ کیا اگر آج کسی صحابی کی نعش برآمد ہو تو اس کا دیکھنے والا تابعی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

محض نعش برآمدہ کو دیکھ کر آج چودہویں صدی میں کوئی تابعی نہیں کہلائے گا (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

امام مہدی

سوال[۲۳۷]: کیا امام مہدی کے ظہور کا عقیدہ از روئے قرآن وحدیث ضروریاتِ دین میں سے ہے؟ اگر کوئی امام مہدی کے ظہور کا قائل نہ ہو تو اس کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ رئیس احمد دیوریا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

خلیفۃ اللہ المہدی کے متعلق ابوداؤد شریف میں تفصیل مذکور ہے (۳) ان کی علامات، ان کے ہاتھ پر

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني: ۱/۳۰، ۳۱، قديمي)

(۲) "قيل: هو من صحب الصحابي، وقيل: من لقيه، و هو الأظهر". (تقريب النووي: ۲/۲۰۶، قديمي)

"وهو من لقي الصحابي كذلك". (نخبة الفكر، ص: ۱۰۲، فاروقي كتب خانه، ملتان)

"هو من لقي صحابياً مسلماً و مات على الإسلام، و قيل: هو من صحب الصحابي". (تيسير مصطلح الحديث، معرفة التابعين، ص: ۲۰۲، دار التراث الكويت)

(۳) "و لو لم يبق من الدنيا إلا يوم"، قال زائدة: "لطوّل الله ذلك اليوم حتى يبعث رجلاً مني أو من أهل =

بیعت، ان کے کارنامے ذکر کئے ہیں۔ جو شخص ان ''امام مہدی'' کے ظہور کا قائل نہیں وہ ان احادیث کا قائل نہیں، اس کی اصلاح کی جائے تا کہ وہ صراط مستقیم پر آ جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= بيتي يواطيء اسمه اسمي، واسم أبيه اسم أبي". زاد في حديث فطرٍ: "يملأ الأرض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً و جوراً". و قال في حديث سفيان: " لا تذهب أو لا تنقضي الدنيا حتى يملك العرب رجل من أهل بيتي يواطيء اسمه اسمي". قال أبو داؤد: لفظ عمرو أبي بكر بمعنى سفيان".

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لو لم يبق من الدهر إلا يوم، لبعث الله رجلاً من أهل بيتي يملأها عدلاً كما ملئت جوراً".

"عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "المهدي من عترتي من ولد فاطمة".

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المهدي مني، أجلى الجبهة، أقنى الأنف، يملأ الأرض قسطاً و عدلاً كما ملئت ظلماً و جوراً، ويملك سبع سنين"

"عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يكون اختلاف عند موت خليفة، فيخرج رجل من أهل المدينة هارباً إلى مكة، فيأتيه ناس من أهل مكة، فيخرجونه و هو كاره، فيبايعونه بين الركن والمقام، و يبعث إليه بعث من الشام، فيخسف بهم بالبيداء بين مكة والمدينة، فإذا رأى الناس ذلك أتاه أبدال الشام وعصائب أهل العراق فيبايعونه، ثم ينشأ رجل من قريش أخواله كلب، فيبعث إليهم بعثاً، فيظهرون عليهم، و ذلك بعث كلب، والخيبة لمن لم يشهد غنيمة كلب، فيقسم المال، و يعمل في الناس بسنة نبيهم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و يلقي الإسلام بجرانه إلى الأرض، فيلبث سبع سنين، ثم يتوفى، و يصلي عليه المسلمون" قال أبوداؤد: وقال بعضهم عن هشام: تسع سنين، وقال بعضهم: سبع سنين".

"قال علي رضي الله تعالىٰ عنه و نظر إلى ابنه الحسن فقال: إن ابني هذا سيد كماسماه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و سيخرج من صلبه رجل يسمى باسم نبيكم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ويشبهه في الخُلق ولا يشبهه في الخَلق، ثم ذكر قصةً "يملأ الأرض عدلاً". (سنن ابی داؤد، باب ذكر المهدي: ۲/۲۳۹، بعد أخر كتاب الفتن، امداديه، ملتان).. =

ایک جنین (غیر مولود) باتیں کرتا ہے کیا وہ مہدی ہے؟

سوال[۲۳۸] :ا......انڈونیشیا میں ایک عورت حاملہ ہے اس کے دن پورے ہو چکے ہیں، لیکن ابھی تک ولادت نہیں ہوئی، بلکہ جنین نے یہ خبر دی ہے کہ آنے والے سال میں حج کے دن عرفات کے میدان میں پیدا ہوں گے، دوسرے یہ کہ اندر سے جنین گفتگو کرتا ہے جس کی باتیں صرف اس کی ماں سمجھتی ہے، اور کوئی نہیں سمجھتا، تیسرے یہ کہ کہنے والے کا بیان ہے کہ آئندہ چل کر اس کی باتیں ماں کے علاوہ اور اشخاص بھی سمجھ سکتے ہیں، چوتھے یہ کہ بچہ حکم کرتا ہے کہ فلاں جگہ چلو، ماں اس کے حکم کے مطابق دورہ کرتی ہے، پانچویں یہ کہ بچہ مادر کے رحم ہی میں نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے۔

۲......بندہ کے پاس اس کا استفتاء آیا ہے، اس خبر کی تصدیق کرنا چاہئے یا نہیں؟

۳......بعض کا خیال ہے کہ امام مہدی یہی ہیں اور قربِ قیامت کی علامات شروع ہوگئی ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......یہ کوئی شرعی چیز نہیں جس کی تصدیق لازم ہو، اگر مخبرہ ثقہ ہو اور ظن غالب اس کی تصدیق پر آمادہ کرے تو تصدیق میں اشکال نہیں (۱)۔ لیکن وہ ملک در ملک دورہ کرتی ہے اور بظاہر بغیر محرم کے سفر کرتی ہے تو وہ ثقہ اور قابلِ تصدیق نہیں (۲)۔ قربِ قیامت کا ظن غالب ہے، دماغی مرض کا بھی شبہ ہے، شیطانی اثر بھی ہو سکتا

= (وکذا فی الحاوی للفتاوی، العرف الوردي فی اخبار المهدی : ۲/۶۹، دارالفکر)

(۱) "شهادة النساء بإنفرادهن فيما لايطلع عليه الرجال حجة". (رد المحتار، كتاب الشهادات ۴۶۵/۵ ط:سعيد)

"وشرطت الولادة، والبكارة، وعيوب النساء مما لايطلع عليه الرجال امرأة حرة مسلمة".

(مجمع الأنهر، كتاب الشهادات: ۲۶۰/۳ ط:غفاريه)

(وكذا فی فتح القدير، كتاب الشهادات: ۳۷۲/۷، مصطفى البابی مصر)

(۲) "اتفقوا على أن الإعلان بكبيرة تمنع الشهادة، وفی الصغائر إن كان معلناً بنوع فسق مستشنع يسميه الناس بذلک فاسقاً مطلقاً، لا تقبل شهادته". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الرابع فيمن تقبل شهادته ومن لا تقبل، الفصل الثانی فيمن لا تقبل شهادته لفسقه: ۴۶۶/۳، رشيديه) =

ہے، غرض اس کا قول حجت شرعیہ نہیں۔

۲......اس کی تصدیق یا تکذیب سے نہ ایمان قوی ہوتا ہے نہ ضعیف ہوتا ہے، اس کی باتوں کی طرف توجہ لایعنی ہے۔

۳......یہ خیال بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے، حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق حدیث شریف میں موجود ہے کہ ان کا نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا موافق ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے نام کے موافق ہوگا(۱)، اور وہ حضرت فاطمہؓ کی ذریت سے ہوں گے(۲) اور لوگ ان کو نہیں پہچانیں گے، بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کی حالت میں ان کو پہچان لیں گے(۳)، ان کا حلیہ بھی بتلایا گیا ہے، "أجلى الجبهة أقنى الأنف الخ"(٤) أبو داؤد شریف میں تفصیل موجود ہے،(۵) مشکوٰۃ شریف أشراط الساعة میں بھی یہ روایت موجود ہے(٦)، اب تو اس عورت کے متعلق

= تفصیل کے لئے دیکھئے: (ردالمحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۴۷۳/۵، سعيد)

(وخلاصة الفتاوى، كتاب الشهادات، الفصل الثانى فى الشهادات ما يقبل منها وما لا يقبل: ۶۰/۴، رشيديه)

(۱) "لاتذهب أو لا تنقضى الدنيا حتى يملك العرب رجل من أهل بيتى يواطئ اسمه اسمى". (سنن أبى داؤد، كتاب المهدى، قبيل كتاب الملاحم: ۲۳۹/۲، ۲۴۰، امداديه)

(وكذا فى مشكوٰة المصابيح، كتاب الرؤيا، باب أشراط الساعة، ص: ۴۷۰، قديمى)

(۲) "عن أم سلمة رضى الله عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "المهدى من عترتى من ولد فاطمة". (مشكوٰة المصابيح المصدر السابق)

(۳) "عن أم سلمة رضى الله عنها زوج النبى صلى الله عليه وسلم قال: "يكون اختلاف عند موت خليفة، فيخرج رجل من أهل المدينة هارباً إلى مكة، فيأتيه ناس من أهل مكة، فيخرجونه وهو كاره، فيبايعونه بين الركن والمقام". الحديث. (سنن أبى داؤد، آخر كتاب الفتن، باب ذكر المهدى: ۲۳۹/۲، ۲۴۰، امداديه، ملتان)

(۴) "عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "المهدى منى، أجلى الجبهة، أقنى الأنف، يملأ الأرض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً، ويملك سبع سنين". (سنن أبى داؤد، آخر كتاب الفتن، باب ذكر المهدى: ۲۳۹/۲، ۲۴۰) .... =

اخبارات میں کچھ اور بھی آ گیا ہے کہ جب اس کی تفتیش کی گئی تو جنین کیا بولتا وہ خود بھی جنین کی طرح کہیں غائب ہو گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۳/۳/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (۵) (سنن أبی داؤد، کتاب الفتن، باب ذکر المهدی: ۲/ ۲۳۹، ۲۴۰، امدادیه، ملتان)

(۶) (سنن أبی داؤد، المصدر السابق)

ما يتعلق بعلم الغيب

(علم غیب کا بیان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علم غیب جاننا

سوال[۲۳۹]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطائی حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

غیب کی بہت سی چیزوں کا علم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، مثلاً: احوال قبر، احوال حشر، جنت، دوزخ وغیرہ، لیکن ان چیزوں کے علم کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں کہا جائے گا، یہ شان صرف حق تعالیٰ کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً، إلا من ارتضى من رسول، فإنه يسلك من بين يديه و من خلفه رصداً﴾. (الجن: ۲۶، ۲۷)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وما كان الله ليطلعكم على الغيب و لكن الله يجتبى من رسله من يشاء﴾(آل عمران: ۱۷۹)

قال العلامة الآلوسي: "فالله سبحانه و تعالىٰ عالم كل غيب وحده، فلا يطلع على ذلك المختص علمه به تعالىٰ إطلاعاً كاملاً أحداً من خلقه، ليكون أليق بالتفرد و أبعد عن توهم مساواة علم خلقه لعلمه سبحانه، و إنما يطلع جل و علا إذا اطلع من شاء على بعضه مما تقتضيه الحكمة التي هي مدار سائر أفعاله عزو جل .... أي لكن الرسول المرتضى يُظهره جل و علا على بعض الغيوب المتعلقة برسالته". (روح المعاني، (الجن: ۲۶، ۲۷): ۹۶/۲۹، دار إحياء التراث العربي)

"(و لا أعلم الغيب): أي و لا أقول لكم إني أعلم الغيب، إنما ذاك من علم الله عزوجل، و لا أطلع منه إلا على ما اطلعني عليه". (تفسير ابن كثير، (الانعام): ۵۰، ۱۸۱/۲، مكتبه دار الفيحاء)

"ثم إن الأنبياء يعلمون كثيراً من الغيب بتعريف الله تعالىٰ إياهم". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (لقمان: ۳۴): ۱۶۹/۲۱، دار الفكر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے سلسلہ میں دیوبندی بریلوی اختلاف

سوال[۲۴۰]: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب عطا کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب کو جانتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ذاتی ہے یا عطائی؟ بریلوی اور دیوبندی میں اس کے متعلق کیا اختلاف ہے اور کیوں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سید الاولین والآخرین امام الأنبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خالق کائنات جل شانہ نے شان نبوت کے لائق اپنی ذات وصفات اور امورِ اخرویہ سے متعلق اتنے علوم عطا فرمائے کہ دیگر تمام انبیاء وملائکہ اور تمام جن وبشر کے علوم کی حیثیت ان کے سامنے ایسی ہے جیسے بحرِ ناپیدا کنار کے سامنے ایک قطرہ کی ہوتی ہے(۱) اور یہ حق تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ہے۔ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور اس کے علم کے سامنے تمام مخلوقات کے علوم ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے (۲)، کیونکہ حق تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے، اور سب کے علوم کثرت کے باوجود متناہی ہیں۔ حضراتِ اکابرِ دیوبند کا یہی مسلک ہے، بریلی کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات علمائے دیوبند بھی عالم الغیب کہنے سے روکتے ہیں، مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی لکھا ہے کہ کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ ہے، کیونکہ کتبِ شرعیہ میں عالم الغیب اس کو کہتے ہیں جس کا علم ذاتی ہو اور وہ صرف اللہ پاک ہے، اور کوئی نہیں۔

---

(۱) "قال علیہ السلام: "أنا مدینة العلم و عليّ بابها". (فیض القدیر: ۵/۲۳۰۰، رقم الحدیث: ۲۸۰۵ بیروت)

"و إن سیدنا و شفیعنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم أعلم الخلق و أفضلهم جمیعاً". (امداد الفتاویٰ: ۶/۳۲۷، دار العلوم کراچی)

"عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا أمرهم أمرهم من الأعمال بما یطیقون .... ثم یقول: "إن أتقاکم وأعلمکم باللہ أنا". (صحیح البخاری: ۱/۷، کتاب الإیمان، قدیمی)

(۲) "فجاء عصفور فوقع علی حرف السفینة، فنقر نقرةً أو نقرتین فی البحر، فقال الخضر: یا موسیٰ! ما نقص علمی و علمک من علم اللہ تعالیٰ کنقرة هذا العصفور". (صحیح البخاری: ۱/۲۳، کتاب العلم، قدیمی)

عالم الغیب اور افضل البشر کی تشریح

سوال[۲۴۱]: موریشش کے بدعتی ماحول سے تو آپ واقف ہیں، دیوبندیت کے خلاف بدعتی عالم ہمیشہ ابھارتے رہتے ہیں، ہم ناچیز اس کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کے خلاف زبان نہ کھولیں، اس میں کسی حدتک کامیابی ہے اور انشاء اللہ زیادہ کی امید بھی ہے، دعائے مدد فرمائیں۔

۱۹۶۸ء میں نصاریٰ اور مسلمانوں میں فساد ہوا تھا، حالات نازک تھے، ہم سب مولوی جمع ہوئے تھے کہ ہم اپنے اختلاف کو ایک طرف رکھیں اور اتفاق کے ساتھ رہیں، جو اختلافی مسائل ہیں ان پر دستخط کرکے لوگوں کو خبردار کیا جائے کہ آپ لوگ بھی اتفاق کرلیں اور اتحاد سے رہیں تاکہ دوسری قوموں پر اچھا اثر ہو اور ایسا ہوا بھی، اس میں عجلت میں ایک مبہم عبارت پر ہم نے دستخط کردیئے اور اس پر اتفاق کیا کہ جب تک اس مبہم عبارت کو صاف نہ کیا جائے عوام کے قابل نہ بنایا جائے اور شائع نہ کیا جائے، اختلافی مسائل میں تین مسائل سامنے تھے:

۱......حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں یا نہیں؟ تو سب نے اس پر اتفاق کیا تھا کہ عالم الغیب تو اللہ پاک ہی ہے، ہاں بذریعہ وحی بہت سی غیب کی باتوں کا علم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے دیا تھا۔

۲......اسی طرح حاضر و ناظر تو اللہ پاک ہی ہے، ہاں اللہ پاک اپنے حکم اور قدرت سے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اور جہاں پہونچانا چاہے اور جو دکھلانا چاہے اپنی قدرت سے پہونچا اور دکھلا سکتا ہے۔

۳......اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سید البشر ہمارے جیسے نہیں یعنی شرفِ کمالات میں ہمارے جیسے نہیں، آپ نبی اور رسول خاتم النبیین ہیں۔

اس روز بدعتی عالم گفتگو میں بہت نیچے اترا تھا، اس نے موقعہ دیکھ کر کہا ہم ایک مختصر عبارت لکھ کر دستخط کرلیں، چنانچہ اس نے جو عبارت لکھی وہ پرچہ بھی ساتھ ہے: ''عالم الغیب باعلام اللہ، حاضر و ناظر بقدرۃ اللہ، سید البشر افضل البشر ہمارے جیسے نہیں'' پھر جو عبارت لکھی وہ مبہم تھی تو میں نے دستخط کرنے سے انکار کردیا کہ جب تک جو زبانی تشریحات ہوئی ہیں وہ عوام کے سمجھنے کے قابل چونکہ نہیں ہیں اس لئے میں دستخط بھی نہیں کرتا ہوں،

تو سب نے کہا اسے شائع نہیں کیا جائے گا، جب مبہم عبارت کی تشریح ہوجائے گی تب شائع کریں گے، میں نے اپنے دستخط معلق............ابھی بھی جو وہاں موجود تھے وہ قبول کرتے ہیں، گو اس پرچہ میں یہ تحریر نہیں ہے، اس کے بعد ہم لوگ تشریح پر متفق نہ ہوسکے اس لئے بات آگے نہ بڑھی۔

پھر ۲ ۷ء میں بدعتی جامع مسجد میں امام کو مستعفی کردیا، وہ پاکستان چلا گیا۔ ۱۹۶۸ء کی یہ عبارت جسے شائع نہ کرنے پر اتفاق تھا، چند دن ہوئے کسی غیر ذمہ دار نے بدعتی عالم کا مقتدا تھا اس کے پاس یہ پرچہ تھا، شائع کردیا، جس سے یہ مصیبت ہوئی ہے کہ ہمارے دیوبندی خیالات کے دوست احباب ہمیں بدنام کررہے ہیں، بلکہ ذاتی دشمنی کی وجہ سے پرچہ شائع کرنے والے بدعتی کے ساتھ مل گئے ہیں کہ خوب شائع کروتا کہ بدنام ہو، سب ان کو کافر کہیں، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں وغیرہ۔

سنا ہے کہ اس پرچہ کو آپ کی خدمت میں ارسال کرکے فتویٰ طلب کیا ہے، اگر یہ پرچہ پہونچا ہے تو جواب مرحمت فرماتے وقت جو مبہم عبارتیں ہیں انہیں صاف کرکے، موقعہ ہے کہ دیوبندی مسلک کو صاف کیا جائے تاکہ شر میں خیر نکل آئے، جواب مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں تو بہتر ہے کہ حضرت والا ان کو حالات سے مطلع فرمائیں، جو پرچہ دستخط شدہ ہے اس کی کاپی اور جو اس کے جواب میں صرف اظہارِ حقیقت کے طور پر ہم نے جمعہ میں سنایا، اس کی نقل بھی حاضر خدمت ہے۔

حضرت والا کو یاد ہوگا جب آپ حاجی یوسف راوت کے یہاں شادی میں تشریف لائے تھے تو موریشش میں حاجی داؤد ملاں کے وہاں کھانے پر مختلف خیالات کے اشخاص کو جمع کیا تھا اور جو سپاسنامہ والا قدر کو پیش کیا تھا اس میں دیوبندی بزرگوں کی خدمات کا ذکر اور والا قدر کی شخصیت کا تعارف تھا، کوشش یہ ہوتی رہی کہ کم از کم ذہنی انقلاب تو ہو، اس لئے گذارش ہے کہ کوئی ایسی تشریح ہو جو دونوں جماعتوں میں اتحاد واتفاق کرسکے، دعا فرمائیں یہ فتنہ دفن ہو اور حق روشن ہو، اللہ پاک مدد فرمائے۔ آمین۔ اسماعیل بڑا بھائی (موریشش)۔

دستخط شدہ دستاویز کا انکشاف اور سبب

''موریشش کی امتِ مسلمہ پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آج سے چند سال پیشتر رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق عالم الغیب، حاضر وناظر اور بشر کی شہادت اور انکار کا تنازعہ مسلمانوں کے درمیان زور وشور سے تھا، یہاں تک کہ اعلانیہ طور پر وہابی و بدعتی سے ملقب کرکے سلام وکلام بھی ترک کردیا تھا،

لہذا اسی عرصہ میں ہم نے بھی مختلف جگہوں پر مذکورہ صفات وموضوعات پر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں تفصیلاً تقاریر کیں، اللہ جل شانہ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین صفات و درجات کے امتیازات کو نہایت ہی صاف اور غیر مبہم طریقہ پر امت مسلمہ کو سمجھایا اور ایمان وعقائد کی صحت اور مضبوطی کا درس دیا، الحمدللہ ہمارا آج بھی وہی ایمان اور عقیدہ ہے، جس کا ثبوت مدلل طریقہ پر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہم مسلمانوں کو دے چکے ہیں اور اس وقت بھی ہم اپنے گذشتہ فیصلہ پر ٹھوس و مستحکم ہیں۔

واضح ہو کہ ۱۹۶۸ء میں عیسائی اور مسلم قوم کے درمیان فساد برپا ہوا اور بد قسمتی سے مسلمانوں کے حالات بہت ہی قابل رحم تھے، اس نازک موقع پر جامع مسجد میں علماء کی ایک کمیٹی بیٹھی، جہاں مصلحتاً ہم سے کہا گیا کہ موریشش میں امن وامان کرانا ضروری ہے، لہذا ہمارے درمیان جو اختلافی مسائل ہیں ان پر دستخط کر کے عوام الناس کو خبردار کیا جائے کہ ہم تمام علماء میں اتفاق واتحاد ہے اور اس اتحادی خبر کی نشر سے تمام مسلمانوں میں بھی اختلافی مسائل سے ہٹ کر آپس میں اتحاد و ہمدردی اور اخوت کا رشتہ مضبوطی کے ساتھ قائم کریں گے، دوسری قوموں پر اس کا اچھا اثر ہوگا۔ تقاضائے وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے بالاتفاق مذکورہ دستاویز کو مبہم اور قابلِ تشریح، نامکمل ٹھہراتے اور تسلیم کرتے ہوئے آئندہ علماء کی نشست میں مفصل طور پر مذکورہ دستاویز کے موضوعات وصفات پر گفت وشنید کر کے مبہم عبارتوں کی تشریح جب تک نہ ہو جائے، وہاں تک اشتہاری شکل میں برسرعام نہ لانے پر اتفاق کرتے ہوئے ہم نے تقاضائے وقت کے لحاظ سے مصلحتاً عارضی طور پر دستخط کئے۔

معلوم ہو کہ حقیقتاً یہی وجہ ہے کہ چار سال تک یہ دستاویز امتِ مسلمہ پر مخفی رہا اور اس میں افسوس ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کی زیادہ نشستیں نہ ہو سکیں، قابلِ قبول تشریح پر متفق نہ ہو سکے، آج قوم کے کسی ایک غیر ذمہ دار نے اسے شائع کر دیا، اس پر حیرت ہو رہی ہے جو اس نامکمل و عارضی دستاویز کو شائع کر کے ہمیں بدنام اور مسلمانوں کے درمیان بغض وعداوت کی آگ بھڑکا رہا ہے اور جرم عظیم کا مرتکب ہو رہا ہے، اس لئے گذارش ہے کہ ایسے پر دھیان نہ دیں اور حسد، بغض، عداوت، نفسانیت وغیبت جیسے کبیرہ گناہوں سے دور رہیں۔

عالم الغیب تو ذات باری تعالیٰ ہی ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، ہر جگہ حاضر و ناظر اللہ پاک ہی ہے، بنصِ قرآن وحدیث حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر ہیں، مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی اور رسول اللہ وخاتم النبیین ہیں، کمالات میں آپ جیسا کوئی بشر نہیں، عالم الغیب، حاضر و ناظر اور رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بشر ہونے کے متعلق یہی ہمارے عقیدے ہیں۔ ہم نے اس پرچہ میں عالم الغیب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں کہا ہے، بلکہ ''عالم الغیب باعلام اللہ کہا ہے'' اور ہمارا مطلب اس وقت یہی تھا کہ بذریعہ وحی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے بہت سی غیب کی باتوں کا علم دیا، حاضر وناظر نہیں کہا بلکہ حاضر وناظر بقدرۃ اللہ، ہمارا مطلب یہ تھا کہ ''اللہ پاک اپنی قدرت کاملہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جہاں پہونچانا چاہے وہاں پہونچادے اور جو دکھلانا چاہے دکھلادے، اللہ پاک اس پر قادر ہے''۔ اس پرچہ میں ہے کہ ''سید البشر افضل البشر ہمارے جیسے نہیں''۔ اس کا مطلب یہ کہ ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی اور خاتم النبیین کمالات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا کوئی بشر نہیں''۔ ہم پرچہ بازی سے دور رہنا چاہتے ہیں اور اس وقت تک نہیں نکالیں گے جب تک ہمیں مجبور نہ کیا جائے''۔

(یہ مضمون جمعہ کو چند مساجد میں سنایا گیا تھا)

دستخط شدہ جو پرچہ شائع ہوا ہے اور اس میں جو شرارتیں حسد، بغض، عداوت کی وجہ سے کررہے ہیں، وہ پرچہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے اس پرچہ کی عبارت نقل کرتا ہوں۔

''عالم باعلام اللہ، سید البشر افضل البشر، ہمارے جیسے نہیں، حاضر ناظر بقدرت اللہ''

آج مندرجہ ذیل علمائے سنت کا اجتماع جامع مسجد پورٹ لوئس میں ہوا جس میں مندرجہ ذیل مسائل پر اتفاق ہوگیا، لہذا ہم لوگ اپنے دستخط کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ کے آخری نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے بتانے سے عالم الغیب اور اللہ کی قدرت سے حاضر وناظر ہیں اور سید البشر افضل البشر ہمارے جیسے نہیں۔

دستخط علمائے کرام

ائمہ ومولوی حضرات کے دستخط ہیں جس میں مولانا امام بخاری صاحب لیملیا، اسماعیل بڑا پانڈورہ پٹیل جامع مسجد کا امام خوشتر، جواب پاکستان میں ہے، محبوب خدا بخش، بشیر الدین۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ روحی وروح أبی و أمی) تمام عالم سے افضل

ہیں (۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے جتنے کمالات تمام انبیا علیہم الصلاۃ والسلام میں تقسیم فرمائے ہیں، وہ تمام حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جمع ہیں (۲) اپنی ذات اورصفات کا علم جو کہ شان نبوت کے لائق ہے جتنا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا کسی کو نہیں دیا (۳) غیب کی بہت چیزیں جنت، دوزخ، عرش، کرسی، لوح محفوظ، میزان، صراط، حشر، نشر، برزخ وغیرہ آپ نے امت کے سامنے بیان فرمائی ہیں اس کے باوجود اللہ پاک کا علم اس سے بھی زیادہ ہے کہ کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں ﴿و لا یعزب عنه مثقال ذرة﴾ الایة (۴) پس کلی علم تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس اعتبار سے اسی کو عالم الغیب فرمایا گیا اور حاضر وناظر بھی اسی کی شان ہے، اس کے علاوہ نہ کسی کو کلی علم غیب ہے نہ کوئی حاضر وناظر ہے، اس لئے کسی کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔

قرآن کریم میں ہے: ﴿و عنده مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو﴾ الایة (۵) نیز ارشاد ہے: ﴿قل لا أقول لکم عندی خزائن الله و لا أعلم الغیب﴾ (۶) نیز ارشاد ہے: ﴿قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا الله﴾ (۷) نیز ارشاد ہے: ﴿لو کنت أعلم الغیب لاستکثرت من

---

(۱) "أفضل الأنبیاء محمد علیه الصلاة والسلام". (شرح العقائد النسفیة للتفتازانی، ص: ۱۴۱، قدیمی)

(۲) "ان أفضل المخلوقات فی الدنیا والآخرة هو سیدنا محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الذی جمع کل خلال الخیر و نعوت الکمال، و بعثته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عامة لجمیع المکلفین، و أفضلیته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی جمیع المخلوقات مما أجمع علیه المسلمون لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "أنا أکرم الأولین والآخرین علی الله و لا فخر". (الکوکب الأزهر شرح الفقه الاکبر، ص: ۱۲۲)

(۳) " إن أتقاکم وأعلمکم بالله أنا ". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب قول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "أنا أعلمکم بالله و أن المعرفة فعل القلب": ۱/۷، قدیمی)

(۴) (السبأ : ۳)

(۵) (الأنعام : ۵۹)

(۶) (الأنعام : ۵۰)

(۷) (النمل : ۶۵)

الخیر وما مسنی السوء﴾"(۱)۔

ان آیات میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص فرمایا گیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کہ آپ فرمادیں کہ مجھے علم غیب حاصل نہیں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح دیکھنے کی قوت دی گئی ہے کہ جب چاہا اس سے کام لے لیا اور بولنے چلنے کی قوت دی گئی ہے، اس طرح کوئی قوت غیب پر مطلع ہونے کی نہیں دی گئی کہ جب اور جس چیز کو دل چاہے معلوم کرلیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اجازت پر موقوف ہے کہ اس نے جب چاہا اور جس چیز کے متعلق چاہا علم عطاء فرمادیا، نہ چاہا نہ عطا فرمایا، چنانچہ بہت واقعات احادیث میں موجود ہیں، مثلاً: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی گئی جس کی وجہ سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت اذیت اور پریشانی ہوئی، اس سلسلہ میں آپ دوسروں سے مشورہ بھی فرماتے رہے اور بہت رنجیدہ اور غمگین رہے، اس میں کافی عرصہ گزر گیا مگر آپ کو کسی طرح اطمینان نہ ہوا حتی کہ جب وحی نازل ہوئی تب اصل حقیقت کھلی اور اطمینان ہوا (۲)۔ اگر کلی علم غیب حاصل تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو اتنی پریشانی کیوں ہوئی، شروع ہی میں فرمادیتے یہ سب غلط ہے۔

اور مثلاً سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک ہار تھا وہ گم ہوگیا، اس کو تلاش کیا گیا، سب قافلہ اس کی وجہ سے پریشان ہوا، پھر دیر بعد جب اونٹ کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ملا، اگر علم غیب کلی تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو شروع میں کیوں نہ فرمادیا کہ وہ اونٹ کے نیچے ہے (۳)۔

---

(۱) (الأعراف: ۱۸۸)

(۲) "عن عائشة زوج النبي ﷺ قالت: كان رسول الله ﷺ إذا أرد أن يخرج، أقرع بين أزواجه ...... فخرج سهمي .... قلت: و ما قال؟ قالت: كذا و كذا، فأخبرتني بقول أهل الإفك ...... فدعا رسول الله ﷺ عليّ بن أبي طالب و أسامة بن زيد حين استلبث الوحي يستأمرهما ...... فقال رسول الله ﷺ و هو على المنبر: "يا معشر المسلمين ! من يعذرني من رجل قد بلغني اذاه في أهل بيتي "...... قالت: فلما سُرّي عن رسول الله ﷺ، سرّي عنه و هو يضحك، فكانت أول كلمة تكلم بها: "يا عائشة! أما الله فقد برّاک ...... و أنزل الله: ﴿إن الذين جاء وا بالإفك عصبة منكم﴾ الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿إن الذين جآء وا بالإفك عصبة منكم ...... الخ﴾: ۲/۶۹۶ - ۶۹۸، قديمي)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قالت: خرجنا مع رسول =

اور مثلاً کسی نے آ کر کہا کہ تبلیغ کے لئے کچھ آدمی ہمارے یہاں بھیج دیجئے، ان کی ذمہ داری بھی لی گئی اور ستر صحابہ کو آپ نے بھیج دیا، ان کو وہاں لے جا کر شہید کرادیا گیا کیونکہ ان کو تبلیغ کے نام پر قتل کے لئے بلایا گیا تھا، جس کا آپ کو صدمہ ہوا تھا(۱)۔ اگر علم غیب کلی تھا تو آپ نے ان کے ساتھ کیوں بھیجا تھا جس پر بعد میں صدمہ ہوا۔

اور مثلاً اخیر مرض الوفات میں دریافت فرمایا کہ ''کیا لوگوں نے مسجد میں نماز پڑھ لی'' عرض کیا گیا آپ کا انتظار کررہے ہیں، ابھی جماعت نہیں ہوئی، ارشاد فرمایا مجھے وضو کراؤ'' اس سے کمزوری ہو کر غشی طاری ہوگئی، پھر افاقہ پانے پر دریافت فرمایا کہ ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی''، عرض کیا گیا انتظار کررہے ہیں، دو تین دفعہ ایسا ہی ہوا، پھر فرمایا کہ ''اچھا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھاویں''(۲) اگر علم غیب کلی تھا تو بار بار

= الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بعض أسفاره حتى إذا كنا بالبيداء أو بذات الجيش انقطع عقد لي، فأقام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على التماسه و أقام الناس معه الخ".(صحيح البخاري، كتاب التيمم : ۴۸/۱، قديمي)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أن رعلاً و ذكوان و عصية و بني لحيان استمدوا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على عدوّ، فأمدهم بسبعين من الأنصار، كنا نسميهم القراء في زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار و يصلون بالليل، حتى كانوا ببئر معونة قتلوهم و غدروا بهم، فبلغ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقنت شهراً يدعوفي الصبح على أحياء من أحياء العرب: على رعل و ذكوان و عصية وبني لحيان ".(صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع و رعل و ذكوان الخ : ۵۸۵/۲، قديمي كتب خانه)

(۲) "عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة قال: دخلت على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها فقلت : ألا تحدثيني عن مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ قالت : بلى، ثقل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: " أصلى الناس " ؟ قلنا : لا، هم ينتظرو نك، قال: "ضعوا لي ماءً في المخضب " قالت : ففعلنا، فاغتسل، فذهب لينوء، فأغمي عليه، ثم أفاق، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أصلى الناس" ؟ قلنا: لا،هم ينتظرونك يا رسول الله، قال: "ضعوا لي ماءً في المخضب " قالت: فقعد فاغتسل، ثم ذهب لينوء، فأغمي عليه، ثم أفاق فقال: "أصلى الناس" ؟ قلنا: لا، هم ينتظرونك يا رسول الله، فقال: "ضعوا لي ماءً في المخضب " فقعد فاغتسل، ثم ذهب لينوء، فأغمي عليه، ثم أفاق فقال:"أصلى الناس" ؟ فقلنا:لا، ...... =

کیوں دریافت فرمایا۔

اورمثلاً حدیث پاک میں ہے کہ آپ ﷺ حوض کوثر پر ہوں گے، کچھ لوگ اس طرف آئیں گے مگر پھر ان کا رخ دوزخ کی طرف کرایا جائے گا، ان کو دیکھ کر آپ ارشاد فرمائیں گے کہ ''یہ تو میرے آدمی ہیں انہیں کہاں لیجاتے ہو''؟ جواب دیا جائے گا کہ آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے کیا بدعتیں ایجاد کی ہیں آپ کے بعد تب ارشاد فرمائیں گے کہ ''لے جاؤ انہیں ذلیل کر کے'' پھر ان کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا(۱)۔ اگر آپ کو علم غیب کلی تھا اور آپ ہر جگہ حاضر وناظر تھے تو آپ کو کیوں خبر نہ ہوئی؟ غرض بے شمار واقعات ہیں۔

الحاصل نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کلی علم غیب مان کر ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا اور آپ کو عالم الغیب کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے (۲) حدیث شریف کے بھی خلاف ہے (۳) اجماع سلف

= هم ينتظرونک يا رسول الله، والناس عكوف في المسجد، ينتظرون النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لصلاة العشاء الآخرة، فأرسل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى أبي بكر، بأن يصلي بالناس، فأتاه الرسول، فقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يأمرک أن تصلي بالناس الخ ".(صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به : ۱/۹۵، قديمی)

(۱) "حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثنا يعقوب بن عبد الرحمن عن أبي حازم قال: سمعت سهل بن سعد يقول : سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول:"أنا فرطكم على الحوض، من ورده شرب منه، ومن شرب منه لم يظمأ أبداً، ليردنّ عليّ أقوام أعرفهم ويعرفونني، ثم يحال بيني و بينهم". قال أبو حازم: فسمعني النعمان بن أبي عياش و أنا أحدثهم هذا، فقال: هكذا سمعت سهلاً ؟ فقلت : نعم، قال: و أنا أشهد على أبي سعيد الخدری لسمعته يزيد فيه، قال:" إنهم مني فيقال: إنک لا تدری ما بدلوا بعدک؟ فأقول :سحقاً سحقاً لمن بدّل بعدی". (صحيح البخاری، كتاب الفتن، باب ما جاء في قول الله:﴿واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة﴾: ۲/۱۰۴۵، قديمی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ (النمل : ۶۵)

(۳) "و من حدثک أنه يعلم الغيب، فقد كذب، و هو يقول: "لا يعلم الغيب إلا الله ".(صحيح البخاری، كتاب الرد على الجهمية وغيرهم التوحيد، باب قول الله ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً﴾ : ۲/۱۰۹۸، قديمی)

صالحین کے بھی خلاف ہے(۱)۔اس لئے اس عقیدہ سے توبہ کرنا لازم ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

تنبیہ: مندرجہ بالا جواب لکھا جاچکا تھا اس کے بعد دارالعلوم میں بعض ان حضرات کا خط پہونچا، جنہوں نے اس معاہدہ پر دستخط کئے ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ ”ہمارا ایمان اور عقیدہ ہے کہ علم غیب کلی اور ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی مخلوق کو نہ عالم الغیب کہا جاسکتا ہے نہ حاضر و ناظر۔معاہدہ پر دستخط کر کے ہم نے صرف اتنی بات سے اتفاق کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مغیباتِ کثیرہ پر مطلع فرمایا ہے اور اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ آپ کی روح پاک کو جہاں اور جس وقت چاہے پہونچادے اور جو بھی دکھانا چاہے دکھادے، اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفات و کمالات کے لحاظ سے ہم جیسے بشر نہیں ہیں، بلکہ سید البشر اور افضل البشر ہیں اور ہم نے معاہدہ کی مجلس میں بھی یہ وضاحت کردی تھی اور اس کے بعد بھی ہماری طرف سے بار بار یہ وضاحت کی جاچکی ہے“۔

ان دستخط کرنے والے حضرات کی اس وضاحت کے بعد یہ تو معلوم ہوجاتا ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ فاسد نہیں ہے، بلکہ وہی عقیدہ ہے جو جماعت حقہ اہل سنت والجماعت کا ہے، لیکن ان حضرات نے ایسی مبہم تحریر پر دستخط کرنے میں غلطی کی ہے۔اللہ پاک معاف فرمائے اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ اس وقت مسلمانوں پر جو یورش تھی اس سے تحفظ اس میں ملحوظ تھا، جس کا وہاں کے سب حضرات کو علم ہے۔

احقر محمود غفرلہ۔

علم غیب کلی عطائی

سوال[۲۴۲]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاں کہیں قرآن شریف یا حدیث شریف میں نفی علم الغیب

---

(۱) "و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقادأن النبي عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من فى السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ كذا فى المسايرة". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قديمى)

کی ہے وہ ذاتی کی ہے عطائی کی نہیں، خدا تعالیٰ کا علم غیب ذاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم الغیب ہے اور عطاء بھی تمام ذرۃ خدا کا ہے جو آپ ہماری حرکات وسکنات کو دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں ایسے معتقد کا کیا حکم ہے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قول بلاسند ہے نصوص میں کہیں اسکی تصریح نہیں (۱) "من ادعیٰ فعلیه البیان"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۴/۵۵ھ۔

عقیدۂ علم غیب

سوال [۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومحققینِ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ مسئلہ ہذا میں کہ: زید کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کل علم غیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا تھا اور اب بھی آپ مخلوق کے ہر حال (ظاہر وباطن) خیر وشر سے بخوبی واقف ہیں، یہاں تک کہ مچھر کے پر ہلانے تک کا بھی آپ کو علم ہو جاتا ہے اور تیز بارش کے قطرے اور ریت کے دانے، درختوں کے پتے وغیرہ کا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالتفصیل عطا ہوا ہے، قیامت تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہے فلاں فلاں چیزیں پیدا ہوں گی، اور ہر ایک کی آواز خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں خود سن لیتے ہیں۔

پس یہ عقیدہ کیسا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والا مذہبِ احناف اور کتبِ معتبرہ حنفیہ کی رو سے مسلمان رہا یا کافر ومشرک ہو گیا؟ اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور اگر کافر ہو گیا تو اس کے نکاح کی تجدید کی جائے یا وہی نکاح بحال رہے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ مشرکانہ ہے، جمیع جزئیات کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں:

---

(۱) "و أما من قال: إن نبينا أو غيره أحاط بالمغيبات علماً كما أحاط علم الله بها، فقد كفر". (حاشية الصاوی علی الجلالین: ۱۸۸/۲، (الأنعام: ۵) مكتبه دار الباز)

"و بالجملة علم الغيب بلا واسطة كلاً أو بعضاً مخصوص بالله جل و علا، لا يعلمه أحد من الخلق أصلاً". (روح المعانی: ۱۲/۲۰ (النمل: ۶۵)، دار إحياء التراث العربی)

"وبالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه، و تعالىٰ و لهذا ذكر في الفتاوىٰ: أن قول القائل عند رويته هالة القمر: أى دائرته: يكون مطراً، فادعىٰ علم الغيب لا بعلامته كفر. و ذكر الحنفية تصّريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من فى السموات والأرض الغيب إلا الله﴾۔ كذا فى المسايرة انتهىٰ ملخصاً"۔ شرح فقہ اکبر (۱)۔

"من تزوج بشهادة الله و رسوله يكفر؛ لأنه يظن أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب انتهى"(۲)۔

لہذا ایسا عقیدہ رکھنے والے کوتجدیدِ ایمان اور تجدید نکاح لازم ہے(۳) اور اس سے قبل اس کی امامت

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قديمى)

"و أما من قال: إن نبينا أو غيره أحاط بالمغيبات علماً كما أحاط علم الله بها، فقد كفر".(حاشية الصاوى على الجلالين،(الأنعام : ۵۰): ۱۸۸/۲، دارالباز)

"وبالجملة علم الغيب بلا واسطة كلاً أو بعضاً مخصوص بالله جل و علا، لا يعلمه أحد من الخلق أصلاً".(روح المعاني، (النمل : ۶۵): ۱۲/۲۰، دار إحياء التراث العربى)

(۲)"لو تزوج بشهادة الله ورسوله، لا ينعقد، و يكفر لاعتقاده أن النبي يعلم الغيب".(البحر الرائق، كتاب النكاح : ۱۵۵/۳، رشيديه)

"رجل تزوج امرأةً ولم يحضر الشهود، قال: خدائے را ورسول را گواہ کردم، أو قال: خدائے را و فرشتگان را گواہ کردم، كفر".(الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع فى أحكام المرتدين : ۲۶۶/۲، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب النكاح : ۳۲۰/۱، دار إحياء التراث العربى)

(۳) "و يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته".(الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، قبيل الباب العاشر فى البغاة : ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار، باب المرتدين : ۲۳۰/۴، سعيد)

(والتاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، إجراء كلمة الكفر و حديث النفس والرضاء بالكفر : ۴۶۱/۵، إدارة القرآن كراچى)

درست نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۴/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

علم غیب

سوال [۲۴۴]: ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل علم غیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطاء فرمادیا تھا اور اب بھی آپ حاضر وناظر وعالم بجمیع الاشیاء ہیں اور وہ برسر اجلاس اپنے خطبہ جمعہ ووعظ وتقریر میں بیان کرتا ہے کہ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے، اس کے خلاف جس کا عقیدہ ہے وہ گمراہ ہے، اس کے پیچھے نماز درست نہیں اور کہتا ہے کہ جن آیاتِ قرآن مجید سے علم غیب کی نفی ہے وہ منسوخ ہیں اور جو آیت سورۃ "قل أوحی" میں ہے: ﴿عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه أحداً، إلا من ارتضی من رسول﴾ الایة (۲) یہ سب کے لئے ناسخ ہیں۔

اب عرض یہ ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب دان نہ جانے، ہر وقت حاضر وعالم بجمیع الاشیاء نہ مانے کیونکہ یہ مخصوص ہے رب العزت کے ساتھ اس کو وہ شخص وہابی کہتا ہو اور نماز اس کے پیچھے ناجائز کہتا ہو اور جن آیات قرآن مجید سے علم غیب لغیر اللہ کی نفی کی گئی ہے ان سب کو منسوخ کہتا ہو، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ ایسے عقائد رکھنے والا مذہبِ احناف اور کتبِ معتبرہ حنفیہ کی رو سے مسلمان ہے یا کافر ومشرک ہوگیا؟

المستفتی: فیض اللہ خان معرفت مولانا محمد الحسن صاحب۔

---

(۱) "و شروط صحة الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام و هو شرط عام، فلا تصح إمامة منكر البعث ...... الخ". (نور الإيضاح مع شرحه مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۵۰، سعيد)

"أما إذا أدى إليه (أي إلى الكفر)، فلا كلام في عدم جواز الصلاة خلفه". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۱، قديمي)

(۲) (الجن: ۲۶، ۲۷)

الجواب حامداًومصلیاً:

علم غیب کلی طریق پر کہ کوئی ذرہ مخفی نہ رہے، بلکہ ہر شئے ہر وقت سامنے ہو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے(۱) ہر جگہ حاضر وناظر اور ہر شئے سے باخبر ہونا اسی کی صفت خاصہ ہے، کوئی ولی یا نبی یا فرشتہ اس صفت میں شریک نہیں لہذا کسی اور کو اس صفت میں شریک ہونے کا اعتقاد رکھنا شرک ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ذات وصفات باری تعالیٰ کا علم تمام مخلوقات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ عطا ہوا ہے(۲) انبیاء کرام کو اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی کبھی بعض اشیاء مغیبہ کا علم وحی کے ذریعہ سے عطاء فرمادیتے ہیں، مگر وہ جزئی ہے، کلی نہیں، حنفیہ کی معتبر ومشہور کتاب شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں:

”ثم اعلم أن الأنبياء عليهم السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما علمهم الله تعالىٰ أحياناً، وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من فى السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ ـ كذا فى المسايرة اهـ“. شرح فقه اكبر، ص: ۱۸۵ (۳)۔

یہ استدلال کہ سورہ جن کی آیت ناسخ ہے تو یہ بات ایسا شخص کہہ سکتا ہے جس کو فہمِ قرآن شریف اور علمِ ناسخ ومنسوخ سے کوئی دور کا بھی تعلق نہ ہو، اس وجہ سے کہ سورۃ جن مکی ہے اور بعض مدنی سورتوں میں حضور سے علم

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب والشهادة﴾. (الحشر)

وقال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحدا﴾. (الجن: ۲۶)

(۲)”إن أتقاكم وأعلمكم بالله أنا“. (صحيح البخارى، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنا أعلمكم بالله و أن المعرفة فعل القلب: ۱/۷، قديمى)

(۳)(شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۵۱، قديمى)

”العلم بالغيب أمر تفرد به الله تعالىٰ لا سبيل إليه للعباد إلا بإعلام منه أو إلهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو إرشاد إلى الاستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك، و لهذا ذكر فى الفتاوىٰ: أن قول القائل عند رؤية هالة القمر: يكون مطر مدعيًا علم الغيب لا بعلامته، كفر“. (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۲، مير محمد كتب خانه)

(و كذا فى النبراس، ص: ۳۴۳، مكتبه حقانيه ملتان)

غیب کی نفی کی گئی ہے، مثلاً سورہ احزاب مدنی ہے اس میں ارشاد ہے: ﴿یسئلك الناس عن الساعة قل إنما علمها عند الله، و ما یدریك لعل الساعة تکون قریباً﴾ (۱) مستدل کے نزدیک آیت ناسخہ تو پہلے نازل ہوئی اور منسوخہ بعد میں۔

دوسرے یہ کہ نسخ عقائد میں نہیں ہوتا، احکام میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ باب عقائد سے ہے پھر یہاں نسخ کا کیا محل ہے؟ نیز علم بجمیع الاشیاء کے متعلق مستدل تاریخ اور وقت کی تعیین کرے کہ کب عطاء ہوا ہے، جو بھی تاریخ بتائے گا ہم اس کے بعد کے واقعات بتلائیں گے جن میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے، یہاں تک کہ مرضِ وفات بلکہ میدانِ حشر، حوض کوثر، شفاعت کے واقعات میں بھی علم بجمیع الاشیاء کی نفی ہے۔

جب عقیدہ مسئولہ کا حال معلوم ہوگیا کہ یہ شرک ہے تو اس کا بطلان خود بخود واضح ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۰/۶۱ھ۔

جواب صحیح ہے: ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (۲)، سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/شوال/۶۱ھ۔

علم الغیب

سوال[۴۴۵]: علم الغیب صفة مختصة بالله تعالیٰ، لیس لأحد من المخلوق نبیاً کان أو ولیاً أو ملکاً مقرباً، ذاتیاً کان ذلك العلم أو عطائیاً، کلیاً کان أو جزئیاً، فالقائل به لغیره تعالیٰ

---

(۱) (الاحزاب: ۶۳)

(۲) "فإن کانت (أی البدعة) تکفره فالصلاة خلفه لا تجوز". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشیدیه)

"والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئاً علی خلاف ما یعتقده أهل السنة والجماعة، و إنما یجوز الاقتداء به مع الکراهة إذا لم یکن ما یعتقده یؤدی إلی الکفر عند أهل السنة والجماعة، أما لو کان مؤدیاً إلی الکفر فلا یجوز أصلاً". (الحلبي الکبیر، فصل في الإمامة، ص: ۵۱۴، سهیل اکیڈمی)

"أما إذا أدی إلیه (أی إلی الکفر) فلا کلام فی عدم جواز الصلاة خلفه". (شرح العقائد النسفیة للتفتازانی، ص: ۱۶۱، قدیمی)

مشرك بالله تعالیٰ فی صفة العلم خارج عن دائرة الإسلام أم لا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

"العلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه تعالیٰ و لا سبيل إليه للعباد إلا بإعلام منه و إلهام بطريق المعجزة أوالكرامة أو إرشاد إلى الإستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك"(١)۔

" والأنبياء عليهم السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله تعالیٰ أحياناً، وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفيرباعتقاد أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالیٰ : ﴿قل لا يعلم من فی السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ "(٢) وقوله تعالیٰ : ﴿قل لا أقول لكم عندی خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (٣) كذا فی المسايرة "۔ شرح الفقه الأكبر (٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

علم غیب

سوال[۲۴۶] : نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کائنات کے عالم الغیب کے قائل ہونے یا مولوی احمد رضا خان کا یہ اعتقاد رکھنا کیسا ہے؟

---

(۱) (شرح العقائد النسفية للتفتازانی، ص: ۱۶۱، قدیمی)

(۲) (النمل: ۶۵)

(۳) (الأنعام: ۵۰)

(۴) (شرح الفقه الأكبر للملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ، ص : ۱۵۱، قدیمی)

"و حاصله أن دعوی علم الغيب معارضة لنص القرآن، فيكفربها".(رد المحتار، باب المرتد، مطلب فی دعوی علم الغيب : ۲۴۳/۴، سعيد)

"ثم اعلم أن الأنبياء عليهم الصلاة السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله تعالیٰ أحياناً، و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالیٰ :﴿قل لا يعلم من فی السموات و الأرض الغيب إلا الله﴾.(المسايرة مع المسامرة : ۸۸/۲، مصر)

الجواب حامداًو مصلیاً:

جو شخص علم غیب کلی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے مانتا ہے وہ شخص مشرک ہے، فقہاء اور علماء عقائد نے اس کی تکفیر کی ہے، اس کا ایسا کہنا نصوصِ صریحہ کے معارض ہے:

" وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ:﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾۔ كذا في المسايرة"۔ شرح فقه اكبر، ص :۱۸۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۵/ ۷/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۷/ رجب/ ۶۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ رجب/ ۶۴ھ۔

علم غیب

سوال[۲۴۷]: بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مفاتیح غیبیہ کا جو سورۂ لقمان کے آخر میں ہیں علم دیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام دنیا کے حمل جانتے ہیں نر ہے یا مادہ یا کیا، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

یہ قول بالکل غلط ہے، بہت سی روایات اور آیات اسکی تکذیب کرتی ہیں:

" وعن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مفاتيح الغيب خمس و تلا هذه الاية"۔

---

(۱) "(شرح الفقه الأكبر للملا علي القارى، ص : ۱۵۱، قديمى)

"و بالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به الله تعالىٰ، لا سبيل للعباد إليه، إلا بإعلام منه بالوحي أوإلهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو إرشاد، عطف على إعلام إلى الاستدلال بالأمارات ...... و لهذا ذكر في الفتاوى: أي فتاوى علماء ماوراء النهر أن قول القائل عند رؤية هالة القمر: يكون مطر مدعياً علم الغيب لا بعلامته، كفر".(النبراس شرح شرح العقائد ، ص : ۳۴۳، مكتبه حقانيه ملتان)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني ، ص : ۱۲۲، مير محمد كتب خانه)

"وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: من ادعیٰ علم هذه الخمسة، فقد كذب (إلیٰ قوله) : فإن هذه العلوم الخمسة لا يعلمها إلا اللّٰه". تفسير مدارك (۱)۔ وقال فی تفسير تلك الآية : "فأراد أنه هو المتوصل إلى المغيبات و حده لا يتوصل إليهاغيره" (۲)۔ وقال تعالیٰ :﴿قل لا أقول لكم عندی خزائن اللّٰه و لا أعلم الغيب﴾ الاية (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

علم غیب

سوال[۲۴۸]: زید کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم، علمِ الٰہی کے سامنے جونسبت ذرہ کو آفتاب سے، قطرہ کو دریا سے ہے وہ بھی یہاں تصور نہیں کی جاسکتی، مگر بایں ہمہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باعطائے الٰہی ما کان و ما یکون کے عالم ہیں اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھتا ہے ؎

فإن من جودك الدنيا وضرتها
و من علومك علم اللوح والقلم(۴)

یعنی دنیا اور آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا بعض ہے۔ اور کہتے ہیں کہ لوح وقلم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعض ہے تو دوسرے علوم کون سے ہیں؟ تو جواب

---

(۱)(تفسير المدارك، (لقمان : ۳۴): ۳۲۴/۲، قديمی)

"وقال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما : هذه الخمسة لا يعلمها إلا اللہ تعالیٰ، و لا يعلمها ملك مقرب و لا نبي مرسل، فمن ادعى أنه يعلم شيئاً من هذه، فقد كفر بالقرآن، لأنه خالفه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی، (لقمان : ۳۴) : ۵۵/۱۴، دار الكتب العلمية)

"عن قتادة أنه قال فی الآية : خمس من الغيب استأثره اللہ تعالیٰ بهن، فلم يطلع عليهن ملكاً مقرباً، و لا نبياً مرسلاً: إن اللہ عنده علم الساعة اهـ". (روح المعانی، (لقمان، ۳۴) ، ۱۶۹/۲۱، دار الفكر)

(۲) "(المدارك، (الانعام : ۵۹): ۳۶۸/۱، قديمی)

(۳)(الأنعام : ۵۰)

(۴) (قصيده برده، ص: ۳۴، الفصل العاشر فی المناجاة و عرض الحاجات، قديمی)

میں کہتا ہے

وسع العالمین علماً و حکماً
فهو بحر لم تعيها الأعياء
و کلهم من رسول الله ملتمس
غرفاً من البحر أو رشفاً من الأيم(۱)

نیز کہتا ہے کہ علوم اولین مثلاً اَور ہیں اور علوم آخرین اَور، لیکن وہ سب علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں۔

۲......حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت شریف میں کہتا ہے

وإذا سمعت فعنک قولاً طيباً
وإذا لحظت فلا أریٰ سواک

جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں اور جب دیکھتا ہوں تو آپ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

۳......

يا أكرم الخلق مالی من ألوذ به
سواک عند حلول الحادث العمم(۲)

یعنی اے بہترین مخلوق! آپ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں۔ اگر کہتا ہوں کہ بھائی خدا کو پکارنا چاہئے خدا کے سوا دوسرے کو اس طرح نہیں پکارنا چاہئے تو کہتا ہے کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تو یوں پکارتے تھے کہ: ”رحمة للعالمين أدرك زين العابدين محبوس أيد الظالمين“۔

اے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زین العابدین کی مدد کو پہونچو، وہ اژدہام میں ظالموں کے ہاتھ قید میں ہے اور کہتا ہے

يا سيد السادات جئتک قاصداً
أرجو رجاک واحتمی بحماک

(۱) (قصیده برده، ص: ۹، الفصل الثالث فی مدح النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، قدیمی)

(۲) (قصیده برده، ص: ۳۳، الفصل العاشر فی المناجاة و عرض الحاجات، قدیمی)

یـــا رســول الله انـظـر حـالـنـا

یـــا رســول الله اسـمـع قـالـنـا

انـنـی فـی بـحـر هـمّ لـمـغـرق

خـذ یـدی سهـل لـنـا أشـكـالـنـا

مدد کراے کرم احمدی کہ تیرے سوانہیں ہے عاجز بیکس کا کوئی حامی۔

اس قسم کے اَور بھی اشعار پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہیں ہوئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام غائب چیزیں بتادیں جو دنیا وآخرت میں ہوں گی جس طرح کہ ہیں بہ عین الیقین، حدیث شریف میں ہے کہ ''دنیا ہمارے سامنے پیش کی گئی پس ہم اس میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے ہاتھ میں'' اور یہ بھی آیا ہے کہ ''ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں نیز دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی''، علاوہ ازیں اور متواتر خبریں، لیکن بعض کو چھپانے کا حکم دیا گیا، اگر اسے نفی کی کوئی آیت یا حدیث دکھاتے ہیں تو اسے علم عطاء ہونے سے پہلے کی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مفسرین نے اس کے بارے میں کیا فرمایا ہے، بعض کے جواب میں آیت: ﴿إلا من ارتضیٰ من رسول﴾ اور ﴿علمك مالم تكن تعلم﴾ پیش کرتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا اور اس قسم کے اشعار کہنا کیسا ہے اور زید کے لئے کیا حکم ہے؟ جواب نمبر وار قرآن وحدیث کی روشنی میں مستحکم ومدلل عنایت فرمائیں۔

محمد شفاعت علی گڈیا، ضلع گنگانگر، راجستھان۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واَصحابہ وسلم (فداه روحی و روح أبی وأمی) کا مقام اس قدر بلند ہے کہ اس کا ادراک دشوار ہے، جس قدر کمالات اور صفات عالیہ متفرق طور پر دوسروں کے پاس ہیں ان سب کا مجموعہ بلکہ ان سے زائد تنہا ذات مقدسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہیں، علوم نبوت جو (کہ) مدارِ قرب و رفعت ہیں وہ بدرجۂ اتم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں، کوئی اور آپ کا ہم پایہ وہمسر نہیں (۱) اور یہ

---

(۱) ''(و أنا حبيب الله) : أی محبه و محبوبه'' (و لا فخر) قال الطيبی: قرّر أولاً ما ذكر من فضائلهم =

سب کچھ عطاء خداوندی سے ہے، لیکن خدائے پاک کا علم اس سے بھی زائد ہے، خالق ومخلوق کے علم میں غیر متناہی و متناہی کی نسبت ہے، مساوات نہیں، مساوات کا شائبہ تک نہیں (۱)۔

برزخ، حشر، صراط، جنت، لوح وقلم وغیرہ کے اتنے علوم عطاء ہوئے کہ حساب لگانا اور شمار کرنا قابو سے باہر ہے (۲) ذات وصفات خداوندی کی جو معرفت عطاء ہوئی وہ کسی کو عطاء نہیں ہوئی، قاضی عیاض (۳)،

= بقوله، وهو كذلك، ثم نبه على أنه أفضلهم و أكملهم، و جامع لما كان متفرقاً فيهم، فالحبيب خليل و مكلم و مشرف اهـ". (مرقاة المفاتيح: ۱۰/۳۳، كتاب الفضائل، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه، الفصل الثانى، تحت رقم الحديث: ۵۷۶۲، رشيديه)

(۱) "إن الله جعل للعقول فى إدراكها حداً تنتهى إليه، لا تتعداه، و لم يجعل لها سبيلاً إلى الإدراك فى كل مطلوب، و لو كانت كذلك لاستوت مع البارى تعالىٰ فى إدراك جميع ما كان و ما يكون و ما لا يكون، إذ لو كان كيف كان يكون؟ فمعلومات الله لا تتناهى، و معلومات العبد متناهية، والمتناهى لا يساوى ما لا يتناهى". (الإعتصام للشاطبى، الباب العاشر فى معنى الصراط المستقيم الخ، فصل النوع الثالث، ص: ۵۶۲، دار المعرفة بيروت)

(۲) "عن قتادة عن أنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه، عن مالك بن صعصعة أن نبى الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حدثهم عن ليلة أسرى به .... "ثم رفعت إلى سدرة المنتهى، فإذا أنبقها مثل قلال هجر، وإذا ورقها مثل آذان الفيلة، قال: هذه سدرة المنتهى، فإذا أربعة أنهار: نهران باطنان .... قلت: ما هذان يا جبرئيل؟ قال: أما الباطنان، فنهران فى الجنة ...... ثم رفع إلى البيت المعمور". الحديث

"وعن ثابت البنانى عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أتيت بالبراق" .... قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ثم عُرج بى، حتى ظهرت لمستوى أسمع فيه صريف الأقلام". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب فى المعراج، الفصل الأول، ص: ۵۲۶- ۵۲۹، قديمى)

(۳) قال قاضى عياض رحمه الله تعالىٰ: "و من جملة معجزاته المعلومة على القطع الواصل إلينا خبرها على التواتر لكثرة رواتها و اتفاق معانيها الإطلاع على الغيب .... عن حذيفة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قام فينا مقاماً فما ترك شيئاً يكون فى مقامه ذلك إلى قيام الساعة إلا حدّثه .... و قد خرّج أهل الصحيح والأئمة ما أعلم به أصحابه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مما وعدهم به من الظهور على أعدائه و فتح مكة و بيت المقدس .... و قبض العلم و ظهور الفتن ...... و أنه زويت له الأرض...... =

زرقانی (۱) قسطلانی (۲) ملاعلی قاری رحمہم اللہ (۳) وغیرہ کی کتب ان مضامین سے پُر ہیں، اوران پر دلائل بھی موجود ہیں، اس سب کے باوجود ذات اقدس فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق نہیں کیا جاتا (۴)، عالم الغیب، اطلاقاتِ شرعیہ میں اس پر کیا جاتا ہے جس کی یہ صفت (عالم الغیب) ذاتی ہو، عطائی نہ ہو، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۵) ﴿قل لا

= مشارقها و مغاربها الخ".

"و قال الملا علي القاري في شرحه: (الاطلاع على الغيب): أي على اطلاعه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على بعض المغيبات عنا". (شرح الشفاء: ۱/۶۷۹، ۶۸۳، فيما أظهره الله تعالىٰ من المعجزات، فصل: و من ذلك ما اطلع عليه من الغيوب، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱، ۲) قال القسطلاني "و إذا أتى بجميع ما أتوا به من الخصال الحميدة، فقد اجتمع فيه ما كان متفرقاً فيهم، فيكون أفضل منه".

"فظهر أن انتفاع أهل الدنيا بدعوته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أكمل من انتفاع سائر الأمم بدعوة سائر الأنبياء، فوجب أن يكون أفضل من سائر الأنبياء".

و قال الزرقاني في شرحه: "فينبغي أن يقال: إنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ساواهم في العمل و زاد عليهم بأنه أعلم منهم بالله الخ". (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية للقسطلاني: ۸/۲۸۱، المقصد السادس، النوع الأول، عباس احمد الباز مكة المكرمة)

(۳) "(أسمع فيه): أي في ذلك المكان، أو ذلك المقام (صريف الأقلام): أي صوتها عند الكتابة، قيل: هوههنا عبارة عن الإطلاع على جريانها بالمقادير .... و المعنى أني أقمت مقاماً بلغت فيه من رفعة المحل إلى حيث اطلعت على الكوائن، و ظهر لي ما يراد من أمر الله و تدبيره في خلقه، و هذا والله هو المنتهى الذي لا تقدم فيه لأحد عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الفضائل، رقم الحديث: ۵۸۶۴، باب المعراج، الفصل الأول: ۱۰/۱۷۴، رشيديه)

(۴) "فإن قلت: قد أخبر الأنبياء و الأولياء بشيء كثير من ذلك، فكيف الحصر؟ قلت: الحصر باعتبار كلياتها دون جزئياتها، قال تعالىٰ: ﴿فلا يظهر على غيبه أحداً إلا من ارتضى من رسول﴾ الخ (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول: ۱/۱۳۳، رقم الحديث: ۳، رشيديه)

(۵) (الأنعام: ۵۰)

یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا الله﴾(۱) ﴿و عنده مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو﴾(۲) ۔اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدائے پاک نے ہی علم عطا فرمایا ہے اور جس جس چیز کا جتنا جتنا علم جب جب دیا، مل گیا جس چیز کا علم نہیں دیا جب تک نہیں دیا، نہیں ملا، یہ بات بھی نہیں تھی کہ جس وقت خواہش کسی علم کی فرمائی فوراً اس کا علم مل گیا ہو۔ تابیر نخل (۳) بیر معونہ (۴) افک (۵) وغیرہ کے واقعات اس کے شواہد ہیں۔

---

(۱) (النمل: ٦٥)

(۲) (الأنعام: ۵۹)

(۳) "عن سماک أنه سمع موسی بن طلحة بن عبید الله یحدث عن أبیه ، قال: مررت مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی نخل، فرأی قوماً یلقّحون النخل، فقال:"ما یصنع هؤلاء"؟ قال: یأخذون من الذکر، فیجعلونه فی الأنثیٰ، قال: "ما أظن ذلک یغنی شیئاً" ، فبلغهم ، فترکوه ، فنزلوا عنها، فبلغ النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ، فقال:"إنما هو الظن ، إن کان یغنی شیئاً فاصنعوه ، فإنما أنا بشر مثلکم، وإن الظن یخطیء و یصیب ،ولکن ما قلت لکم قال الله، فلن أکذب علی الله".

"عن عائشة (رضی الله تعالیٰ عنها) أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم سمع أصواتاً، فقال:"ما هذا الصوت"؟ قالوا: النخل یؤبّرونه، فقال:" لو لم یفعلوا، لصلح"، فلم یؤبروا عامئذٍ، فصار شیصاً، فذکروا ذلک للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال:"إن کان شیئاً من أمر دنیاکم فشانکم به، وإن کان من أمور دینکم فإلیّ". (ابن ماجة، ص: ۱۸۰ ، أبواب الرهن ، باب تلقیح النخل ، مطبع مجتبائی لاهور)

(۴) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: استأذن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أبو بکر فی الخروج حین اشتد علیه الأذی .... فقتل عامر بن فهیرة یوم بئر معونة .... فقال:" إن أصحابکم قد أصیبوا، وإنهم قد سألوا ربهم ، فقالوا: ربنا! أخبرعنا إخواننابما رضینا و رضیت عنا، فأخبرهم عنهم" الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب المغازی ، باب غزوة الرجیع و رعل و ذکوان و بئر معونة الخ: ۵۸۷/۲، قدیمی)

(۵) "إن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها زوج النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حین قال لها أهل الإفک .... فدعا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علیّ بن أبی طالب و أسامة بن زید حین استلبث الوحی یستأمرهما فی فراق أهله ، قالت: فأما أسامة بن زید فأشار علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه =

دور سے خطاب کرنا جذبہ شوق ومحبت میں ہو یا اس تصور کے تحت ہو کہ بذریعۂ ملائکہ خدمت اقدس میں پیش کیا جائے گا درست ہے، یا ذہن میں تصور کر کے ہو تب بھی درست ہے(۱)، خدائے پاک کی طرح ہر جگہ حاضر وناظر سمجھ کر ہو تو درست نہیں، غلط ہے، اس سے باز آنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۴/۳/۹۵ھ۔

علم غیب

سوال[۲۴۹]: ۱......ایک شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم کلی عطاء کیا تھا، حتی کہ اس کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام امور جو کہ دنیا میں ہیں اور جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے حتی کہ دوزخی جو دوزخ میں داخل ہوں گے، بہشتی جو بہشت میں داخل ہوں گے اور یہ بھی کہتا ہے کہ حضور درختوں کے پتے اور ریت کے ذرے ان تمام کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح کہ اپنی کف مبارک کو دیکھتے ہیں، ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

۲......ایک اَور شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نعوذ باللہ کچھ نہیں جانتے تھے اور

= وسلم بالذی یعلم من برآءة أهله .... ثم قال: " أما بعد، یا عائشة ! فإنه قد بلغنی عنک کذا و کذا ، فإن کنت بریئةً فسیبرئک الله، و إن کنت ألممت بالذنب فاستغفری الله و توبی إلیه" .... قالت: فلما سری عنه، و هو یضحک، فکانت أول کلمة تکلم بها: "یا عائشة! أما الله فقد برّأک" . الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، (سورة النور)، باب قوله عزوجل:﴿إن الذین جآء وا بالإفک﴾ الأیة الخ : ۲/۶۹۶، ۶۹۸، قدیمی)

(۱) "وعنه (أی عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن لله ملائكةً سیاحین فی الأرض یبلغونی من أمتی السلام ". رواه النسائی والدارمی". (مشکوة المصابیح ، کتاب الصلوة، باب الصلوة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و فضلها، ص: ۸۶، قدیمی)

(سنن النسائی، کتاب السهو، باب التسلیم علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : ۱/۱۸۹، قدیمی)

(وسنن الدارمی، کتاب الرقائق، باب فی فصل الصلاة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۲/۴۰۹، قدیمی)

بکمال درشتی دعویٰ کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں تھی، اس کا کیا حکم ہے؟

۳......اگر یہ دونوں ایک دوسرے کو کافر کہیں تو کیا حکم ہے، آیا ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

۴......صاف عقیدہ جو کہ افراط وتفریط سے مبرا ہو تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......ایجابِ کلی کا دعویٰ ''یعنی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع مغیبات کا علم تھا، باری تعالیٰ کے اور آپ کے علوم کماً مساوی تھے، فرق صرف ذاتی اور عطائی کا تھا'' غلط اور خلاف نصوص ہے، سلبِ کلی کا دعویٰ ''یعنی یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی غیب کا علم عطاء نہیں ہوا''، یہ بھی غلط ہے اور خلاف نصوص ہے، اول کی تردید کے لئے سلب جزئی کافی ہے، ثانی کی تردید کے لئے ایجاب جزئی کافی ہے۔

چنانچہ دونوں سلب جزئی وایجاب جزئی کے شواہدِ کثیرہ نصوص قرآنیہ وروایات حدیثیہ میں موجود ہیں، کتب عقائد میں بھی ہر دو کی تصریح کی گئی ہے : ﴿و عنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾ (۱) ﴿قل لا يعلم من فى السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ (۲) ﴿قل لا أقول لكم عندى خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۳) ﴿ولو كنت أعلم الغيب لاستكثرت من الخير﴾ (۴)۔

ان آیات میں علم غیب کی صراحۃً وقصداً نفی کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی الاطلاق (بلاتصریح جزئی) علم غیب کو ثابت کرنا شرک یا موہم شرک ہے اور علم غیب کلی ثابت کرنا تو صریح شرک وکفر ہے۔ واقعہ افک، بیر معونہ، عقد، تابیر نخل سے بھی علم غیب کی نفی ہوتی ہے۔

''و فينا نبى يعلم ما فى غد'' کو منع فرمانا (۵) حدیث جبرئیل (۶) اور حوض کوثر پر جب آپ بعض

---

(۱) (الأنعام : ۵۹) (۲) (النمل : ۶۵)

(۳) (الأنعام : ۵۰) (۴) (الأعراف : ۱۸۸)

(۵) ''فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف و يندبن من قتل من ابائى يوم بدر، إذ قالت إحداهن : و فينا نبى يعلم ما فى غد، فقال: ''دعى هذه و قولي بالذى كنت تقولين ''.(صحيح البخارى، كتاب النكاح، باب ضرب الدف فى النكاح والوليمة : ۲/۷۷۳، قديمى)

(۶) (صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الإيمان والإسلام والإحسان وعلم الساعة الخ : ۱/۱۲، قديمى)

کی سفارش فرمائیں گے اور جواب ملے گا "إنك لا تدری ما أحدثوا بعدك "(۱) اور سجدۂ شفاعت میں ایسی حمد فرمائیں گے جس کا علم ابھی عطا نہیں ہوا (۲) وغیرہ وغیرہ سب شواہد ہیں۔ اور جزئی علم غیب کا ثبوت (جو کہ نقیض ہے سلب کلی کی) اتنا کثرت سے ہے کہ شاید کوئی علم حدیث اور آپ کی سیرت سے ادنیٰ سی مناسبت رکھنے والا بھی انکار نہیں کرے گا حتی کہ انہیں جزئیات کثیرہ کی وجہ سے ایک فریق کو ایجاب کلی کے دعویٰ کا سہارا مل گیا۔

"اعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله أحياناً، و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالیٰ: ﴿قل لا يعلم من فی السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ " شرح فقه اکبر، ص:۱۸۵ (۳)۔

صحیح عقیدہ اہل سنت والجماعت کا یہ ہے کہ خدائے قدوس کی ذات وصفات ومرضیات کا علم جس قدر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہوا اس قدر کسی مخلوق کو عطا نہیں ہوا اور یہی علم موجب قرب وکمال ہے، تاہم باری تعالیٰ کا علم آپ کے علم سے بہت زیادہ اور غیر متناہی ہے۔

رہا درختوں کے پتوں اور ریت کے ذروں اور پانی کے قطروں کا علم، نہ آپ کو عطاء ہوا نہ یہ موجب کمال وقرب ہے کہ جس سے آپ کے کمال میں کوئی نقص پیدا ہو، ابتداءً آپ کو اپنے خاتمہ کا علم نہیں تھا: ﴿و ما أدری ما يفعل بی و لا بكم﴾ (۴) فرمایا گیا اور پھر ﴿ليغفر لك الله ما تقدم من

---

(۱) "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا فرطكم على الحوض ليرفعن إلي رجال منكم، حتى إذا أهويت لأناولهم اختلجوا دوني، فأقول: أي رب! أصحابي، يقول: لا تدري ما أحدثوا بعدک". (صحيح البخاری، كتاب الفتن، باب ما جاء في قول الله تعالىٰ: (واتقوا فتنةً لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة) الخ: ۱۰۴۵/۲، قديمی)

(۲) "فأنطلق، فآتي تحت العرش، فأقع ساجداً لربي، ثم يفتح الله عليّ من محامده و حسن الثناء عليه شيئاً لم يفتحه على أحد قبلي الخ". (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: (ذرية من حملنا مع نوح إنه كان عبدا شكورا): ۶۸۵/۲، قديمی)

(۳) (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۵۱، قديمی)

(۴) (الأحقاف: ۹)

ذنبك و ما تأخر﴾(۱) کے ذریعہ اس کا آپ کو علم عطاء کر دیا گیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عدم علم دنیا کے اعتبار سے ہے کہ کس شی کا حکم ہو، کس شی سے ممانعت ہو اور وفات کس صورت سے ہو بطور شہادت ہو یا اَور طرح، اور لوگ اتباع کریں یا نہ کریں وغیرہ وغیرہ، باقی آخرت کے متعلق آپ کو جنتی ہونے کا علم قطعی حاصل تھا، اسی کو ابن جریر وغیرہ نے قابل اعتماد قرار دیا ہے(۲)۔اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی تصنیف ہوئے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۴/ رمضان المبارک/ ٦٦ھ۔

حضرت پیرانِ پیر کے متعلق عقیدۂ علم غیب

سوال[۱۲۵۱]: حضرت پیران پیر شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ باندھنا اور چند قدم پیر صاحب کی طرف چلنا اور اعتقاد رکھنا کہ پیر صاحب دیکھ رہے ہیں، ایسے اعتقاد والے کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(۱)(الفتح : ۲)

(۲) "عن الحسن في قوله :"و ما أدري ما يفعل بي و لا بكم " فقال: أمّا في الآخرة فمعاذ الله ! قد علم أنه في الجنة حين أخذ ميثاقه في الرسل، و لكن قال : "وما أدري ما يفعل بي و لا بكم في الدنيا".(تفسير الطبرى، (الأحقاف : ۹) : ۲٦/۷، مصطفى البابى الحلبى)

"و أخرج ابن جرير " عن الحسن أنه قال فى الآية : أما في الآخرة فمعاذ الله تعالىٰ ! قد علم صلى الله عليه وسلم أنه في الجنة حين أخذ ميثاقه في الرسل، "ولكن ما أدري ما يفعل بي في الدنيا".(روح المعانى ،(الاحقاف : ۹) : ۲٦/ ۱۵ ، دار الفكر)

"واختار الطبري أن يكون المعنى : ما أدري ما يصير إليه أمري و أمركم في الدنيا، أتومنون أم تكفرون، أم تعاجلون بالعذاب أم تؤخرون، قلت: و هو معنى قول الحسن والسدي وغيرهما، قال الحسن : ما أدري ما يفعل بي و لا بكم في الدنيا، أما في الآخرة فمعاذ الله ! قد علم أنه في الجنة حين أخذ ميثاقه في الرسل و لكن قال:" ما أدري ما يفعل بي في الدنيا".(الجامع لأحكام القرآن للقرطبى، (الأحقاف : ۹): ۱٦/ ۱۲۵ ، دار الكتب العلمية)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ عقیدہ کفروشرک ہے:"ویکفر بقوله: أرواح المشائخ حاضره تعلم"(مجمع الأنهر)(۱)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۶/۴/۵۵ھ۔
صحیح:سعید احمد غفرلہ

ایک شخص کا بعض مغیبات کی خبر دینا

سوال[۲۵۱]: ایک شخص نے ایک بچہ کے متعلق کہا کہ صرف دو ماہ زندہ رہے گا اور وہ واقعی دو ماہ کے بعد ختم ہوگیا، ایک لڑکی کے متعلق کہا کہ تو اپنے بیٹے کا آرام نہیں دیکھ سکتی اور پانچ ماہ کے بعد تم ختم ہو جاؤ گی، وہ بھی پانچ ماہ کے بعد ختم ہوگئی، میری عورت کے بارے میں کہا کہ تمہارے اوپر سات جھٹکے آئیں گے یا تم پہلے جھٹکے میں ختم ہو جاؤ گی یا پانچویں میں، اب میری عورت کے اوپر پانچ جھٹکے آچکے ہیں، ہم پریشان ہیں، شریعتِ مطہرہ اس مسئلے میں کیا فرماتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس قسم کی باتیں بتا کر مخلوق کو پریشانی میں ڈالنا بہت ہی غلط طریقہ ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے متعلق ایسا نہیں فرمایا، کسی کی موت کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں (۲) قرائن یا کسی کشف

---

(۱) (مجمع الأنهر، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربی)
(وكذا فی الفتاویٰ البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أوخطأً: ۶/۳۲۶، رشيديه)
(وكذا فی البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

(۲)قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله عنده علم الساعة، و ينزل الغيث، ويعلم ما فی الأرحام، وما تدری نفس ما ذا تكسب غداً، وما تدری نفس بأي أرض تموت، إن الله عليم خبير﴾ (لقمان: ۳۴)

"عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "مفتاح" و فی رواية: "مفاتيح الغيب خمسة لا يعلمها إلا الله تعالیٰ: لا يعلم أحد ما يكون فی غد، و لا يعلم أحد مايكون فی الأرحام، و لا تعلم نفس ما ذا تكسب غداً، و ما تدری نفس بأیّ أرض تموت، و ما يدری أحد...... =

سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ شرعی حجت نہیں، آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہئے، یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ کو جھٹکا ہی نہ آئے، یہ بھی ممکن ہے کہ مدتِ دراز کے بعد بالکل اخیر میں آئے، جتنی عمر اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمادی ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی (۱)، بس یہی ایمان اطمینان بخش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۴ھ۔

تاریخی جنتریوں کی پیشن گوئیاں

سوال[۲۵۲]: یہ تاریخوں کی چھوٹی چھوٹی جنتریاں جن میں پیشنگوئیاں لکھی رہتی ہیں، ان کو دیکھنا اعتقاد رکھنا کیسا ہے اور بنانے والا کیسا ہے؟ اور یہ کس بزرگ نے کہا ہے اور جو کرتے رہتے ہیں ان پر یہ حکم عائد نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان میں بعض چیزیں حساب سے متعلق ہیں (شرعی نہیں) جیسے ریلوے کے ٹائم ٹیبل کو دیکھ کر کوئی بتائے کہ فلاں گاڑی فلاں اسٹیشن پر اتنے بجے پہونچے گی (۲) بعض جنتریاں صرف عوام کو مائل کرنے کے لئے ہیں، غرض شرعی طریقہ سے ان پر اعتماد و یقین نہیں کیا جاسکتا، نہ اس مقصد کیلئے ان کو دیکھا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= متى يجيئ المطر". (روح المعاني: ۲۱/۱۱۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۴/۴۵۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "عن عبد الله ...... قال: فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "قد سألت الله لآجال مضروبة و أيام معدودة وأرزاق مقسومة، لن يعجل شيئاً قبل حله أو يؤخر شيئاً عن حله، و لو كنت سألت الله أن يعيذك من عذاب في النار أوعذاب في القبر، كان خيراً و أفضل"..(الصحيح لمسلم: ۲/۳۳۸، كتاب القدر، باب بيان أن الأجال والأرزاق وغيرها لا تزيد و لا تنقص، قديمي)

"و حاصله أن القضاء المبرم الذي هو عبارة عن علم الله تعالىٰ بما سيكون لا يزاد فيه شيء و لا ينقص". (تكملة فتح الملهم: ۵/۵۰۷، كتاب القدر، باب بيان الآجال والأرزاق وغيرها لا تزيد و لا تنقص، مكتبه دار العلوم كراچي)

(۲) "وأما ما علم بحاسة أوضرورة أو دليل فليس بغيب، و لا كفر في دعواه، و لا في تصديقه على الجزم في اليقيني، والظن في الظني عند المحققين". (النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۳۵۳، مكتبه حقانيه ملتان) =

ہاتھ دکھلا کر مستقبل معلوم کرنا ناجائز ہے

سوال[۲۵۳]: کیا مستقبل کا حال جاننے کے لئے اس فن کے کسی ماہر کو ہاتھ دکھلانا جائز ہے؟ اگر ہاتھ دکھلانے والا شوقیہ طور پر ہاتھ دکھلا رہا ہو اور ماہرِ فن کی باتوں پر یقین نہ کرے تو کیا اس سے شرعی پوزیشن میں کوئی فرق ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ناجائز ہے(۱) جس کا عقیدہ پہلے سے خراب ہو، اس کو عقیدہ صحیح کر کے توبہ کرنا لازم ہے، جس کا عقیدہ پہلے سے خراب نہ ہو، بلکہ تجربہ کے لئے دکھلاتا ہو اس کے لئے بھی اجازت نہیں، کیونکہ خود اس کے عقیدہ کے خراب ہونے کا خطرہ ہے اور فاسد العقیدہ لوگوں کے لئے فسادِ عقیدہ کی اس سے تائید ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "واستدلالي بسير النجوم و حركة الأفلاک على الحوادث بقضاء الله تعالىٰ و قدره، و هو جائز كاستدلال الطبيب بالنبض على الصحة والمرض". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب فى دعوى علم الغيب : ۲۴۳/۴، سعيد)

(۱) "من أتى كاهناً أو عرافاً فصدقه بما يقول، فقد كفر بما أنزل على محمد"، أخرجه أصحاب السنن الأربعة، و صححه الحاكم عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه". (رد المحتار ، باب المرتد، مطلب فى الكاهن و العراف: ۲۴۲/۴، سعيد)

"عن بعض أزواج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من أتىٰ عرافاً فسأله عن شيء لم تقبل له صلوة أربعين ليلةً". (الصحيح لمسلم، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان: ۲۳۲/۲، قديمى)

قال النووى : "العراف من جملة الكهان، و قال الخطابى وغيره: العراف هو الذى يتعاطى معرفة مكان المسروق و مكان الضالة ونحوهما". (شرح النووى على مسلم، باب تحريم الكهانة و إتيان الكهان: ۲۳۲/۲، قديمى)

ما يتعلق بالحاضر والناظر، والنور والبشر

(حاضروناظراورنوروبشرکابیان)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضروناظر ہونے کاعقیدہ

سوال[۲۵۴]: زید کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تصرف عطاء فرمایا ہے کہ عالم میں جہاں چاہیں اور جس وقت چاہیں باذن اللہ تشریف فرما ہوجائیں، اس بنیاد پر زید نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر مانتا ہوں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زید کے پیچھے نماز جائز نہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مسلمان ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب پاک حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مقام عطاء فرمایا ہے جو کسی کو نہیں ملا(۱) اللہ پاک جہاں چاہے اور جب چاہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچادے اور جس چیز پر چاہے مطلع فرمادے(۲)، اس اعتبار سے حاضروناظر آپ کے صفت نہیں بنے گی، حاضروناظر وہ ہے جو ہر جگہ،

---

(۱) ﴿عسىٰ أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾. قلت: لرسول الله صلى الله عليه وسلم تشريفات يوم القيامة لا يشركه فيها أحد، و تشريفات لا يساويه فيها أحد، فهو أول من تنشق عنه الأرض، و يبعث راكباً إلى المحشر، و له اللواء الذى آدم فمن دونه تحت لوائه، و له الحوض الذى فى الموقف أكثر وارداً منه، و له الشفاعة العظمى عند الله". (تفسير ابن كثير، (الإسراء: ۷۹) :۳/۷۷، دار الفيحاء)

"قال عليه السلام: "أعطيت مالم يعط أحد من الأنبياء قبلي: نصرت بالرعب، و أعطيت مفاتيح الأرض، و سميت أحمد، و جعل لى التراب طهوراً، و جعلت أمتي خير الأمم". (فيض القدير: ۲/۱۱۱۵، رقم الحديث: ۱۱۶۹)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما كان الله ليطلعكم على الغيب، و لكن الله يجتبي من رسله من يشآء﴾ (آل عمران: ۱۷۹)

وقال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً، إلا من ارتضى من رسول﴾. (الجن: ۲۶، ۲۷)

ہروقت، ہر شے کے حق میں حاضر وناظر ہو، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے(۱)۔ زید نے جو تاویل کی ہے اس تاویل کے اعتبار سے خدائے پاک کی دوسری صفات بھی دوسروں کے لئے ثابت کی جاسکتی ہیں، جس میں عقائد کے فساد کا قوی خدشہ ہے، تاویلِ مذکور کے اعتبار سے زید پر کفر وارتداد کا حکم نہ لگایا جائے (۲) مگر اس اطلاق کو موجبِ ضلال کہا جائے گا، زید کو اس سے باز آنا لازم ہے، جب تک وہ باز نہ آئے اس کو امام نہ بنایا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

عقیدۂ حاضر وناظر

سوال[۲۵۵]: زید کہتا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر نہ جانے اس کو قتل کردو، اس کے گھر میں آگ لگادو اور اس کے بال بچوں کو بھی قتل کردو، اگر تم مارے گئے تو شہید ہوگے۔ کیا ایسا کہنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ اتنا بڑا دعویٰ کس دلیل پر مبنی ہے، حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر" (٤)۔

---

(۱) "اعتقاد اینکہ کسے غیرِ حق سبحانہ حاضر وناظر، وعالمِ خفی وجلی در ہر وقت وہر آن است، اعتقادِ شرک است"۔ (مجموعة الفتاویٰ على هامش خلاصة الفتاوى: ۴/ ۳۳۱، امجد اکیڈمی)

(۲) "ان المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع و تسعون احتمالاً للكفر، و احتمال و احد في نفيه، فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي؛ لأن الخطاء في إبقاء ألف كافر أهون من الخطاء في إفناء مسلم واحد. وفي المسئلة المذكورة تصريح بأنه يقبل من صاحبها التأويل". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۶۲، قديمی)

(۳) "و يكره إمامة عبد و أعرابي و فاسق و مبتدع الخ". (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، سعيد)

(۴) (مسند الإمام أحمد: ۲/ ۱۲، رقم الحديث: ۴۱۶۷، ۲/ ۳۸، ورقم الحديث: ۴۳۳۲، دار إحياء التراث العربي) .... =

اورقرآن پاک میں ہے:﴿ومن یقتل مومنا متعمداً، افجزائه جهنم﴾(۱)۔

قتل مومن کی سزا جہنم ہے اور بچوں کا قتل تو جہاد میں بھی منع کیا گیا ہے اگر چہ وہ بڑے سے بڑے کافر کا بچہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حاضر وناظر کا عقیدہ رکھنا

سوال[۲۵۶]: سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب سکھایا ہے کہ دیوار کے باہر سے مت پکارو، نہ ان سے سلام وکلام میں آواز بلند کرو، جب باہر تشریف لائیں، تب سلام وکلام کرو وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب دنیا کی زندگی کے واسطے بتایا اور اب بھی وہی حکم ہے کیونکہ میلاد میں زور سے سلام پڑھتے ہیں اور سینکڑوں کوس سے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سب ادب ہمیشہ کے لئے ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس آ کر صلوۃ وسلام مجھ پر بھیجتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے وہ ملائکہ کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے(۲) آواز بلند کر کے پڑھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ خود حضور صلی اللہ

= "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "سباب المسلم فسوق و قتاله كفر ". (جامع الترمذی، أبواب الإيمان، باب ما جاء سباب المسلم فسوق : ۹۲/۲، سعيد)

(والصحيح لمسلم، كتاب الايمان، باب بيان قول النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "سباب المسلم فسوق و قتاله كفر". ۵۸/۱، قديمی)

(وصحيح البخاری، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن : ۸۹۳/۲، قديمی)

(۱) (النساء:۹۳)

(۲) "عن أبی هريرة -رضی الله تعالىٰ عنه- قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من صلى عليّ عند قبری سمعته، و من صلى عليّ نائياً أبلغته" رواه البيهقی فی شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، باب الصلاة على النبی صلى الله عليه وسلم و فضلها : ۸۷/۱، قديمی)

تعالیٰ علیہ وسلم یہاں حاضر وناظر ہیں اور بلا واسطہ سنتے ہیں یہ عقیدہ غلط ہے اور اس سے توبہ لازم ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حاضر وناظر کا عقیدہ

سوال[۲۵۷]: ''بہار شریعت'' مصنفہ احمد رضا خان صاحب میں لکھا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے کل کائنات بنائی گئی ہے، اس معنی کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر ہیں''، کیا واقعی یہ سچ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے یہ کتاب نہیں دیکھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ غلط ہے(۲)، یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے: ﴿هو عالم الغيب والشهادة﴾ ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حاضر وناظر اور مقلب القلوب وغیرہ

سوال[۲۵۸]: ۱.....زید کہتا ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر اور مقلب القلوب ہیں اور ملک اور ملکوت کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور امت کے احوال وافعال، حرکات وسکنات، دلوں کے خطرات سے آگاہ ہیں، اپنی امت کو دیکھتے ہیں، ان کی نیت، ارادے اور دل کی باتوں سے واقف

---

(۱) "وفي البزازية قال علماؤنا: من قال أرواح المشايخ حاضرة تعلم، يكفر". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً: ۳۲۶/۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب المرتد، ثم إن الفاظ الكفر أنواع: ۶۹۱/۱، داراحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما كنت لديهم إذ يلقون أقلامهم أيّهم يكفل مريم، و ما كنت لديهم إذ يختصمون﴾. (آل عمران: ۴۴)

(۳)(الحشر: ۲۲)

قال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً﴾. (الجن: ۲۶)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾. (النمل: ۲۵)

ہیں، دین پر چلنے والے کے رتبہ سے، اچھے برے کاموں، اخلاص ونفاق سے واقف ہیں۔اس کا دین اور ایمان کس درجہ کا ہے؟ کیا یہ قول صحیح ہے؟

۲......زید اپنے قول کی تائید میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ، نیز معتبر علماء ومشاہیر کے اقوال معہ حوالہ کتب ذیل پیش کرتا ہے:

(الف) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی از کتاب ''اقرب السبل'' عبارت فارسی: ''با چندیں اختلاف و کثرتِ مذاہب کہ در علمائے امت ہست یک کس را درین مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحقیقتِ حیات بے شائبہ مجاز و توہمِ تاویل دائم و باقی است، و بر اعمالِ امت حاضر و ناظر است، ومطالبانِ حقیقت را و متوجہاں آنحضرت را مستفیض و مربی''.

(ب) آیت شریف: ﴿يا أيها النبى إنا أرسلناك شاهداً و مبشراً و نذيراً﴾ (۱) ترجمہ: ''اے غیب کی خبر دینے والے نبی! ہم نے تم کو حاضر ناظر خوشخبری دینے والا، ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا، شاہد کے تین معنی: حاضر ناظر وگواہ اور یہ کہ ہر تقدیر پر حضور حاضر وناظر ہیں۔

(ج) آیت کریمہ قرآنیہ: ﴿و جئنابك على هؤلاء شهيداً﴾ (۲) ﴿ويكون الرسول عليكم شهيداً﴾ (۳) اس سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی ہیں۔

(د) تفسیر روح البیان مصری، جلد دوم، ص: ۲۴۸ میں اسی آیت کریمہ کے تحت درج ہے کہ: ''شهادة الرسول عليكم اطلاع على وقتيه كل متدين بدينه، و حقيقته التى هو عليها من دينه، وحجابه الذى هو محجوب عن كمال دينه، فهو يعرف ذنوبهم و حقيقة إيمانهم وأعمالهم و حسناتهم و سيئآتهم و إخلاصهم و نفاقهم و غير ذلك بنور الحق'' (٤)۔

---

(۱) (الاحزاب: ۴۵)

(۲) (النساء: ۴۱)

(۳) (البقرة: ۱۴۳)

(۴) (روح البيان: ۱/۲۵۰، البقرة: ۱۴۳، دار الكتب العلمية)

(ہ) تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کریمہ کے تحت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بالکل یہی تفسیر کی ہے: ﴿ویکون الرسول علیکم شهیداً﴾ "و باشد رسولِ شما گواه، زیرا که او مطلع است بنورِ نبوت بر مرتبۂ متدین بدینِ خود که در کدام درجه از دینِ من رسیده است، و حقیقتِ ایمانِ او چیست، و حجابے که بداں از ترقی محجوب مانده است که مدام است، پس رومی شناسد گناهانِ شما را و درجاتِ ایمانِ شمارا، و اعمالِ نیک و بد شمارا، و اخلاص و نفاقِ شمارا، و لهذا شهادتِ او در دنیا و آخرت بحکمِ شرع در حقِ امت مقبول و واجب العمل است".

(و) امام ابن الحاج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب لدنیہ جلد دوم، ص: ۳۸۷، میں فرماتے ہیں:

"و قد قال علمائنا: لا فرق بين موته و حياته عليه السلام، و في مشاهدته لأمته، و معرفته بأحوالهم و نياتهم و عزائمهم و خواطرهم، و ذلك جلي لا خفاء"(۱)، یعنی ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات اور وفات میں کوئی فرق نہیں، اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات ونیات اور ارادے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے۔

ان تصریحات اور ان کے علاوہ بہت سی کتابوں کی تصریحات سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا واضح روشن ہے اور مقلب القلوب ہونے کی قدرت اللہ عزوجل نے بخشی ہے۔

(ز) جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر نہیں جانتا اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، ایسا امام ضرور امامت سے معزول کرنے کے قابل ہے۔

(ح) صحیح عقائد کے لئے بہار شریعت جلد اول، یا کتاب العقائد مصنفہ مولانا نعیم الدین صدرالافاضلؒ کی ملاحظہ کی جائے۔

کیا زید کا پیش کردہ ثبوت مندرجہ بالا اس کے قول کی تائید اور تصدیق کے لئے کافی ہے اور قابلِ تسلیم و صحیح ہے؟ اور آخری ائمہ میں جو کتاب بہار شریعت وغیرہ کا ذکر کیا گیا وہ حنفی عقیدہ کے مطابق صحیح ہے یا نہیں؟

۳...... بکر ایک مسجد میں امام ہے اور حنفی المسلک ہے، وہ زید کے قول اور پیش کردہ ثبوت کو صحیح تسلیم نہیں

(۱) (المواهب اللدنية مع شرحه للزرقاني: ۱۲/۱۹۵، دارالكتب العلميه، بيروت)

کرتا اور کہتا ہے کہ جو صفات باری تعالیٰ عز اسمہ وجل جلالہ کی ذات کے لئے خاص ہیں، مثلاً ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہونا، حاضر وناظر اور مقلب القلوب ہونا، ارادے اور نیتوں کا جاننا وغیرہ اگر بعینہ یہی صفات نبی علیہ الصلاۃ و السلام کے لئے مانی جائیں، پھر معبود اور عبد، وخالق ومخلوق میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اگر پیغمبر علیہ السلام کو مقلب القلوب یعنی قلب بدلنے کی قدرت ثابت کی جاتی ہے تو کفار ومشرکین مکہ مثلاً: ابوجہل، ابولہب، ابی بن خلف وغیرہ دشمنانِ اسلام اور خصوصاً خواجہ ابوطالب جیسے شفیق ومہربان چچا کے دل کو پھیرنے میں کیا امر مانع رہا ہے؟

بہرحال اس عقیدہ کی بناء پر امام صاحب کو زید کے ہم خیال لوگوں نے امامت سے الگ کردیا کہ وہ حضور کو حاضر وناظر مقلب القلوب نہیں جانتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱،۲...... حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے خود ہی دعاء کیا کرتے تھے: "یا مقلب القلوب! ثبّت قلبی علی دینك" الحدیث (۱)۔

امت کے جو احوال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتادیئے وہ معلوم ہوگئے، جو نہیں بتائے وہ نہیں معلوم ہوئے۔ قرآن کریم میں بہت سی چیزیں ایسی مذکور ہیں جن کے متعلق بتایا گیا کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ان کا علم نہیں تھا اور بھی کسی کو علم نہیں:

﴿یسئلونك عن الساعة أیان مرساها، قل إنما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها إلا هو﴾ (۲) ﴿وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو﴾ الایة (۳) ﴿قل لا أقول لكم عندی خزائن اللّٰه و لا أعلم الغیب﴾ (٤) ﴿ولو كنت أعلم الغیب لا ستكثرت من الخیر﴾(٥) ﴿و ما كنت بدعاً من الرسل و ما أدری ما یفعل بی و لا بكم﴾ (٦)۔

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح ،کتاب الإیمان ،باب الإیمان بالقدر، ص: ۲۲ ا ،قدیمی)

(۲) (الأعراف :۱۸۷)

(۳) (الأنعام : ۵۹)

(۴) (الأنعام : ۵۰)

(۵) (الأعراف: ۱۸۸)

(٦) (الأحقاف: ۹)

صحاح کی حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ: ''تم لوگ اپنا مقدمہ میرے پاس لاتے ہو، بعض لوگ اپنا دعوی ثابت کرنے میں بہت ماہر ولسان ہوتے ہیں، یادرکھو کہ اگر اس کی باتوں سے متاثر ہوکر اس کے دعوی کو سچا سمجھ کر میں نے اس کے حق میں فیصلہ کردیا اور واقعۃً اس کا حق نہیں تھا تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے جو اس کو دے رہا ہوں''(۱)۔ غرض بے شمار احادیث واقعات سے علم کلی کی نفی ہوتی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے: ''من اعتقد تسوية علم الله تعالىٰ و رسوله يكفر إجماعاً اهـ''. موضوعات کبیر ص: ۹۹(۲)۔

صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن سنانے کے لئے ارشاد فرمایا انہوں نے سورہ نساء شروع کی، جب اس آیت پر پہونچے: ﴿فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد، و جئنابك على هؤلاء شهيداً﴾ تو ارشاد فرمایا: ''بس کرو'' اور مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے (۳) اس پر شروحِ حدیث میں لکھا ہے کہ جس چیز کو نہیں دیکھا اس پر شہادت دینے کی دشواری کی بنا پر آنسو جاری ہوگئے (۴) تابیرِ نخل کی حدیث میں صاف صاف مذکور ہے: ''أنتم

(۱) ''عن رسول الله ﷺ أنه سمع خصومةً بباب حجرته، فخرج إليهم، فقال: ''إنما أنا بشر، وإنه يأتيني الخصم، فلعل بعضكم أن يكون أبلغ من بعض، فأحسب أنه قد صدق، و أقضى له بذلک، فمن قضيت له بحق مسلم، فإنما هى قطعة من النار، فليأخذها أو ليتركها''. (صحيح البخارى، كتاب المظالم والقصاص، باب إثم من خاصم فى باطل و هو يعلمه: ۱/۳۳۲، قديمى)

(۲) (الموضوعات الكبير، لملا على القارى، ص: ۱۶۲، نور محمد)

(۳) ''عن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''اقرأ عليّ'' قلت: أقرأ عليک و عليک أنزل؟ قال: ''فإنى أحب أن أسمعه من غيرى'' فقرأت عليه سورة النسآء حتى بلغت: ﴿فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد و جئنا بک على هؤلاء شهيداً﴾ (النساء: ۴۱) قال: ''امسک'' فإذا عيناه تذرفان''. (صحيح البخارى، كتاب التفسير، باب قوله: ﴿فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد و جئنا بک على هؤلاء شهيدا﴾: ۲/۶۵۹، قديمى)

(۴) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: ''فبكى حتى ضرب لحياه و وجنتاه، فقال: ''يارب! هذا على من أنا بين ظهريه، فكيف بمن لم أره''. (فتح البارى، كتاب فضائل القرآن، باب البكآء عند فضائل القرآن: ۹/۱۲۲، قديمى) =

أعلم بأمور دنياكم " (۱) واقعہ افک، (۲) بیر معونہ (۳)، فقدِ عقد (۴)، حدیثِ حوض: "لا تدری ما أحدثوا بعدك" (۵)۔ حدیثِ شفاعت وغیرہ وغیرہ صحاح میں مذکور ہیں (٦) شرح فقہ اکبر، ص: ۱۸۵، میں: "و بالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه تعالىٰ، و لا سبيل إليه للعباد، إلا بإعلام منه وإلهام بطريق المعجزة، أو الكرامة، أو الإرشاد إلى الاستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك، ثم اعلم أن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ماأعلمهم الله تعالىٰ أحياناً. وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبى عليه السلام يعلم الغيب لمعارضته قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من فى السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ كذا فى المسايرة "(۷).

= (وكذا فى عمدة القارى، كتاب التفسير، باب: (فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد، و جئنابک على هؤلاء شهيداً):۱۸/ ۱۷۲، محمد أمين دمج بيروت)

(۱) "عن أنس أن النبى ﷺ مرّ بقوم يلقّحون، فقال: "لو لم تفعلوا، لصلح" قال: فخرج شيصاً، فمرّ بهم، فقال: "مالنخلكم"؟ قالوا: قلت كذا و كذا، قال: "أنتم أعلم بأمر دنياكم". (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعاً دون ما ذكره اهـ: ۲/ ۲٦۴، قديمى)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: " علم غيب")

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: " علم غيب")

(۴) "عن عائشة رضى الله عنها زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بعض أسفاره، حتى إذا كنا بالبيداء أو بذات الجيش، انقطع عقد لى، فأقام رسول الله صلى الله عليه وسلم على التماسه، وأقام الناس معه". الحديث. (صحيح البخارى، كتاب التيمم: ۱/ ۴۸، قديمى)

(۵) (صحيح البخارى، كتاب التفسير، باب قوله: (كما بدأنا أول خلق): ۲/ ٦۹۳، قديمى)

(٦) "عن أبى هريرة رضى الله عنه، قال: أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم بلحم .... فأقع ساجداً لربى، ثم يفتح الله على من محامده وحسن الثناء عليه شيأً لم يفتحه على أحد قبلى، ثم يقال: يا محمد! إرفع رأسک سل تعطه، واشفع تشفع". الحديث. (صحيح البخارى: ۲/ ٦۸۴، ٦۸۵، كتاب التفسير، (سورة بنى اسرائيل)، باب قوله: (ذرية من حملنا مع نوح) الخ قديمى)

(وسنن الترمذى: ۲/ ۷۰، ابواب صفة القيامة، باب ماجاء فى الشفاعة، سعيد)

(۷) (شرح الفقه الأكبر، للقارى، ص: ۱۵۱، قديمى)

جو چیز قرآن کریم، صحیح احادیث، اجماع، علم الکلام والعقائد سے صاف صاف ثابت ہو وہ اصل ہے، پھر اگر کسی مسلمہ بزرگ کے کلام میں کوئی چیز اس کے خلاف منقول ہو اور نقل کی سند بھی معتبر نہ ہو تو اس میں تاویل کرکے اس کے لئے ایسا محمل تجویز کیا جائے گا جو قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، تصریحاتِ متکلمین کے خلاف نہیں، نہ یہ کہ اس کی وجہ سے قرآن کریم وحدیث شریف میں تاویل کی جائے یا ترک کیا جائے۔ اگر کسی مسلمہ بزرگ کا کلام نہ ہو یا نقل کی سند ہی معتبر نہ ہو تو تاویل کی بھی حاجت نہیں، ویسے ہی وہ نا قابل التفات ہے۔

از (الف) تا (ح) میں کوئی ایسی شیٔ نہیں جو قطعیات کے معارض ہوسکے، جس کی وجہ سے قطعیات میں تاویل کی جائے بلکہ ان (الف) تا (ح) میں سے بعض چیزیں غلط ہیں، بعض چیزیں بالکل ہی پایۂ اعتبار سے ساقط ونا قابل التفات ہیں، بعض محل تاویل ہیں۔

۳...... بکر کا عقیدہ صحیح ہے، قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، تصریحاتِ متکلمین کے موافق ہے، اس کو امامت سے علیحدہ کرنا ظلم اور ناجائز ہے، اس کے بالمقابل زید کا عقیدہ غلط ہے، اس کو خود اپنی ہی فکر لازم ہے، چاہئے کہ اپنا عقیدہ صحیح کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

اُصاب من اُجاب ہذا الجواب: بندہ نظام الدین دار العلوم دیوبند۔

کیا شاہد کا ترجمہ ''حاضر وناظر'' ہے؟

سوال [۲۵۹]: زید کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں، اور دلیل میں آیت: ﴿إنا أرسلنك شاهداً ومبشراً ونذيراً﴾ (۱) پیش کرتے ہوئے شاہد کا ترجمہ ''حاضر وناظر بنا کر بھیجا'' کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس لفظ کا اطلاق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درست ہے؟ حاضر وناظر اگر باری تعالیٰ کی صفتِ مختصہ ہو تو براہ کرم کتب حدیث وفقہ وعقائد میں صفحہ کے حوالہ سے اس کی نشان دہی فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حاضر کا ترجمہ ''ہر جگہ موجود'' اور ناظر کا ترجمہ ''ہر ایک کو دیکھنے والا'' اس معنی کے اعتبار سے یہ اللہ تعالیٰ

(۱) (الأحزاب: ۴۵)

کی صفتِ مختصہ ہے یعنی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں وہ سب کو دیکھتا اور جانتا ہے:

﴿لایعزب عنه مثقال ذرة فی السمٰوٰت ولا فی الأرض﴾ (۱) ﴿یعلم السر وأخفی﴾ (۲) ﴿علیم بذات الصدور﴾ (۳) ﴿بکل شَیء علیم﴾ (٤) ﴿بکل شیء محیط﴾ (٥) وغیرہ، بکثرت نصوصِ قرآنیہ موجود ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق بعض آیات میں صاف حکم ہے کہ آپ اپنے متعلق علم غیب کی نفی کا اعلان کردیں: ﴿قل لا أقول لکم عندی خزائن اللّٰہ ولا أعلم الغیب﴾ (٦)۔

بعض آیات میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے بطریق حصر: ﴿وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو﴾ (۷) بعض آیات میں بعض چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص قرار دیا گیا ہے: ﴿لا یجلیها لوقتها إلا هو﴾ (۸)۔

بعض آیات میں بعض خاص چیزوں کے علم کی حضرت رسول اکرم ﷺ سے نفی کی گئی ہے: ﴿وما علمناه الشعر﴾ (۹) ﴿ومن أهل المدینة مردوا علی النفاق، لا تعلمهم نحن نعلمهم﴾ (۱۰) ﴿رسلاً قد قصصناهم علیك من قبل و رسلاً لم نقصصهم علیك﴾ (۱۱) ﴿قل ما کنت بدعاً من

(۱) (السبأ: ۳)

(۲) (طٰهٰ: ۷)

(۳) (الملک: ۱۳)

(۴) (التوبة: ۱۱۵)

(۵) (حم السجدة: ۵۴)

(٦) (الأنعام: ۵۰)

(۷) (الأنعام: ۵۹)

(۸) (الأعراف: ۱۸۷)

(۹) (یٰس: ۶۹)

(۱۰) (التوبة: ۱۰۱)

(۱۱) (النسآء: ۱۶۴)

الرسل و ما أدری ما يفعل بی و لا بكم﴾ (۱) بعض آیات میں علم غیب سے ناواقف ہونے پر بعض امور بطور شرط وجزاء مذکور ہیں: ﴿لو كنت أعلم الغيب لا ستكثرت من الخير و ما مسنی السوء﴾ (۲)۔

پھر بطور ایجاب جمیع علوم غیبیہ کا حاوی تسلیم کرنا ان نصوص کے خلاف ہے، احادیث تو بے شمار ہیں جن سے اس ایجاب کلی کی نفی ہوتی ہے، بلکہ حدیث میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں حوض کوثر پر ہوں گا اور کچھ لوگوں کو لایا جائیگا مگر پھر وہ میری نظر سے اوجھل ہو جائیں گے، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں، جواب ملے گا: ''لا تدری ما أحدثوا بعدك'' کہ آپ کو معلوم نہیں یہ کن بدعات میں مبتلا ہو گئے تھے؟ تو میں کہوں گا کہ ایسے لوگوں کو آگ میں دھکیل دو کہ جنھوں نے دین میں تبدیلی کردی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر بھی ہیں نور بھی ہیں

سوال [۲۶۰]: کلام پاک کے اندر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بشر کا لفظ بھی آیا ہے اور نور کا لفظ بھی آیا ہے: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم﴾ (٤) الآية، ﴿قد جاء كم من الله نور و كتاب مبين﴾ (۵)، ان دونوں آیتوں کا مطلب کیا ہے؟ واضح طور پر لکھیں۔ اگر ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف نور مان لیں اور بشر نہ مانیں یا بشر مانیں، نور نہ مانیں اور خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر نہ سمجھنا اور حضور کو...... سمجھنا کیسا ہے اور نور سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے بشر قرار دیا اور بشریت کے اعلان کا

---

(۱) (الأحقاف: ۹)

(۲) (الأعراف: ۱۸۸)

(۳) (صحيح البخاری، كتاب الفتن، باب ما جاء فی قول الله: (واتقوا فتنةً لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصةً: ۲/۱۰۴۵، قديمی)

(۴) (الكهف: ۱۱۰)

(۵) (المائدة: ۱۵)

حکم فرمایا(۱) تو پھر آپ کو بشر نہ ماننا خدائے قہار کا مقابلہ کرنا ہے؟ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا ہے جب کہ قرآن کریم کو بھی نور فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب خود قرآن شریف میں موجود ہے:

﴿قد جاء کم من اللّٰه نور و کتاب مبین، یهدی اللّٰه به من اتبع رضوانه سبل السلام، و یخرجهم من الظلمات إلی النور بإذنه، و یهدیهم إلی صراط مستقیم﴾: أی ینجیهم من المهالك، ویوضح لهم المسالك، فیصرف عنهم المعذور، و یحصل لهم أحب الأمور، و ینفی عنهم الضلالة، ویرشدهم إلی أقوم حاله اهـ". تفسیر ابن کثیر ۲/۳۴(۲)۔

یعنی آپ کی ہدایت پر عمل کرنے سے آدمی بادیۂ ضلالت کی تاریکیوں سے نکل کر سبیل الرشاد اور صراط مستقیم کی روشنی میں آجاتا ہے، پھر نافرمانی کی مہلکات سے بچ کر اطاعت کے جادہ مستقیم پر گامزن ہو کر سخط و غضب کے مظہر جہنم سے نجات پاتا اور رحمت و رضوان کے مظہر جنت میں دخول کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ صفات بشری: کھانے، پینے، سونے، جاگنے، بیٹھنے، لیٹنے، خرید و فروخت، جنگ و صلح، نکاح و طلاق، بیماری و صحت وغیرہ امور سے بے نیاز اور بری تھے۔

کفار کہا کرتے تھے: ﴿مال هذا الرسول یأکل الطعام و یمشی فی الأسواق﴾ الایه (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلکم، یوحیٰ إليّ أنما إلٰهکم إله واحد﴾". (الکهف : ۱۱۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلکم، یوحیٰ إلي أنما إلٰهکم إله واحد، فاستقیموا إلیه واستغفروه، وویل للمشرکین﴾". (حم السجدة : ٦)

(۳) (تفسیر ابن کثیر، (المائدة : ۱٦): ۲/۳۲، دار القلم)

"﴿قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین﴾ یرید القرآن لکشفه ظلمات الشرک و الشک، و لإبانته ما کان خافیاً علی الناس من الحق، أو لأنه ظاهر الإعجاز، أو النور محمد علیه الصلاة والسلام؛ لأنه یهتدی به کما سمي سراجاً". (المدارک، (المائدة : ۱۵)، ۱/۳۱۳، قدیمی)

"﴿قد جاء کم من الله نور﴾ عظیم، و هو نور الأنوار والنبي المختار صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، وإلی هذا ذهب قتادة، واختاره الزجاج، وقال أبو علي الجبائي: عنی بالنور القرآن، لکشفه وإظهاره طرق الهدی و الیقین". (روح المعاني، (المائدة : ۱۵): ٦/۱۴۳، دار الفکر)

(۳) (الفرقان : ۷)

یہ کیسے رسول ہیں کہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں؟

البتہ بشر ہونے کے باوجود اللہ پاک نے آپ کو بہت سی خصوصیات سے نوازا، اپنا حبیب و خلیل بنایا، تمام پیغمبروں کا سید بنایا، قرآن کریم آپ پر نازل فرمایا، ہر قسم کے گناہوں سے آپ کو معصوم رکھا، آپ کے صحابہ اور اہل بیت کو وہ درجہ دیا کہ پیغمبروں کے بعد کسی کو نہیں ملا، اپنی رضا اور نجات کو آپ کی اتباع میں منحصر کر دیا (۱) حتیٰ کہ:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہر جگہ حاضر وناظر ہونا خداوند تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے: ﴿عالم الغیب و الشهادة﴾ (۲)، صرف وہی ایک ذات ہے اور یہ صفت اس کی ذاتی صفت ہے جس کو کوئی چھین نہیں سکتا، جو شخص اس کی اس صفت کی نفی کرتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر وناظر سمجھتا ہے وہ غلطی پر ہے اور اس کا یہ عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے:

﴿قل لا أقول لكم عندی خزائن الله ولا أعلم الغيب﴾ الاية (۳)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزائن اللہ ہیں اور نہ میں عالم الغیب ہوں۔ صحیح بخاری شریف میں بھی اس پر انکار فرمایا گیا ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

بشریت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال [۲۶۱]: حسب ذیل آیت کا شان نزول کیا ہے: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم يوحىٰ إلىّ﴾ (۵)۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾. (النسآء: ۸۰)

و قال تعالىٰ: ﴿قل إن كنتم تحبون الله، فاتبعونى يحببكم الله و يغفر لكم ذنوبكم﴾. (آل عمران: ۳۱)

(۲) (الحشر: ۲۲) (۳) (الانعام: ۵۰)

(۴) " و من حدثك أنه يعلم ما فى غد، فقد كذب، ثم قرأت: ﴿و ما تدرى نفس ما ذا تكسب غداً﴾". (صحيح البخارى، كتاب التفسير، (سورة النجم): ۲/ ۷۲۰، قديمى)

" و من زعم أنه يخبر بما يكون فى غد، فقد أعظم على الله الفرية، والله يقول: ﴿قل لا يعلم من فى السموات والأرض الغيب إلا الله﴾". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب معنى قول الله عزوجل: ﴿ولقد راٰه نزلةً أخرى﴾: ۱/ ۹۸، قديمى)

(۵) (الكهف: ۱۱۰)

الجواب حامداًومصلیاً:

منکرین کہتے تھے کہ جوشخص بشر ہو وہ رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ بشرتو حوائجِ ضروریہ میں مبتلا رہتا ہے، رسول کوان سے پاک ہونا چاہئے، اس کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی: ﴿قل إنما أنا بشر مثلکم یوحیٰ إليّ﴾ (۱) کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں بشرہوں، میرے ساتھ بھی حوائج ہیں، کسی اَورنوع کافردنہیں ہوں (نہ جن ہوں، نہ فرشتہ) بات اتنی ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا خداصرف ایک ہے، اس کے ساتھ کسی کوشریک مت کرو(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الکھف: ۱۱۰)

(۲)"قال المشرکون :لامیزة لھذا النبی الذی یدّعی الرسالة،فھو یأکل کما نأکل،ویشرب کما نشرب،ویحتاج إلی ذلک کما نحتاج إلیه،یعنون أنه کان یجب أن یکون ملکاً مستغنیاً عن الأکل والتعیش. ﴿ویمشی فی الأسواق﴾ :أی یترددفیھا وإلیھا،طلباً للتکسب والتجارة ، وابتغاءً للرزق والمعیشة، فمن أین له الفضل علینا، وھو مثلنا فی ھذہ الأمور؟ وھذا منھم تصور مادی محض وموازنة ساذجة، فإن الرسل لم یمتازوا بصفات حسیة مادیة، فھم فی ھذاکغیرھم من البشر،وإنما امتازوا بقِیَم معنویة ومکاسب أدبیة وطھارة نفسیة،لذاقال تعالیٰ: ﴿قل إنما أنا بشرمثلکم، یوحیٰ إليّ أنما إلھکم إله واحد﴾". (التفسیر المنیر:(الفرقان :۷): ۱۹/۲۲،دارالفکر)

"ومرادھم استبعاد الرسالة المنافیة لأکل الطعام وطلب المعاش علی زعمھم،فکأنھم قالوا: إن صح مایدّ عیه، فما باله لم یخالف حاله حالنا؟ ولیس ھذا إلا لِعُمھھم، ورکاکة عقولھم ، وقصور أبصارھم علی المحسوسات، فإن تمیز الرسل علیھم الصلاۃوالسلام عما عداھم لیس بأمور جسمانیة،وإنما ھو بأمور نفسانیة: أعنی ماجبلھم اللہ تعالی علیه من الکمال کما یشیر إلیه قوله تعالی :﴿قل إنما أنا بشرمثلکم، یوحیٰ إليّ أنما إلھکم إله واحد﴾". (روح المعانی،(الفرقان: ۷): ۱۸/۳۴۸،دارالفکر)

"قال البغوی : کانوا یقولون: لست أنت بملک؛ لأنک تأکل والملک لا یأکل،ولست أنت بملک؛ لأن الملک لایتسوق وأنت تتسوق وتتبذل،قلت: کلا مھم ھذا فاسد؛ لأنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لم یدّع الملکة ولا السلطان،بل قال :﴿إنما أنا بشر مثلکم یوحی إليّ ﴾ وادّعاؤہ النبوة غیرمناف لأکل الطعام والمشی فی الأسواق الذی ھو مقتضی البشریة التی ھی من لوازم النبوة؛ لأن النبی لایکون إلا بشراً؛ لأن المجانسة شرط الإفاضة والإستفاضة ." (التفسیر المظھری،(الفرقان:۷): ۷/۱۲،حافظ کتب خانه کوئٹه)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور بھی دیا گیا

سوال[۲۶۲]: ﴿قدجاء کم من اللّٰہ نور وکتاب مبین﴾(۱) کا شان نزول کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہودی لوگ اپنی کتاب کی کچھ باتیں چھپاتے تھے اور کچھ ظاہر کرتے تھے، اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نورِ نبوت کے ذریعہ وہ چیز خوب ظاہر ہوگئی، اسی کو اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی طرف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کتاب (قرآن مجید) عطا ہوئی، اور نورِ نبوت بھی عطا ہوا جس سے یہود کی دسیسہ کاریاں آپ پر ظاہر ہوگئیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (المائدة: ۱۵)

(۲) "(یاأهل الكتاب ......)أخرج ابن جرير الطبرى عن عكرمة قال: إن نبى الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتاه اليهود: يسألونه عن الرجم، فقال: "أيكم أعلم"؟ فأشاروا إلى ابن صوريا، فناشده بالذى أنزل التوراة على موسى، والذى رفع الطور، والمواثيق التى أخذت عليهم، حتى أخذه أفكل: رعدة من الخوف، فقال: لما كثر فينا جلدنا مائةً، وحلقنا الرؤوس، فحكم عليهم بالرجم، فأنزل الله: "(ياأهل الكتاب)" إلى قوله "(صراط مستقيم)".

(التفسير المنير، (المائده: ۱۵): ۱۳۲/۶، دار الفكر)

"(ياأهل الكتاب) خطاب للفريقين جميعاً، بعد أن ذكر كل فرقة على حدة. قوله: (كآية الرجم وصفته): أى فقد أخفوهما، وأطلع الله نبيه على أنهما فى التوراة، فبين ذلك وأظهره، وهو معجزة لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؛ لأنه لم يقرأ كتابهم، ولم يجلس بين يدى معلم." (حاشية الصاوى على الجلالين، (المائده: ۱۵): ۱۰۵/۲، دار الباز)

"(قدجاء كم رسولنا)" محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (يبين لكم كثيراً مما كنتم تخفون من الكتاب): أى من كتبكم من الإيمان به، ومن آية الرجم، ومن قصة أصحاب السبت الذين مسخوا قردةً، فإنهم كانوا يخفونها." (الجامع لأحكام القرآن للقرطبى، (المائده: ۱۵): ۷۸/۶، دار الكتب العلمية)

ما يتعلق بالمعجزة والكرامة والإلهام

(معجزہ، کرامت اور الہام کا بیان)

معجزہ وکرامت

سوال[۲۶۳]: كرامة الولى، و معجزة النبى صلى الله تعالىٰ عليه و سلم من أفعال الله التكوينةالمختصة به الخارق للعادة، ليست من أفعال الولى و النبى، و مقدوراتها وإن كان قد يكون المظهر لهما: الولى والنبى۔ وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد واله و أصحابه أجمعين۔

الجواب حامداً و مصلياً:

الأمر الخارق للعادة إن صدر من الولي فهو الكرامة، وإن صدر من النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم علامةً و تصديقاً للنبوة فهو المعجزة (۱)۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلوة على سيد المرسلين وعلى اله وأصحابه أجمعين۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "فالحاصل أن الأمر الخارق للعادة بالنسبة إلى النبى معجزة، سواء ظهر من قِبَله أو من قِبل آحاد أمته، و بالنسبة إلى الولي كرامة لخلوه عن دعوى النبوة". (رد المحتار ، باب العدة ، فصل فى ثبوت النسب ، مطلب فى ثبوت كرامات الأولياء والاستخدامات : ۳/۵۵۱، سعيد)

"والحاصل أن الأمر الخارق للعادة هو بالنسبة إلى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم معجزة، سواء ظهر من قِبَله أو قِبل أمته، لدلالته على صدق نبوته و حقية رسالته، فبهذا الاعتبار جعل معجزةً له، و إلا فحقيقة المعجزة أن تكون مقارنةً للتحدى على يد المدعى، و بالنسبة إلى الولى كرامة". (شرح الفقه الأكبر للملاعلى القاري ، ص: ۸۰، قديمى)

"ثم ذكر بعدُ أن الكرامة والمعجزة ليس بينهما فرق إلا وقوع المعجزة على حسب دعوى النبوة ، والكرامة دون إدعائه النبوة". (الفتاوى الحديثية، مطلب فى الكلام على كرامات الأولياء على أكمل وجه ، ص: ۳۹۶، قديمى)

شعبدہ بازی، کرامت اور معجزہ میں فرق

سوال[۲۶۴]: ایک شخص شعبدہ بازیاں کرتا ہے، اس کو کرامات اور معجزات کہتا ہے اور تمام شعبدوں کو شریعتِ اسلامیہ سے منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو حالات رات کو ہوتے ہیں وہ تمام اور آئندہ ہونے والے تمام واقعات مجھ پر ظاہر اور روشن ہیں، میرے قبضہ میں جن یا مؤکل ہیں، یہ مجھے سب خبریں پہونچا دیتے ہیں اور جس کو ٹخنوں یا گھٹنوں میں درد ہو وہ اس کے پاس جاتے ہیں۔ اور وہ شخص کہتا ہے کہ تم کو گنڈے ہیں میں ابھی نکالتا ہوں، چنانچہ سوا گیارہ روپے فیس لیکر تختہ دیوار کو لیکر یا صحن کو کھدوا کر ایک ٹکڑا ٹین کا نکالتا اور کہتا ہے کہ اس میں جو بت کاغذ میں لپٹا ہوا ہے اس کو دریا میں پھینک دو اور تم اچھے ہو جاؤ گے۔ اور بعض پوچھتے ہیں کہ میرا لڑکا بیمار ہے، سر کو نہیں اٹھاتا، آنکھیں نہیں کھولتا اس کی نسبت پختہ خبر دے دو کہ اس کو کیا ہو گیا ہے تو ان کو یا تو کتاب کھول کر اس کی بیماری کی وجہ بتائی جاتی ہے اور اس کے صحت پانے کا دن بتایا جاتا ہے یا ایک سفید کاغذ کا ٹکڑا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کو آگ کے اوپر رکھدیں جو واقعات ہوں گے جنات اس پر لکھ جائیں گے، جس کو آگ پر رکھنے سے مضمون واضح ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں دن مر جائے گا یا اچھا ہو جائے گا۔

وہ چوتھے حصہ سر کا مسح بھی اس وجہ سے کہ اس کے سر پر بال نہیں گنجا ہے چھوڑ دے اور نماز خود بھی پڑھے اور امامت بھی کرے اور اپنے اردگرد لکیر کھینچ کر کچھ افسوں پڑھتے پڑھتے خود کو مانند بے ہوش کے کر دیتا ہے اور مخاطب کو کہتا ہے کہ دیکھ اور پوچھ کیا پوچھتا ہے۔ اور اس حالت میں بے تیل چراغ جلانا اور کچھ چیزوں کا چھت سے گرانا اور گم شدہ چیزوں اور پیٹ کے حمل سے مطلع کرنا اور خلاف مرضی حاکم کے فیصلہ کرانے کا مدعی ہونا۔ اور کیا ان لوگوں کے حق میں جو اس کے بھائی ہوں ان باتوں پر یقین و عمل کریں اور اس کو اولیاء اللہ سمجھیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

غیب کا تمام علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، جو اس کا مدعی ہے وہ نص قطعی کا منکر ہے (۱) نہ ایسا دعوی کرنا جائز ہے، نہ خدا کے سوا کسی کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا جائز (۲)۔ سوال میں جو مذکور ہے وہ بہت معمولی بات

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿قل لا يعلم من في السمٰوٰت والأرض الغيب إلا الله﴾. (النمل: ۶۵)

(۲) "و حاصله أن دعوى علم الغيب معارضة لنص القرآن، فيكفر بها". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب في دعوى علم الغيب: ۴/۲۴۳، سعيد)

ہے، بہت چھوٹے چھوٹے آدمی بلکہ غیر مسلم ایسا کر لیتے ہیں، ان چیزوں کو کرامات یا معجزات سے کوئی تعلق نہیں (۱) کرامات اولیاء اللہ سے صادر ہوتی ہیں اور معجزہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے (۲)، نبوت ختم ہو چکی ہے اب قیامت تک کوئی بھی نبی نہیں آئے گا (۳) اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر

---

(۱) "قال علماؤنا: من أظهر الله على يديه ممن ليس بنبي كرامات و خوارق للعادات، فليس ذلك دالاً على ولايته، خلافاً لبعض الصوفية والرافضة. هذا لفظه، ثم استدل على ما قال: بأنا لا نقطع بهذا الذى جرى الخارق على يديه أن يوافي الله بالإيمان، و هو لا يقطع لنفسه لذلك: يعني والولي الذى يقطع له بذلك في نفس الأمر، قلت: و قد استدل بعضهم على أن الخارق قد يكون على يدى غير الولي، بل قد يكون على يد الفاجر والكافر أيضاً بما ثبت عن ابن صياد أنه قال: هو الدخ حين خبأ له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: ﴿فارتقب يوم تأت السماء بدخان مبين﴾ الخ". (تفسير ابن كثير، (البقره: ۳۴): ۱/۱۱۶، دار الفيحاء)

"و مما يجب أن يعلم أن من واظب على الرياضات الشاقة ظهرت عنه الخوارق ولو كان كافراً، وهذا امتحان شديد لضعفاء المسلمين، و سبب لضلالهم و سوء اعتقادهم بالشرائع، فليحفظ المؤمن إيمانه عن هذه الآفة، وسمي استدراجاً؛ لأنه سبب الوصول إلى النار بالتدريج". (النبراس، ص: ۲۹۵، ۲۹۶، امداديه ملتان)

"و فراسة رياضية، و هي التي تحصل بالجوع والسهر والتخلي، فإن النفس إذا تجردت عن العوائق، صار لها من الفراسة والكشف بحسب تجردها، و هذه فراسة مشتركة بين المؤمن والكافر، و لا تدل على إيمان و لا على ولاية، ولا تكشف عن حق نافع، و لا عن طريق مستقيم، بل كشفها من جنس فراسة الولاة وأصحاب عبادة الرؤساء والأطباء و نحوهم". (شرح العقيدة الطحاوية لابن ابى العز، ص: ۴۹۹، قديمى)

(و كذا في شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص: ۸۰، قديمى)

(۲) "فالحاصل أن الأمر الخارق للعادة بالنسبة إلى النبي معجزة، سواء ظهر من قِبله أو من قِبل آحاد أمته، وبالنسبة إلى الولي كرامة لخلوه عن دعوى النبوة". (رد المحتار، فصل في ثبوت النسب، مطلب في ثبوت كرامات الأولياء والاستخدامات: ۳/۵۵۱، سعيد)

(۳) قال الله تبارك و تعالىٰ: ﴿ما كان محمدٌ أبا أحد من رجالكم، و لكن رسول الله وخاتم النبيين﴾ (الأحزاب: ۴۰)

"و أنا العاقب، والعاقب الذى ليس بعده نبى". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب أسماء النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم و صفاته: ۲/۵۱۵، قديمى)

ہوگا(۱) کرامت اولیاء اللہ سے صادر ہوتی ہے اور کوئی شخص بلا اتباع شریعت ولی نہیں بن سکتا(۲)۔

لہذا شخص مذکور کے افعال نہ معجزہ ہیں نہ کرامت، ممکن ہے محنت ومشقت کے بعد بعض جنات کو تابع کرلیا ہو، سو یہ کوئی مقبولیت کی علامت نہیں ہے، بسا اوقات جنات تابع کرنے کے لئے ناجائز افعال کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اگر کوئی ناجائز فعل نہ بھی کیا ہو تب بھی خود جنات کا تابع کرنا محل کلام ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شخص شعبدات کرتا ہو جیسا کہ عام بازاری آدمی تماشہ دکھانے کے لئے شعبدات کرتے اور اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے(۳) خواہ بال ہوں یا نہ ہوں، جو شخص مسح نہیں کرتا وہ بلا وضو نماز پڑھتا ہے، لہذا ایسے شخص کی امامت قطعاً ناجائز ہے(۴) جو شخص اس کے پیچھے نماز پڑھے گا اس کی نماز نہیں ہوگی۔

الحاصل: احوال مذکورہ نہ نبی کے احوال ہیں کہ ان کو معجزہ کہا جائے، نہ ولی کے احوال ہیں کہ ان کو کرامت کہا جائے، بلکہ ایک بازاری شعبدہ باز کے احوال ہیں جو شرعاً بالکل ناقابل اعتبار ہیں، اس شخص کو عالمِ غیب جان کر اس سے علاج کرانا ہرگز درست نہیں، البتہ جیسا کہ دوسرے اطباء یا ڈاکٹروں سے علاج کرایا جاتا ہے اس طرح علاج وغیرہ کرانا درست ہے بشرطیکہ اس علاج میں کوئی خلاف شرع فعل نہ کرنا پڑے

---

(۱) "و قد أخبر اللہ تبارک و تعالیٰ في کتابه و رسوله صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم في السنة المتواترة أنه لا نبي بعده ، لیعلموا أن کل من ادعی ھذا المقام بعده، فھو کذاب و أفاک دجال ضال مضل ". (تفسیر ابن کثیر ، (الاحزاب : ۴۰): ۶۵۲/۳ ، مکتبه دار الفیحاء)

(۲) "والولي ھو العارف باللہ و صفاته بقدر ما یمکن له، المواظب علی الطاعات ، المجتنب عن السیئات ، المعرض عن الإنھماک فی اللذات والشھوات والغفلات و اللھوات ". (شرح الفقه الأکبر للملا علی القاري ، ص: ۷۹، قدیمی)

(۳) "والمفروض فی مسح الرأس مقدار الناصیة: وھو ربع الرأس، لما روی المغیرة بن شعبة أن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم أتی سباطة قوم، فبال، و توضأ، و مسح علی ناصیته و خفیه ". (الھدایة ، کتاب الطھارات : ۱۷/۱ ، مکتبه شرکت علمیه)

(۴) "وأما إذا علم قبل الإقتداء أن الإمام جنب أو محدث، فلا یجوز الإقتداء بالإجماع". (الفتاویٰ التاتار خانیه: ۴۳۸/۱، الفصل السادس، أما الکلام فی بیان من ھو أحق بالإمامة، کتاب الصلوٰۃ، قدیمی)

اور کوئی عقیدہ بھی خلاف شرع نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۴/۲/۶ھ

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/صفر/۵۴ھ۔

کرامت

سوال [۲۶۵]: کرامت کسے کہتے ہیں؟ کیا ہر ولی کامل سے کرامت کا ظاہر ہونا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو امر خارق عادت کسی صالح متبع سنت امتی سے صادر ہو وہ کرامت ہے، ہر ولی کامل سے حسی کرامت کا صادر ہونا ضروری نہیں، البتہ اس میں استقامت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے جس کو عرفاء نے فوق الکرامۃ فرمایا ہے، بعض اولیائے کاملین سے یہ تمنا منقول ہے کہ کاش ان سے کوئی کرامت صادر نہ ہوتی، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کسی بلند مقام صوفی سے کرامت ظاہر نہیں ہوتی اور ایسے شخص سے کرامت ظاہر ہوتی ہے جس کا مقام فروتر ہوتا ہے۔ ارشاد الطالبین، ص: ۱۲ پر یہ بحث تفصیل سے مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غیر پابند شریعت سے خرق عادت کا صدور اور اس سے اجتناب

سوال [۲۶۶]: کیا اس طریقہ پر مجمع لگانا کہ جو نہ تو کبھی ہوا ہو اور نہ اس کا ثبوت قرون اولیٰ سے ملتا ہو اور ایسا آدمی جو کہ شریعت کا پابند بھی نہ ہو، وضع قطع بھی اس کی خلافِ سنت ہو، اور دین کی اس کو کوئی معلومات بھی نہیں ہے، مگر اس نے ایسے طریقہ پر لوگوں کو جمع کرنا اور پھونکنا شروع کر دیا ہے جس سے بہت سے مسلمانوں کے عقائد بھی خراب ہو رہے ہیں اور پھر اس بات کی بھی تعیین نہیں ہے کہ وہ کیا پڑھتا ہے؟ اب رہا ایسی صورت میں ایسے لوگوں کے پاس جانا یا ان سے عقائد سیکھنا کیسا ہے؟ کیا ایسے لوگوں سے احتراز کرنا چاہئے یا ان سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟ اگر ایسا موقع ہو تو ہم مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اور مسلمانوں کا کیا عقیدہ ہونا چاہئے؟ کیا کسی فاسق کو دینی چیز میں بڑھنا یا اس کی کسی طرح تائید کرنا ٹھیک ہے؟ اس کا کوئی ایسا معقول جواب دیں تاکہ ہم مسلمانوں کو سکون ہو۔

---

(۱) (ارشاد الطالبین (اردو) فصل: کرامت ولایت کا لازمہ نہیں، ص: ۳۸، مکتبۃ اسحاقیہ، جونا مارکیٹ کراچی)

الجواب حامداً و مصلياً:

کلام اللہ شریف اور حدیث پاک کی دعاء پڑھ کر دم کرنا دفعِ مرض اور حفاظت کے لئے شرعاً درست اور قرونِ اولیٰ سے ثابت ہے (۱)، اللہ تعالیٰ نے اس میں تاثیر بھی رکھی ہے، لیکن خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبولیت کا یہاں تیقن کے ساتھ کچھ پتہ نہیں، ہاں جو شخص جس قدر زیادہ عقائدِ حقہ، اخلاقِ فاضلہ، اعمال صالحہ اور اخلاص واتباع سنت کے ساتھ متصف ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ اس قدر عظیم المرتبت ہوگا (۲)، اس لحاظ سے آدمی کو دیکھنے کی ضرورت ہے، جو شخص متبع سنت اور پابند شریعت نہ ہو اگر خرق عادت چیز ظاہر بھی ہوجائے تب بھی اس سے دور رہنے کی ضرورت ہے (۳)، خاص کر جب عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو بہت احتیاط لازم ہے، خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و ننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمؤمنين﴾ و عن القشيري أنه مرض له ولد أيس من حياته، فرأى الله تعالىٰ في منامه، فشكى له سبحانه ذلك، فقال له: اجمع آيات الشفاء و اقرأها عليه، أو اكتبها في إناء واسقه فيه ما محيت به، ففعل فشفا الله تعالىٰ". (روح المعانی: ۱۴۵/۱۵، (سورة الإسراء)، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"عن عبدالملك بن عمير مرسلاً قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "في فاتحة الكتاب شفاء من كل داء". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۸۹، كتاب فضائل القرآن، قديمی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يأته مؤمناً قد عمل الصالحات، فأولئك لهم الدرجات العلى﴾ (سورة طٰهٰ: ۷۵)

(۳) اس سے خرق عادت جو چیز ظاہر ہوئی ہے وہ استدراج ہے، کرامت نہیں ہے:

"فما لا يكون مقروناً بالإيمان والعمل الصالح، يكون استدراجاً". (شرح العقائد، ص: ۱۰۵، دهلی)

"و أما التي تكون لأعدائه مثل إبليس و فرعون و دجال مما روى في الأخبار أنه كان لهم، فلا نسمّيها آيات و لا كرامات، و لكن نسميها قضاء حاجات لهم، و ذلك لأن الله تعالىٰ يقضي حاجات أعدائه استدراجاً وعقوبةً لهم، و يزدادون عصياناً (أي إن كانو فجاراً) أو كفراً، و ذلك كله جائز و ممكن". (شرح الفقه الأكبر، للملا على القاری، ص: ۸۱، قديمی)

معارف قرآنیہ کا الہام

سوال[۲۶۷]: کسی مسلمان بزرگ پر قرآن کریم میں بیان شدہ کسی امر و نہی کا بذریعہ الہام یا کشف اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکیداً دوبارہ ظاہر فرمانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا(۱)، اس کے معارف کا کسی بزرگ کے قلب پر بغیر استاذ سے پڑھے منکشف ہوجانا آج بھی ممکن بلکہ واقع ہے(۲)۔ لیکن قرآن پاک کی کسی آیت کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ یہ وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے، اس کا حق حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نہیں پہنچتا(۳)۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے وہ غلط دعویٰ کرتا ہے، اس کے لئے شریعت میں بہت سخت حکم ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۸/۷ھ۔

---

(۱) "فالقرآن کلام الله تعالى في المصاحف مكتوب وفي القلوب محفوظ ....وعلى النبي (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) منزل". (شرح الفقه الأكبر لأبي المنتهى، ص:۱۱۳، بيروت)

(۲) "قال عليه الصلوٰة والسلام: "اتقوا فراسة المؤمن، فإنه ينظر بنور الله عزوجل .... ونظر رجل إلى امرأة، ثم دخل على عثمان رضي الله تعالىٰ عنه فقال: "يدخل أحدكم عليّ وفي عينه أثر الزنا" ......وقال أبو عثمان المغربي: والعارف تضئ له أنوار العلم، فيبصر بها عجائب الغيب". (فيض القدير: ۱/۲۶۸، رقم الحديث: ۱۵۱)

"والإلهام المفسر بإلقاء معنى في القلب بطريق الفيض". (شرح العقائد، ص:۱۸ دهلي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن افترى على الله كذباً، أو قال أوحي إليّ ولم يوح إليه شئ، ومن قال سأنزل مثل ما أنزل الله﴾. (سورة الأنعام: ۹۳)

و قال تعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم، ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾. (سورة الأحزاب: ۴۰)

(۴) "دعوى النبوة بعد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كفر بالإجماع". (شرح الفقه الأكبر، ص:۲۰۳، فصل والكفر صريحاً وكنايةً، قديمي)

"ومن ادعى النبوة فصدقه قومه، صاروا بذلك مرتدين". (إعلاء السنن: ۱۲/۵۹۸، من ادعى النبوة أو صدق من ادعاها، إدارة القرآن)

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کچھ مخصوص کرامات بیان کرنا

سوال[۲۶۸]: ا...... ہمارے یہاں پر یہ بات عام بحث بنی ہوئی ہے کہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت میں ایک بارات جس کو دریا میں ڈوبے ہوئے بارہ سال گزر چکے تھے، ایک بڈھی روزانہ روتی تھی، عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ترس آ گیا اور انہوں نے بارہ برس پرانی ڈوبی ہوئی بارات دریا سے زندہ نکال دی اور سب زندہ ہوکر اپنے گھر چلے گئے۔

۲...... عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر میں منکر نکیر کے بال پکڑ لئے اور منکر نکیر نے معافی مانگی۔

۳...... عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ دوڑتے ہوئے قبرستان سے گزر رہے تھے تو مردوں کو حکم دیا وہ بھی انہیں کے ساتھ دوڑنے لگے۔ یہ کرامات بتلاتے ہیں ان کا تعلق کتابوں سے ہے یا غپ ہے؟ فقط

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا...... یہ روایت غلط ہے اور حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔

۲...... یہ روایت بھی بہتان ہے اور اللہ کے فرشتوں کی توہین ہے، ان کی قبر کا واقعہ کس نے دیکھا اور بیان کیا؟

۳...... یہ بھی بالکل غلط اور مہمل افسانہ ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں اور حضرت رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے انتہائی متبع اور پابند تھے، ان کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ انہوں نے نفس کی خواہشوں کو حدودِ شرع میں رکھا اور ساری زندگی اس کی کوشش کی کہ کوئی کام خلاف سنت نہ ہونے پائے، ان کو بدعات سے سخت نفرت تھی۔ اللہ پاک ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور اس پر رحمت کی بارش کرے اور ان کے درجات کو زیادہ سے زیادہ بلند فرمائے اور ان کے طریقے پر چلنے کی توفیق دے۔

لغو اور بیہودہ حکایات گھڑ کر ان کی طرف منسوب کرنے سے ان کے کمال میں ترقی نہیں ہوتی، نہ اسلام نے یہ طریقہ سکھایا ہے بلکہ اس کی ممانعت ہے، یہ طریقہ تو غیروں کا ہے کہ وہ اپنے بڑوں کی طرف ایسی باتیں گھڑ گھڑ کر منسوب کیا کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۵/ ۹۰ھ۔

حضرت خواجہ اجمیری کا تالاب خشک کرا دینا

سوال[۲۶۹]: ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے چند مریدوں کے ساتھ ایک بڑے تالاب ''انا ساگر'' کے کنارے تشریف فرما تھے، وہاں کے مسلمان اپنے جانوروں اور حوائج ضروریہ میں اس تالاب کا پانی استعمال کرتے تھے، مسلمانوں کا یہ فعل مشرکانِ اجمیر کو ناپسندیدہ تھا، انہوں نے مسلمانوں کو اس پانی کے استعمال سے روکا اور ان پر سختیاں شروع کی۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو ایک لوٹا دیا اور حکم دیا کہ جاؤ اور ''انا ساگر'' میں سے بسم اللہ پڑھ کر اس لوٹے میں پانی بھرو، مرید نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لوٹے کو پانی سے بھرلیا، تالاب کا تمام پانی لوٹے میں آ گیا اور تالاب خشک ہو گیا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

میں نے یہ واقعہ کسی کتاب میں نہیں پڑھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

ما يتعلق بحياة الأنبياء و سماع الموتیٰ

(حیاۃ انبیاء اور سماع موتیٰ کا بیان)

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال[۲۷۰]: حیاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا مطلب ہے؟ کیا قرآن کریم یا حدیثِ نبوی سے اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ مع ادلہ تحریر فرمایا جائے۔ اگر اس مسئلہ میں کوئی کتاب مؤلف ہو تو اس کا نام مع پتہ خریداری تحریر فرمایا جائے جس میں احقر کو یہ عقیدہ پوری تشریح کے ساتھ مل جائے۔

فقط والسلام مع غایۃ العز والاکرام، احقر محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نور پور ریاست بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ مسئلہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی متعدد تصانیف میں موجود ہے، ایک کتاب ''آبِ حیات'' مستقلاً اسی موضوع پر تصنیف فرمائی ہے، ''جمالِ قاسمی'' میں بھی ایک مکتوب میں نہایت واضح طور پر مثال دیگر ادلۂ نقلیہ وعقلیہ سے اس کو ثابت فرمایا ہے: ''المهند على المفند'' میں مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھا ہے۔ یہ کتابیں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور میں موجود ہیں اور دونوں جگہوں کے تاجروں سے بھی مل سکتی ہیں، فتاوی کبری، ص: ۱۲۵(۱) اور ج:۲، ص: ۱۳۵ میں علامہ

---

(۱) ''(سئل) رضی الله تعالیٰ عنه في رجل صلی في مقابر الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم أجمعين، فهل تصح صلاته بلا كراهة؛ لأنهم أحياء؟ فإن كانوا أحياءً فهل حياتهم كحياتنا، فيأكلون ويشربون ويلبسون؟ وهل هم مكلفون بالعبادة كالصلاة والصيام والحج، أو بعبادة أخرى؟ (فأجاب) نفع الله بعلومه وبركته: تصح صلاته بلا كراهة، وليس المراد بحياة الأنبياء عليهم أفضل الصلاة والسلام حياةً كحياتنا من كل وجه، حتى يقتضي الاحتياج إلى نحو أكل وشرب والتكليف بنحو الصلاة والصوم، وإنما المراد بها أنها كحياة الملائكة في عدم احتياجها إلى ذلك، أو في أن العبادات التي تقع منهم إنما هي على وجه التلذذ بخطاب الحق وشهوده في تعاطي صور ما عظم شأنه؛ لأن الشهود في ذلك أجل وأكمل، فمن =

ابن حجر مکی نے اس پر کلام کیا ہے(۱)۔علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ "أنباء الأذکیاء بحیاۃ الأنبیاء علیهم الصلاۃ والسلام" اس مسئلہ میں نہایت مفصل ہے، یہ رسالہ مجموعہ فتاویٰ سیوطی (الحاوی للفتاویٰ، ج:۲) میں موجود ہے، دمشق میں طبع ہوا ہے۔

"حیوٰۃ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وسائر الأنبیاء علیه الصلاۃ والسلام معلومة عندنا علماً قطعیاً، لماقام عندنا من الأدلة فی ذلك، وتواترت به الأخبار، وقد ألّف البیهقی جزءً فی حیاۃ الأنبیاء فی قبورهم، قال المتکلمون المحققون فی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: حيّ بعدوفاته، وإنه یسرّ بطاعات أمته، ویحزن بمعاصی العصاۃ منهم، وإنه تبلغه صلوۃ من یصلی علیه من أنه وأن الأنبیاء لایبلّون، ولاتأکل الأرض منهم شیئاً، وقدمات موسیٰ فی زمانه وأخبر نبیناصلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم أنه راٰہ فی قبره مصلیاً، وذکرفی حدیث المعراج أنه راٰہ فی السماء الرابعة، وأنه رأی اٰدم فی سماء الدنیا، ورأی إبراهیم علیه الصلاۃ والسلام وقال له: مرحباً بالابن الصالح وأخی الصالح، وإذاصح لنا هذا الأصل، قلنا: نبیناصلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قدصار حیاًبعدوفاته، وهو علی نبوته اهـ". الحاوی للفتوی"(۲)۔

مختصر تذکرۃ القرطبی میں علامہ شعرانی نے اس کو بیان کیا ہے(۳) سیوطی کے رسالہ

= ثمّ خصّوا بجریان أفضل العبادات علی أجسامهم وأرواحهم الباقیةالأبدیة تخصیصاًلهم باتساع مواطن القرب، واتحافاًلهم بإسباغ سوابق الرضاء والمحبة، وإعلاماًلغیرهم بأن موائد الإنعام ومزیدالإکرام لم تزل متنزلة علیهم من غیر انقطاع لهاعنهم صلی الله تعالیٰ علیهم وسلم، وشرف وکرم والله سبحانه وتعالی أعلم بالصواب".(الفتاویٰ الکبری الفقهیة لابن حجر الهیثمی،کتاب الصلاۃ،باب المواقیت: ۱/۱۲۵،المکتبة الإسلامیة،ترکیا)

(۱)(الفتاوی الحدیثیة لابن حجر المکی رحمه الله تعالیٰ ، مطلب فی حکایة غریبة، وأن الأنبیاء أذن لهم فی الخروج من قبورهم والتصرف فی الملکوت، ص: ۳۹۳،قدیمی)

(۲)(الحاوی للفتاوی،أنباء الأذکیا بحیاۃ الأنبیاء، ص: ۲/۱۷۸، ۱۸۱،دارالفکر)

(۳)(التذکرۃ فی أحوال الموتی وأمورالاٰخرۃ للقرطبی ،باب لاتأکل الأرض أجساد الأنبیاء ولاالشهداء وأنهم أحیاء، ص:۱۸۴ ،مکتبة أسامة الإسلامیة مصر)

شرح الصدور(۱)، اور ابن قیم کی کتاب الروح (۲)، اور تفسیر ابن کثیر (۳) وتفسیر مظہری (۴) میں بھی وہ احادیث جمع کی گئیں ہیں جن سے اس مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۱/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/صفر/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/صفر/۶۶ھ۔

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال [۱۷۲]: "بہار شریعت"، ص: ۱۶۷، حصۂ ششم میں ہے: "امام محمد بن حاج مکی مدخل میں اور امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ اور ائمہ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ اجمعین فرماتے ہیں: "لا فرق بين موته وحياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته؛ لأمته ومعرفته بأحوالهم ونياتهم وعزائمهم وخواطرهم، وذلك عنده جلي لا خفاء به"(٤)۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ووفات میں اس بات کی کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں، ان کی نیتوں، دلوں کے ارادوں اور دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔ امام (محمد بن حاج) رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ امام محقق ابن ہمام "مسلک متوسط" اور علی قاری اس کی شرح "متقسط" میں فرماتے ہیں: "إنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عالم بحضورك، وقيامك، وسلامك: أي بل بجميع أفعالك، وأحوالك،

---

(۱) (شرح الصدور بأحوال الموتى والقبور، باب زيارة القبور، وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، ص: ۲۰۱، ۲۰۳، دار المعرفة)

(۲) (كتاب الروح، المسئلة السادسة: هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السؤال أم لا؟، ص: ۶۲، مكتبه فاروقية پشاور)

(۳) (تفسير ابن كثير، (سورة آل عمران: ۱۶۹): ۱/۵۶۵، دار الفيحاء)

(۴) (تفسير مظهرى، (سورة البقرة: ۱۵۴): ۱/۱۵۳، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۵) (المواهب اللدنية مع شرحه للزرقاني: ۱۲/۱۹۵، دار الكتب العلميه، بيروت)

وارتحالك، ومقامك"(۱)۔

ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تیرے تمام افعال واحوال وکوچ ومقام سے آگاہ ہیں۔فقط.اصل عبارت مع ترجمہ ختم ہوئی۔

ملتمس: شاہ ثناء اللہ، از خانقاہ مانک پور، ضلع پرتاب گڑھ (اودھ)، ۲۲/ ربیع الثانی/ ۵۵۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس میں شک نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حیاتِ برزخی ثابت ہے (۲)۔شہداء کے متعلق بھی قرآن کریم میں وارد ہے:﴿ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتاً، بل أحياء عند ربهم﴾ الآية (۳) اور انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے اقوی ہے (۴) مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عام امت کے جمیع احوال کا آپ کو بطورِ مشاہدہ علم ہوتا ہے، ایسا علم تو آپ کو حیات دنیوی میں بھی نہیں تھا، ایسا عقیدہ رکھنا درست نہیں (۵)۔

---

(۱) (مناسک الملاعلی القاری المسمی (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط)، باب زیارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص : ۵۰۸، إدارة القرآن)

(۲) قال العلامة السيوطي رحمه الله تعالىٰ: "فأقول : حياة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في قبره هو وسائر الأنبياء معلومة قطعاً ......فمن الأخبار الدالة في ذلک ماأخرجه مسلم عن أنس أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليلة أسرى به مرّبموسى عليه الصلاة والسلام وهو يصلي في قبره اهـ". (الحاوي للفتاوى، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء : ۱۷۸/۲، دارالفكر)

(وكذافي تفسير ابن كثير، (سوره آل عمران : ۱۶۹): ۵۶۵/۱، دارالفيحاء)

(وكذا في التفسير المظهري، (البقرة: ۱۵۴) : ۱۵۲/۱، حافظ کتب خانه، کوئٹه)

(۳)(سورة آل عمران : ۱۶۹)

(۴) "والحق عندي عدم اختصاصها بهم، بل حياة الأنبياء أقوى منهم وأشد ظهوراً آثارها في الخارج، حتى لايجوز النكاح بأزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد وفاته بخلاف شهيد...... اهـ". (التفسير المظهري، (سورة البقرة ۱۵۴): ۱۵۲/۱، ۱۵۳)

(۵) قال الله تعالى :﴿ قل لاأقول لكم عندي خزائن الله ولا أعلم الغيب﴾. (سورة الأنعام : ۵۰)

وقال تعالى :﴿ قل لايعلم من في السموٰت والأرض الغيب إلا الله﴾. (سورة النمل: ۶۵)

روایات سے اس قدر ثابت ہے کہ جو شخص مزار مبارک کے پاس کھڑا ہو کر درود وسلام پڑھتا ہے وہ آپ خود سنتے ہیں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ خدمت اقدس میں بواسطہ ملائکہ پہنچایا جاتا ہے (۱)، چنانچہ اس کی تفصیل علامہ زرقانی نے ''شرح مواہب لدنیہ'' جلد خامس میں کی ہے (۲)، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح شفا میں اس پر کلام کیا ہے (۳)، مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب ''آبِ حیات'' اس مضمون پر تحریر فرمائی ہے۔ ''منقسط ومسلک متوسط'' کی پوری عبارت نقل نہیں کی گئی اور نہ اس سے مسئلہ مسئولہ کی تائید ہوتی ہے۔

آداب زیارت کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے : " محترزاً عن اشتغال النظر بما هناك من الزينة: أى الظاهرة المانعة من شهود الزينة الباطنة، الباهرة التي ظهورها في الآخرة، متمثلاً صورته الكريمة في خيالك (بفتح الخاء): أى في تخيلات بالك لتحسين حالك، مستشعراً بأنه عليه الصلوة والسلام عالم بحضورك و قيامك و سلامك: أى بل بجميع أفعالك و أحوالك و ارتحالك و مقامك، وكأنه حاضر جالس بإزائك، مستحضراً عظمته و جلالته: أى هيبته و شرفه و قدره: أى رفعةً لرتبته صلى الله تعالىٰ عليه و سلم"۔ مسلك متقسط ، ص:٢٨٦ (٤)

یہی مضمون غنية المناسك ، ص: ۲۰۲ میں بھی ہے (۵)۔

---

(۱) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ عند قبرى سمعته، ومن صلى عليّ نائياً أبلغته". رواه البيهقى فى شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، باب الصلوة على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وفضلها، الفصل الثالث، ص:۸۷، قديمى)

(۲) (شرح العلامة الزرقانى على المواهب اللدنية، الفصل الثانى فى حكم الصلوة عليه والتسليم فريضة سَنية : ۹/۲۲۵، ۲۲۹، عباس أحمد الباز، مكة المكرمة)

(۳) (شرح الشفاء للملا على القاري، الباب الرابع فى حكم الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم والتسليم: ۱۴۲/۲ ، دار الكتب العلمية)

(۴) (مناسک الملاعلى القارى المسمى (المسلک المتقسط فى المنسک المتوسط)، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، ص : ۵۰۸، إدارة القرآن)

(۵) "وإذا وصل إلى المدينة المنورة اغتسل بظاهر ها قبل الدخول ...... فإذا دخل باب البلدة، قال: بسم الله ما شاء الله، لا قوة إلا بالله ...... و ليكن متواضعاً متخشعاً معظّماً لحركتها ممتلئاً من هيبة الحال =

مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر اس طرح حاضر ہونا چاہئے کہ گویا اس مجلس میں تشریف فرما ہیں اور ہر حرکت وسکون کو ملاحظہ فرما رہے ہیں "متمثلاً في خيالك، مستشعراً كأنه حاضر" وغیرہ الفاظ کو حذف کر دیا گیا، اگر پورے الفاظ ذکر کئے جاتے تو یہ شبہ ہی نہیں ہوتا، کیونکہ اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات پر یا آپ کے علم کے متعلق بحث نہیں ہے کہ جس میں عقیدۂ مسئولہ مذکورہ ہو، بلکہ آدابِ زیارت کا ذکر ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اُتم واُحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۴/۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، خادم دارالافتاء، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ربیع الثانی ۵۵ھ۔

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر میں

سوال [۲۷۲]: ہمارے یہاں ایک عالم دین نے تقریر میں فرمایا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گئے تو انہوں نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ زندہ ہیں مگر میں اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں، قبر شریف سے جواب آیا کہ زندہ ہوں، انہوں نے پھر کہا کہ میں نہیں مانوں گا، آپ میرے سامنے آیئے تو مانوں گا، چنانچہ پھر قبر شریف شق ہوئی اور اس میں سے آپ نے اپنا دست مبارک نکالا، مصافحہ کیا اور فرمایا کہ میں زندہ ہوں۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ یہ روایت کسی مستند حدیث یا کتبِ فقہ میں منقول ہے اور اس کی سند کیسی ہے، یا من گھڑت ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ روایت حدیث یا فقہ کی کسی کتاب میں نہیں دیکھی، قبر اطہر میں زندہ تشریف فرما ہونے کی بحث مستقل

= بها، مستشعراً لعظمته صلى الله تعالىٰ عليه و سلم، كأنه يراه .... اهـ". (غنية المناسك في بغية المناسك، خاتمة في زيارة قبر سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه و سلم، ص: ٣٧٦، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچى)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحج، المقاصد الثلاثه، المقصد الثالث: ٢/٨٣، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

ہے، علماء حق کی تحقیق یہی ہے کہ زندہ تشریف فرما ہیں، اس پر دلائل بھی موجود ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

حیات انبیاء علیہم السلام

سوال[۲۷۳]: ۱...... حیات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں احادیثِ صحیحہ نے کیا فرمایا ہے؟ کیا اسی قبر میں جہاں انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ مبارکہ دفن کئے گئے ہیں اسی دنیوی جسدِ مبارکہ کے ساتھ اسی قبر میں زندہ ہیں؟ روحِ مبارک رفیقِ اعلیٰ کے مقام میں ہے یا اسی جسد مبارک میں؟ احادیث میں انبیاء علیہم السلام کا قبور میں نماز پڑھنے کا ذکر آیا، کیا وہ نماز اسی جسدِ اطہر مبارک کے ساتھ پڑھتے ہیں یا کسی اَور صورت میں تمثیلی اَرواح سے؟ نیز انبیاء علیہم السلام کی حیات روح مع الجسد کہنے والے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ میں سے ہے؟

۲...... شب معراج میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے تخفیف نماز کے بارے میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے جسد مع الروح سے ہوئی یا صرف روحِ مبارک سے؟

۳...... شب معراج میں مسجد اقصیٰ میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جملہ انبیاء علیہم السلام کی

---

(۱) "عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم قال: "الأنبیاء أحیاء في قبورھم یصلون". (شرح الصدور، باب أحوال الموتی في قبورھم، ص: ۱۸۷، دار المعرفة)

"ثم قال البیھقی: و لحیاة الأنبیاء بعد موتھم شواھد، فذکر قصة الإسراء في لقیه جماعةً من الأنبیاء، و کلمھم، و کلّموه". (الحاوی للفتاویٰ، کتاب البعث، أنباء الأذکیاء بحیاة الأنبیاء: ۲/۱۷۹، دار الفکر بیروت)

"عن أوس بن أوس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم: "إن من أفضل أیامکم یوم الجمعة، فیه خلق آدم" ...... فقال: "إن اللہ عزوجل حرّم علی الأرض أجساد الأنبیاء". (سنن أبی داؤد، کتاب الجمعة، تفریع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۰، سعید)

(وسنن النسائی، کتاب الجمعة، باب إکثار الصلوة علی النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم: ۱/۲۰۳، قدیمی)

امامت کا ذکر آیا ہے، آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ مبارکہ مقتدی ہوئے یا صرف روح انبیاء علیہم السلام کے؟

۴...... حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جو بقید حیات ہیں، اس وقت مسجد اقصیٰ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مع الجسد مقتدی ہوئے یا صرف ان کی ارواح مبارکہ؟

۵...... عام مسلمان مرنے کے بعد جو کہ اپنی قبر میں دفن کئے جاتے ہیں بعد از تدفین فاتحہ خوانی کے لئے جو کلام اللہ پڑھا جائے، کیا وہ سنتے ہیں؟ نفی کی صورت میں حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کہ ''مردے جوتیوں کی آواز سنتے ہیں'' کیا مطلب ہے؟

۶...... قبر سے مراد یہ قبر ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے یا کوئی اَور، عذاب قبر اسی زمینی قبر میں ہوتا ہے یا کسی اور جگہ؟ سوالات کے وقت منکر نکیر فرشتوں کا جو ذکر احادیث میں آیا ہے، اسی قبر میں سوالات اسی جسد عنصری متعلق روح سے کئے جاتے ہیں یا صرف روح سے؟

۷...... سماع موتیٰ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے، کیا جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے اثبات یا نفی میں ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے سماع موتیٰ کے حق میں ہے یا نفی میں؟

۸...... عام مسلمان مرنے کے بعد اس کی قبر پر قرآن خوانی فاتحہ خوانی، بلا معاوضہ جائز ہے یا نہیں؟ جائز کی صورت میں حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل کا جن احادیث میں ذکر آیا ہے وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

۱...... انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ طیبہ کو مٹی نہیں کھا سکتی، وہ محفوظ ہیں (۱) اور بیہقی میں ہے:

"و عن أنس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم: "إن الأنبیاء لا

---

(۱) "عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم : "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم" .... فقال: "إن الله عزوجل حرّم على الأرض أجساد الأنبياء". (سنن أبي داؤد، كتاب الجمعة، تفريع أبواب الجمعة : ۱/۱۵۰، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب الجمعة، باب إكثار الصلوة على النبي : ۱/۲۰۳، قديمي)

يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلةً، و لكنهم يصلون بين يدي الله تعالىٰ حتى ينفخ في الصور"۔ إن قوله: قال البيهقي، فعلى هذا يصيرون كسائر الأحياء، يكونون حيث ينزلهم الله تعالىٰ". (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا جسم بھی ان کی قبر میں چالیس روز سے زائد نہیں رکھا جاتا بلکہ ان کو اٹھا لیا جاتا ہے، خدائے پاک جہاں چاہتے ہیں ان کو رکھتے ہیں (۲)، جب ان کا اصلی جسم موجود ہے تو جسمِ مثالی کی ضرورت نہیں بلکہ یہی جسم ان کے ساتھ رہتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر خصوصیات بھی حاصل ہیں۔

۲......روح مع الجسد سے ملاقات وگفتگو ہوئی (۳)۔

۳......روح مع الجسد سب نے اقتدا کیا (۴)۔

۴......روح مع الجسد۔ الحاوی للفتاویٰ جلد ثانی میں مستقل ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے "أنباء الأذكياء بحيات الأنبياء" اس میں تفصیلی دلائل مذکور ہیں۔

۵......اس حدیث سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سنتے ہیں (۵)۔

---

(۱) (حياة الأنبياء للبيهقي، مترجم، ص: ۳۱، إدارہ اسلاميات، لاهور)

(وكذا في الحاوي للفتاوى، كتاب البعث، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء: ۱۷۹/۲، دار الفكر)

(۲) حضرت نے یہ بات روایتِ مذکورہ کی طرف منسوب کر کے کہی ہے، علمائے دیوبند کا عقیدہ دوسری روایاتِ کثیرہ کی بناء پر جسمِ مبارک کا قبر میں موجود ہونے کا ہے، خود حضرت کا بھی وہی مسلک ہے جیسے ان کے دوسرے فتاویٰ سے ظاہر ہے، جیسے آئندہ مسئلہ میں صراحت کی ہے۔

(۳) "و قد ذكره جماعة من العلماء، و تشهد له صلاة موسى عليه السلام في قبره، فإن الصلاة تستدعي جسداً حياً، وكذلك الصفات المذكورة في الأنبياء ليلة الإسراء كلها صفات الأجسام". (شرح الصدور، باب زيارة القبور: ۲۰۲، دار المعرفة)

(وكذا في الحاوي للفتاوى، كتاب البعث، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء: ۱۸۴/۲، دار الفكر)

(۴) (راجع الحاشيه رقم: ۳)

(۵) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره، وتولى و ذهب أصحابه، حتى أنه ليسمع قرع نعالهم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱۷۸/۱، قديمي)

" وفي حديث الصحيحين من سماع العبد قرع نعال أصحابه إذا دفنوه وانصرفوا عنه، إذ ذاك تعود إليه روحه للسؤال فيسمع وهو حيٌّ، والجمهور على عود الروح إلى الجسد ...... والحق أن الموتى يسمعون في الجملة". (روح المعاني، (سورة الروم: ۵۲): ۵۷/۲۱، دار إحياء التراث العربي)

۶......قبر میں فرشتے آ کر روح کو جسم میں داخل کرتے ہیں تب سوال وجواب کیا جاتا ہے، عامۃً یہ اسی قبر میں ہوتا ہے(۱)۔

۷......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی قول اس مسئلے میں مستقلاً کتبِ فقہ میں نہیں ملا (۲)، صحابہ کرام میں اختلاف ہے(۳) پھر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے کا سوال بے محل ہے۔

۸......بلا کسی غیر ثابت پابندی کے جائز ہے: "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تبارك وتعالىٰ عليه و سلم قال: "من مر المقابر، فقرأ "قل هو الله أحد" إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات"۔ رواه الدار قطني(رحمه الله

---

(۱) "عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرجنا مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم في جنازة رجل من الأنصار ...... قال: "فتعاد روحه في جسده، فيأتيه ملكان، فيجلسانه فيقولان له :من ربك ؟ فيقول ربي الله". الخ. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث البراء بن عازب :۵/۳۶۴، دار إحياء التراث العربي)

"وأخرج البخاري عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره، و تولىٰ و ذهب أصحابه، حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان،فأقعداه فيقولان له : ما كنت تقول في هذا الرجل محمد"؟ ...... الخ. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال : ۱/۱۷۸، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب المسألة في القبر و عذاب القبر :۲/ ۲۹۸، سعيد)

(۲) "واشتهر على ألسنة الناس أن الموتى ليس لهم سماع عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ...... وصنف الملا علي القاري رسالةً و ذكر فيها أن المشهور ليس له أصل من الأئمة أصلاً، بل أخذ هذا في مسئلة في باب الأيمان أنه إذا حلف أنه لا يتكلم فلاناً اهـ". (العرف الشذي على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر : ۱/۲۰۲، سعيد)

(۳) قال المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالىٰ : "فاعلم أن مسألة سماع الموتىٰ و عدمه من المسائل التي وقع الخلاف فيه بين الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين". (أحكام القرآن للمفتي محمد شفيع،(سورة الروم:۵۲) (وتكميل الحبور بسماع أهل القبور :۳/۱۶۳، إدارة القرآن، كراچي)

تعالیٰ)۔ (مراقی الفلاح ، ص: ۳۷۷) (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۱۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۸ھ۔

کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹی میں مل گئے؟ (استغفر اللہ)

سوال[۲۷۴]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر مٹی ہی میں مل گئے تو قرآن سے ثابت کیجئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات کے بعد قبر شریف میں دفن کیا گیا ہے اور جو مٹی جسم اطہر کے ساتھ متصل ہے اس کا مرتبہ خانہ کعبہ اور عرشِ اعظم سے بھی زیادہ ہے، جیسا کہ براہین قاطعہ میں بصراحت مذکور ہے(۲) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم مبارک قبر شریف میں بالکل محفوظ ہے، مٹی اس میں کوئی تغیر نہیں کر سکتی جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

مٹی کس کے جسم کو نہیں کھاتی؟

سوال[۲۷۵]: انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام وعلماء دین شہداء وحفاظ قرآن، عامل بالقرآن اور جو منصب محبت پر فائق ہیں اور وہ جسم جس نے کبھی (اللہ) عزوجل کی معصیت نہ کی اور وہ جو اپنے اوقات درود شریف میں مستغرق رکھتے ہیں، ان کے بدن کو مٹی نہیں کھا سکتی۔ (سائل محمد قاسم عرف میاں)

---

(۱) (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۲، قديمي)

(۲) ”تتبع وتلاش کے بعد براهین قاطعہ میں مذکورہ عبارت نہیں ملی، البتہ شرح الشفاء میں یہ بحث موجود ہے:“فلا شک أن مكة لكونها من الحرم المحترم إجماعاً أفضل من نفس المدينة ماعدا التربد السكينة الملا علی القاری“. (۱۶۳/۲، القسم الثاني، الباب الرابع، فصل في حكم الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم“. (وكذا في ردالمحتار: ۶۲۶/۲، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله عليه وسلم ، باب الهدى، سعيد)

(۳) (فتاوى رشيديه، كتاب العقائد، ص: ۴۰۷، سعيد)

الجواب حامداً و مصلياً:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الصدور، ص:۱۳۲(۱) اور شیخ عبدالوہاب شعرانی نے مختصر تذکرہ قرطبی، ص:۳۸(۲) میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کچھ اور بھی حضرات کو شمار کیا ہے جن کے اجسام قبر میں محفوظ رہتے ہیں اور مٹی ان کو نہیں کھاتی، مختصراً چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

"إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء". "إنما لم تأكل الأرض أجساد الشهداء لكونهم أحياءً عند ربهم يرزقون". "المؤذن المحتسب لا تأكله الأرض". أيضاً "إذا مات حامل القرآن أوحى الله إلى الأرض أن لا تأكل لحمه، فتقول الأرض: أى رب كيف اكل لحمه و كلامك في جوفه. الأرض لا تسلط على جسد الذي لم يعمل خطيئةً"(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ رجب/ ۶۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف،

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

حیاتِ برزخیہ کی نوعیت

سوال[۲۷۶]: یہاں ایک ہفتہ واری پرچہ نکلتا ہے جس کے ایڈیٹر صدیق علی قادری ہیں، ان کا مضمون شائع ہوا ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں اور حسب ذیل آیت کا حوالہ دیا ہے: ﴿ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله أموات بل أحياء ولكن لا تشعرون﴾(٤) یہ آیت ان لوگوں سے متعلق ہے جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے، کیا اولیاء کرام کا تعلق بھی اس آیت سے ہے؟

ڈاکٹر حاجی محمد عزیز الرحمٰن صاحب (بریلی) فرماتے ہیں، اسی لئے تمام عالم اپنی حسن عقیدت لے

(۱) (شرح الصدور، باب نتن الميت و بلاء جسده إلا الأنبياء و من ألحق بهم، ص: ۳۰۸، ۳۰۹، دار المعرفة، بيروت)

(۲) (التذكرة للقرطبي، باب لا تأكل الأرض أجسادا لأنبياء ...... الخ، ص: ۱۸۵، أساسة الإسلامية)

(۳) (التذكرة للقرطبي، المصدر السابق آنفاً)

(۴) (سورة البقرة: ۱۶۹)

کراس بارگاہ سے فیض حاصل کرنے کے لئے حاضر بارگاہ ہوکراس آستانہ سے اپنا دامنِ گوہر مراد سے بھرلے جاتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک نے صاف اعلان کردیا ہے کہ زندہ ہیں ان کو مردہ مت کہو، چنانچہ زندوں سے مراد مانگنا جائز ہے۔ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ اس لئے عوام الناس ان کے مزار اقدس کو مرجع خلائق سمجھتے ہوئے ان سے طالب امداد ہوتے ہیں اور یہ اپنی منگتا کی حاجت روائی فرماتے ہیں،اس لئے ان کے آستانہ پر سرنیاز جھکانے والوں کی تمنا برآئی ہے اور انشاء اللہ ہر نیاز مند کی تمنا ان کے در سے پوری ہوتی رہے گی۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اولیاء کرام زندہ ہیں اوران سے مدد طلب کرنا درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

جوحضرات اللہ کی راہ میں شہید ہوں ان کے متعلق قرآن کریم میں مذکور ہے:''ان کو مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں مگرتم کوان کی زندگی کاشعورنہیں''(۱) لیکن ان کی اس زندگی کو بالکل دنیاوالی زندگی سمجھنا غلط ہے،کیونکہ اس کاشعورتو سب کو ہے،اگران کی زندگی بھی ایسی ہی ہوتی تواس کا بھی شعور ہوتا۔نیزان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی،ان کودفن نہ کیا جاتا،ان کی میراث تقسیم نہ ہوتی،ان کی عورتوں پرعدت واجب نہ ہوتی (۲) اوردوسرے لوگوں سےان کا نکاح جائز نہ ہوتا،ان کی زندگی شعور سے بالاتر ہے۔

اولیاءاللہ کوبھی جوتو شہید نہیں ہوئے ایک قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے وہ بھی شعور سے بالاتر ہے،ان کی

---

(۱)قال الله تعالیٰ: ﴿ولاتقولوا لمن يقتل في سبيل الله أموات، بل أحياء ولكن لاتشعرون﴾ (سورة البقرة: ۱۶۹، پ:۲)

(۲)"فأما في حق أحكام الدنيا، فالشهيد ميت يقسم ماله، وتنكح امرأته بعد انقضاء العدة، ووجوب الصلوة عليه من أحكام الدنيا، فكان ميتاً فيه، فيصلى عليه". (بدائع الصنائع،باب الشهيد: ۱/۳۲۵)

"والشهيد حيّ في أحكام الآخرة كما قال تعالى: ﴿بل أحياء عند ربهم﴾ فأما في أحكام الدنيا، فهو ميت يقسم ميراثه، وتتزوج امرأته بعد انقضاء العدة، وفريضة الصلوة عليه من أحكام الدنيا، فكان فيه ميتاً يصلى عليه". (المبسوط للسرخسي: ۲/۵۰، باب الشهيد،بيروت)

حیات کوتسلیم کرنا بھی لازم ہے(۱)اوران کی وفات کوتسلیم کرنا بھی لازم ہے(۲)وفات کے بعد جوحیات ہے اس کے متعلق جتنی بات شرعی دلائل سے ثابت ہے اس کوتسلیم کیا جائے گااور جو بات شرعی دلائل سے ثابت نہیں اس کوقیاس سے ثابت نہیں کیا جائے گا(۳)۔

زیارت قبور کی ترغیب حدیث پاک میں آئی ہے(۴)، ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی ترغیب بھی آئی ہے، وہاں جاکر سلام کی ترغیب بھی موجود ہے(۵)، بعض روایات میں ان کے توسل سے دعاء بھی منقول ہے اس طرح کہ ''اے اللہ! اپنے پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے میری دعاء قبول فرما، میری فلاں حاجت پوری فرما(۶)۔ بزرگان دین کے مزارات مقدسہ پر حاضر ہوکر خودان سے اپنی مرادیں مانگنا کہ آپ مجھے

---

(۱)''وعندی أن الحیاۃ فی البرزخ ثابتۃ لکل من یموت من شهید وغیره، فذهب جماعۃ من العلماء إلی أن هذه الحیاۃ مختصۃ بالشهداء، والحق عندی عدم اختصاصها، بل حیاۃ الأنبیاء أقوی منهم ......والصدیقون أیضاً أعلی درجۃً من الشهداء، والصلحون یعنی الأولیاء ملحقون بهم''.(التفسیر المظهری: ۱/۱۵۲،حافظ کتب خانه)

(۲)قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنک میت وإنهم میتون﴾.(الزمر،۳۰)

(۳) ''(فیما یحل الاستفتاء فیه)الأحکام(الظنیۃ لا العقلیۃ المتعلقۃ بالاعتقاد، فإن المطلوب فیها العلم علی المذهب الصحیح، فلا یجوز التقلید فیها، بل یجب تحصیلها بالنظر الصحیح''.(تیسیر التحریر: ۲۴۳/۴)

''لأن القیاس مظهر لامثبت''. (نورالأنوار،ص: ۲۴۴)

(۴) ''عن محمد بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنه یرفع الحدیث إلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: ''من زار قبر أبویه أو أحدهما فی کل جمعۃ ، غفرله و کتب برّاً''.(مشکوۃ المصابیح ، ص:۱۵۴ ،باب زیارۃ القبور،قدیمی)

(۵)''عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یعلمهم إذاخرجوا إلی المقابر قال:''السلام علیکم أهل الدیار من المؤمنین، والمسلمین، وإنا إنشاء اللہ بکم للاحقون، نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ''.(مشکوۃ المصابیح، باب زیارۃ القبور،ص:۱۵۴ ، قدیمی)

(۶)''عن أمیۃ بن خالد بن عبداللہ بن أسید رضی اللہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنه کان یستفتح بصعالیک المهاجرین''.(مشکوۃ المصابیح، ص:۴۴۷، باب فضل الفقراء اهـ قدیمی) =

بیٹا دے دیجئے، میرے مقدمہ میں کامیاب کر دیجئے، میں بیمار ہوں مجھے صحت دے دیجئے وغیرہ وغیرہ (۱) اور یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ حضرات یہ سب کام کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تصرفات کے اختیارات دے رکھے ہیں شرعی دلائل (قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، قیاس ائمہ مجتہدین) سے ثابت نہیں۔

اس واسطے بزرگان دین کے لئے نذر ماننے اور ان کے مزارات پر چڑھاوا چڑھانے کی اجازت نہیں۔ البحر الرائق (۲)، درمختار، شامی (۳)، طحطاوی (۴) اور دیگر کتب فقہ (۵) میں ایسی نذر کو ناجائز اور حرام لکھا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فتح العزیز میں حرام تحریر فرمایا ہے، مدارک التنزیل کی شرح "الإکلیل" میں بہت سی کتب سے اس کے لئے عبارات نقل کی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

جسم شہید کی حرمت علی الارض کی تشریح، بیان القرآن کی ایک عبارت

سوال [۲۷۷]: بیان القرآن میں ایک جگہ یہ عبارت ہے:

= "عن أنس أن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه كا ن إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب فقال: أللهم إنا كنانتوسل إليک بنبيناصلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم فتسقينا، وإنا نتوسل إليک بعمّ نبينا فاسقنا، فيسقوا". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۳۲، باب الاستسقاء)

(۱) "ومنهاأنه إن ظن أنّ الميت يتصرف في الأمور دون اللہ تعالیٰ، واعتقاده ذلک كفر". (البحر الرائق: ۲/۵۲۰، كتاب الصوم فصل فی النذر، رشيديه)

(۲) "وأما النذر الذی ينذره أكثر العوام على ماهو مشاهد، كأن يكون لإنسان غائب أو مريض أوله حاجة ضرورية، فيأتي بعض الصلحاء، فيجعل ستره على رأسه، فيقول: يا سيدی فلان! إن رد غائبی، أو عوفی مريضی، أو قُضيت حاجتی، فلک من الذهب كذا، أومن الفضة كذا، أو من الزيت كذا، فهذا نذر باطل بالإجماع". (البحر الرائق: ۲/۵۲۰ كتاب الصوم فصل فی النذر، رشيديه)

(۳) (رد المحتار: ۲/۴۳۹، مطلب فی النذر الذی يقع للاموات، سعيد)

(۴) (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، ص: ۶۹۳، كتاب الصوم، باب مايلزم به الوفاء به، قديمی)

(۵) (النهر الفائق: ۲/۴۲، كتاب الصوم، فصل فی النذر، مكتبه امداديه ملتان)

''حدیث میں :''حرمت جسم شهيد على الأرض'' وارد ہے(۱)غیر ارض سے غیر متأثر ہونا وارد نہیں، چنانچہ دوسرے اجسام مرکبہ مثل اسلحہ، ادویہ، اغذیہ وخلاطہ واجسام بسیطہ: مثل آب وآتش وباد کی تاثیر انبیاء علیہم السلام کی حیات قبل الممات سے اقویٰ نہیں اور بعض حصۂ ارض میں بعض حصہ غیر ارضیہ بھی شامل ہوجاتی ہے جس طرح دوسرے عناصر میں بھی مخالف عناصر شامل ہوجاتے ہیں، سواگر ان اجزائے غیر ارضیہ سے ان کے اجسام متأثر ہوجائیں تو اس سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا جن میں حرمتِ اجسام علی الارض وارد ہے اور ایک جواب یہ ہے کہ امتیاز اجسادِ شہداء کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ دوسرے اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متأثر نہ ہوں، گوکسی وقت میں ہوجائے اور احادیث سے بھی امر مقصود کہا جائے کہ ان محفوظیت اجساد کی خارق عادت ہے اور خرقِ عادت کی دونوں صورتیں ہیں: حفظ مؤبد اور حفظ طویل، اور چونکہ برزخ حواس سے مدرک نہیں ہوتا اس لئے ''لا تشعرون ''فرمایا گیا(ص:۸۸، جلد:۱، پارہ:۲)(۲)۔

اُمید ہے کہ آپ اپنی زبان میں وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں گے مولانا کے الفاظ بہت ہی دقیق ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

بعض روایات میں آیا ہے کہ شہید کا جسم محفوظ رہتا ہے، مٹی اس کو متأثر نہیں کرتی ،گلتا سڑتا نہیں، شہید کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے(۳)، اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ تلوار سے اگر اس کے ٹکڑے کر دیئے

---

(۱) لم أطلع على هذا الحديث ، وقد استدل لحرمة جسم الشهيد على الأرض فی ''التفسير المظهری'' بحديث حرمة جسم الأنبياء على الأرض حيث قال: ''و أخرج الطبرانی عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :''المؤذن المحتسب كالشهيد المتشخط بدمه، إذا مات لم يدود فی قبره''. ...... (بل أحياء) يعنی إن الله تعالىٰ يعطی لأرواحهم قوة الأجساد ...... و من أجل ذلك الحيوٰة لا تأكل الأرض أجسادهم، ولا أكفانهم .... و يدل على أن أجساد الأنبياء والشهداء و بعض الصلحاء لا يأكلها الأرض ما أخرجه الحاكم و أبو داؤد عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :''إن الله حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء''. (التفسير المظهری : ۱/۱۵۲، ۱۵۳، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۲) (بيان القرآن : ۱/۸۸، سعيد)

(۳) (تقدم البحث على الحديث تحت رقم الحاشية : ۱)

جائیں تو وہ کٹ جاتا ہے(۱) آگ اور پانی سے بھی متاثر ہوتا ہے، جس چیز میں مٹی اور دوسری چیز مخلوط ہو اس سے متاثر ہوتا ہے، یہ متاثر ہونا حدیث کے خلاف ہے جس میں اس کے محفوظ رہنے کو فرمایا گیا ہے، کیونکہ ان چیزوں سے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے اجسام بھی متاثر ہوتے ہیں اور شہید کی حیات انبیاء علیہم السلام کی حیات سے قوی نہیں، اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں: اول یہ کہ برزخ کے حالات حواس سے مدرک نہیں ہوتے (۲) اور قیاس سے ان کو ثابت نہیں کیا جاسکتا، پس اگر دفن سے پہلے شہید کا جسم تلوار وغیرہ سے کٹ جائے، آگ سے جل جائے تو اس پر قیاس کر کے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ دفن کے بعد وہ مٹی سے بھی متاثر ہو کر گل سڑ جائے، محفوظ نہیں رہے گا۔

دوسرا یہ کہ اگر وہ گل سڑ بھی جائے تو ہوسکتا ہے کہ مٹی کے ساتھ وہاں دوسرے اجزاء مثلاً پانی مخلوط ہو اس پانی سے گل سڑ گیا ہو، نہ کہ محض مٹی سے، حدیث شریف میں اتنا ہی ہے: ''ارض اس کے جسم کو نہیں کھاتی''، یہ نہیں کہ پانی بھی اس کو نہیں گلاتا۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ مقصود یہ ہو (کہ) مٹی دیر تک نہیں کھاتی، نہ یہ کہ کبھی نہیں کھاتی، بس عام موتی کے اعتبار سے اگر شہید کا جسم کچھ دیر تک بطور خرقِ عادت محفوظ رہا تب بھی حدیث شریف کا مضمون صادق آ گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) ''و روى نقلة الأخبار: أن معاوية رحمه الله تعالىٰ (كذا في الأصل بلفظ: "رحمه الله") لما أجرى العين التي استنبطها بالمدينة في وسط المقبرة، و أمر الناس بتحويل موتاهم، و ذلك في أيام خلافته، و بعد الجماعة بأعوام، و ذلك بعد أحد بنحو من خمسين سنةً، فوجدوا على حالهم حتى أن الكل رأوا المسحاة، و قد أصابت قدم حمزة بن عبدالمطلب (رضي الله تعالىٰ عنه) فسال منه الدم، و أن جابر بن عبد الله أخرج أباه عبد الله بن حرام كأنما دفن بالأمس''. (التذكرة في أحوال الموتى و أمور الآخرة، باب لا تأكل الأرض أجساد الأنبياء ولا الشهداء، و أنهم أحياء، ص: ۱۸۵، مكتبه أسامة الإسلامية)

(۲) ﴿ولكن لا تشعرون﴾ أي: لا تحسون و لا تدركون ماحالهم بالمشاعر؛ لأنها من أحوال البرزخ التي لا يطلع عليها، و لا طريق للعلم بها إلا بالوحي''. (روح المعاني: ۲/۳۰، (سورة البقرة)، تفسير الآيات: ۱۵۳ - ۱۵۵، دار الفكر بيروت)

حیاتِ شہداء اور وفات

سوال[۲۷۸]: میرے ایک دوست ہیں جو مولانا خوشحال صاحب کے پکے مرید ہیں، ان کے ساتھ اکثر مختلف مسائل پر باہمی گفتگو ہوتی رہتی ہے، میرا اور ان کا معمول یہ ہے کہ ہم عشاء کی نماز پڑھ کر ایک بزرگ ابراہیم علی شاہ پیر کچہری بھوپہ اسٹینڈ پر مزار شریف پر فاتحہ پڑھنے کے لئے جاتے ہیں، ان کا معمول ہے کہ وہ اگربتی جلاتے ہیں اور ان کی قبر پر جو گولک لگی ہوئی ہے اس میں پیسے ڈالتے ہیں اور مزار پر جو شیرینی اکثر لوگ چڑھاتے ہیں اس کو کھالیتے ہیں۔

ہمارا اور اس کا اس مسئلہ پر اختلاف ہے، میں کہتا ہوں جو شیرینی چڑھاوے کی ہے اس کا کھانا حرام ہے اس لئے آپ نہ کھائیں، وہ کہتے ہیں ہم تو ان کو زندہ مانتے ہیں یہ مردہ نہیں ہیں، میں کہتا ہوں کہ قرآن میں ہے کہ سوائے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اَور سب مردہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں آیا ہے کہ اولیاء اللہ اور شہید سب زندہ ہیں اور تم نے قرآن پاک سے اعراض کیا ہے تم کو سخت سزا ملنی چاہئے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ:

۱......نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور بزرگ ولی اپنی قبر میں زندہ ہے یا نہیں؟

۲......ایک صاحب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی زندہ نہیں کہتے، وہ بھی انتقال کر گئے: ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾(۱)۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......زندگی تو اَوروں کے لئے بھی ثابت ہے مگر سب کی زندگی یکساں نہیں، بڑا فرق ہے(۲)، نبی کے

---

(۱) (آل عمران: ۱۸۵)

(۲) قال القاضي ثناء الله رحمه الله تعالیٰ: "فذهب جماعة من العلماء إلى أن هذه الحياة مختصة بالشهداء، والحق عندي عدم اختصاصها بهم، بل حياة الأنبياء أقوى منهم و أشد ظهوراً آثارها في الخارج، حتى لا يجوز النكاح بأزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد وفاته، بخلاف الشهيد، والصديقون أيضاً أعلى درجةً من الشهداء اهـ". (التفسير المظهري، سورة البقرة: ۱۵۴، ۱/۱۵۲)

بعد ان کی بیوی سے نکاح جائز نہیں (۱) نیز نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی (۲) اولیاء اللہ اور شہداء کا یہ حال نہیں۔

۲......ایک قسم کی وفات جو کہ شان اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناسب واقع ہوئی ہے: ﴿إنك ميت و إنهم ميتون﴾ الاية (۳) اس کے باوجود حیات نہایت اعلیٰ قسم کی حاصل ہے، ''آب حیات'' اور

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما كان لكم أن تؤذوا رسول الله، و لا أن تنكحوا أزواجه من بعده أبداً﴾ (سورة الاحزاب: ۵۳)

''عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما فى قوله تعالىٰ: ﴿و ما كان لكم أن تؤذوا رسول الله﴾ قال: نزلت فى رجل همّ أن يتزوج بعض نساء النبى صلى الله تعالىٰ عليه و سلم بعده، قال: رجل لسفيان: أهي عائشة؟ قال: قد ذكروا ذلک ...... (قال الحافظ ابن كثير) و لهذا اجتمع العلماء قاطبةً على أن من توفى عنها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم من أزواجه أنه يحرم على غيره تزوجها من بعده؛ لأنهن أزواجه فى الدنيا والآخرة، وأمهات المؤمنين''. (تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب: ۵۳): ۳/۶۶۸، مکتبه دار الفيحاء)

و قال الله تعالىٰ: ﴿و أزواجه أمهاتهم﴾: أى منزلات منزلة أمهاتهم فى تحريم النكاح واستحقاق التعظيم''. (روح المعاني، (سورة الأحزاب: ۶): ۲۱/۱۵۱، دار إحياء التراث العربى)

(۲) ''عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أن فاطمة بنت النبى صلى الله تعالىٰ عليه و سلم أرسلت إلى أبى بكر تسئله ميراثها من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم مما أفاء الله عليه بالمدينة، و فدک، و ما بقى من خمس خيبر، فقال أبو بكر: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: ''لا نورث، ما تركنا صدقة''. (صحيح البخارى، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر: ۲/۶۰۹، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفىء: ۲/۹۱، قديمى)

قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: ''و قد وقع فى حديث أبى سلمة عن أبى هريرة عند الترمذى: جاء ت فاطمة إلى أبى بكر، فقالت: من يرثک؟ قال: أهلى وولدى، قالت: فما لى لا أرث أبي؟ قال أبو بكر: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم يقول: ''لا نورث''، ولكنى أعول من كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعوله''. (فتح البارى، كتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس: ۶/۲۴۹، قديمى)

(۳) (سورة الزمر: ۳۰)

''و قال الشيخ تقى الدين السبكى: حياة الأنبياء والشهداء فى القبر كحياتهم فى الدنيا =

''شفاء السقام'' وغیرہ میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۰/۲۶ھ۔

سماعِ موتیٰ

سوال[۲۷۹]: اگر زید حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے اعتقاد کے مطابق: ﴿إنك لا تسمع الموتى﴾(۲) کی دلیل کے ساتھ سوائے نعلین والی حدیث کے مُردوں کے لئے صرف وقتی سننا مانتے ہوئے باقی تمام اوقات میں موتیٰ کے لئے سننے کے لئے انکار کرے تو کافر ہے یا موحد؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اس سے کفر نہیں ہوتا(۳) بعض صحابہ کرام اور بعض ائمہ مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے(۴)۔

= ويشهد له صلاة موسىٰ (عليه السلام) في قبره، فإن الصلاة تستدعي جسداً حياً، وكذلك الصفات المذكورة ليلة الإسراء كلها صفات الأجسام اهـ". (الحاوي للفتاوى، كتاب البعث، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء: ۱۸۴/۲، دار الفكر بيروت)

(۱) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کتاب ''آبِ حیات'' اس موضوع پر تصنیف کی ہے۔

(وشفاء السقام في زيارة خير الأنام، الباب التاسع في حياة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، ص: ۱۷۹، المكتبة النورية الرضوية لائلپور)

(۲) (النحل: ۸۰)

(۳) یہ مسئلہ عقائد سے متعلق نہیں ہے، چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یہ مسئلہ نہ عقائد ضروریہ سے ہے، نہ کسی عملِ دین کا موقوف علیہ ہے، نہ مجتہد کی نص کا اس میں تتبع ضروری ہے، نہ کسی ایک جانب کا جزم ضروری ہے، اس میں اشتغال مالایعنی کا اہتمام ہے''۔ (امداد الفتاوی: ۴۳۷/۵، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۴) "قوله: "السلام عليكم يا أهل القبور"، استدل بظاهره من قال بسماعهم، و منهم عمر و ابنه ...... و استدل المنكرون و منهم عائشة رضي الله تعالىٰ عنها وابن عباس". (الكوكب الدري على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱۹۷/۲، ادارة القرآن كراچی)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة النمل: ۸۰): ۲۳۲/۱۳، دار الفكر بيروت)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی مفہوم ہوتا ہے (۱)۔

سماعِ موتی

سوال [۲۸۰]: زید کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سماعِ موتی کے قائل نہیں ہیں اور اس پر بعض مسائلِ فقہیہ بھی مبنی ہیں۔ کیا یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ اور سماعِ موتی کا منکر اہل السنّت والجماعت میں داخل ہے یا نہیں؟ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سماعِ موتی ثابت ہو تو اس کا صحیح حوالہ تحریر فرماویں اور اگر ثابت نہیں تو شہداء اور اولیاء بھی مستثنیٰ ہیں یا نہیں؟ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا صحیح مذہب صحیح روایت سے منقول شدہ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال الله تبارك و تعالىٰ: ﴿فإنك لا تسمع الموتى﴾ الخ (۲) اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختلاف ہے، بعض حضرات سماعِ موتی کے قائل ہیں اور احادیث سے استدلال کرتے ہیں (۳)، اور بعض

---

(۱) "واشتهر على ألسنة الناس أن الموتى ليس لهم سماع عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (العرف الشذي على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۲۰۲/۱، سعيد)

(وكذا في الكوكب الدري على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱۹۷/۲، إدارة القرآن)

واضح رہے کہ یہ بات امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، لیکن ان سے ثابت نہیں۔

(۲) (سورة الروم: ۵۲)

(۳) چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور جمہور درج ذیل روایات سے اثباتِ سماعِ موتی پر استدلال کرتے ہیں: "عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولى و ذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم" الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱۷۸/۱، قديمي)

"عن صالح قال: حدثني نافع أن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أخبره قال: اطلع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على أهل قليب فقال: "وجدتم ما وعدكم ربكم حقاً"؟ فقيل له: تدعوا أمواتاً؟ قال: "ما أنتم بأسمع منهم و لكن لا يجيبون". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر: ۱۸۳/۱، قديمي) =

حضرات سماع کے قائل نہیں، وہ اس آیت شریفہ کو استدلال میں پیش کرتے ہیں(۱) چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مسلک بھی یہی ہے(۲) اور اس کو امام اعظم نے اختیار فرمایا ہے(۳)، چوں کہ آیت قطعی ہے اور اخبار واحادیث ظنی ہیں اس لئے اپنی حقیقت اور قطعیت پر باقی رہے گی اور اخبار میں مناسب توجیہہ خصوصیت وقائع وغیرہ کی کرلی جائے گی جس سے تعارض باقی نہ رہے(۴)۔

= (وصحيح البخاری، كتاب المغازی، باب قتل أبی جهل: ۵۶۶/۲، قديمی)

(۱) حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم درج ذیل آیات سے سماع موتٰی کے نفی پر استدلال فرماتے ہیں: قال الله تعالیٰ: ﴿إنک لا تسمع الموتیٰ﴾ (سورة النمل: ۸۰)

و قال تعالیٰ: ﴿و ما أنت بمسمع من فی القبور﴾ (سورة فاطر: ۲۲)

(۲) قال الحافظ : "ثالثها حديث عائشة، قالت: إنما قال النبی صلی الله تعالیٰ عليه و سلم: "إنهم ليعلمون الآن، ما أن كنت أقول لهم حق". و هذا مصير من عائشة إلى رد رواية ابن عمر المذكورة، و قد خالفها الجمهور في ذلک". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر: ۳۰۰/۳، قديمی)

(۳) "واستدل المنكرون و منهم عائشة وابن عباس و منهم الإمام بقوله تعالیٰ : ﴿إنک لا تسمع الموتی﴾. (الكوكب الدري علی جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۱۹۷/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی العرف الشذي علی جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۲۰۲/۱، سعيد كراچی)

(۴) "قال: و أجابوا عن هذا الحديث تارةً بأنه مردود من عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: كيف يقول رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه و سلم ذلک والله تعالیٰ يقول : ﴿ما أنت بمسمع من في القبور﴾، ﴿إنک لا تسمع الموتیٰ﴾ ...... ثم قال: و تارةً بأن تلک الخصوصية له صلی الله تعالیٰ عليه و سلم معجزةً و زيادة حسرة علی الكافرين .... و تارةً بأنه من ضرب المثل، أقول : و يدفعه جوابه صلی الله تعالیٰ عليه و سلم،ثم قال: ويشكل عليهم خبر مسلم : إن الميت ليسمع قرع نعالهم إذا انصرفوا، اللهم إلا أن يخصوا ذلک بأول الوضع في القبر مقدمةً للسوال جمعاًبينه و بين الآيتين، فإنهما يفيدان تحقق عدم سماعهم".

(مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد، باب حكم الأساری، الفصل الأول :۵۱۸/۷، ۵۱۹، رشيديه)

(وكذا فی فتح الباري، كتاب المغازي، باب قتل أبی جهل :۳۸۶/۷، قديمی)

جو صحابہ حدیث: ''والذی نفسی بیده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم، و لكن لا يجيبون'' (۱) کو خود سن چکے تھے ان کے حق میں یہ حدیث بھی قطعی تھی، اس لئے ان کو آیت میں تخصیص یا تاویل کی گنجائش تھی کہ وہ (بھی) قطعی یہ بھی قطعی، ہر دو جانب اکابر ہیں اس لئے قطعی طور پر کسی کا ابطال دشوار ہے، البتہ حنفی مقلد کے نزدیک اپنے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک راجح ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے صراحۃً یہ مسئلہ منقول نہیں، نہ ثبوتاً نہ نفیاً، بلکہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جس کو فقہاء کتاب الأیمان میں ذکر کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ''اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص سے کلام نہیں کروں گا پھر وہ مرگیا اور اس کی قبر پر جاکر کلام کیا تو اس سے حانث نہیں ہوگا'' (۲) اس مسئلہ سے بعض علماء نے اخذ کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ سماع موتی کے قائل نہیں بلکہ منکر ہیں، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے (۳) ''العرف الشذی'' کے ص: ۳۸۶ پر اس رسالہ کا حوالہ بھی موجود ہے (۴)۔

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۵۶۶/۲، قديمي)

(۲) "قال ابن الهمام في شرح الهداية: اعلم على أن أكثر مشايخ الحنفية على أن الميت لا يسمع على ما صرحوا به في كتاب الأيمان: لو حلف لايكلمه، فكلمه ميتاً لا يحنث؛ لأنها تنعقد على ما يجيب بفهم، والميت ليس كذلك". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد، باب حكم الأسارى، الفصل الأول: ۵۱۸/۷، رشيديه)

(وكذا في العرف الشذي على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۲۰۲/۱، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الأيمان، باب اليمين في الكلام: ۱۴۳/۵، مصطفى البابي، مصر)

(۳) "واشتهر على ألسنة الناس أن الموتى ليس لهم سماع عند أبي حنيفة". (العرف الشذي على سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۲۰۲/۱، سعيد)

(۴) "وصنف ملا على القاري رسالةً، و ذكر فيها أن المشهور ليس له أصل من الأئمة أصلاً، بل أخذ هذا من مسئلة في باب الأيمان أنه إذا حلف أنه لا يتكلم فلاناً اهـ". (العرف الشذي على سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۲۰۲/۱، سعيد)

سماع موتی کے مسئلہ پر تشدد نہیں چاہئے، فریقین کسی پر طعن و تشنیع نہ کریں اور محض سماع موتی کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص حنفیت سے خارج نہیں ہوتا، اس طرح سماع موتی کے اقرار کی وجہ سے حنفیت سے نہیں نکلتا۔ فتاویٰ عزیزی ا/۹۳(۱) طحطاوی شرح مراقی الفلاح ص:۳۶۴(۲) تفسیر ابن کثیر ۳/ ۴۳۸(۳) میں آیت ﴿فإنك لا تسمع الموتیٰ﴾(٤) میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔ اولیاء اور شہداء کو بہ نسبت عوام مؤمنین کے بہت کچھ فضائل حاصل ہیں(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ شعبان/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (فتاوی عزیزی (فارسی): ۱/۹۱، کتب خانه رحیمیه دیوبند)

(فتاوی عزیز (اردو) باب التصوف، خط شاہ غلام علی صاحبؒ، ص: ۱۴۲، سعید)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

(۳) (تفسير ابن كثير، سورة الروم: ۳/ ۵۸۰، دارالسلام رياض)

(۴) (سورة الروم: ۵۲)

(۵) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله أموات بل أحياء و لكن لا تشعرون﴾. (سورة البقرة: ۱۵۴)

و قال تعالىٰ: ﴿ و لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتاً بل أحياء عند ربهم يرزقون، فرحين بما آتاهم الله من فضله، و يستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم ألاّ خوف عليهم و لا هم يحزنون﴾.(سورة آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰)

"عن مسروق قال: سألنا عبد الله عن هذه الآية: ﴿ و لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتاً بل أحياء عند ربهم يرزقون ﴾ قال: أما أنا قد سألنا عن ذلک فقال: "أرواحهم في جوف طير خضر، لها قناديل معلّقة بالعرش، تسرح من الجنة حيث شاء ت، ثم تأوی إلى تلک القناديل اهـ". (الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب فی بيان أرواح الشهداء فی الجنة و أنهم أحياء عند ربهم يرزقون: ۲/۱۳۵، قديمی)

(وجامع الترمذی، أبواب التفسير عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم، سورة آل عمران: ۲/ ۱۳۰، سعيد)

سماعِ موتی کی تفصیل

سوال[۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسائلِ ذیل میں:

۱......سماعِ موتی صحیح ہے یانہیں، مردے زندوں کی پکار کو سنتے ہیں یانہیں اور اگر سنتے ہیں تو جواب دے سکتے ہیں یانہیں؟ مسئلہ کی پوری توضیح فرمائیں اور اس کے متعلق قرآنی آیات بھی سامنے رکھیں: ﴿إنك لا تسمع الموتی و لا تسمع الصم الدعاء﴾ (۱) دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: ﴿إن الله یسمع من یشاء، وما أنت بمسمع من فی القبور، إن أنت إلا نذیر﴾ (۲)۔

سماعِ موتی کے متعلق ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت کرنے پر یہ فرمایا: ''ما أنتم بأسمع منهم، ولکن لا یجیبون'' (۳) یعنی تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر وہ جواب نہیں دے سکتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اس روایت کو سنا تو فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد یہ نہیں تھا کیونکہ کلام مجید میں اس کے خلاف نص قطعی موجود ہے: ﴿إنك لا تسمع الموتیٰ﴾ (٤) ﴿و ما أنت بمسمع من فی القبور﴾ (۵) اے رسول تو نہ مردوں کو اپنی بات سنا سکتا ہے اور نہ قبروں میں مدفون ہونے والوں کو۔

مسئلہ کی تشریح ان دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے دلنشین انداز میں کریں کہ کوئی خدشہ باقی نہ رہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں: ایک: اِسماع، دوم: استماع، سوم: سماع۔

اِسماع کی نفی صراحۃً کلام اللہ میں مذکور ہے: ﴿إنك لا تسمع الموتی﴾ (٦) ﴿و ما أنت

---

(۱) (سورة النمل: ۸۰)

(۲) (سورة الفاطر: ۲۲، ۲۳)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۵٦٦/۲، قديمی)

(۴) (سورة النمل: ۸۰)

(۵) (سورة الفاطر: ۲۲)

(٦) (سورة النمل: ۸۰)

بمسمع من فی القبور ﴾(۱) یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذات خود مردوں کو نہیں سنا سکتے تا بدیگراں چہ رسد۔

استماع کا حاصل یہ ہے کہ مردے کان لگا کر خود کسی کی بات سنیں، جب جسم سے روح جدا ہو جائے تو یہ جسم کا کان نہیں سن سکتا، کیونکہ اصل ادراک کرنے والی چیز روح ہے اور یہ قوتِ سامعہ اس کے لئے آلۂ ادراک ہے، جب روح نے اس جسم کو اور اس جسم میں لگے ہوئے آلات کو ترک کر دیا تو اس کے لئے یہ آلات کار آمد نہیں ہیں، جس طرح میت قوتِ باصرہ، لامسہ، باطشہ وغیرہ سے کام نہیں لے سکتی، اسی طرح قوتِ سامعہ سے بھی کام نہیں لے سکتی (۲)۔ وہذا ظاہر لا یخفی۔

سماع کا حاصل یہ ہے کہ کوئی خارجی آواز اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے میت کو ادراک کرادیں جس میں نہ صاحب صوت کو دخل ہو نہ میت کو، تو یہ بالکل ممکن ہے، حق تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں، اس کے لئے شواہد کثیرہ موجود ہیں (۳)۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''جب میت کو قبر میں رکھ کر ساتھی لوٹتے ہیں تو'' إنــه یسمع

---

(۱) (سورة الفاطر: ۲۲)

(۲) ''قال ابن القيم: و قد يقال: نفي إسماع الصُمّ مع نفي إسماع الموتىٰ يدل على أن المراد عدم أهلية كل منهما للسماع، و أن قلوب هؤلاء لما كانت ميتةً صماء كان إسماعها ممتنعاً بمنزلة خطاب الميت والأصم، وهذا حق، ولكن لا ينفى إسماع الأرواح بعد الموت إسماع توبيخ و تقريع بواسطة تعلقها بالأبدان في وقتٍ ما، فهذا غير الإسماع المنفى''. (كتاب الروح، المسئلة السادسة: هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السوال أم لا، ص: ٦٣، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۳) ''عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: ''ما من أحد يمر بقبر أخيه المسلم كان يعرفه في الدنيا، فيسلم عليه إلا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام''. (تفسير ابن كثير (سورة الروم: ۵۲) ۵۸۰/۳، مكتبه دار الفيحاء)

و قال العلامة الألوسي: ''والحق أن الموتى يسمعون في الجملة، و هذا على أحد وجهين: أولهما أن يخلق الله عزوجل في بعض أجزاء الميت قوةً يسمع بها متى شاء الله تعالىٰ السلامَ ونحوه مما يشاء الله سبحانه و تعالىٰ لسماعه إياه .... و ثانيهما: أن يكون ذلك السماع للروح بلا وساطة في البدن اهـ''. (روح المعانى، سورة الروم: ۵۲: ۵۷/۲۱، دار احياء التراث العربى)..............................=

قرع نعالهم" (۱) اس میں نہ میت کے کان لگانے اور اختیار کو دخل ہے، نہ اصحابِ نعال کے اِسماع اور میت تک آواز پہونچانے کو دخل ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے۔

قبرستان پہونچ کر سلام کرنا مسنون ہے (۲) اتنی کثیر مٹی کے اندر مدفون میت تک اس معمولی آواز کا پہنچادینا صاحب آواز کے قابو سے باہر ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے (۳) الی غیر ذلک من الروایات۔

عالم برزخ کو عالم مشاہدہ پر قیاس کر کے محض عقلی طور پر کوئی قطعی بات ثابت کرنا بھی مشکل ہے، "لأن قياس الغائب على الشاهد لا يجوز كما صرح به الرازى إمام المتكلمين فى مواضع لا تحصى"۔ جن روایات سے نفی معلوم ہوتی ہے، وہاں استماع کی نفی ہے، نہ کہ سماع کی (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "عن صالح قال: حدثني نافع أن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أخبره قال: اطلع النبى صلى الله تعالىٰ عليه و سلم على أهل القليب، فقال: "وجدتم ما وعدكم ربكم حقاً"؟ فقيل له: تدعوا أمواتاً؟ قال: "ما أنتم بأسمع منهم، ولكن لا يجيبون". (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر: ۱/۱۸۳، قديمى)

(۱) (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمى)

(۲) "عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: مر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم بقبور المدينة، فأقبل عليهم بوجهه، فقال: "السلام عليكم يا أهل القبور يغفر الله لنا و لكم، أنتم سلفنا و نحن بالأثر".

(سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعيد)

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين، و أتاكم ما توعدون غداً موجلون، و إنا إن شاء الله بكم لاحقون". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل فى التسليم على أهل القبور والدعاء والاستغفار لهم: ۱/۳۱۳، قديمى)

(وسنن أبى داود، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا مرّ بالقبور: ۲/۱۰۶، امداديه ملتان)

(۳) "والحق أن الموتى يسمعون فى الجملة .... و لا يمنع من ذلك كونه تحت أطباق الثرى".

(روح المعانى: ۲۱/۵۷، (سورة الروم: ۵۲): دار إحياء التراث، بيروت)

(۴) (سيأتى تخريجه تحت عنوان: "سماع موتی کی تفصیل")

ایضاً

سوال[۲۸۲]: یہ بات تو واضح ہوگئی کہ مردے میں (خود) سننے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ذریعہ میت کو صوت کا ادراک کرادیں جس میں نہ میت کو دخل ہے نہ صاحبِ صوت کو تو اس میں کوئی استحالہ نہیں اس کے باوجود آپ نے مردے کے لئے سماع ثابت کیا ہے اور دلیل میں مردے کا سمعِ قرعِ نعال اور زائرین کا قبرستان میں سلام و مغفرت کرنا پیش کیا ہے اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:

''معمولی آواز کا پہونچادینا صاحب آواز کے قابو سے باہر ہے''۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مردے اس وقت سماع کرسکتے ہیں جب خارجی طاقت یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس کو سنانا چاہے، سماع مردے کی دائمی صفت نہیں ہوتی بلکہ وقتی اور عارضی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زائرین کے سلام کو میت تک پہونچانا، یا میت کا سماع قرع نعال مشیتِ ایزدی پر موقوف ہے یا اس میں مردے کو بھی کچھ دخل ہے اور اس کا امکان اس وقت ہے جب قدرت کو منظور ہو یا اس کے بغیر بھی ممکن ہے؟ جس پہلو کو اختیار کریں، استشہاد میں زیادہ سے زیادہ عربی عبارت پیش فرمائیں۔ آپ جس سماع کے قائل ہیں اس کے ثبوت میں کتب معتبرہ کا حوالہ درج فرمائیں، نیز آپ نے اِسماع اور استماع مردے کے لئے منع فرمایا ہے، اس کی تردید میں بھی کشادہ دستی سے کتب مستندہ کی عبارتیں ارقام فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

بخاری شریف، کتاب المغازی، غزوہ بدر کے ذیل میں مذکور ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کنویں پر تشریف لے گئے جس میں لاشیں تھیں:

"حتى قام علىٰ شفة الركي، فجعل يناديهم بأسمائهم و أسماء اٰبائهم: "يا فلان بن فلان، يا فلان بن فلان! أيسركم أنكم أطعتم الله و رسوله، فإنا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقاً، فهل وجدتم ما وعد ربكم حقاً"؟ فقال عمر رضى الله تعالىٰ عنه: يا رسول الله! ما تكلم من أجساد لا أرواح لها؟ فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "والذى نفس محمد بيده! ما أنتم بأسمع لما أقول منهم". قال قتادة رضى الله تعالىٰ عنه: أحياهم الله حتى أسمعهم قوله توبيخاً و تصغيراً و نقمةً و حسرةً و ندماً اهـ"(۱)۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۲/۵۶۶، قديمي)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول میں جو اختلاف ہے اس کے محمل جداگانہ بھی بیان کر کے تطبیق دی گئی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری: ۷/۲۳۶ میں فرماتے ہیں:

"يريد أن يبين مراد عائشة، فأشار إلى أن إطلاق النفى فى قوله: ﴿إنك لا تسمع الموتىٰ﴾ مقيد باستقرارهم فى النار، و على هذا فلا معارضة بين إنكار عائشة وإثبات ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما، لكن الرواية التى بعد هذه تدل علىٰ أن عائشة كانت تنكر ذلك مطلقاً۔

والجواب عن الآية أنه لا يسمعهم وهم موتىٰ، و لكن الله أحياهم حتى سمعوا كما قال قتادة رضى الله تعالىٰ عنه، و لم ينفرد عمر و لا ابنه بحكاية ذلك بل وافقهما أبو طلحة كما تقدم. و روى الطبرانى من حديث ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه مثله بإسناد صحيح، و من حديث عبد الله بن سيدان نحوه، و فيه قالوا: يا رسول الله! و هل يسمعون؟ قال: "يسمعون كما تسمعون ولكن لا يجيبون". و فى حديث ابن مسعود: "و لكنهم اليوم لا يجيبون اهـ".

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا:

"ومن الغريب أن فى المغازى لابن اسحق رواية يونس بن بكير بإسناد جيد عن عائشة مثل حديث أبى طلحة، و فيه: "ما أنتم بأسمع لما أقول منهم". و أخرجه أحمد بإسناد حسن، فإن كان محفوظاً، فكأنها رجعت عن الإنكار مما ثبت عندها من رواية هؤلاء الصحابة، لكونها لم تشهد القصة اهـ".

مگر جن حضرات کو ان کے رجوع سے انکار ہے وہ تعارض رفع کرتے ہیں:

"قال الإسماعيلى: كان عند عائشة من الفهم والذكاء و كثرة الرواية الغوصُ علىٰ غوامض العلم ما لا مزيد عليه، لكن لا سبيل إلى ردّ رواية الثقة إلا بنصّ مثله يدل على نسخه أو تخصيصه أو استحالته، فكيف والجمع بين الذى أنكرته و أثبته غيرها ممكن؛ لأن قوله تعالىٰ:

﴿إنك لاتسمع الموتىٰ﴾ لا ينافى قوله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "إنهم الآن يسمعون" لأن الإسماع هو إبلاغ الصوت من المُسمع فى أذن السامع، فالله تعالىٰ هو الذى أسمعهم بأن أبلغهم صوت نبيه صلى الله تعالىٰ عليه و سلم بذلك اهـ "(۱)۔

ان عبارات سے میت اور مسمع کا دخیل نہ ہونا اور سماع کا عارضی ہونا بھی معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سماعِ موتیٰ کی تفصیل

سوال[۲۸۳]: ا...... نصوصِ کتاب اللہ واحادیثِ صحیحہ کے مطابق سماعِ موتیٰ اورعدم سماعِ موتیٰ ہر دوعقیدوں میں سے کونسا صحیح ہےاور مفتیٰ بہ اورراجح ہےاورکون عقیدہ غیرصحیح وغیرمفتی بہ ومرجوح ہے؟

۲......اور سماعِ موتیٰ اورعدم سماعِ موتیٰ کے بارے میں ازروئے ادلہ صحیحہ یعنی آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرات ائمہ فقہاء واحناف اور مفتیان دیوبند کے نزدیک کونسا عقیدہ صحیح اور مفتیٰ بہ و راجح ہےاورکونسا غیر مفتیٰ بہ ومرجوح ہے؟

۳......اورآیت کریمہ: ﴿إنك لا تسمع الموتى، و لا تسمع الصم الدعاء إذا ولّوا مدبرين﴾ الخ(۲) کا صحیح مطلب اورمراد کیا ہے؟ یہاں تشبیہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وجہ تشبیہ کیا ہے؟ اوررسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کواس آیت کریمہ اوراس جیسی دوسری آیات مثلاً: ﴿وما أنت بمسمع من فى القبور﴾ (۳) وغیرہ کی کیا تعلیم (دی) ہےاورصحابہ کرام اورائمہ احناف اورعلمائے دیوبند نے ان آیات کریمہ کا کیا مفہوم اورمطلب سمجھا ہے؟ اوران سب حضرات کے نزدیک سماعِ موتیٰ اورعدم سماعِ موتیٰ کے متعلق یہ آیات کس عقیدہ پر نصِ صریح ہیں؟

۴......اورکفار مقتولین بدر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "والذى نفس

---

(۱) (العبارات بأسرها لابن حجر فى فتح البارى، كتاب المغازى، باب قتل ابى جهل :۷/۳۸۵، ۳۸۶، قديمى)

(۲) (سورة النمل :۸۰)

(۳) (سورة الفاطر :۲۲)

محمد بيده! ما أنتم بأسمع لما أقول منهم"(۱) کیا یہ حدیث آیت کریمہ کے مخالف نہیں ہے؟ اگر مخالف ہے تو پھر اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ موقع پر موجود تھے کیا ان کے مقابلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاویل شرعاً معتبر ہوسکتی ہے جو کہ موقع پر خود موجود نہ تھیں، نیز قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد معتبر ہوسکتا ہے؟

۵......مشکوۃ شریف، باب زیارۃ القبور، فصل ثانی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس میں منقول ہے کہ جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روضۂ اقدس میں مدفون نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا بغیر پردہ کے جایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں "إنما هو زوجي و أبي"، مگر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون ہوئے تو آپ باپردہ ہوکر جایا کرتی تھیں (۲)۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے، کیا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاویل کے ساتھ معارض نہیں ہے، اگر ہے تو پھر کون سی صحیح اور راجح ہے اور حدیث پاک کا کیا مطلب ہے؟

۶...... "وأخرج ابن عبد البر بسند صحيح عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن كان يعرفه فى الدنيا، فسلم عليه، إلا يعرفه و رد عليه السلام" (۳) کیا یہ معتبر اور قابل استناد ہے، اگر ہے تو کیا یہ حدیث آیت کریمہ اور حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے ساتھ معارض نہیں ہے، اگر ہے تو پھر کونسی دلیل معتبر ہے؟

(ب) آیات قرآنی واحادیث اور ائمہ احناف کی تحقیق کی روشنی میں موت کے بعد ارواح کو پھر اس جسم میں داخل کردیا جاتا ہے یا اس جسم سے بالکل الگ اور غیر متعلق رہتی ہیں؟ اگر اس جسم سے غیر متعلق رہتی ہیں

(۱)(صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۲/۵۶۶، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثالث: ۱/۱۵۴، قديمي)

(۳) (تفسير ابن كثير (سورة الروم: ۵۲): ۳/۵۸۰، مكتبه دار الفيحاء)

(وكذا في شروح الصدور، باب زيارة القبور و علم الموتى بزوارهم و رؤيتهم لهم، ص: ۲۰۱، دار المعرفة بيروت)

تو کہاں؟

۲......قبر کس چیز کا نام ہے؟

۳......ثواب وعذاب قبر جو کہ اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے، از روئے نصوص قرآن و احادیث اور ائمہ احناف اس کا مصداق کون ہے، فقط اُرواح یا اُرواح مع اجسام؟

۴......آیت کریمہ: ﴿و لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله﴾ (۱) اور آیت کریمہ ﴿النار يعرضون عليها﴾ الخ (۲) میں احادیث صحیحہ اور مفسرین اور ائمہ احناف کے نزدیک شہداء کے لئے ثواب اور "يعرضون" کے لئے عذاب کا مصداق یہاں کون ہے، فقط ارواح یا ارواح مع اجسام عنصری؟

۵......اگر کسی مولوی کا یہ عقیدہ ہو کہ قطع نظر خرق عادت عام قانون شرع کے مطابق مُردے یعنی اموات نہیں سنتے اور نیز یہ ان کا عقیدہ ہو کہ عذاب وثواب قبر حق ہے مگر اسی گڑھے میں نہیں ہوتا بلکہ برزخ میں سجین وعلیین میں ہوتا ہے اور یہ کہ عذاب وثواب صرف روح پر ہوتا ہے جسم کے ساتھ قبل از حشر اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا یہ مولوی صاحب اہل سنت والجماعت سے خارج اور معتزلی ہیں؟ اور کیا ان کے پیچھے نماز جمعہ ونماز جنازہ ودیگر نماز ہائے پنجگانہ جائز ہے یا ناجائز؟

۶......اگر جائز ہو تو کیا کوئی مولوی اس مولوی کے متعلق یہ فتویٰ دے سکتا ہے کہ وہ معتزلی اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے؟ اور اگر اس کے پیچھے نماز جنازہ ناجائز ہے تو اس فتویٰ صادر کرنے والے مولوی کے متعلق کیا حکم ہے؟ برائے مہربانی مندرجہ بالا سوال کے متعلق فتویٰ صادر فرما کر ممنون فرمادیں، اور تکلیف فرماویں ہم مجبور ہو کر اتنا لمبا استفتاء خدمت میں پیش کر رہے ہیں معاف فرمائیں۔ خداوند قدوس آپ حضرات کو ثواب و اجر دے گا۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں: ایک: اسماع، دوم: استماع، سوم: سماع۔

---

(۱) (سورۃ آل عمران: ۱۶۹)

(۲) (سورۃ المؤمن: ۴۶)

اسماع کی نفی صراحۃً کلام اللہ میں مذکور ہے: ﴿إنك لا تسمع الموتى﴾ (۱) ﴿و ما أنت بمسمع من في القبور﴾ (۲) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل قبور کو بذات خود مردوں کو نہیں سنا پاتے تا بدیگراں چہ رسد.

استماع کا حاصل یہ ہے کہ مردے کان لگا کر خود کسی کی بات سنیں جب جسم سے روح جدا ہو جائے تو جسم کا یہ کان نہیں سن سکتا اس لئے ادراک کرنے والی اصل روح ہے اور قوتِ سامعہ اس کے لئے آلۂ ادراک ہے، جب روح نے اس جسم کو اور اس جسم میں لگے ہوئے آلات کو ترک کر دیا تو اس کے لئے یہ کارآمد نہیں۔ جس طرح قوت باصرہ، ذائقہ، لامسہ، باطشہ وغیرہ سے روح کام نہیں لے سکتی، اسی طرح استماع سے بھی قاصر و عاجز ہے۔ و هذا ظاهر لا يخفى۔

سماع کا حاصل یہ ہے کہ کوئی خارجی آواز اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ذریعہ سے میت کو ادراک کرادیں جس میں نہ صاحب صوت کو دخل ہو نہ میت کو، یہ بالکل ممکن ہے، حق تعالی کی قدرت سے خارج نہیں، اس کے لئے شواہد کثیرہ موجود ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''جب میت کو قبر میں رکھ کر سب ساتھی لوٹتے ہیں تو "يسمع قرع نعالهم" الحديث (۳) اس میں نہ میت کے کان لگانے اور اختیار کو دخل ہے، نہ اصحاب نعال کے اسماع اور میت تک آواز پہونچانے کو دخل ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے۔

قبرستان میں پہونچ کر سلام کرنا اور دیگر چند دیگر کلمات کا کہنا مسنون ہے، اتنی کثیر مٹی کے اندر مدفون میت تک معمولی آواز کا پہنچا دینا صاحب آواز کے قابو سے باہر ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے (۴) الـی

---

(۱) (سورة النمل: ۸۰)

(۲) (سورة الفاطر: ۲۲)

(۳) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولى، وذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فأقعداه فيقولان له: ما كنت تقول فى هذا الرجل محمد الخ". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمى)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم بقبور المدينة، فأقبل عليهم بوجهه، فقال: "السلام عليكم يا أهل القبور! يغفر الله لنا و لكم، أنتم سلفنا و نحن بالأثر". (سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعيد)

غير ذلك من الروايات۔

ز عالم برزخ کو عالم مشاہدہ پر قیاس کر کے محض عقلی طور پر کوئی قطعی بات ثابت کرنا بھی مشکل ہے، لأن قياس الغائب على الشاهد لا يجوز صرح به الإمام الرازي في مواضع لا تحصىٰ۔ جن روایات سے نفی معلوم ہوتی ہے وہاں اسماع کی نفی ہے یا استماع کی نہ کہ سماع کی (۱)۔

اس تقریر پر روایات کا محمل متعین ہوکر کوئی تعارض باقی نہیں رہتا، نہ طرفین کی پیش کردہ آیات وروایات کی تفسیر وتشریح کی حاجت رہتی ہے، یہ بحث تحت الفتویٰ داخل بھی نہیں کہ مفتی بہ قول نقل کیا جائے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان اگر اختلاف ہوتو ہماری اتنی حیثیت نہیں کہ محاکمہ کرنا شروع کردیں، ان حضرات کا منصب اس سے بلند تر ہے۔

(ب) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شیخ عبدالوہاب شعرانی، حافظ عبدالسلام، علامہ ابن قیم، علامہ سیوطی، شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر اکابر نے بہت تفصیل سے کلام کیا ہے، جسم میت کو قبر میں رکھنے کے بعد روح کا اس میں داخل کیا جانا اور پھر سوال وجواب کا ہونا احادیث کثیرہ سے ثابت ہے (۲) مگر وہ روح اس جسم

---

(۱) قال في التفسير المنير: "والمراد من نفي الإسماع للموتى الإسماع الذي يمكن أن يعقبه إجابة و تفاعل و تفاهم، فلا يعارضه ثبوت السماع من جانبهم دون أن يتمكنوا من الرد، أو إجابة من يكلمه، كما ثبت أن الميت يسمع قرع نعال المشيعين له إذا انصرفوا عنه، و أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: سلّمَ على قبور أهل بدرٍ". (التفسير المنير: ۲۰/۳۱، دارالفكر المعاصر، بيروت لبنان)

قال تعالىٰ: ﴿فإنک لا تسمع الموتى﴾ وقال: ﴿وما أنت بسمع من في القبور﴾ ...... فقيل بالفرق بين السماع والإسماع والنفي هو الثاني دون الأول، والمطلوب هو الأول دون الثاني". (سماع الموتى لمولانا محمد سرفراز خان صفدر، ص: ۱۷۳، ۱۷۴، حضرت مولانا محمد انور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی متعدد عبارات، مكتبه صفدريه گوجرانواله)

(۲) "عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرجنا مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم في جنازة رجل من الأنصار، فانتهينا إلى القبر، ولم يلحد، فجلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم وجلسنا حوله .... حتى ينتهي به إلى السماء السابعة، فيقول الله عزوجل: اكتبوا كتاب عبدي في عليين، و أعيدوه إلى الأرض، فإني منها خلقتهم و فيها أعيدهم و منها أخرجهم تارةً أخرى، قال: "فتعاد =

میں اس طرح نہیں رہتی جس طرح دنیا میں رہتی تھی، البتہ اس جسم سے ایک قسم کا تعلق رہتا ہے، بہر حال روح برزخ میں رہتی ہے(۱)۔

۲.....قبر سے مراد برزخ ہے(۲)۔

۳،۴.....اصل وہ عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے اور جسم سے بھی اس کا تعلق رہتا ہے(۳)۔

۵.....اس گڑھے سے بھی فی الجملہ تعلق رہتا ہے اور پورا عذاب ثواب اس گڑھے میں عموماً ہوتا نہیں،

= روحه في جسده، فيأتيه ملكان فيجلسانه، فيقولان له: من ربک فيقول : ربي الله الخ". (مسند الإمام أحمد بن محمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ، حديث البراء بن عازب :۵/۳٦۴، دار إحياء التراث العربي)

و أخرجه الإمام البخاري رحمه الله تعالىٰ في صحيحه "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولى، و ذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فأقعداه، فيقولان له: ماكنت تقول في هذا الرجل محمد؟ فيقول : أشهد أنه عبد الله و رسوله، فيقال: انظر إلى مقعدک من النار أبدلک الله به مقعداً من الجنة الخ". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال : ۱/۱۷۸، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب المسألة في القبر و عذاب القبر: ۲/۲۹۸، سعيد)

(وسنن الترمذي، كتاب التفسير، سورة ابراهيم : ۲/۱۴۴، سعيد)

(۱) "و لا تظن أن بين الآثار الصحيحة في هذا الباب تعارضاً، فإنها كلها حق يصدق بعضها بعضاً، لكن الشأن في فهمها، و معرفة النفس و أحكامها و أن لها شأناً غير شأن البدن، و أنها مع كونها في الجنة فهي في السماء، وتتصل بفناء القبرو بالبدن فيه، و هي أسرع شيء حركةً و انتقالاً و صعوداً و هبوطاً". (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة : أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة، ص: ۱۵۲، فارقيه پشاور)

(و كذا في شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۹، دار المعرفة بيروت)

(۲) "وما ينبغي أن يعلم أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ، فكل من مات وهو مستحق العذاب، ناله نصيب منه، قبر أولم يقبر". (كتاب الروح، المسئلة السادسه، ص: ۷۸، فاروقيه ، پشاور)

(وشرح العقيدة الطحاوية، ص: ۴۰۰، قديمي)

(۳) "و اعلم أن أهل الحق اتفقوا على أن الله تعالىٰ يخلق في الميت نوع حياة في القبر قدر ما يتألم أو يتلذذ". (شرح الفقه الأكبر ، ص: ۱۰۱، قديمي)

(و كذا في شرح العقيدة الطحاوية، الإيمان بعذاب القبر و نعيمه، ص : ۴۰۰، قديمي)

(و كذا في شرح العقائد عذاب القبر، ص : ۷۷، المطبع اليوسفي)

روح کا جسم سے وہ تعلق بھی نہیں رہتا جو کہ دنیا میں تھا(۱) ان مولوی صاحب کی ان مجمل باتوں کی وجہ سے ان کو معتزلی کہہ کر ان کے پیچھے نماز نہ ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا جب تک صراحۃً گمراہی کی تحقیق نہ ہو جائے اور دو مولویوں میں جب اختلاف ہو وہ کسی کو ثالث قرار دے کر فیصلہ کرانا چاہیں تو وہ خود اپنے اپنے دلائل قلم بند کر کے پیش کریں، دوسرے آدمیوں سے ان کی ترجمانی کر کے فیصلہ نہیں کرانا چاہئے، خاص کر جب ترجمانی ہی ناتمام و مجمل یعنی گول مول ہو، اس طرح فیصلہ نہیں ہوسکتا، فیصلہ کرنے والے کو ایسی گول مول باتوں سے کوئی شرح صدر نہیں ہوتا جس سے صاف فیصلہ ہو سکے۔ علاوہ ازیں ایسے مسائل میں الجھنے کی ضرورت کیا ہے ان پر کون سا کام اٹکا ہوا ہے، اگر علمی تحقیق مقصود ہو تو اس کے لئے درسگاہ کافی ہے، عوام کو پریشان نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/ ۸۸ھ۔

سماع موتیٰ کے بارے میں چند سوالات

سوال[۲۸۴]: ۱...... آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ سے عدم سماع اموات ثابت ہے یا نہیں؟

۲...... صحابہ کرام کا مسلک دربارۂ سماع اموات کیا تھا؟

۳...... امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات عالیہ دربارہ سماع اموات کیا ہیں؟

۴...... اگر حنفیہ کا مسلک عدم سماع اموات ہے تو احادیث صحیحہ کے موافق ہے یا مخالف؟

---

(۱) "الرابع: تعلقها به في البرزخ، فإنها وإن فارقته و تجردت عنه، فإنها لم تفارقه فراقاً كلياً بحيث لا يبقىٰ لها التفات إليه ألبتة". (كتاب الروح، المسألة السادسة هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السوال أم لا، ص: ۶۰، مكتبه فاروقيه پشاور)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۰۰، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، الإيمان بعذاب القبر و نعيمه، ص: ۴۰۰، قديمي)

" وقياس الغائب على الشاهد فاسد". (شرح العقائد، ص: ۱۴۱، مسئله : رؤية الله، تحت قول الماتن فيرى لا في مكان ولا على جهة الخ، سعيد)

۵......مسئلہ سماع اموات میں روایات کتب فقہ متعارض کیوں ہیں، مثلاً باب الیمین فی الضرب سے عدم اور کتاب الجنائز سے ثبوت مستفاد ہوتا ہے یہ کیوں؟ دیکھئے فتح القدیر وغیرہ۔

٦......قائلین عدم سماع اموات حنفی ہیں کہ شافعی کہ معتزلی؟

۷......نواب قطب الدین خان رحمہ اللہ تعالیٰ جامع التفاسیر میں، مولانا سعید احمد حاشیہ مائۃ مسائل میں، مولانا اشرف علی بیان القرآن میں، مولوی شکر اللہ العجالۃ میں اور تفہیم المسائل، سراج الایمان، انوار المسلمین وغیرہ بہت سی کتابوں میں بہت سے علماء کرام نے یہ روایت نقل فرمائی ہے:

''و هو هذا رأى إمام أبو حنيفة من يأتي القبور لأهل الصلاح، فيسلم و يخاطب و يقول: يا أهل القبور! هل لكم خبر، وهل عندكم من أثر أني أتيتكم من شهور، و ليس سوال منكم إلا الدعاء؟ هل دريتم أم غفلتم نسمع أبو حنيفة يقول مخاطب بهم فقال: هل أجابوا لك؟ قال : فقال: سحقاً لك و تربت يداك كيف تكلم أجساداً لا يستطيعون جواباً و لا يملكون شيئاً و لا يسمعون صوتاً و قرأ: ﴿و ما أنت بمسمع من في القبور﴾ الخ اور حوالہ دیا ہے کتاب غرائب فی تحقیق المذاہب کا۔ اب سوال یہ ہے کہ روایت مذکورہ صحیح ہے یا غلط؟

۸......روایت مذکورہ صرف غرائب ہی میں ہے یا اور بھی کسی مستند معتبر کتاب میں ہے؟

۹......مولوی احمد رضا خان صاحب ''حیات المموات'' میں لکھتے ہیں کہ: ''غرائب ایک فرضی کتاب ہے، اس کا دنیا میں کہیں وجود نہیں'' تو یہ قول ان کا صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو غرائب کا پتہ دیجئے۔

۱۰......اگر واقعی دنیا میں کوئی کتاب ہی نہیں تو علماء کرام نے کیوں ایسی فاحش غلطی کی ہے اور یہ روایت کہاں سے اور کس طرح نقل فرمائی؟ مدلل مفصل جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ تلك عشرة كاملة.

المستفتی کبیر الدین اودی پورہ بنارس المرقوم ۳۱ مئی ۴۲ء۔

الجواب حامداً و مصلياً :

۱......ہر دو قسم کی دلیلیں موجود ہیں (۱)۔

---

(۱) چنانچہ نفی سماع کے دلائل یہ ہیں: ﴿ إنك لا تسمع الموتى و لا تسمع الصم الدعاء إذا ولّوا مدبرين﴾ (سورة النمل: ۸۰) =

۲......کوئی اجماعی چیز نہیں بلکہ اختلافی ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دونوں قول ہیں (۱)۔

۳......اگر ان حضرات سے کوئی واضح اور قطعی نص منقول ہوتی تو آپ کو اختلاف کی شکایت نہ ہوتی۔

۴......اس کا جواب اوپر کے جوابات سے ظاہر ہے۔

= (و قال تعالى: ﴿فإنک لا تسمع الموتى﴾......... الخ (سورة الروم : ۵۲)

و قال تعالى : ﴿ إن الله يسمع من يشاء و ما أنت بمسمع من في القبور﴾ (سورة الفاطر : ۲۲)

اور ثبوت سماع کے دلائل یہ ہیں: " عن أنس رضي الله تعالىٰ عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولي و ذهب عنه أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فأقعداه، فيقولان له: ماكنت تقول في هذا الرجل محمد الخ". (صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال : ۱/۱۷۸، قديمی)

"عن صالح قال: حدثني نافع أن ابن عمر أخبره قال: اطلع النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم على أهل القليب فقال: "وجدتم ما وعدكم ربكم"، فقيل له: تدعو أمواتاً؟ قال: "ما أنتم بأسمع منهم، ولكن لا يجيبون". (صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر: ۱/۱۸۳، قديمی)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم بقبور المدينة، فأقبل عليهم بوجهه، فقال: "السلام عليكم ياأهل القبور، يغفر الله لنا و لكم، أنتم سلفنا و نحن بالأثر". (سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، فصل في التسليم على أهل القبور، باب ما يقول إذا مرّ بالقبور: ۲/۱۰۶، امداديه ملتان)

(۱) قال المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالىٰ في رسالته "تكميل الحبور بسماع أهل القبور": فاعلم أن مسئلة سماع الموتى و عدمه من المسائل التي وقع الخلاف فيه بين الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين، فهذا عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يثبت السماع للموتى، و هذه أم المؤمنين عائشة الصديقة رضي الله تعالىٰ عنها تنفيه، و إلى كلٍ مالت طائفة من علماء الصحابة و التابعين". (أحكام القرآن للمفتي محمد شفيع رحمه الله تعالىٰ، (سورة الروم : ۵۲): ۳/۱۶۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الكوكب الدري على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۲/۱۹۷، إدارة القرآن كراچی)

۵......فتح القدیر وغیرہ میں اس کی وجہ بھی موجود ہے۔(جو کہ جواب نمبر: ا میں تحریر ہے)

۶......یہ بھی فتح القدیر وغیرہ میں لکھا ہے۔

۷......نواب قطب الدین صاحب کا تو انتقال ہو گیا، مولانا اشرف علی صاحب تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں تشریف رکھتے ہیں، ان سے دریافت کیجئے۔ بقیہ حضرات کو میں جانتا نہیں۔

۸......میں نے نہیں دیکھی۔

۹......میں نے "حیات الموات" نہیں دیکھی، ان کو استقراء تام حاصل ہوگا جس سے وہ سلب کر رہے ہیں۔

۱۰......ایسی بات وہ کہے جس کو تمام دنیا کا احاطہ اور علم حاصل ہو، فتاوی عالمگیری جو کہ پانچ سو علماء کی تصنیف ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی زیر نگرانی تصنیف ہوئی، اس میں کم از کم بھی ایک ہزار مسائل کتاب الغرائب کے حوالہ سے نقل کئے گئے ہیں، اللہ اعلم کہ کہاں سے نقل کئے ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی تصانیف میں غرائب کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ روایت جنہوں نے نقل کی ہے صحت اور فاحش غلطی کا جواب ان سے ہی دریافت کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نزیل مدرسہ انوریہ شاہی مسجد کمیٹی باغ لودھیانہ

قبر میں میت کے لئے حیات ہے یا نہیں؟

سوال [۲۸۵]: اولیاء اللہ اور بزرگان دین اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر رہتے ہیں تو کیوں؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سوائے شہداء اور انبیاء کے جسم کے سب کو مٹی کھا جاتی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شہداء اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ اَور بھی بعض حضرات ہیں جن کا جسم محفوظ رہتا ہے، حدیث شریف سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) أخرج الطبراني عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم: "المؤذن =

دنیا سے رخصت شدہ بزرگ زندہ ہیں یا مردہ؟

سوال[۲۸٦]: جو بزرگ دنیا سے انتقال فرما گئے وہ زندہ ہیں یا مردہ؟ ہم ان کے بارے میں کیا عقیدہ رکھیں، زندہ کا عقیدہ رکھیں یا مردہ کا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے، وہ نہیں مرتی (۱) اس کا کوئی اَور مقام ہوتا ہے (۲) یہاں اس کے اوپر زندوں کے احکام جاری نہیں ہوتے مثلاً غسل کفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جاتا ہے، یہ معاملہ زندہ کے

= المحتسب كالشهيد المتشخط في دمه، و إذا مات لم يدوّد في قبره".

"قال القرطبي : و ظاهر هذا أن المؤذن المحتسب لا تأكله الأرض أيضاً" (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب نتن الميت و بلاء جسده إلا الأنبياء و من ألحق بهم ، ص: ۲۰۹، دارالمعرفة)

(وكذا في التذكرة للقرطبي، باب: لا تأكل الأرض أجساد الأنبياء، ص :۱۸۵ ، مكتبه أسامة الإسلامية مصر)

(۱) "و قالت طائفة : إنها لا تموت للأحاديث الدالة على نعيمها و عذابها بعدالمفارقة إلى أن يرجعها الله تعالىٰ إلى الجسد، و إن قلنا بموتها، لزم انقطاع النعيم والعذاب اهـ". (روح المعاني، (سورة الإسراء :۸۵): ۱۵/ ۱۵۹، دار احياء التراث)

(وكذا في كتاب الروح، المسألة الرابعة، هل تموت الروح أم الموت للبدن وحده، ص:۴۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) "الذى دل عليه الأخبار أن مستقر الأرواح بعد المفارقة مختلف، فمستقر أرواح الأنبياء في أعلى عليين .... و مستقر أرواح الشهداء في الجنة .... و أما مستقر أرواح سائر المؤمنين فقيل: في الجنة أيضاً .... و مستقر أرواح الكفار في سجين اهـ". (روح المعاني، (سورة الاسراء : ۸۵): ۱۵/ ۱٦۱، داراحياء التراث)

(وكذا في كتاب الروح، المسئلة الخامسة عشر: أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة ؟، ص: ۱۲۱، مكتبه فاروقيه پشاور)

ساتھ نہیں ہوتا، بیوہ عدت گزار کر دوسرا نکاح کر لیتی ہے، ترکہ ورثہ میں تقسیم ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ، وہ دوسری قسم کی زندگی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

مردوں کا زندوں کے قدموں کی آواز سننا

سوال[۲۸۷]: علمائے کرام سے ایک حدیث سنی ہے کہ جب مردے کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو واپس ہونے والوں کی چالیس قدم تک جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ یہ آواز سننا اس مردے کے لئے ہے یا سب قبرستان کے مردے سنتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

چالیس قدم تک کی قید حدیث میں نہیں ہے، یہ اس مردے کے لئے ہے جس کو اس وقت دفن کیا گیا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۴/۱۳۸٦ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

---

(۱) "فأما في حق أحكام الدنيا، فالشهيد ميّت يقسم ماله، وتنكح امرأته بعد انقضاء العدة، و وجوب الصلوة عليه من أحكام الدنيا، فكان ميتاً فيه، فيصلى عليه". (بدائع الصنائع، باب الشهيد : ۱/۳۲۵، دار الكتب العلمية)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، باب الشهيد: ۲/۵۰، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولى، و ذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم الخ". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار ......الخ: ۲/۳۸٦، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب المشي في النعل بين القبور: ۲/۱۰۴، سعيد)

(و سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب التسهيل في غير السبتية : ۱/۲۸۸، قديمي)

قبر سے مردہ کی آواز باہر والوں کا سننا

سوال[۲۸۸]: مردہ کی قبر سے آواز آسکتی ہے یا نہیں؟ اگر آسکتی ہے تو کیوں اور نہیں سنی جاسکتی ہے تو کیوں؟ جب کہ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ قبرستان میں گئے اور وہاں جاکر سلام کیا اور کہا کہ اگر قبر سے سلام کا جواب نہ آیا تو ساری قبروں کو توڑ دوں گا.................تو سب قبروں سے سلام کا جواب آیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خرقِ عادت کے طور پر کوئی آواز آجائے تو آسکتی ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سورۃ الملک پڑھنے کی آواز سنی ہے(۱)، عامۃً آواز انسان نہیں سنتے، ہاں مردہ کو عذاب ہوتا ہے تو اس کی آواز جانور سنتے ہیں، حدیث میں مذکور ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

قبر کی زیارت کرتے وقت کیا میت کو اطلاع ہوتی ہے؟

سوال[۲۸۹]: ہم سنت کے مطابق کسی عزیز کی قبر کی زیارت کرتے ہیں تو کیا اہلِ قبر کو اس کی اطلاع ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے زیارت کی؟

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: ضرب بعض أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خباءہ علی قبر وهو لا یحسب أنه قبر، فإذا قبر إنسان یقرأ سورة الملک حتی ختمها ......الخ". (تفسیر ابن کثیر، سورة الملک: ۳۴۵/۴، دار القلم)

(مشکوة المصابیح، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثانی، ص: ۱۸۷، ۱۸۸ قدیمی)

(۲) "فیقال له لا دریت لا تلیت، ویضرب بمطارق من حدید ضربةً، فیصیح صیحةً یسمعها من یلیه غیر الثقلین." (مشکوة المصابیح، باب إثبات عذاب القبر، ص: ۲۵، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر: ۱۸۳/۱، قدیمی)

" إنهم یعذبون عذاباً تسمعه البهائم کلها ". (کتاب الروح، المسألة السادسة: هل الروح تعاد إلی المیت فی قبره وقت السوال أم لا؟، ص: ۷۱، فاروقیه پشاور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ اس کو اطلاع کرادیتا ہے۔

"قال ابن القيم: الأحاديث والآثار تدل على أن الزائر حين جاء، علم به المزور، وسمع سلامه، وأنس به، وردّ عليه عام في حق الشهداء وغيرهم، وأنه لاتوقيت في ذلك"۔ الطحطاوی، ص: ۳۴۰(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

مردوں کا اپنے جاننے والوں کو پہچاننا اور بخشوانا

سوال[۲۹۰]: کیا موت کے بعد متوفی قیامت تک یا اس سے پہلے یا اس کے بعد اپنے کسی رشتہ دار مثلاً: ماں، باپ، بھائی، بہن، زوجہ، اولاد وغیرہ سے ملے گا یا نہیں، اور ان کو پہچانے گا یا نہیں؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ شیر خوار اولاد جو کسی کی مرجاتی ہے وہ اپنے والدین کو پہچان کر بخشوائے گی، یہ کہاں تک صحیح ہے اور اس کے علاوہ مرشد وغیرہ اپنے تابعین ومقلدین کو پہچانیں گے اور ان کے سفارش کریں گے؟ سید سعید حسن۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مرنے کے بعد ارواح کی ملاقات ثابت ہے، روایت میں ہے کہ "مرنے والے کے رشتہ داروں کو ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص کہیں سفر سے واپس آئے تو اس کے رشتہ داروں کو خوشی ہوتی ہے اور اس روح سے دوسرے زندہ عزیزوں کے حالات کو دریافت کرتے ہیں اور ان کی اچھی حالت سے خوش ہوتے ہیں"(۲)۔

---

(۱)(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمی)

"مامن رجل يزور قبر أخيه، ويجلس عنده إلا استأنس به ورد عليه حتى يقوم". (کتاب الروح، المسألة الأولى: هل تعرف الأموات زيارة الأحياء؟، ص: ۱۲، فاروقيه پشاور)

(وكذا في شرح الصدور، باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، ص: ۲۰۱، دار المعرفة)

(وكذا في التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة، باب ماجاء أن الميت يسمع مايقال، ص: ۱۶۵، أسامة الإسلامية مصر)

(۲) "و أخرج عن ثابت البناني قال: بلغنا أن الميت إذا مات، احتوشه أهله و أقاربه الذين قد تقدموه من =

چھوٹی اولاد کا والدین کو بخشوانے کی سعی کرنا احادیث سے ثابت ہے(۱) اسی طرح مرشد وغیرہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ سفارش کریں گے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ رجب/ ۵۸ھ۔

کیا مردے زندوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں

سوال[۲۹۱]: قبرستان میں داخل ہوتے وقت جو "السلام عليكم يا أهل القبور" بتایا جاتا ہے تو کیا مردے سب پرانے اور نئے جواب دیتے ہیں؟

= الموتى، فَلَهُوَ أفرح بهم، ولَهُم أفرح به من المسافر إذا قدم إلى أهله".

"وأخرج ابن أبي شيبة في "المصنف" وابن أبي الدنيا عن عبيد بن عمير، قال: إن أهل القبور ليستوكِفون الميت كما يتلقى الراكب يسألونه، فإذا سألوه: ما فعل فلان ممن قد مات؟ فيقول: ألم يأتكم؟ فيقولون: إنا لله و إنا إليه راجعون، سلك به غير طريقنا، ذهب به إلى أمه الهاوية". (شرح الصدور، باب ملاقاة الأرواح للميت إذا خرجت روحه و اجتماعهم به و سؤالهم له، ص: ۹۸، دار المعرفة)

(وكذا في كتاب الروح، المسألة الثانية: هل تتلاقى أرواح الموتى و تتذاكر؟، ص: ۳۰، فاروقيه پشاور)

(وكذا في التذكرة في أحوال الموتى و أمور الآخرة، للقرطبي، باب ما جاء في تلاقي الأرواح في السماء، والسؤال عن أهل الأرض و في عرض الأعمال، ص: ۶۱، ۶۲، أسامة الإسلامية)

(۱) "عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن السقط ليراغم ربه إذا أدخل أبويه النار، فيقال: أيها السقط المراغم ربه! أدخل أبويك الجنة، فيجرهما بسرره حتى يدخلهما الجنة". (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في من أصيب بسقط، ص: ۱۱۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) "والشفاعة ثابتة للرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار" (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، ص: ۹۵، قديمي)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۷، المطبع اليوسفي)

الجواب حامداًومصلیاً:

جن کوسلام کیا جاتا ہے وہ سب جواب دیتے ہیں، نئے پرانے سب (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "مِن أشهر ذلک ماروا ه ابن عبد البر مصححاًله عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما مرفوعاً: "(ما من أحد يمر بقبر أخيه المسلم كا ن يعرفه فی الدنيا، فيسلم عليه،إلا ردالله عليه روحه حتى يرد عليه السلام". (تفسير ابن كثير،(الروم:۵۳): ۳/ ۵۸۰،مكتبه دارالفيحاء)

(و كذا فی شرح الصدور،باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم،ص : ۲۰۱،دارالمعرفة)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال :إذا مر الرجل بقبرأخيه يعرفه، فسلم عليه، ردعليه السلام وعرفه،وإذامربقبر لا يعرفه فسلم عليه، ردعليه السلام." (كتاب الروح، المسألة الأولى:هل تعرف الأموات زيارة الأحياء، ص : ۱۲،فاروقيه پشاور)

ما یتعلق بالتوسل فی الدعاء

(دعاء میں توسل کا بیان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا

سوال[۲۹۲]: ایک صاحب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل سے دعاء مانگنے میں قطعی متفق نہیں، بلکہ سینکڑوں اسناد سے جو مدلل بھی ہیں ثابت کرتے ہیں اور اسی کی تبلیغ کرتے ہیں، اگر انہیں مدلل ثبوت دے دیتے ہیں تو بقول ان کے بضد بھی ہیں، ایسی صورت میں بطفیل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعاء کا طلب کرنا کیسا ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ جو کچھ طلب کرنا ہے بس خدا سے طلب کریں، حتیٰ کہ جوتی کا تسمہ وغیرہ۔ خیر اس سے انکار نہیں لیکن یہ وسیلہ ضروری نہیں، بغیر وسیلہ کے بھی کام چل جاتا ہے تو گویا ہم شرک کررہے ہیں جو وسیلہ سے طلب کرتے ہیں، یہ ہمیں قطعی پسند نہیں کہ شرک کرکے نعوذ باللہ جہنم خریدیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص حق تعالیٰ سے بغیر وسیلہ کے دعا مانگتا ہے تو یہ بھی درست ہے، اگر کوئی شخص حق تعالیٰ سے اس طرح دعاء مانگتا ہے کہ یا اللہ! میری فلاں حاجت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل پوری فرمادے تو یہ بھی جائز ہے، اس کو شرک کہنا غلط ہے(۱) اس طرح خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے:

---

(۱) "و من أدب الدعاء تقديم الثناء على الله. و التوسل بنبي الله ليستجاب". (حجة الله البالغة: ۶/۲، مصر)

"و ينبغي للزائر أن يكثر من الدعاء والتضرع والاستغاثة والتشفع، والتوسل به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فجدير): أي حقيق (بمن استشفع به أن يشفعه الله تعالىٰ فيه) و نحو هذا في منسک العلامة خليل، و زاد: و ليتوسل به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و يسأل الله تعالىٰ بجاهه في التوسل به، إذ هو مُحِطّ جبال الأوزار وأثقال الذنوب؛ لأن بركة شفاعته و عظمها عند ربه لا يتعاظمها ذنب، و من اعتقد خلاف ذلک فهو المحروم الذي طمس الله بصيرته وأضل سريرته، ألم يسمع قوله تعالىٰ: ﴿ولو =

''عن عثمان بن حُنَیف رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ أن رجلاً ضریرَ البصر أتی النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: فقال: ادع اللّٰہ أن یعافیني، قال: إن شئت دعوتُ وإن شئت صبرت، فھو خیر لك''، قال: فادعہ، قال: فأمرہ أن یتوضأ فیحسن وضوءہ، و یدعو بھذا الدعاء: ''اللّٰھم إني أسئلك و أتوجہ إلیك بنبیك محمد، نبي الرحمۃ، إني وجھت بك إلی ربي في حاجتي ھذہ لتقضی لي، أللّٰھم فشفّعہ فيّ''۔ ترمذی شریف: ۱۹۷/۲ (۱)۔

جو شخص اس کو شرک کہتا ہے، اس کو اپنے قول سے رجوع اور توبہ کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۹۵ھ۔

توسل کی صورتیں اور ایصالِ ثواب

سوال [۲۹۳]: اولیائے کرام کے بارے میں نذر و نیاز و منت و مراد کے بارے میں میرے اور میرے والد کے درمیان ایک قسم کا جھگڑا پیدا ہو گیا ہے، آپ اسے رفع فرمائیں اور اگر آپ لوگوں نے کوئی کتاب اس بارے میں لکھی ہو تو اس کا نام اور قیمت تحریر فرمائیں تا کہ اسے منگایا جاسکے، میرے والد کہتے ہیں کہ چونکہ اولیائے کرام اللہ کے دوست، برگزیدہ، نیک بندے ہیں، اس لئے ہم ان کو اپنا وکیل اور سفارشی اللہ کے یہاں بناتے ہیں اور ان کے وسیلہ اور توسل سے دعاء مانگتے ہیں، درگاہوں پر جانا چاہئے، اولیائے کرام کے نام صدقہ وخیرات کرنا اور کسی چیز پر فاتحہ دلوا کر پھر ان کا نام لے کر دعاء کرنا کہ اے اللہ! جو کچھ صدقہ وخیرات اور تسبیح وتہلیل وکلام پاک پڑھا ہے اسے تیری نذر کرتا ہوں، قبول فرما، پھر اس کا ثواب بطور تحفہ وہدیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اور ان کے وسیلے سے پھر تمام انبیاء، صحابہ، شہداء، اولیاء اور تمام بزرگان دین کو اس کا ثواب پہونچاتا ہوں، پھر ولی سے کہتے ہیں کہ اے ولی اللہ! آپ ہمارے لئے دعاء کیجئے، ہماری حاجت کو پوری کروائیں، اگر دعاء قبول ہوگی تو آپ کے نام سے فاتحہ دینا، غریبوں کو کھانا کھلانا اور آپ کے نام سے نفل روزہ رکھیں گے۔

کیا ایسی باتیں شرک نہیں ہیں؟ ہمارا کہنا ہے کہ زیارت قبور کریں اور کلام پاک پڑھ کر اور صدقہ خیرات

= أنھم إذ ظلموا أنفسھم جاؤوک﴾ انتھی''. (شرح المواھب اللدنیۃ للزرقاني، الفصل الثاني في زیارۃ قبرہ الشریف ومسجدہ المنیف: ۲۱۹/۹، عباس احمد الباز)

(۱) (جامع الترمذي، أبواب الدعوات: ۱۹۸/۲، سعید)

کر کے اس کا جو ثواب ہمیں ملتا ہے ان کو بخش دیں اور پھر اپنے اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کریں اور حاجت بیان کریں، پھر بھی ہمیں صحیح طریقہ پرنہیں معلوم ہے کہ زیارت کس طرح کریں؟ آداب کیا ہیں؟ اور وہاں جا کر کس طرح ثواب بخشنا چاہئے؟ لہذا آپ مطلع فرمائیں، میں نے ''تقویۃ الایمان'' پڑھی جس میں شرک کے خلاف لکھا ہے اور آج کل میں حقانی صاحب کی ''شریعت یا جہالت'' پڑھتا ہوں، انہوں نے اس کا مختصر بیان کیا ہے، ان کا وعظ بھی سنتا ہوں، براہ کرم جواب سے جلد آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولیائے کرام کا درجہ تو بہت بلند ہے، ہر مسلمان کی عزت وحرمت لازم ہے، ایصال ثواب شرعی طریقے پر بلا کسی غیر ثابت پابندی کے درست اور نافع ہے (۱)، زیارت قبور کی بھی ترغیب آئی ہے (۲) اس سے دنیا کی محبت کم اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے اس طرح دعاء کرنا کہ ''یا اللہ! اپنے نیک بندوں کے طفیل ہماری دعاء قبول فرمالے اور ہماری حاجتیں پوری کردے'' درست ہے (۳)، براہ راست کسی صاحبِ قبر ولی سے کوئی حاجت و مراد طلب کرنا جائز نہیں، ان سے دعاء کرنے کے لئے درخواست کرنا بھی ثابت نہیں (۴)، غیر اللہ کے نام پر خیرات کرنا اور صدقہ دینا بھی جائز نہیں (۵)، ہاں اللہ کے نام پر دے کر ثواب جس کو چاہے پہونچادے، یہ بھی

---

(۱) (راجع، ص: ۵۷۵، رقم الحاشیہ: ۱)

(۲) "فزوروا القبور، فإنها تذکّرکم الموت". (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز: ۱/۳۱۴، قدیمی)

(۳) " عندنا و عند مشایخنا رحمهم الله تعالیٰ یجوز التوسل فی الدعوات بالأنبیاء والصالحین من الأولیاء والشهداء والصدیقین فی حیاتهم و بعد وفاتهم بأن یقول في دعائه: أللهم إني أتوسل إلیک بفلان أن تجیب دعوتي و تقضي حاجتي إلی غیر ذلک". (المهند علی المفند، الجواب عن السوال الرابع: ص: ۳۲، مکتبة العلم)

(۴) "إن الناس قد أکثروا من دعاء غیر الله تعالیٰ من الأولیاء الأحیاء منهم والأموات وغیرهم، مثل یاسیدي فلان! أغثني، و لیس ذلک من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلک، وأن لا یحوم حول حماه، و قد عده أناس من العلماء شرکاً، وإن لا یکنه فهو قریب منه". (روح المعاني، (المائدة: ۳۵) ۱۲۸/۶، دار احیاء التراث العربی)

(۵) "والنذر للمخلوق لا یجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لا تکون للمخلوق". (البحرالرائق، کتاب الصوم، =

اختیار ہے کہ ایک کو پہونچادے یا متعدد کو یا سب کو، نماز روزہ وغیرہ عبادات اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں، کسی اور کے نام کی نہ نماز جائز ہے، نہ روزہ، البتہ اللہ کے لئے نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر اس کا ثواب جس کو دل چاہے پہونچادے، یہ درست ہے(۱) قبروں پر چادر چڑھانا، چراغ جلانا، ان کو سجدہ کرنا، ان کا طواف کرنا، قوالی کرنا، ان سے مرادیں مانگنا جائز نہیں، بلکہ مکروہ، حرام، شرک کی باتیں ہیں (۲)۔

ثواب پہونچانے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم پڑھ کر یا نفل نماز پڑھ کر یا نفل روزہ رکھ کر یا صدقہ دے کر یا نفلی حج کر کے، غرض کوئی بھی نیک کام کر کے دعاء کرے کہ یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہونچادے۔ بس اس طرح ثواب پہونچ جاتا ہے۔ ''ردالمحتار'' میں یہ موجود ہے (۳)۔ ''جو چیز غیر اللہ کے نام پر دی جاتی ہے اس کا لینا اور کھانا جائز نہیں'' یہ تفصیل کے ساتھ البحر الرائق، شامی، طحطاوی (۴) وغیرہ میں مذکور ہے۔

= فصل فی النذر: ۲/۵۲۰، رشیدیه)

(وكذا رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب فى النذر الذى يقع للأموات من أكثر العوام من شمع أو زيت أو نحوه: ۲/۴۳۹، سعيد)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمى)

(۱) "والأصل أن كل من أتى بعبادة ما، له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الأدلة". (الدر المختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، ۵۹۶، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۶، رشيديه)

(۲) "ويكره عند القبر مالم يعهد من السنة، والمعهود منها ليس إلا زيارته والدعاء عنده قائماً، كذا فى البحر الرائق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن والنقل من مكان إلى مكان آخر: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(۳) (تقدم تخريجه فى الحاشية: ۱)

(۴) (راجع، ص: ۵۷۴، رقم الحاشية: ۵)

قبور کو سجدہ اور طواف ناجائز وحرام ہے بلکہ ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے، یہ مسئلہ شرح فقہ اکبر(۱)۔ ارشادالساری (۲) وغیرہ میں ہے، ایصالِ ثواب کا طریقہ تفصیل سے اردو میں دیکھنا چاہیں تو ''غمِ رفتگان'' ایک رسالہ ہے، اس میں بھی مسئلہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس کے ملنے کا پتہ یہ ہے:

مولانا ظہیر الاسلام صاحب بنی گنج ضلع ہردوئی، یوپی۔ دارالافتاء میں کتابیں فروخت نہیں ہوتیں۔ والدصاحب کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی خدمت میں شرعی حکم پیش کیا جائے اور دعاء کی جائے کہ حق تعالیٰ صحیح حکم شرعی قبول کرنے کے لئے ان کے دل کو آمادہ فرمادے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۱ھ۔

توسل

سوال[۲۹۴]: ۱......زید کہتا ہے کہ کسی نبی یا ولی کی قبر پر جاکر (یوں) دعاء مانگنی چاہیے: اے فقیر خدا! تو اللہ تعالیٰ کا پیارا ہے، تو ہمارے لئے خدا تعالیٰ سے دعاء مانگ کہ فلاں کام خدا مجھ پر آسان کردے اور فلانی حاجت میری پوری کردے۔

۲......بکر کہتا ہے کہ ولی یا نبی کو مخاطب نہیں کرنا چاہیے، بلکہ خدا تعالیٰ کو مخاطب کرکے کہنا چاہیے کہ: ''اے خدا! یہ ولی یا نبی تیرا محبوب ہے، تُو اس کی برکت سے میرا فلاں کام آسان کردے اور میری حاجت کو پورا کردے۔

استفسار یہ ہے کہ کونسی صورت جائز ہے اور کونسی ناجائز؟ مخاطب ولی کو کرنا چاہیے یا خدا تعالیٰ کو؟

---

(۱) "ومن سجد للسلطان بنية العبادة أو لم تحضره، فقد كفر، و في الخلاصة: و من سجد لهم إن أراد به التعظيم كتعظيم الله سبحانه كفر، و إن أراد به التحية، اختار بعض العلماء أنه لايكفر، أقول: وهذا هو الأظهر، و في الظهيرية: قال: بعضهم: يكفر مطلقاً. هذا (أى الخلاف) إذا سجد لأصل الإكراه: أى لمن يتأتى منه الإكراه ...... أما إذا سجد بغير الإكراه: أي و لو أمر به على القولين يكفر عندهم بلا خلاف". (شرح الفقه الأكبر ص: ۱۹۳، قديمى)

(۲) "(و لا يطوف): أى و لا يدور حول البقعة الشريفة؛ لأن الطواف من مختصات الكعبة المنيفة، فيحرم حول قبور الأنبياء والأولياء، و لا عبرة بما يفعله العامة الجهلة، و لو كانوا في صورة المشايخ والعلماء". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، ص: ۳۴۲، باب زيارة سيد المرسلين، فصل وليغتنم أيام مقامه بالمدينة المشرفة، مكتبه مصطفى محمد بمصر)

الجواب حامداً و مصلیاً:

خدا تعالیٰ کو خطاب کرنا چاہئے، کسی ولی کو خطاب کر کے دعاء کرنا درست نہیں (۱)، ہاں زندہ ولی سے دعاء کرانا درست ہے (۲)، البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار پر حاضر ہو کر خطاب کرنا درست ہے، کیونکہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۴/۵۵ھ۔

التوسل فی الدعاء

سوال[۲۹۵]: التوسل فی الدعاء بأسماء الصالحين مثل أن يقال: أللهم اغفرلی ببركة فلان، أو بحرمته أوبوسيلته، أوبطفيله، أوبخاطره وغيرها، وإن اختلف فی جوازه الدعاء، بل صرّح بعضهم باستحبابه وندبه، لكنه لم يكن معروفاً فی زمن السلف، ولم يدل عليه قرآن ولا حديث ثابت السنة تام الدلالة عليه، ومايستدل به من الأحاديث فبعضه ساقط ألبتة، ليس قابلاً للاحتجاج، وبعضه لاتتم دلالته على ذلك المعنى، فالأنسب أن يحترز عنه فی الدعاء.

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحداً﴾. (الجن: ۱۸)

قال الله تعالیٰ: ﴿و من أضل ممن يدعوا من دون الله من لا يستجيب له إلى يوم القيامة، و هم عن دعائهم غافلون﴾. (الأحقاف: ۵)

قال الله تعالیٰ: ﴿إياک نعبد و إياک نستعين﴾. (الفاتحة: ۴)

"و إذا سألت فاسأل الله وإذا استعنت فاستعن بالله". (مشكوة المصابيح، باب التوكل والصبر: ۲/۴۵۳، قديمی)

(۲) "إن رجلاً يأتيكم من اليمن يقال له: أويس، لا يدع باليمن غير أم له، قد كان به بياض فدعا الله، فأذهبه عنه إلا موضع الدينار أو الدرهم، فمن لقيه منكم فليستغفر لكم". (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل أويس القرنی رضی الله تعالیٰ عنه: ۲/۳۱۱، قديمی)

(۳) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من صلی عليّ عند قبري سمعته، و من صلی علي نائياً أبلغته". رواه البيهقی فی شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، باب الصلاة على النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم و فضلها، ص: ۱/۸۷، قديمی)

الجواب حامداًومصلياً:

هذه الطريقة ماكانت رائجةً في القرون المشهودلها بالخيررواجاًعاماً، ولكن يمكن أن يقال: إن الأصل لها؛ لأن الترمذي رحمه الله تعالىٰ خرج لها بسنده حديثاًوصححه (١)والطبراني أيضاً وثّقه(٢) وأيضًا مروى في البعض والنسائي(٣) والحاكم(٤)۔ **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔**

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

دعاء میں توسل

سوال[۲۹۶] :ادھر میں نے تین حسب ذیل اقوال پڑھے ہیں:

۱-''حضرت مجدد الف ثانیؒ قبروں کو بوسہ دینے سے منع فرماتے ہیں، لیکن اہل قبور سے مدد طلب کرنے کو جائز سمجھتے ہیں''۔(مجدد اعظم، مصنفہ محمد حلیم صاحب، مکتبہ دینیات دہلی:ص:۱۱۱)

۲-''توسل جو احادیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے کہ فلاں مقبول بندے کی برکت سے میری فلاں حاجت پوری فرما''۔(اصلاح الرسوم، مصنفہ حکیم الامت:ص:۱۳۵)

---

(١)''عن عثمان بن حُنَيف أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: ادع الله أن يعافيني،قال: "إن شئتَ دعوتُ، وإن شئت صبرت فهو خير لک". قال: فادعه،قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه،و يدعو بهذا الدعاء: "أللهم إني أسئلک و أتوجه إليک بنبيک محمد،نبي الرحمة،إني توجهت بک إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي، أللهم فشفعه فيّ".هذا حديث حسن صحيح غريب لانعرفه إلا من هذاالوجه من حديث أبي جعفر وهو غيرالخطمي''. (جامع الترمذي،أبواب الدعوات: ١٩٨/٢ ،سعيد)

(٢)(المعجم الكبير للطبراني : ٣١/٩،ما أسند عثمان بن حُنَيف،رقم الحديث: ٨٣١١، دار إحياء التراث العربي)

(٣)(السنن الكبرى للامام النسائي: ١٦٨/٦ ،كتاب عمل اليوم والليلة،رقم الحديث: ١٠٤٩٥ ،ذكرحديث عثمان بن حنيف)

(٤) (المستدرک للحاكم: ٣١٣/١،كتاب صلاة التطوع،دعاء رد البصر،دارالفكر)

(وسنن ابن ماجه،باب ماجاء في صلاة الحاجة، ص: ١٠٠ ،ميرمحمد)

۳- ''قبر پر فاتحہ کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے''۔ (نظام، کانپور ماہ جنوری ۱۹۶۴ء ص:۳۸)

سوال یہ ہے کہ اگر زید کسی بزرگ کے مزار پر حاضر ہوکر کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھتا ہے اور یہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! میری یہ دعاء اپنے اس خاص بندے کے توسل یا طفیل سے قبول فرما (زید کو یہ یقین ہے کہ اس قبر میں سونے والے بزرگ کی برکت سے دعاء ضرور قبول ہوتی ہے) کیا یہ زید کا فعل معہ اعتقاد از روئے شریعت درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ بزرگ ایسے ہیں کہ جن کی بزرگی (ولایت) پر دلیل قائم ہے تو اس طرح دعاء کی بھی گنجائش ہے کہ: اے اللہ! اپنے اس خاص بندے کے طفیل یا توسل سے میری دعاء قبول فرما (۱) لیکن مناسب واحوط یہ ہے کہ تخصیص نہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دعا میں توسّل

سوال [۲۹۷]: ہماری دکان میں ایک بزرگ کو بلایا گیا، کاروباری حالات تسلی بخش نہ رہنے کی وجہ سے انہوں نے یہ ورد پڑھنے کے لئے بتایا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. الحمد للہ رب العلمین. أللھم صل علی سیدنامحمد وعلی الہ''۔ اخیر میں یہ ورد ہے:

''یا دستگیر بے کساں حالِ زار پر رحم کرو اللہ کے واسطے'' اس طریقہ پر ورد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مانگنا اللہ سے مقصود نہیں، اس لئے ایسا ورد نہیں کرنا چاہئے (۲) بلکہ اللہ سے

---

(۱) "إن التوسل بجاه غير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا بأس به أيضاً إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاهاً عند الله تعالىٰ كالمقطوع بصلاحه و ولايته". (روح المعاني: (المائدة : ۳۵) : ۱۲۸/۶، دار إحياء التراث العربي)

(۲) "إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالى من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل ياسيدي فلان! أغثني، وليس ذلک من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلک، وأن لا يحوم حول حماه، وقد عده أناس من العلماء شركاً، وإن لايكنه فهو قريب منه". (روح المعاني (المائدة : ۳۵): ۱۲۸/۶، دارإحياء التراث العربي)

مانگا جائے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگوں کا توسل کیا جائے مثلاً اس طرح کہ اللہ تعالی ہمارے حال زار پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل رحم فرمائے انشاء اللہ تعالی دعاء جلد قبول ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالی اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۸۷ھ۔

وسیلہ سے دعا

سوال [۲۹۸]: حقانی صاحب نے اپنے وعظ میں کہا ہے کہ "رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے یا کسی بھی پیغمبر کے وسیلہ سے دعا نہ مانگنی چاہیے بلکہ صرف خدا ہی سے مانگے" یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء کرام اور اولیائے کرام کے وسیلے سے اس طرح دعاء کرنا کہ: یا اللہ! فلاں بزرگ یا فلاں نبی کے طفیل ہماری حاجت پوری فرمادے شرعاً درست ہے (۲) حقانی صاحب نے ہدایہ وغیرہ کے حوالہ سے یہ مسئلہ بتایا ہے، وہاں دراصل معتزلہ کا رد مقصود ہے جس کی تفصیل کتب

---

(۱) "عن عثمان بن حُنَيف رضي الله عنه أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقال: ادع الله أن يعافيني، قال: "إن شئتَ دعوتُ، وإن شئت صبرت فهو خير لک". قال: فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه، و يدعو بهذا الدعاء: "اللهم إني أسئلک و أتوجه إليک بنبيک محمد نبي الرحمة، إني توجهت بک إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي، أللهم فشفعه فيّ". (سنن الترمذي، أبواب الدعوات: ۲/۱۹۸، سعيد)

(۲) "و بعد هذا كله أنا لا أرى بأساً في التوسل إلى الله تعالىٰ بجاه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند الله تعالىٰ حيًا و ميتًا، و يراد من الجاه معنىً يرجع إلى صفة من صفاته تعالىٰ، مثل أن يراد به المحبة التامة المستدعية عدم رده و قبول شفاعته، فيكون معنى قول القائل: إلهي! أتوسل بجاه نبيک صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تقضي لي حاجتي، إلهي! اجعل محبتک له وسيلةً في قضاء حاجتي". (روح المعاني (المائدة: ۳۵): ۶/۱۲۶، دار إحياء التراث)

فقہ میں مذکور ہے(۱) اس کا اس مسئلہ سے تعلق نہیں، یہاں وہ صورت نہیں جس کو منع کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۵ھ۔

زندوں اور مردوں کے توسل سے دعا

سوال[۲۹۹]: دعاء میں انبیاء، اولیاء اور سلف صالحین کا وسیلہ کن دلائل سے ثابت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صریح قول یا آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کو ثابت کریں کہ دعاؤں میں مردوں کا وسیلہ لینا درست معلوم ہو جائے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیش کیا جاتا ہے کہ ایک جگہ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے دعاء مانگی لیکن اس وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت تمام خلائق سے بہتر اور بزرگ تر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ چھوڑ کر آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ کیوں لیا؟ محض یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ علماء کا عمل اس پر ہے اور جو اس کے خلاف ہیں وہ شاذ ہیں، مثلاً علامہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ، بلکہ تعامل صحابہ اور ارشاد رسول سے اس کا ثبوت ضروری ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"عن عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ إن رجلاً ضریر البصر أتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: ادع اللہ أن یعافینی، فقال: "إن شئت دعوت، و إن شئت صبرت فھو

---

(۱)" و یکرہ أن یقول فی دعائہ: بحق فلان أو بحق أنبیائک و رسلک؛ لأنہ لا حق للمخلوق علی الخالق ".(الھدایة، کتاب الکراھیة، مسائل متفرقة : ۴/۴۷۳،امدادیہ ملتان)

"یعنی لا یجوز أن یقول: بحق فلان علیک، و کذا بحق أنبیائک و رسلک والبیت والمشعر الحرام؛ لأنہ لا حق للمخلوق علی الخالق، وإنما یختص برحمتہ من یشاء من غیر وجوب علیہ ".(البحر الرائق، کتاب الکراھیة : ۸/۳۷۹،رشیدیہ)

خیر لك" قال: فادعه قال: فأمره أن یتوضأ فیحسن وضوءه، و یدعو بهذا الدعاء: "أللهم إنی أسألك، و أتوجه إلیك بنبیك محمد، نبی الرحمة، إنی توجهت بك إلی ربی فی حاجتی هذه"، لتقضی لی، أللهم فتشفعه فيّ"۔ترمذی شریف ۲/۱۹۷ (۱)۔

اس کے بعد وہ نابینا صحیح البصر ہوگئے (۲)، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے (۳) اور بیہقی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے (۴)، طبرانی نے اس کو عمدہ سند کے ساتھ لکھا ہے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: "بحق نبیه والأنبیاء الذین من قبلی، هکذا فی الأصل، والظاهر من قبله" (۵)۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے (۶)۔

---

(۱) (جامع الترمذی: ۲/۱۹۸، أبواب الدعوات، سعید)

قال الإمام أبو عیسی: "هذا حدیث حسن صحیح غریب، لا نعرفه إلا من هذا الوجه من حدیث أبی جعفر و هو غیر الخطمي". (المصدر السابق)

و أیضاً رواه احمد فی مسنده بهذا اللفظ: "أللهم إنی اسألک و أتوجه إلیک بنبیک محمد نبی الرحمة، إنی توجهت بک إلی ربی فی حاجتی هذه، فتقضی لی أللهم فتشفعه فيّ" (المسند للإمام أحمد بن حنبل: ۴/۱۳۸، رقم الحدیث: ۱۶۷۸۹، حدیث عثمان بن حُنیف، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۲) و قد صرح بذلک فی المسند حیث قال: "ففعل الرجل فبرأ". (مسند الإمام أحمد، المصدر السابق، دار إحیاء التراث العربی)

(۳) (و قد مر تخریجه رقم الحاشیة: ۱)

(۴) قال القسطلانی: "و صححه البیهقی و زاد: فقد قام و أبصر". (المواهب اللدنیة، ص: ۱۲/۲۲۱، دار الکتب العلمیة)

(۵) (راجع، ص: ۵۸۵، رقم الحاشیه: ۳)

(۶) فی شرح المواهب للزرقانی: "ما رواه النسائی والترمذی، والحاکم و قال: علی شرطهما": ۱۲/۲۲۱)

"عن عثمان بن حنیف أن رجلاً ضریراً ...... الحدیث، هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه".

وفی الصفحة رقمها: ۵۱۹: "هذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاه، (المستدرک مع =

ابن حجر مکی (۱) علامہ زرقانی (۲) علامہ خلیل (۳) علامہ قسطلانی (۴) قاضی عیاض (۵) سب نے ہی اپنی اپنی کتابوں میں توسل کی اجازت دی ہے اور اس کو جمہور سلف صالحین کا مسلک قرار دیا ہے، شیخ المحققین علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر ۲/ ۳۳۷ میں لکھتے ہیں: "ویسأل اللہ حاجته متوسلاً إلى الله تعالىٰ بحضرة نبيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"(٦)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= التلخيص: ۱/۳۱۳، كتاب الصلوٰة والتطوع، دعاء ردالبصر، و: ۱/۵۱۹، كتاب الدعا، دعاء ردالبصر، دارالفكر، بيروت)

(۱) "وصححه البيهقي وزاد: فقام، وروى الطبراني بسند جيّد أنه عليه السلام ذكر في دعائه: "بحق نبيّك" والاستغاثة والتشفع والتوجه به صلى الله عليه سلم أو بغيره من الأنبياء وكذا الأولياء اهـ". (حاشيه ابن حجر المكي رحمه الله تعالىٰ على الإيضاح في مناسك الحج للنووي رحمه الله تعالىٰ، ص: ۵۰۰، بحواله تسكين الصدور، ص: ۴۳۶، مكتبه صفدريه)

(۲) قال العلامة الزرقاني: "و نحو هذا في منسك العلامة خليل و زاد: "و ليتوسل به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في التوسل به، إذ هو مُحطّ جبال الأوزار وأثقال الذنوب .... و من اعتقد خلاف ذلك فهو المحروم الذي طمس الله بصيرته و أضل سريرته، ألم يسمع قوله تعالىٰ: ﴿و لو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤك﴾ (شرح المواهب: ۱۱/۲۱۹)

(۳) قال العلامة خليل السهارنفوري: "عندنا و عند مشايخنا يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والصديقين والشهداء في حياتهم و بعد وفاتهم". (المهند على المفند، ص: ۸)

(۴) (المواهب اللدنية للقسطلاني: ۱۲/۲۱۹، ۲۲۳، دار الكتب العلمية)

(۵) "وإن حرمته ميتاً كحرمته حيّاً، فا ستكان لها أبو جعفر وقال: ياأباعبدالله! أستقبل القبلة وأدعو أم أستقبل رسول الله؟ فقال: ولم تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك ووسيلة أبيك آدم عليه السلام إلى الله تعالىٰ يوم القيامة؟ بل أستقبله و أستشفع به فيشفعه الله". (الشفا للقاضي عياض، القسم الثاني، الباب الثالث، الفصل الثالث: حرمته وتوقيره صلى الله عليه وسلم، ص: ۴۰۱، دارالفكر، بيروت)

(٦) (فتح القدير لابن الهمام الحنفي، كتاب الحج، المقاصد الثلاثة، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۳/۱۸۱، مصطفى البابي الحلبي، بمصر)

سوال بر جواب مذکورہ بالا

سوال[۳۰۰]: عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو روایت آپ نے توسل کے جواز پر پیش فرمائی ہے، یہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا واقعہ ہے(۱)، اس سے تو یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں توسل سے دعاء کی اجازت دی تھی، سوال آپ کی وفات کے بعد کا ہے۔ بعض اکابر صحابہ کا عمل وفات نبوی کے بعد توسل کے بجائے اس وقت کے زندوں سے رہا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ صحابہ میں وصالِ نبوی کے بعد آپ کے توسل کا طریقہ رہا، اس سلسلہ میں دو جلیل القدر صحابی کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

۱= حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عام الرماد کے ہولناک قحط میں مہاجرین اور انصار کے روبرو دعا مانگی تھی اس کے الفاظ یہ تھے: "اللهم إنا كنا إذا جَدِبنَا نتوسل إليك بيننا فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا صلى الله عليه وسلم فاسقنا"(۲) اے خدا جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو اپنے نبی کا وسیلہ تیرے سامنے پیش کیا کرتے تھے تو ہمیں سیراب کردیا کرتا تھا، اب ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ تیرے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق کا عمِ رسول حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے دعاء مانگنا اور اس پر تمام صحابہ، مہاجرین وانصار کا سکوت تسلیم ورضا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس توسل کو صحیح ودرست سمجھا۔

۲= دوسرا واقعہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جب ملک شام میں قحط پڑا تو معاویہ بن ابی سفیان نے یزید الاسود اعرشی کو دعاء میں وسیلہ بنایا، انہوں نے کہا: "اللهم نستشفع أو نتوسل بخيارنا، يا يزيد! ارفع يديك، فرفع و دعا و دعا الناس حتى أسقوا"(۳) الٰہی ہم نیکوکاروں کی سفارش

---

(۱) (جامع الترمذي، أبواب الدعوات: ۱۹۸/۲، سعيد)

(۲) (صحيح البخاری، أبواب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام إذا قحطوا: ۱۳۷/۱، قديمی)

(۳) "قال ابن حجر: واستسقى معاوية بيزيد بن الأسود فقال: أللهم إنا نستسقى بخيرنا و أفضلنا، أللهم إنا نستسقى بيزيد بن الأسود، يا يزيد! ارفع يديک إلى الله، فرفع يديه و رفع الناس أيديهم، فثارت سحابة من المغرب كأنها ترس، وهبّت ريح، فسقوا حتى كاد الناس لا يبلغون منازلهم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۶۱۹/۳، ۶۲۰، الحبيبية، كوئٹه)

لاتے ہیں، اے یزید! اپنے ہاتھ اٹھا چنانچہ یزید نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعاء کی، نیز تمام مسلمانوں نے دعا کی اور پانی برسنے لگا۔

ان دو جلیل القدر صحابی کے عمل نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان لوگوں میں مردوں کے توسل کا رواج نہیں تھا بلکہ زندے نیکوکاروں کے توسل کا تھا۔ محقق ابن ہمام اور قاضی عیاض کے حوالہ سے آپ نے جس توسل کو جائز قرار دیا ہے اور جس کو جمہور سلفِ صالحین کا مسلک ٹھہرایا ہے، اس سے کونسا توسل مراد ہے، کسی شخصیت کا توسل یا اطاعت وبندگی کا توسل یا کسی کی دعاء وسفارش کا توسل؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ دونوں واقعے اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ زندہ سے توسل درست ہے، مردہ کے توسل سے ساکت ہیں، سابق فتویٰ میں بحوالہ طبرانی جو عبارت نقل کی گئی تھی اس میں انبیاء سابقین سے توسل کے بھی الفاظ تھے (۱) نیز فتح القدیر کی جو عبارت نقل کی گئی تھی اس میں زائرین کو ہدایت تھی وہ بھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہی کے لئے ہے (۲)۔

عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جو کہ ترمذی شریف سے نقل کی تھی وہ واقعہ تو حیاتِ طیبہ کا تھا مگر انہوں نے بعد وفات بھی ایک شخص کو یہی ترکیب اور دعاء بتلائی تھی جس کی ایک ضرورت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق تھی اور وہ توجہ نہ فرماتے تھے۔ ایک شخص نے اس پر عمل کیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ ضرورت پوری فرمادی۔ پھر اس شخص نے عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے میری سفارش کردی اس پر انہوں نے وہی ترمذی والی روایت سنائی (۳)۔

---

(۱) (راجع ،ص: ۵۸۲، رقم الحاشية: ۵، ۶، و ص: ۵۸۳، رقم الحاشية : ۱، ۲، ۳)

(۲) (فتح القدير، كتاب الحج، المقاصد الثلاثة، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم: ۲/۱۸۱، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۳) "وأمنا بعد مماته فقد روى الطبراني في الكبير عن عثمان بن حنيف المتقدم أن رجلاً كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضي الله عنه في حاجة له، فكان لايلتفت إليه ولا ينظر في حاجته، فلقي ابن حنيف =

علامہ زرقانی نے شرح مواہب: ۸/ ۳۱۸، میں لکھا ہے:

”و أما التوسل به صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم بعد موته فی البرزخ فهو أکثر من أن یحصیٰ أو یدرك باستقصاء، و فی کتاب مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الأنام للشیخ أبی عبد اللّٰه بن النعمان طرف من ذلك اھ“(۱)۔ اس کے بعد اپنے واقعات اور تجربات لکھتے ہیں کہ بیماری اور مصیبت کے دفع کرنے میں کیسی تاثیر پائی (۲)۔ علامہ آلوسی نے روح المعانی ص: ۲۹۹، پر توسل کرنے والوں کی اَغلاط پر متنبہ کرنے کے بعد لکھا ہے: ”بعد هذا کله أنا لا أری بأساً فی التوسل إلی اللّٰه تعالیٰ بجاه النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم عند اللّٰه تعالیٰ حیاً و میتاً اھ“(۳)، ص: ۳۰۰ پر لکھا ہے: ”التوسل بجاه غیر النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لا بأس به إن کان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاهاً عند اللّٰه تعالیٰ کالمقطوع بصلاحه و ولایته“(٤)۔ اعمالِ صالحہ کا توسل حدیث انصار میں موجود ہے (۵)۔ شخصیت کا تو آپ کے تحریر کردہ

= فشكى إليه ذلك فقال له ابن حنيف: إئت الميضاة فتوضأ، ثم ائت المسجد فصل ركعتين، ثم قل: أللهم إني أسألك .... فانطلق الرجل، فصنع ما قال، ثم أتى باب عثمان، فجاء البواب حتى أخذه بيده فأدخله على عثمان فأجلسه معه على الطنفسة، فقال: ماحاجتك؟ فذكر حاجته فقضاها، .... ثم إن الرجل خرج من عنده، فلقي ابن حنيف فقال له: جزاك الله خيراً .... فقال ابن حنيف: والله! ماكلمته ولكني شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وأتاه ضرير فشكى إليه ذهاب بصره" الحديث. (حاشیہ سنن ابن ماجه المسمى بإنجاح الحاجة، رقمها: ۱، ص: ۱۰۰، باب ماجاء في صلوٰة الحاجة، میر کتب خانه)

(۱) یہ عبارت متن: ”المواهب اللدنية بالمنح المحمدية“ علامہ قسطلانی کی ہے، اس کی شرح علامہ زرقانی نے لکھی ہے دیکھئے: (شرح العلامة الزرقاني على المواهب، المقصد العاشر، الفصل الثاني في زيارة قبره الشريف ومسجده المنيف: ۱۲/ ۲۲۲، عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۲) (شرح المواهب المرجع السابق: ۱۲/ ۳۲۲، ۳۲۳، علامہ قسطلانی نے توسل کی فضیلت کر کے ترغیب دی ہے)

(۳) انظر للتفصيل: (روح المعاني: ۶/ ۱۲۸، دار إحياء التراث العربي)

(۴) (روح المعاني المصدر السابق آنفاً: ۶/ ۱۲۸، ۱۲۹، دار إحياء التراث العربي)

(۵) (مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي: ۱/ ۱۳۲، باب الاستسقاء قديمي)

(و أخرجه الإمام البخاري في صحيحه، باب سوال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا: ۱/ ۱۳۷، قديمي)

واقعہ(۱) نیز روح المعانی میں ہے(۲)۔دعاء و شفاعت کا توسل بھی احادیث میں مصرح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

توسل میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

سوال[۱۰۳۱]: جیسا کہ ہم لوگ اہل سنت والجماعت دعاء کرتے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل سے دعاء کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''الوسیلہ'' میں خدا کے صفاتی نام کے سوا وسیلہ کو ناجائز قرار دیا ہے اور دلیل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث جو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے استسقاء کی دعاء کی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پیش کرتے ہیں(۳) اس دلیل سے دعاء کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل سے جائز ہے یا ناجائز؟ ہم نے سنا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر کسی صاحب نے تنقید کی ہے، وہ کون صاحب ہیں اور کس مسئلہ پر تنقید کی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح دعا کرنا کہ:''یا اللہ! حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہمارا فلاں کام کردے، ہمیں گناہوں سے بچالے، ہمیں اعمالِ صالحہ کی توفیق دے'' اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک شرعاً درست ہے(۴)۔

---

(۱) (راجع، ص: ۵۸۵، رقم الحاشیۃ: ۳)

(۲) (راجع، ص: ۵۸۶، رقم الحاشیۃ: ۲، ۳)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام الرماد قحط کے دوران جو دعا مانگی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں: " أللهم إنا كنا إذا جدّبنا نتوسل إليک بنبيّنا، وإنا نتوسل إليک بعمّ بنينا صلی اللہ علیہ وسلم، فاسقنا". (صحيح البخاری، أبواب الاستسقاء، باب سوال الناس الإمام إذا قحطوا: ۱/۱۳۷، قديمی)

(وكتاب التوسل والوسيلة لابن تيميه، ص: ۵۵، ۵۶، الطبعة الأولیٰ عطبعة المنار)

(۴) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وابتغوا إليه الوسيلة﴾ (سورة مائده: ۳۵) .... =

جب کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرنا امام ابن تیمیہ کے نزدیک درست ہے تو اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے بھی درست ہے، اس مسئلہ پر مستقل رسائل تصنیف کئے گئے ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر ان کے معاصرین امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے کافی رد کیا ہے، طبقات سبکی میں ایک مستقل رسالہ رد میں ہے(۱) علامہ یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''مرأۃ الجنان'' میں متعدد علماء سے سخت تنقید نقل کی ہے، علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''فتاویٰ حدیثیہ'' میں رد بلیغ کیا ہے(۲) ذیل ''تذکرۃ

= "و قال ابن عابدين: "نعم ذكر العلامة المناوى فى حديث: "أللهم إنى أسألك و أتوجه إليك بنبيك نبى الرحمة" اهـ عن العز بن عبد السلام أنه ينبغى كونه ، مقصوراً على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأن لا يقسم على الله بغيره و أن يكون من خصائصه، قال: و قال السكبى :"يحسن التوسل بالنبى إلى ربه، ولم ينكر أحد من السلف و لا الخلف إلا ابن تيمية". (رد المحتار ، كتاب الحظر و الإباحة، فصل فى البيع :۶/۳۹۷، سعيد)

"قد يقال: "إنه لا حقّ لهم وجوباً على الله، لكن الله سبحانه جعل لهم حقاً من فضله، أو يراد بالحق الحرمة و العظمة، فيكون فى باب الوسيلة و قد قال تعالىٰ: ﴿و ابتغوا إليه الوسيلة﴾ و قد عد من آداب الدعاء التوسل على ما فى الحصن". (حاشية الطحطاوى على الدر المحتار، كتاب الحظر والإباحة ، فصل فى البيع:۴/۱۹۹ ، مكتبه دارالمعرفة)

(۱) "رد ابن تيمية" لأبى الحسن علىّ بن عبد الكافى بن على، تقى الدين السبكى الأنصارى الخزرجىّ الشافعىّ (ت ۷۵۶هـ) (كشف الظنون : ۱/۸۳۷ ، "طبقات السبكى" : ۱۰/۱۳۹، "الدر الكامنة" ۳/۶۳)

"و قال السبكى : يحسن التوسل بالنبى إلى ربه، و لم ينكره أحد من السلف و لا الخلف إلا ابن تيمية، فابتدع ما لم يقله عا لم قبله اهـ".(رد المحتار ، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع :۶/۳۹۷، سعيد)

(۲) "و سئل نفع الله به بما لفظه : لابن تيمية اعتراض على متأخرى الصوفية، و له خوارق فى الفقه والأصول، فما محصل ذلك؟.

فأجاب بقوله: ابن تيمية عبدٌ خزله الله و أضلّه و أعماه و أصمه و أذلّه، و بذلك صرح الأئمة =

الحفاظ‘‘ میں بھی ردشدید مذکور ہے(۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعاء کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعاء درست نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ حرام قرار دیتے ہیں، اس پر امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ ’’شفاء السقام‘‘ لکھا ہے جس میں اس کو مستحسن اور موجب ثواب قرار دیا ہے، اَور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جمہور کے مخالف ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مزارات پر حاضری اور توسل وغیرہ

سوال[۳۰۲]: میں خود گنہگار رہوں، مزارات پر جاتا ہوں، قرآن شریف اپنے باپ، دادا کی قبر کے پاس پڑھتا ہوں اور دیگر حضرات اولیاء کے مزارات پر بھی جاتا ہوں ان سے مدد مانگتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نیک وصالح بندے ہیں میرے حق میں دعاء فرمادیں کہ خدا مجھ کو صحیح معنیٰ میں مسلمان بنادے اور مجھے خدا خوش

= الذين بينوا فساد أحواله و كذب أقواله، و من أراد ذلک فعليه بمطالعة كلام الإمام المجتهد المتفق على إمامته وجلالته و بلوغه مرتبة الاجتهاد أبى الحسن السبكى وولده التاج والشيخ الإمام العز بن جماعة و أهل عصرهم". (الفتاوى الحديثية ، مطلب: اعتراض ابن تيمية على متأخرى الصوفية و له خوارق الخ، ص:۱۵۶ ، قديمى)

(۱) " وهذا الشيخ الحرانى مع كونه ألّف فى إبطال الحيل تراه وأتباعه من أكبر المجرئين على تحليل من الأبضاع ...... وشواذه فى الفروع من هذا القبيل، ولا تسل عن مفرداته فى المعتقد مما هو آية فى التغليل، ومن هنا اشتبه فى أمر دينه من اشتبه من حذاق النظار ولم يخف عليهم ماوراء الستار وهو يشف عن ذلک الأولى الأبصار .... استرسالاً فى إحسان الظن به بالنظر إلى مبارئ حاله من غر فحص عن عاقبة أمره ومرماه، وطال الأخذ والرد فى شأنه لمايستوجب الأناة". (ذيل تذكرة الحفاظ، ص: ۱۸۶، ۱۸۸، ترجمه الحافظ شمس الدين أبى عبدالله محمد بن خليل الخ، وانظرأيضا ،ص: ۳۱۵ — ۳۲۰، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

وخرم رکھے اور قوم مسلم کو نیک اور ایک بنادے۔ آمین!

اور میں تعزیہ داری میں بھی شریک ہوتا ہوں اس میں چندہ بھی دیتا ہوں اور فاتحہ، دسویں، بیسویں، چالیسویں میں بھی دیتا ہوں، نذر و نیاز بھی کرتا ہوں، ہر سال اجمیر شریف جاتا ہوں اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر جاکر ان کے توسل سے دعاء مانگتا ہوں۔ میں گیارہویں شریف حضرت اعظم کی بھی کرتا ہوں، خواجہ غریب نوازؒ کی بھی فاتحہ کرتا ہوں، دیگر رسوم میں بھی شرکت کرتا ہوں، دیگر حضرات اولیاء کرام مثلاً مولانا کمال الدین چشتیؒ، حضرت بابا بدخشانیؒ، شاہ نیاز صاحبؒ کے مزارات پر بھی جاتا ہوں، کیا ایسی جگہ جانا درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ان چیزوں کی وجہ سے مجھ کو ایمان سے خارج اور کافر خیال کرتے ہیں۔ آپ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان باتوں میں کوئی بات ایسی نہیں جس کی وجہ سے آپ کو خدانخواستہ کافر یا اسلام سے خارج قرار دیا جائے، الحمدللہ آپ مسلمان ہیں کفر کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، خدائے پاک آپ کو بطفیل حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسلام پر قائم رکھے اور کفر سے ہمیشہ محفوظ رکھے، آمین!

ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی زندگی کو سنتِ پاک کے مطابق بنایا جائے اور ہر کام کرنے سے پہلے تحقیق کرلی جائے کہ یہ کام خلاف سنت تو نہیں، جو کام خلاف سنت ہو اس سے ہمیشہ دور رہنا چاہیئے، یہی نجات کا سیدھا راستہ ہے، اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں، یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خادم اور محبت کرنے والے کی نشانی ہے، ورنہ اس کا دعویٰ محبت بے دلیل رہے گا اور قرب کی دولت نصیب نہیں ہوگی، آپ نے جو طویل فہرست اپنے اعمال کی تحریر فرمائی ہے اس میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے، بعض چیزیں اگرچہ خلاف سنت نہیں لیکن ان کا طریقہ غلط ہے، اگر آپ کا ارادہ اصلاح کا ہے اور آپ سنت کے مطابق زندگی بنا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنا چاہتے ہوں تو لکھئے اور خط کو بھی بھیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ جملہ امور کو تفصیل کے ساتھ عرض کردیا جائے گا، خدائے پاک آپ کو اور مجھے اور سب مسلمانوں کو اتباع سنت کی پوری توفیق دے، آمین! فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔　　الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک نعت میں توسل سے دعاء

سوال[۳۰۳]: ایک نعت جس کے شروع میں حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح ہے، بعدہ اپنے اپنے بھائیوں کے لئے کچھ عرض ہے، اس قسم کے اشعار پڑھنا خلاف سنت ہے، یا کسی کولکھ کر بھیجنا قرونِ ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اشعار:

نور سے تیرے سب ہوئے پیدا — آپ ہیں فخر شاہ و گدا
یا رسول اللہ وقت نزع آنا — وقت کٹھن ہے وقت نزع آنا
پھر سن لے سیاں ہماری — اتنا رہے خیال رہے اتنی بھرم شرم
دل تھر تھرائے وقت نزع آیا — محشر کے روز دوڑ کے دامن تھام لینا
کیوں نہ چھوڑوں سیاں ہماری — کیجئے سب کی دعاء قبول سب ملکر کہیں آمین

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کرنا تو ثابت ہے(۱)، اس کے علاوہ اس قسم کے اشعار قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں کسی صاحب نے پڑھے ہوں میری نظر سے نہیں گزرے اور یہ اشعار تو اشعار نہیں، نہ قافیہ صحیح، نہ ردیف درست، نہ وزن، خدا جانے ان کو اشعار کیسے کہہ دیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۵/۱۰/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن أنس أن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنهما كان إذا قحطوا استسقىٰ بالعباس بن عبد المطلب فقال: أللهم إنا كنا نتوسل إليک بنبينا فتسقينا، وإنا نتوسل إليک بعم نبينا فاسقنا فيسقون".
(صحيح البخاری: ۱/۵۲۶، ذكر عباس بن عبد المطلب، سعيد)

"عن عثمان بن حُنيف رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: إن رجلاً ضرير البصر أتى النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم فقال: ادع الله أن يعافينی، فقال: "إن شئتَ دعوتُ، و إن شئتَ صبرتَ فهو خير لک" قال: فادعه قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن الوضوء، ويدعو بهذا الدعاء: "أللهم إنی أسألک و أتوجه إليک بنبيک محمد نبی الرحمة، إني توجهت بک إلى ربی ليقضى فی حاجتی هذه، أللهم فتشفعه فیّ".
(مشكوة المصابيح، باب جامع الدعاء، الفصل الثالث: ص: ۲۱۹، قديمی)

ما یتعلق بأحوال القبور والأرواح

(روح اور قبر کے احوال کا بیان)

علیین سجین کہاں ہیں؟

سوال[۳۰۴]: علیین سجین کون سے مقام ہیں؟ علیین کی روحیں آسمان پر جاتی ہیں اور سجین کی روحیں زمین کی طرف لوٹ آتی ہیں تو کس مقام پر روحیں آتی ہیں؟ آسمان پر جو روحیں مقید کرلی جاتی ہیں، کیا قیامت میں آسمان سے روحیں زمین پر حساب وکتاب کے لئے لائی جائیں گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

علیین اس مقام کا نام ہے جس میں اَرواحِ سعداء بعد الموت پہنچ جاتی ہیں، سجین اس مقام کا نام ہے جس میں اَرواحِ اشقیاء (بعد الموت) پہنچ جاتی ہیں (کذا فی فتح العزیز) (۱)۔ اَرواح کا باوجودِ علیین وسجین میں ہونے کے اپنی قبور واجسام کے ساتھ ایک نوع کا اتصال وتعلق رہتا ہے، کذا فی فتاویٰ ابن حجر الہیثمی (۲) اور یہ تعلق خاص اوقات میں زیادہ بھی ہوجاتا ہے، کذا فی شرح الصدور (۳)، لیکن اپنے گھروں میں آنا کسی

---

(۱) (فتح العزیز، سورة المطففین، ص: ۱۵۸، سعید)

(۲) "و أما أهل التكليف، ففيهم خلاف كثير: عن أحمد: أنها في الجنة، وعن وهب أنها في دار يقال لها: البيضاء في السماء السابعة، وعن مجاهد: أنها تكون على القبور سبعة أيام من يوم دفن لا تفارقه: أي ثم تفارقه بعد ذلك. ولا ينافيه سنية السلام على القبور؛ لأنه لا يدل على استقرار الأرواح على أفنيتها دائماً؛ لأنه يسلم على قبور الأنبياء والشهداء و أزواجهم في أعلى عليين، و لكن لها مع ذلك اتصال سريع بالبدن لا يعلم كنهه إلا الله تعالى". (الفتاوى الحديثية، مطلب أرواح الأنبياء في أعلى عليين ...... الخ، ص: ۱۴، قديمي)

(۳) "و قال الحافظ ابن حجر في فتاواه: أرواح المؤمنين في عليين، و أرواح الكفار في سجين، و لكل روح بجسدها اتصال معنوي لا يشبه الاتصال في الحياة الدنيا، بل أشبه شيء به حال النائم، و إن كان هو أشد من حال النائم اتصالاً". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۹، دار المعرفة)

معتمد روایت حدیث سے ثابت نہیں، بغرضِ حساب سب اُرواح مقام حساب میں جمع کی جائیں گی، کذا فی تذکرۃ الموتیٰ فی القبور (۱)۔ اُرواح کے احوال ومقامات یکساں نہیں، بلکہ بہت مختلف ہیں، کذا فی کتاب الروح (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

مقام اُرواح

سوال [۳۰۵]: کلام مجید کی متعدد آیات مثلاً: ﴿ونفخ فی الصور﴾ الایة، سورہ یٰسین (۳)۔ ﴿ثم نفخ فیه أخری﴾ الایة سورۃ زمر (۴)۔ ﴿یوم یخرجون من الأجداث﴾ سورۂ معارج (۵) ونیز حدیث: ”نم کنومة العروس“ الحدیث۔ (٦) سے ثابت ہوتا ہے کہ روح قبر میں رہتی ہے پھر یہ کہ علیین یا جنت میں رہتی ہے، اس کا کیا مطلب اور تطبیق ہے؟ کوئی حدیث بمقابلہ آیات کس دلیل سے معتبر مانی جائے گی؟

---

(۱) ”فإذا صیح بأهل القبور، قاموا مذعورین عاجلین، ینظرون ما یراد بهم، لقوله تعالیٰ: ﴿ثم نفخ فیه أخری فإذا هم قیام ینظرون﴾ .... ثم قالوا: هذا ما وعد الرحمن و صدق المرسلون،، فكذبنا به، فأقروا حین لم ینفعهم الإقرار، ثم یؤمر بحشر الجمیع إلی الموقف للحساب“. (التذکرة فی أحوال الموتی و أمور الآخرة، باب ذكر النفخ الثانی للبعث فی الصور، ص: ۲۰۲، مكتبه أسامة الإسلامية)

(۲) ”هذه مسئلة عظیمة تكلم فیها الناس، و اختلفوا فیها، و هی إنما تتلقی من السمع فقط، واختلف فی ذلك، فقال قائلون: أرواح المؤمنین عند الله فی الجنة، شهداءَ كانوا أم غیر شهداء .... الخ“. (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أین مستقر الأرواح ما بین الموت إلی یوم القیامة، ص: ۱۲۱، فاروقیه پشاور)

(۳) (سورہ یس: ۵۱)

(۴) (الزمر: ٦٨)

(۵) (المعارج: ۴۳)

(٦) (مشكوٰة المصابيح، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۲۵، قديمی)

(سنن الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر: ۱/۲۰۵، سعید)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ارواح کے مقامات اپنے اعمال وافعال کے اعتبار سے یکساں نہیں بلکہ متفاوت ہیں، نیز تمام ارواح دنیا سے جاکر قیامت تک کے لئے ایک جگہ محبوس نہیں رہتیں، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں، تطبیق ظاہر ہے:

"الأرواح متفاوتة فی مستقرها فی البرزخ أعظم تفاوت: فمنها أرواح فی أعلیٰ علیین فی الملأ الأعلی، و هی أرواح الأنبیاء صلوت اللّٰه و سلامه علیهم، و هم متفاوتون فی منازلهم کما رآهم النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم لیلة الإسرا. و منها: أرواح فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنة حیث شاء ت، و هی أرواح بعض الشهداء لا جمیعم، بل من الشهداء تحبس روحه عن دخول الجنة لدین علیه وغیره، کما فی المسند عن محمد بن عبد اللّٰه بن جحش رضی اللّٰه عنه أن رجلاً جاء إلی النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم فقال: یا رسول اللّٰه! مالی أن قُتلت فی سبیل اللّٰه، قال: "الجنة" فلما ولیٰ قال: "إلا الدین، سارنی به جبریل علیه الصلاة والسلام اٰنفاً". و منهم من یکون محبوساً علی باب الجنة کما فی حدیث اٰخر: "رأیت صاحبکم محبوساً علی باب الجنة". و منهم من یکون محبوساً فی قبره کحدیث صاحب الشملة التی غلّها، ثم استشهد فقال الناس: هنیئاً له الجنة، فقال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم: "والذی نفسی بیده! إن الشملة التی غلها لتشتعل علیه ناراً فی قبره".

و منهم من یکون مَقرّه باب الجنة کما فی حدیث ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما: "الشهداء علی بارق نهر بباب الجنة فی قبة خضراء، و یخرج علیهم رزقهم من الجنة بکرةً و عشیةً". و منهم من یکون محبوساً فی الأرض، لم تَعلُ روحه إلی الملأ الأعلی، فإنها کانت روحاً سفلیةً أرضیةً. و منها: أرواح تکون فی شور الزناة و الزوانی، وأرواح فی نهر الدم تسبح فیه و تلقح الحجارة، فلیس للأرواح سعیدها و شقیها مستقر واحد، بل روح فی أعلی علیین و روح أرضیة سفلیة لا تصور عن الأرض۔ وأنت إذا تأملت السنن والاٰثار فی هذا الباب و کان لك بها فضل اعتنا، عرفت حجةً ذلك، و لا تظن أن بین الاٰثار الصحیحة فی هذا الباب تعارضاً،

فإنها كلها حق يصدق بعضها بعضاً، لكن الشاق فى فهمها و معرفة النفس أحكامها، و أن لها شاناً غير شان البدن، وأنها مع كونها فى الجنة فهى فى السمآء، و تتصل بفناء القبر وبالبدن فيه، و هى أسرع شىء حركةً و انتقالاً و صعوداً و هبوطاً، و أنها تنقسم إلى مرسلة و محبوسة وعلوية و سفلية اهـ". كتاب الروح مختصراً، ص:١٨٤(١)، و شرح الصدور، ص:١٨(٢)

حافظ ابن قیم اور علامہ سیوطی نے اَور بھی اقوال نقل کئے ہیں، بعض کی تردید اور بعض کی تائید بھی کی ہے۔ سجین اور علیین کی تفسیریں بھی مختلف ہیں، علامہ ابوسعود "ارشاد العقل السلیم": ۸/۴۲۵، میں فرماتے ہیں:

"وسجين علم الكتاب جامع، هو ديوان الشر، دوّن فيه أعمال الشياطين و أعمال الكفرة والفسقة من الثقلين، منقول من وصف كخاتم، و أصله فعيل من السجن هو الحبس والتضيين؛ لأنه سبب الحبس والتضييق فى جهنم، أو لأنه مطروح كما قيل: تحت الأرض السابعة فى مكان مظلم وحش، و هو مسكن إبليس و ذريته، فالمعنى: إن كتاب الفجار الذين من جملتهم المطففون: أي ما يكتب من أعمالهم أو كتابة أعمالهم لفى ذلك الكتاب المدون فيه قبائح أعمال المذكورين اهـ. و عِلّيون عَلَم لديوان الخير الذى دوّن فيه كل ما أعملته الملائكة و صلحاء الثقلين الخ"(٣).

هكذا فى المدارك (٤) "والسجين اسم لجهنم بإزاء العليين، و قيل: هو اسم للأرض السابعة" (٥) "وقوله: تسعى عليين فقد قيل: هو اسم أشرف الجنان كما أن سجيناً اسم شر النيران ، و قيل: بل ذلك فى الحقيقة اسم مكانها اهـ. و هذا أقرب فى العربية إذا كان هذا الجمع يختص بالناطقين،

---

(١) (كتاب الروح ، المسألة الخامسة عشر : أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة ؟ ص:١٥٠، ١٥١، مكتبه فاروقيه پشاور)

(٢) (شرح الصدور ، باب مقر الأرواح ، ص:٢٣٧، ٢٣٨، دار المعرفة)

(٣) (تفسير أبى السعود المسمى بإرشاد العقل السليم إلى مزايا القرآن الكريم، (المطففين : ٧، ١٨): ١٢٦/٩، ١٢٧، دار احياء التراث العربى)

(٤) (المدارك (المطففين: ٧، ١٨): ٧٨٥/٢، ٧٨٦، قديمى)

(٥) (المفردات فى غريب القرآن ، مادة: سجن ،ص :٢٢٥، نور محمد)

ومعناه أن الأبرار في جملة هؤلاء، فيكون ذلك كقوله: ﴿أولئك مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين﴾ الأنبياء، كذا في المفردات(۱) "السجين صخرة نجومة تحت جهنم يكون فيها أرواح الكفار وكتب أعمالهم اهـ". مجمع البحار ۲/۹۹(۲)۔

صریح آیات وروایات میں قبور سے اٹھنے کا ذکر ہے، ان کا یہ مطلب نہیں کہ اَرواح ان قبور میں محبوس ہیں، بلکہ قبر سے فی الجملہ روح کو تعلق واتصال رہتا ہے اوراجسام جوکہ قبور میں مدفون ہیں وہ قبرہی سے اٹھیں گی کیونکہ حشر جسم اورروح دونوں کا ہوگا:

"ثم إذا كان يوم القيامة الكبرىٰ أعيدت الأرواح إلىٰ الأجساد، وقاموا من قبورهم لرب العالمين و معادالأبدان متفق عليه بين المسلمين واليهود والنصارىٰ اهـ". كتاب الروح، ص:۸۲(۳)۔

قبر میں سونا بھی ہر ایک کے لئے اور ہمیشہ کے لئے نہیں ہے، بعض کا تلاوت کرنا خود احادیث سے ثابت ہے(۴)۔ مسئلہ مذکورہ میں تو قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں جو بوقتِ تقابلِ حجت حدیث کو بیان کیا

---

(۱) (المفردات في غريب القرآن مادة: علا، ص:۳۴۶، نور محمد)

(۲) (مجمع بحار الأنوار، مادة: سجن: ۳/۴۲، دائرة المعارف العثمانية)

(۳) (كتاب الروح، المسألة السادسة: هل الروح تعاد الى الميت في قبره وقت السوال أم لا ؟، ص:۶۹، فاروقيه پشاور)

"فلا تزال الأرواح هناك حتى يتم عددها بنفخها في الأجساد ثم برجوعها إلى البرزخ، فتقوم الساعة، فيعيدها عزوجل إلى الأجساد، و هي الحياة الثانية". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۵، دارالمعرفة)

(۴) "و أخرج الترمذي و حسنه، والحاكم، والبيهقي عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم خباءً على قبر، وهو لا يحسب أنه قبر، و إذا فيه إنسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها. فأتى نبي الله فأخبره، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "هي المنجية، هي المانعة، تنجيه من عذاب القبر".

قال أبو القاسم السعدي في كتاب "الروح": هذا تصديق من النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم=

جاوے، فی نفسہ یہ چیز اصول فقہ میں مدلل ومبرہن موجود ہے کہ آیات کی حدیث کے ذریعہ سے تفسیر، بیان، تقیید، نسخ درست ہے یا نہیں (۱)۔ تفسیر ابن کثیر: ۶۳/۴، میں ہے کہ نفخ صور تین مرتبہ ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مرنے کے بعد روح کا مقام

سوال[۳۰۶]: مرنے کے بعد روح جسم سے نکلنے پر کہاں قیام کرتی ہے؟ اس کا تعلق دنیا والوں کے ساتھ رہتا ہے یا نہیں؟ دنیا میں جو اس نے اچھے یا بُرے اعمال کئے ہیں اس کا بدلہ قیامت سے پہلے ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ارواح کے احوال بہت مختلف ہیں ایک حال نہیں، انبیاء کی ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں، شہداء کی اَرواح سبز پرندوں کے حواصل یعنی پوٹوں میں ہیں، جنت میں حسب خواہش چلتی پھرتی، کھاتی ہیں، مسلمان بچوں کی

= بأن الميت يقرأ في قبره، فإن عبد الله أخبره بذلک ، و صدقه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم .

و روى أبو الحسن بن البراء ، في كتاب "الروضة " عن عبد الله بن محمد بن منصور، حدثني إبراهيم الحفار، قال: حفرت قبراً فبدت لبنة، فشممت رائحة المسک حين انفتحت اللبنة، فإذا بشيخ جالس في قبره يقرأ القرآن.

"قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما : المؤمن يعطى مصحفاً في قبره يقرأ فيه". (شرح الصدور ، باب أحوال الموتى في قبورهم و أنسبهم فيها، ص:۱۸۸، ۱۸۹، دار المعرفة)

(۱) "و إنما يجوز النسخ بالكتاب والسنة متفقاً و مختلفاً، فيجوز نسخ الكتاب بالكتاب والسنة، و كذا يجوز نسخ السنة بالسنة والكتاب، فهي أربع صور". (نور الأنوار : ۲۱۰)

(و كذا في الحسامي ، ص:۱۸۳ ، مجيديه ملتان)

(۲) فقوله تعالىٰ: ﴿و نفخ في الصور، فصعق من في السموات و من في الأرض إلا من شاء الله﴾ هذه النفخة هي الثانية، و هي نفخة الصعق ...... ثم يحي أول من يحي إسرائيل، ويأمره أن ينفخ بالصور مرةً أخرى، وهي النفخة الثالثة نفخة البعث، قال الله تعالىٰ: ﴿ثم نفخ فيه أخرىٰ فإذا هم قيام ينظرون﴾.

(تفسير ابن كثير: ۸۲/۴، دار السلام رياض)

ارواح جنت میں ہیں۔اتنی مقدار تو صاف صاف حدیث سے ثابت ہے، کذافی فتاوی الحدیثیہ (۱)۔

بقیہ مکلفین کی ارواح میں اختلاف کثیر ہے: بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ قبور میں رہتی ہیں، بعض نے کہا ہے کہ قبور کے اوپر رہتی ہیں، بعض کی رائے ہے کہ مؤمنین کی ارواح جابیہ، یا چاہ زمزم میں ہیں اور کفار کی ارواح حضر موت کے جنگل میں ایک مقام جس کو ''برہوت'' کہتے ہیں اس میں رہتی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جس کو ''بیضاء'' کہتے ہیں اس میں رہتی ہیں۔ان میں سے بعض اقوال کو ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ مکی نے نقل کیا ہے (۲) اور بعض نے تردید کی ہے، اسی طرح ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الرّوح میں اکثر اقوال نقل کر کے بعض پر رد کیا ہے (۳)۔

شرح الصدور میں جلال الدین السیوطی نے اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا ہے کہ مرنے کے بعد دنیا والوں سے اتنا تعلق رہتا ہے کہ جو ثواب پہنچایا جائے وہ پہنچ جاتا ہے اور زندوں کے اچھے اور برے اعمال جن کا تعلق اس میت سے ہو ان کی بھی میت کو اطلاع کرائی جاتی ہے (۴)، كذافي كتاب الروح لابن

---

(۱) ''وذكر ابن رجب أن الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم تكون أرواحهم في أعلى عليين، ويؤيده قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ''أللهم الرفيق الأعلى''. وأكثر العلماء: أن أرواح الشهداء في أجواف طيور خضرٍ لها قناديل معلقة بالعرش تسرح في الجنة حيث تشاء كما في مسلم وغيره ،وأمابقية المؤمنين فنص الشافعي رضي الله تعالىٰ عنه ورحمه على أن من لم يبلغ التكليف منهم في الجنة حيث شاؤوا، فتأوي إلى قناديل معلقة بالعرش''. (الفتاوى الحديثية،مطلب أرواح الأنبياء في أعلى عليين وأرواح الشهداء في أجواف طيور خضر ......الخ، ص: ۱۴ ،قديمي)

(۲) ''وأخرج ابن أبي الدنياعن مالك:(بلغني أن الأرواح مرسلة تذهب حيث شاء ت)...... ورجح ابن عبد البر : أن أرواح غير الشهداء في أفنية القبور تسرح حيث شاء ت. وقالت فرقة : تجتمع الأرواح بموضع من الأرض، كما روى عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال :أرواح المؤمنين تجتمع بالجابية، وأما أرواح الكفار فتجتمع بسبخة حضر موت، يقال: لها برهوت .'' (الفتاوى الحديثية المصدر السابق)

(۳)(كتاب الروح ، المسأله الخامسة عشرة : أين مستقر الأرواح ......؟، ص: ۱۲۱ ، فاروقيه پشاور) .

(۴) ''اختلف في وصول ثواب القرأة للميت ،فجمهور السلف والأئمة الثلاثة على الوصول .وخالف في ذلك إمامنا الشافعي،مستدلاً بقوله تعالى :﴿وأن ليس للانسان الا ماسعى﴾.

''وأخرج أحمد ،والحكيم الترمذي في ''نوادر الأصول ''وابن مندة عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه =

قیم الجوزیة (۱)۔

باقی اس روح کا اپنے دنیاوالے مکان پر واپس آنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ پرانی روحیں نئی روح کا استقبال کرتی ہیں اور اس کی آمد سے خوش ہوتی ہیں اور اہل دنیا یعنی اپنے اقارب کے احوال کو دریافت کرتی ہیں، کذافی تذکرة الموتی فی القبور (۲)۔ اچھے اور برے اعمال کا اصلی بدلہ تو

= قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "(إن أعمالكم تعرض على أقاربكم وعشائركم من الأموات، فإن كان خيرًا استبشروا، وإن كان غير ذلك، قالوا: أللهم لا تمتهم حتى تهديهم كما هديتنا". (شرح الصدور، باب في قرأة القرآن للميت أوعلى القبر، ص: ۳۰۲، وباب عرض أعمال الأحياء على الموتى، ص: ۲۵۷، دار المعرفة)

(۱) "أنها تنتفع من سعى الأحياء بأمرين مجمع عليها بين أهل السنة من الفقهاء وأهل الحديث والتفسير: أحدهما: ما تسبب إليه الميت في حياته. والثاني: دعاء المسلمين له، واستغفارهم له، والصدقة، والحج، على نزاعٍ مّا، الذى يصل من ثوابه هل ثواب الإنفاق أو ثواب العمل؟ فعند الجمهور يصل ثواب العمل نفسه، وعند بعض الحنفية إنما يصل ثواب الإنفاق. واختلفوا في العبادة البدنية كالصلوة، وقرأة القرآن، والذكر، فمذهب الإمام أحمد وجمهور السلف وصولها، وهوقول بعض أصحاب أبي حنيفة. (تعرض أعمال الأحياء على الموتى، فإذا رأوا حسناً فرحوا واستبشروا، وإن رأوا سوءاً قالوا: أللهم راجع به)". (كتاب الروح، هل ينتفع أرواح الموتى بشئ من سعي الأحياء أم لا؟ ص: ۱۵۳، هل تعرف الأموات زيارة الأحياء وسلامهم أم لا؟ ص: ۱۴، فاروقية پشاور)

(۲) "مردگان که پیشتر مرده اند، وخوش شدن آنها بملاقاتِ مردۂ حال، واستقبال کردن پسر که پیشتر مرده باشد مرده پدر را، چنانچه غائب را استقبال میکنند، درحدیث دیگر هم آمده." (تذکرة الموتی والقبور: ۱۴، مطبع مصطفائی لاهور)

(وكذا في التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة، باب ماجاء في تلاقي الأرواح في السماء والسؤال عن أهل الأرض وفي عرض الأعمال، ص: ۶۱، أسامة الاسلامية)

"وأخرج ابن أبي شيبة في "المصنف" وابن أبي الدنيا عن عبيد بن عمير، قال: إن أهل القبور ليستوكفون الميت كما يتلقى الراكب، يسألونه، فإذا سألوه: مافعل فلان ممن قد مات؟ فيقول: ألم يأتكم؟ فيقولون: إنا لله وإنا اليه راجعون: سلك به غير طريقنا، ذهب به إلى أمه الهاوية". (شرح الصدور، ملاقات =

قیامت کو ملے گا، بلکہ آثار ہر دو قسم کے قبر ہی بلکہ موت ہی سے شروع ہوجاتے ہیں، كذا في أشعة اللمعات (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بعد الموت مقام روح

سوال[۳۰۷] : قصبہ بروٹ میں جو مولوی صاحب ہیں ان سے دریافت کیا کہ قیامت تک روح کس حالت میں اور کس جگہ رہتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ آپ دیوبند کے مدرسہ سے معلوم کریں، اس وجہ سے آپ سے اس بارے میں تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرنے کے بعد جسم سے جدا ہوکر روح برزخ میں چلی جاتی ہے قیامت تک وہیں رہے گی، برزخ کا ایک رخ اس دنیا کی طرف ہے کہ مرتے ہی روح وہاں پہنچ جاتی ہے زندگی میں نہیں جاسکتی، دوسرا رخ آخرت کی طرف ہے کہ قیامت کو وہاں سے آخرت میں منتقل ہوجائے گی، قرآن پاک اور حدیث شریف سے ایسا ہی ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۷ھ۔

= الأرواح للميت إذاخرجت روحه، ص: ۹۸، دار المعرفة)

(۱) "وبرهر تقدير از اقوالِ ايشان ظاهر ميشود كه مرده از بعد سوال وجواب ونمودنِ جائے نشست ودوزخ وفتح باب بان ميميرانند، ودر وقتِ بعث زنده ميگردانند، وأزاحاديث كه مذكوره شدندمعلوم ميگرد كه مرده تا قيامت درگور درعذاب و نعمت وريح وراحت مى باشد". (أشعة اللمعات، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۱۲۰، مكتبه نوريه، سكهر)

(۱) "فلتعلم أن مذهب سلف الأمة وأئمتها أن الميت إذا مات يكون في نعيم أوعذاب، وأن ذلك يحصل لروحه وبدنه، وأن الروح تبقى بعد مفارقة البدن منعمةً أو معذبةً، وأنها تتصل بالبدن أحياناً، ويحصل له معها النعيم أو العذاب، ثم إذاكان يوم القيامة الكبرىٰ، أعيدت الأرواح إلى الأجساد، وقاموا من قبورهم لرب العٰلمين، ومعاد الأبدان متفق عليه بين المسلمين واليهود والنصارى". (كتاب الروح، المسألة السادسة: هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السؤال أم لا؟، ص: ۶۹، فاروقية پشاور)............ =

مرنے کے بعد روح کا مقام

سوال[۳۰۸]: انسان میں ایک روح ہے یا دو؟ اور مرنے کے بعد کس کس جگہ چلی جاتی ہیں اور ان کا نام کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان میں تین طرح کی روح ہوتی ہے، اول روح ہوائی، اس کو نسمہ، روحِ طبعی، بدن ہوائی بھی کہتے ہیں۔ دوم: نفس ناطقہ۔ سوم: روح ملکوت۔ کما فی الطاف القدس (۱)۔

مرنے کے بعد نیکوں کی روح علیین میں، بدوں کی سجین میں جاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۴/محرم/۵۳ھ۔

= "قال ابن حزم: وهو قول جميع أئمة الإسلام، وهو قول الله تعالى: ﴿فأصحاب الميمنة ماأصحاب الميمنة، و أصحاب المشأمة ما أصحاب المشأمة، والسابقون السابقون أولٰئک المقربون، فی جنات النعيم﴾ وقوله: ﴿فأما إن كان من المقربين﴾ آخرها، فلاتزال الأرواح هناک حتى يتم عددها بنفخها فی الأجساد، ثم برجوعها إلى البرزخ، فتقوم الساعة، فيعيدها عزوجل إلى الأجساد، وهی الحياة الثانية." (شرح الصدور، باب مقر الأرواح: ۲۳۴، ۲۳۵، دار المعرفة)

(۱) (ألطاف القدس فی معرفة لطائف النفس، ص: ۲۴-۲۸، اداره نشرو اشاعت نصرة العلوم)

(۲) "وقال كعب: أرواح المؤمنين فی عليين فی السماء السابعة، وأرواح الكفار فی سجين فی الأرض السابعة تحت جند إبليس". (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أين مستقر الأرواح مابين الموت إلى يوم القيامة، ص: ۱۲۱، مكتبه فاروقيه پشاور)

"فصعدتُ أنا وجبرئيل، فاستفتحت باب السماء، فإذا أنا بآدم تعرض عليه أرواح المؤمنين، فيقول: روح طيبة ونفس طيبة اجعلوها فی عليين، ثم تعرض عليه أرواح ذريته الفجار، فيقول: روح خبيثة، ونفس خبيثه، اجعلوها فی سجين". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۰، ۲۳۱، دار المعرفة)

(وكذا فی التذكرة للقرطبی، باب مايكون منه عذاب القبر و اختلاف أحوال العصاة فيه بحسب اختلاف معاصيهم، ص: ۱۶۰، مكتبة أسامة الاسلامية)

مرنے کے بعد روح کا قبر سے تعلق

سوال[۳۰۹]: مرنے کے بعد روح کا تعلق قبر سے کب تک رہتا ہے؟ وحید الدین عبدالغنی شہر فتح پور، ۲۱/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نفسِ تعلق قبر سے بعث تک رہے گا اور بعض اوقات میں یہ تعلق قوی ہو جاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

قبر میں مردہ میں روح ڈالی جائے گی

سوال[۳۱۰]: ﴿ربنا أمتنا اثنتين وأحييتنا اثنتين، فاعترفنا بذنوبنا، فهل إلى خروج من سبيل﴾(۲)۔

ترجمہ: اے رب! تو نے ہم کو دوبارہ موت دی اور دوبارہ زندہ کیا، ہم اپنے گناہوں کا اعتراف

---

(۱) "و بهذا يجمع بين ما ورد أن مقرها في عليين أو سجين، و بين ما نقله ابن عبدالبر عن الجمهور أيضاً أنها عند أفنية قبورها، قال: و مع ذلک فهي مأذون لها في التصرف، و تأوي إلى محلها من عليين أو سجين، قال: و إذا نقل الميت من قبر إلى قبر، فالاتصال المذكور مستمر، و كذا لو تفرقت الأجزاء". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح: ۲۳۹، دارالمعرفة)

"و لا تظن أن بين الآثار الصحيحة في هذاالباب تعارضاً، فإنها كلها حق يصدق بعضها بعضاً، لكن الشأن في فهمها و معرفة النفس و أحكامها، وأن لها شأناً غير شأن البدن، و أنها مع كونها فی الجنة، فهي في السماء، و تتصل بفناء القبر و بالبدن فيه، و هي أسرع شيء حركةً و انتقالاً و صعوداً و هبوطاً". (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة؟ ،ص: ۱۵۲، فاروقيه پشاور)

(۲) (المؤمن: ۱۱)

کرتے ہیں، کیا جہنم سے کوئی سبیل ہے؟

اس آیت کے مطلب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف دوبار موت اور دوبار زندگی انسان کو دی جائے گی ۔اب رہی یہ بات کہ قبر میں مردے کے جسم میں روح ڈالی جائیگی ، یہ تیسری زندگی ہوگی ،اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔تیسری زندگی کون سی ہوگی وہ دلیل سے معلوم کریں؟

الجواب حامداً و مصلياً :

ایک حدیث شریف میں موجود ہے کہ مردے میں روح قبر میں ڈالی جائے گی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۳۰/۳/۹۱ھ۔

مرنے کے بعد روح کا شیطان کے قالب میں جانا

سوال[۳۱۱]: کیا آدمی مرنے کے بعد شیطان کے قالب میں جاتا ہے، جب شیطان کسی پر غالب ہوجاتا ہے اور اس کے کان میں ”قل ھو اللہ أحد“اور سورۃ تعوذ وناس پڑھ کر ڈالا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے تو وہ اپنا نام ومقام بتلاتا ہے، اکثر نام مسلمانوں ہی کے رہتے ہیں۔یہ کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

مرنے کے بعد آدمی کا شیطان کے قالب میں جانا کسی مستند روایت سے ثابت نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ

(۱) ”وأخرج ابن أبي الدنيا ، وأبونعيم عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال : سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول : ”إن ابن آدم لفي غفلة عما خلق له ، ....فإذا حضره الموت ، ارتفع ذلك الملكان، وجاء ملك الموت ليقبض روحه ،فإذادخل قبره ردت الروح إلى جسده ......الخ.“(شرح الصدور ،باب فتنة القبر وسؤال الملكين، ص:۱۲۳ ،دارالمعرفة)

”أبونعيم عن أبي جعفر محمدبن علي،عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال : سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: ”إن ابن آدم لفي غفلة عماخلقه الله عزوجل ...... فإذاجاء ه الموت، ارتفع ذلك الملكان ،ثم جاء ه ملك الموت عليه الصلاةوالسلام ،فيقبض روحه ،فإذا أدخل حفرته ردالروح في جسده،......الخ“. (التذكرة للقرطبي ،باب متى يرتفع ملك الموت عن العبد،ص : ۱۲۲ ،مكتبه أسامة الاسلامية)

کسی پر آتا ہو اور اپنا نام اس مرنے والے کا بتاتا ہو، یا کوئی اَور جن شیطان آکر اپنا وہ نام بتاتا ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

روح کا قبر پر یا مکان پر آنا

سوال[۳۱۲]: کیا مرنے والے کی روح ہر پنجشنبہ کو مکان یا قبر پر آتی ہے؟

وحید الدین عبد الغنی شہر فتح پور، ۲۱/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

مکان پر آنے کی کوئی روایت معتبر نہیں، البتہ قبر سے تعلق قوی ہو جاتا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف

مرنے کے بعد روح کا مکان سے تعلق

سوال[۳۱۳]: مرنے کے بعد روح کا تعلق مکان سے کب تک رہتا ہے؟ وحید الدین عبد الغنی شہر فتح پور، ۲۱/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

---

(۱)"وكانت الشياطين تتراءى لهم أحياناً، وقد يخاطبونهم من الصنم، ويخبرونهم ببعض الأمور الغائبة، أو يقضون لهم بعض الحوائج." (مجموعة الفتاوى لابن تيمية رحمه الله تعالىٰ، فصل في تزيين الشيطان العبادات البدعية لأهلها: ۱۰/ ۲۳۸، مكتبة العبيكان)

"قال عبدالله بن أحمد بن حنبل : قلت لأبي: إن قوماً يقولون: إن الجن لاتدخل في بدن الإنس؟ قال: يابني! يكذبون، هو ذا يتكلم على لسانه." (آكام المرجان في غرائب الأخبار وأحكام الجان، بيان دخول الجن في بدن المصروع، ص: ۱۰۷، مكتبه خير كثير)

(۲) (سيأتي تخريجه عنوان: "مرنے کے بعد روح کا مکان سے تعلق")(وقد تقدم تخريجه تحت عنوان: "مرنے کے بعد روح کا قبر سے تعلق")

الجواب حامداً و مصلیاً:

دفن سے پہلے پہلے میت کے ساتھ جو کچھ غسل، کفن، بکاء، ثناء کا معاملہ کیا جاتا ہے اس کو روح دیکھتی ہے اور اس وقت تک فرشتہ کے قبضہ میں رہتی ہے، دفن کے وقت قبر میں داخل ہو کر جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور سوال وجواب قبر شروع ہو جاتا ہے، صرّح بہ السیوطی فی شرح الصدور، ص:۳۹(۱)، اس کے بعد مکان سے تعلق رہنا اور مکان پر آنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۴/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،

صحیح: عبداللطیف۔

کیا مرنے کے بعد روح گھر آتی ہے؟

سوال [۳۱۴]: عمر کہتا ہے کہ اس دنیا میں اَرواح طیبہ ہوں یا خبیثہ واپس نہیں آسکتیں اور یہاں آکر کسی قسم کا تصرف بھی نہیں کرسکتیں، وہ دلائل پیش کرتا ہے کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''اشرف الجواب'' جلد دوم، ص:۱۱۹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''مردہ کی روح دنیا میں واپس نہیں آتی'' اور اس بارے میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے دلائل پیش کئے ہیں (۲) اور بکر کہتا ہے کہ مردہ کی اَرواح دنیا میں واپس آسکتی ہیں اور تصرفات بھی کرسکتی ہیں، دلائل میں فتاویٰ دار العلوم فقہی ترتیب والا جدید ایڈیشن، جلد پنجم و ششم

---

(۱) ''و أخرج عن حذيفة قال: الروح بيد ملک، و إن الجسد ليغسل، وإن الملک ليمشي معه إلى القبر، فإذا سوي عليه سلک فيه، فذلک حين يخاطب.

و أخرج البيهقي عن حذيفة قال: إن الروح بيد الملک، والجسد يقلب، فإذا حملوه تبعهم، فإذا وضع في القبر بثه فيه.

و أخرج عن ابن أبي نجيح، قال: ما من ميت يموت إلا و روحه في يد ملک، ينظر إلى جسده، كيف يغسل، و كيف يكفن، و كيف يمشي به إلى قبره، ثم تعاد إليه روحه، فيجلس في قبره''.

(شرح الصدور، باب معرفة الميت بمن يغسله و يجهزه .... الخ، ص: ۱۰۱، دار المعرفة)

(۲) (اشرف الجواب: ۱/۱۶۳، رحمانيه لاهور)

کے ص: ۱۴۰ سے یہ احادیث پیش کرتا ہے(۱):

"قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "إذا خرج الروح من ابن آدم ثلاثة أيام يقول الروح: يا رب! ائذن لي حتى أجيء و أنظر إلى جسدي الذي كنت فيه، فيأذن الله له فيجيء إلى قبره و ينظر إليه من بعيد" إلىٰ آخر الحديث۔

دوسری حدیث:

"قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: إذا كان يوم العيد ويوم العاشوراء و يوم الجمعة الأولىٰ من رجب و ليلة النصف من شعبان و ليلة القدر و ليلة الجمعة، تخرج أرواح الأموات من قبورهم و يقفون علىٰ أبوابهم و علىٰ أبواب بيوتهم"۔

تیسری حدیث:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: إذا مات المؤمن دارت روحه حول داره شهراً". هكذا في دقائق الأخبار، ص: ۱۸، للإمام الشيخ عبدالرحيم القاضي، و بهامشه كتاب الدر الحسان في البعث ونعيم الجنان للسيوطي رحمه الله تعالىٰ۔

جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی دیوبندی مذکورہ بالا فتویٰ کے ص: ۱۴۲ (۲) میں فرماتے ہیں کہ "جو دلائل بکر نے پیش کئے ہیں ناکافی ہیں"۔ اب ہم آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ بکر نے جو احادیث پیش کی ہیں کیا یہ سب صحیح ہیں؟ اور مہربانی کر کے اس تعارض کو دور کر کے ہمیں اطمینان عطا فرماویں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

انتقال کے بعد ارواح کا دنیا میں مکان پر آنا یا نہ آنا، نہ تو ان مسائل اعتقادیہ میں سے ہے جن پر ایمان لانا فرض ہو اور نہ ہی مسائل فقہیہ جزئیہ میں سے ہے کہ جس کو حل کئے بغیر عمل ممکن نہ ہو، اس لئے اس الجھن میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے، مردوں کی ارواح کا مکان پر آنا نہ تو قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی صریح حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ جن احادیث کا حوالہ آپ نے دیا ہے انہیں اصحاب صحاح نے اختیار

---

(۱) (فتاوی دار العلوم دیوبند (امداد المفتیین): ۲/۱۲۱، ۱۲۲، دار الاشاعت)

(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، المصدر السابق)

نہیں کیا ہے اور وہ اس پایہ کی نہیں کہ اس سے کسی ضروری مسئلہ کا اثبات کیا جا سکے، اصولی بات وہی ہے جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشرف الجواب، ص:۱۱۹ میں تحریر فرمائی ہے کہ مردہ اگر منعم علیہ ہے تو اسے یہاں آ کر لپٹتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر معذب ہے تو فرشتگان عذاب کیونکر چھوڑ سکتے ہیں (۱)، باقی اگر اللہ جل شانہ کسی روح کو اجازت دیدیں تو کوئی وجہ رکاوٹ کی بھی نہیں۔

میت کے انتقال کے بعد اپنے گھر والوں اور متعلقین سے کچھ امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور وہ متعلقین سے امیدوار رہتی ہیں، ہوتا یہ ہے کہ وہ امید اور تعلق ہی لوگوں کو متمثل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ روح دروازہ پر کھڑی ہے، کھانا مانگتی ہے اور ضروریات طلب کرتی ہے، یہ حقیقت نہیں ہوتی بلکہ تمثل ہوتا ہے، کیونکہ اَرواح کو اس عالم میں دنیاوی ضرورت کی نہ تو حاجت ہوتی ہے اور نہ ہی یہ چیزیں ان کے لئے وہاں مفید ہو سکتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایصال ثواب کے طور پر جو چیزیں میت کی روح کو بخشی جاتی ہیں وہ بھی اس اصلی صورت میں نہیں بلکہ اخروی نعمتوں کی صورت میں متشکل ہو کر پیش ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۸۸/۲/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۸۸/۲/۱۶ھ۔

ارواح کا اپنے گھر آنا مخصوص ایام میں

سوال [۳۱۵]: تیجہ، جمعراتیں، چالیسواں اور برسی وغیرہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بعض تصنیفات میں لکھا ہے کہ: ہر جمعرات کو میت کی روح اپنے پس ماندگان کی طرف رجوع کرتی ہے اور خیرات وصدقات کی امیدوار ہوتی ہے اور اسی طرح ایک سال کے اختتام پر بھی اس کا رجوع متحقق ہو جاتا ہے۔ کیا یہ قول صحیح سند سے کسی حدیث مرفوع یا موقوف صحیح یا ضعیف یا علماء متقدمین میں سے کسی امام مجتہد کے قول سے مؤید ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نہیں، بلکہ یہ جملہ امور بدعت ہیں، نفس ایصال ثواب بغیر تعین تاریخ والتزام مالا یلزم خیرات بدنیہ و مالیہ کا شرعاً درست اور باعث اجر ہے: "قال: ابن الحاج في المدخل: و لا بأس بفعل الصدقة عن

---

(۱) (اشرف الجواب: ۱/۱۶۳، رحمانیہ لاہور)

الميت للمحتاجين و للمضطرين لا للجمع عليه ما لم يتخذ ذلك شعاراً يستن به ، ثم قال: و كذالك يحذر مما أحدثه بعضهم من فعل الثالث للميت و عمل الأطعمة حتى صار عندهم أمراً معمولاً به، و يشبعونه كأنه وليمة عرس، و يجمعون لأجله الجمع الكثير من الأهل والأصحاب الخ(١)".

قال:في الفتح و يكره إتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، و هي بدعة مستقبحة"(٢). وفي البزازية: ويكره إتخاذ الطعام في الأول والثالث و بعد الأسبوع، و نقل الطعام إلى القبر، و إتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع المصلى و القراء ة للختم أو لقراء ة سورة الأنعام و سورة الإخلاص، والحاصل أن إتخاذ الطعام عند قراء ة القرآن لأجل الأكل مكروه" الخ (٣).

"قال العلامة الشامي: و أطال في ذلك في المعراج و قال: هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء ، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون به وجه الله تعالىٰ اهـ (٤)"۔

"قلت: لا شك في دعوى صاحب المعراج؛ لأن الذي يريد وجه الله تعالىٰ لا يطعم الأغنياء، و لا يفتخر بكثرة الناس و قلّتهم، و لا يعيّن اليوم والشهر، بل لا يتصور إرادة وجه الله تعالىٰ بإرتكاب ما لا يرضى الله، و كل ما لا ترد السنة فهو داخلٌ فيما لا يرضى الله الخ "۔ (تبليغ الحق، ص:٧٠٦)۔

اشعۃ اللمعات میں اس کو بلا سند و بلا حوالہ نقل کیا ہے(۵)،صحاح ستہ میں یہ مضمون کہیں موجود نہیں اور

---

(١) (المدخل لابن أمير حاج المالكي، فصل : و يستحب تهيئة طعام لأهل الميت الخ:١٨٩/٣)

(٢)(فتح القدير، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد : ١٤٢/٢ ، مصطفى البابى الحلبى)

(٣) (البزازية على هامش الهندية، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز ، قبيل السادس والعشرون في حكم المسجد :٨١/٤، رشيديه)

(٤) (رد المحتار ، باب صلوة الجنازة ، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ٢٤٠/٢، سعيد)

(۵) "ودر بعضِ روایات آمده است که روحِ میت می آید خانۂ خودرا شبِ جمعه، پس نظر میکند که تصدق میکندا زوے یا نه. والله اعلم". (اشعة اللمعات، مکتبہ نوریہ رضویہ،سکھر)

بھی کسی صحیح معتبر روایت میں نظر سے نہیں گزرا، بلکہ صحاح کی روایت اس کے خلاف ہیں:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "إذا أقبِر الميت، أتاه ملكان أسودان أزرقان، يقال لأحدهما: المنكر، و للاخر: النكير، فيقولان: ما كنت تقول فی هذا الرجل؟ فيقول: هو عبد الله و رسوله، أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله. فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول هذا، ثم يفسح له فی قبره سبعون ذراعاً فی سبعين، ثم ينور له فيه، ثم يقال له نم، فيقول: أرجعُ إلى أهلی فأخبرهم، فيقولان: نم كنومة العروس الذی لا يوقظه إلا أحب أهله إليه حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك. و إن كان منافقاً، قال: سمعت الناس يقولون قولاً فقلت مثله، لا أدری، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول ذلك، فيقال للأرض: التئمی عليه، فتلتئم عليه فتختلف أضلاعه، فلا يزال فيها معذباً حتىٰ يبعثه الله من مضجعه ذلك"۔ رواه الترمذی" مشكوة شريف، ص: ۴۳(۱)۔

ائمہ مجتہدین میں سے بھی کسی کا قول اس کی تائید میں نہیں دیکھا، "دقائق الاخبار، خزانات الروایات، کنز العباد" میں ایسی روایات مذکور ہیں، مگر یہ کتب خود ہرگز ایسے امور میں قابلِ اعتماد نہیں، جب تک حدیث کی معتبر کتب سے تائید نہ ہو، چنانچہ النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير وغیرہ میں ان کتب کو نا قابل

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۲۵، قديمی)

(وأخرجه الترمذی فی جامعه، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر: ۱/۲۰۵، سعيد)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه موقوفاً قال: "إذا وضع الميت فی قبره أتاه آت من ربه، فيقول له: من ربک؟ فإن كان من أهل التثبيت ثبت، و قال: الله ربي، ثم يقال له: ما دينک؟ فيقول: الإسلام. فيقول: من نبيک؟ فيقول: محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيرى بُشراه و يبشر، فيقول: دعوني أرجع إلى أهلی فأبشرهم، فيقال له: نم قرير العين إن لک إخواناً لم يلحقوا. و إن كان من غير أهل الحق والتثبيت قيل له: من ربک؟ فيقول: هاه، كالوا له، ثم يضرب بمطراق يسمع صوته الخلق إلا الجن والإنس. ويقال له: نم كنومة المنهوس". (التذكرة للقرطبی، باب ما جاء فی عذاب القبر و أنه حق، ص: ۱۵۳، مكتبه أسامة الإسلامية)

اعتماد قرار دیا ہے(۱) نیز ان روایات میں یہ بھی مذکور ہے: ''جب ورثہ میت کچھ ایصال ثواب نہیں کرتے تو اَرواحِ موتیٰ ان کو سب وشتم کرکے اوران پر لعنت کرکے واپس ہوتی ہیں''۔ یہ چیز بالکل اصول کے خلاف ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''کتاب الروح'' میں، قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''تذکرۃ الموتیٰ فی القبور'' میں، سیوطی نے ''شرح الصدور'' میں روح کے احوال اور قبر کے احوال پر تفصیلی بحث کی ہے مگر روایاتِ مسئولہ کو ان حضرات نے ذکر نہیں کیا، حالانکہ مؤخر الذکر جامع بین الرطب والیابس ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

کیا موت کے بعد ایک مہینہ تک روح مکان کے اردگرد گھومتی ہے؟

سوال[۶۱۶]: کتاب ''صبح کا ستارہ'' کا مصنف ''روح'' کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب مومن مرجاتا ہے تو اس کی روح اس کے گھر کے آس پاس مہینہ بھر تک پھرا کرتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کا مال کس طرح بانٹتے ہیں اور اس کا قرض کس طرح ادا کیا جائے؟ پھر ایک مہینہ کے بعد قبر کے گرد سال بھر پھرتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کے لئے کون دعاء مانگتا ہے اور کون غمگین ہوتا ہے، پھر جب سال پورا ہوجاتا ہے تب اس کو جہاں سب روحیں جمع رہتی ہیں لیجاتے ہیں اور نفخ صور تک وہیں رہتی ہے'': ۲۸ تا ص: ۲۹۔ کیا یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ہے؟

---

(۱) ''و كذا ''كنز العباد'' فإنه مملوء من المسائل الواهية والأحاديث الموضوعة، لا عبرة له، لا عند الفقهاء و لا عند المحدثين، قال على القاري في ''طبقات الحنفية'': علي بن أحمد الغورى له كتاب جمع فيه مكروهات المذهب، سماه ''مفيد المستفيد'' و له ''كنز العباد فى شرح الأوراد''، قال العلامة جمال الدين المرشدي: فيه أحاديث سمجة موضوعة، لا يحل سماعها. انتهى.

وكذا ''مطالب المؤمنين'' نسبه ابن عابدين فى ''تنقيح الفتاوى الحامدية'' إلى الشيخ بدر الدين بن تاج بن عبد الرحيم اللاهورى، و ''خزانة الروايات'' نسبه صاحب ''كشف الظنون'' إلى القاضى جكن الحنفى الهندى الساكن بقصبة ''كن'' من الكجرات'' فإن هذه الكتب مملوءة من الرطب واليابس مع ما فيها من الأحاديث المخترعة والأخبار المختلفة''. (مجموعة رسائل اللكنوى، النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير: ۳/۳۲، ۳۳، إدارة القرآن)

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ روایت صحاح میں نہیں بلکہ صحاح کی روایات کے خلاف اور نا قابل تسلیم ہے(١)، ایسی بے سند روایات اہلِ بدعت کے لئے سامانِ ضلالت اور فتنہ ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۹۲/۴/۱۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹۲/۴/۱۹ھ۔

میت کا تعلق زندوں سے

سوال[٣١٧] : مرنے والے کو مرنے کے بعد اپنے ماں باپ سے کوئی تعلق رہتا ہے؟ وحید الدین عبد الغنی شہر فتحپور ۲۱ ربیع الاول ۶۴ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

رہتا ہے، اس طرح کہ میت کو ان کے اعمال کی اطلاع دی جاتی ہے، اگر اچھے اعمال ہیں تو میت کی روح کو خوشی ہوتی ہے، اگر برے اعمال ہیں تو رنج ہوتا ہے اور وہ روح ان کی اصلاح کی دعاء کرتی ہے اور یہ تعلق

---

(١) مومنین کی ارواح علیین میں ہوتی ہیں اگر چہ ان کا تعلق قبر میں جسم کے ساتھ رہتا ہے۔

"قلنا: وجه التوفيق أن مقر أرواح المؤمنين في عليين أو في السماء السابعة و نحو ذلك كما مر، ومقر أرواح الكفار في سجين، و مع ذلك لكل روح منها اتصال لجسده في قبره اهـ". (التفسير المظهري: ٢٢٥/١٠، حافظ كتب خانه كوئٹه)

"عن كعب بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "إن أرواح الشهداء في أجواف طير خضرٍ تعلق من ثمر الجنة أو شجر الجنة". (الترغيب والترهيب: ٣١٦/٢، ما جاء في فضل الشهيد، كتاب الجهاد)

"عن أم بشر امرأة أبي معروف قالت: سألت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم أنتزاوَر يا رسول الله، إذا متنا يزور بعضنا بعضاً؟ فقال: "تكون النسم طيراً تعلق بشجرة حتى إذا كان يوم القيامة دخلت في جنتها". (شرح الصدور، ص: ٢٢٨، باب مقر الأرواح، دار المعرفه بيروت)

ماں باپ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جمیع اقرباء ومتعارفین سے رہتا ہے(١)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،٢١/٤/٦٤ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ،مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح:عبد اللطیف

نئے مردہ کا پہلے مردوں سے ملنا

سوال[٣١٨] : مرنے کے بعد پہلے مرے ہوئے ملتے ہیں یا نہیں اور دنیا کا خیال آتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

دنیا کا خیال آتا ہے،اگر اعمال اچھے ہیں،حساب صاف ہے تو سب سے ملنے کی اجازت ہو جاتی ہے، ورنہ عذاب میں رہتا ہے اور دنیا والوں سے ملنا چاہتا ہے مگر فرشتے سوال کے بعد کہہ دیتے ہیں ”نم كنومة العروس“۔یعنی دلہن کی طرح آرام سے سوجا(٢)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،٢٤/١٢/٥٣ھ۔

صحیح:عبد اللطیف ٢٥/ ذی الحجہ/٥٣ھ۔

(١) ”و أخرج أحمد و الحكيم الترمذى: فى ”نوادر الأصول“ و ابن منده عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ”إن أعمالكم تعرض على أقاربكم و عشائركم من الأموات، فإن كان خيراً، استبشروا،و إن كان غير ذلك، قالوا :أللهم لا تمتهم حتى تهديهم كما هديتنا“. (شرح الصدور فى أحوال الموتى و القبور،باب عرض أعمال الأحياء على الموتى، ص:٢٥٧، دار المعرفة بيروت)

(وكذا فى مسند الإمام أحمد :٣/١٦٤، مسند أنس بن مالك ، رقم الحديث: ١٢٢٧٢، دار إحياء التراث العربى بيروت)

”عن أبى أسيد بن ربيعة الساعدى رضى الله تعالىٰ عنه قال: بينا نحن عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاءه رجل من بني سلمة، فقال: يا رسول الله ! هل بقى من بر أبوىّ شىء أبرّهمابه بعد موتهما ؟ قال: ”نعم، الصلاة عليهما، والاستغفار لهما، و إنفاذ عهدهما من بعدهما، وصلة الرحم التى لا توصل إلا بهما ، وإكرام صديقهما“. (سنن أبى داؤد ، باب بر الوالدين: ٢/٣٥٣ ، مكتبه امداديه)

(٢)”عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:” إذا أقبر الميت“ أوقال: ”أحدكم، أتاه ملكان أسودان أزرقان ، يقال لأحدهما: المنكر، والأخر: النكير، فيقولان: ماكنت =

جولوگ پہلے مرچکے ان سے بعد میں مرنے والوں کی ملاقات

سوال[۳۱۹] : ایک ایمان دار شخص مرگیا اس سے پہلے جولوگ مرچکے ہیں ان سے ملاقات ہوتی ہے یا قیامت میں ملاقات ہوگی؟ اسی طرح کسی کا بچہ مرگیا اس کے بعد باپ بھی مرگیا تو بچہ اسے برزخ میں ملے گا یا قیامت میں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ملاقات ہوتی ہے، کذا فی شرح الصدور(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= تقول فی هذاالرجل؟ فیقول ماکان یقول: هوعبدالله ورسوله أشهد أن لاإله إلاالله وأن محمداً عبدهٔ ورسوله، فیقولان: قدکنا نعلم أنک تقول هذا، ثم یفسح له فی قبره سبعون ذراعاً فی سبعین، ثم ینورله فیه، ثم یقال له: نم، فیقول: أرجع إلی أهلی فأخبرهم، فیقولان : نم کنومة العروس الذی لایوقظه إلا أحب أهله إلیه حتی یبعثه الله من مضجعه ذلک. وإن کان منافقاً، قال: سمعت الناس یقولون فقلت مثله، لا أدری، فیقولان: قدکنا نعلم أنک تقول ذلک ،فیقال للأرض: التئمی علیه، فتلتئم علیه فتختلف أضلاعه، فلا یزال فیها معذباً حتی یبعثه الله من مضجعه ذلک." (جامع الترمذی ،أبواب الجنائز ،باب ماجاء فی عذاب القبر: ۱/۲۰۵، سعید)

(مشکوة المصابیح ،باب إثبات عذاب القبر: ۱/۲۵ ،قدیمی)

(وکذافی شرح الصدور ،باب فتنة القبروسؤال الملکین، ص: ۱۳۴ ،دارالمعرفة)

(۱) "وأخرج ابن أبی الدنیا عن سعید بن جبیر رضی الله تعالیٰ عنه قال :إذامات المیت ،استقبله ولده کما یستقبل الغائب".

"وأخرج عن ثابت البنانی ،قال:بلغنا أن المیت إذامات احتوشه أهله وأقاربه الذین قد تقدموه من الموتیٰ ،فلَهُو أفرح بهم،ولَهُم أفرح به من المسافرإذاقدم إلی أهله". (شرح الصدور ،باب ملاقات الأرواح للمیت إذاخرجت روحه......الخ، ص: ۹۷، ۹۸ ،دارالمعرفة)

(و کذا فی التذکرة فی أحوال الموتی وأمور الآخرة، للقرطبی ،باب ماجاء فی تلاقی الأرواح فی السماء......الخ ، ص: ۱۰۶ ، مکتبه أسامة الاسلامیة)

"وقال سعید بن المسیب:إذامات الرجل استقبله ولده کما یستقبل الغائب." (کتاب الروح ،المسئلة الثانیة :هل تتلاقی أرواح الموتی وتتذاکر؟ ، ص: ۳۰ ،فاروقیه پشاور)

اموات کی باہمی ملاقات

سوال[۳۲۰]: ایک ایماندار شخص مرگیا، اس سے پہلے جو مرگئے ان سے ملاقات ہوتی ہے یا قیامت ہی میں ملاقات ہوگی؟ اسی طرح کوئی بچہ مرگیا اور اس کا باپ بھی، تو اپنے بچہ سے برزخ میں ملے گا یا قیامت میں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ملاقات ہوتی ہے، کذا فی شرح الصدور(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۴ھ۔

وفات کے بعد بزرگوں کی ملاقات

سوال[۳۲۱]: بعد انتقال کے شہید ہو یا بزرگ جو مقبول ہوں، اللہ کے یہاں وہ جاگتے میں مل سکتے ہیں اور سونے میں خواب میں مل سکتے ہیں یا نہیں، اور مزار پر اولیاء اللہ کا تصور ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ تعالیٰ کی اجازت ہو تو مل بھی سکتے ہیں، خواب میں بھی ان سے ملاقات ہو سکتی ہے، مراقبہ میں اہل

---

(۱) "وأخرج ابن أبي الدنيا عن سعيد بن جبير رضي الله تعالىٰ عنه قال: إذامات الميت، استقبله ولده كما يستقبل الغائب".

"وأخرج عن ثابت البناني، قال: بلغنا أن الميت إذامات احتوشه أهله و أقاربه الذين قد تقدموه من الموتى، فلَهُو أفرح بهم، ولهم أفرح به من المسافر إذاقدم إلى أهله". (شرح الصدور، باب ملاقاة الأرواح للميت إذاخرجت روحه......الخ، ص: ۹۷، ۹۸، دار المعرفة)

"وقال سعيد بن المسيب: إذامات الرجل، استقبله ولده كما يستقبل الغائب." (كتاب الروح، المسألة الثانية: هل تتلاقى أرواح الموتى وتتذاكر، ص: ۳۰، مكتبه فاروقيه پشاور)

(و كذا في التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة، للقرطبي، باب ماجاء في تلاقي الأرواح في السماء......الخ، ص: ۶۱، مكتبه أسامة الاسلامية)

حضرات کو بزرگانِ دین کا تصور بھی ہوسکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

بزرگوں کی ارواح سے ملاقات کا دعویٰ

سوال [۳۲۲]: ایک پیر صاحب نے اپنے مرید سے کہا کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کو ڈھونڈ کر لاؤ، وہ مرید پہلے شانتی باغ گئے، اس کے بعد بیت المقدس گئے، پھر مدینہ منورہ گئے، وہاں حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا نماز میں حاضر نہیں ہوں گا، دعاء میں ضرور شامل ہوں گا، کچھ جگہ چھوڑ دو، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک روح اور بڑے پیر صاحب کی روح حاضر ہوگی۔ یہ تمام باتیں پیر صاحب نے اعتکاف کے عالم میں کہیں، یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق عامۂ محدثین تو کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے، مگر صوفیاء ان کی حیات کے قائل ہیں (۲)، کچھ ان کے مکاشفات ومشاہدات ہیں جن کی بناء پر وہ ایسا کہتے ہیں، یہ بھی ممکن

---

(۱) "وقال اليافعي: رؤية الموتى في خير أو شرّ نوع من الكشف، يظهره الله تبشيراً أو موعظةً، أو لمصلحة للميت من إيصال خير له أو قضاء دين أو غير ذلك، ثم هذه الرؤية قد تكون في النوم وهو الغالب، وقد تكون في اليقظة وذلك من كرامات الأولياء وأصحاب الأحوال". (شرح الصدور، باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، ص: ۲۲۰، دار المعرفة)

"فالتقاء أرواح الأحياء والموتى نوع من أنواع الرؤيا الصحيحة التي هي عند الناس من جنس المحسوسات." (كتاب الروح، المسألة الثالثة: هل تتلاقى أرواح الأحياء وأرواح الأموت؟، ص: ۴۲، مكتبه فاروقية پشاور)

(۲) "وقال ابن الصلاح: هو حي عند جمهور العلماء والعامة معهم في ذلك، وإنما شذ بإنكاره بعض المحدثين، وتبعه النووي، وزاد أن ذلك متفق عليه بين الصوفية وأهل الصلاح." (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما السلام: ۶/۵۳۶، قديمي)

(وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر عليه الصلاة والسلام: ۲/۲۶۹، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (الكهف: ۶۵): ۱۵/۳۲۱، ۳۲۲، دار إحياء التراث العربي)

ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے مکاشفہ سے کوئی شخص دیکھ لے اوران سے بات کرلے اوران کو دعوت دے کر بلالے اوروہ تشریف بھی لے آئیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کسی نیک نصیب کے مکان پر رونق افروز ہوجائے، ممکن ہے کہ جسدِ اطہر کے ساتھ تشریف لائیں (۱) اور یہ بھی ممکن ہے کہ بڑے پیر صاحب کی روح آجائے، مگران کی روح مبارکہ کے لئے جگہ چھوڑنا بیکار اور بے معنی ہے، جس طرح ان کی تشریف آوری اور یہ لمبی مسافت کا قطع کرنا بغیر سواری کے ہے اور محسوس طریقہ پر نہیں ہے، اسی طرح مجلس میں بیٹھنے کے لئے محسوس جگہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں، بعض آدمیوں کو قوتِ خیالیہ کے غلبہ سے بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فلاں شخص آئے اوران کے لئے جگہ چھوڑتے ہیں، میرے جاننے والے بھی ایک صاحب دماغی مریض تھے وہ توایسی ارواح کے لئے کھانا پکوانے کی بھی تاکید کرتے تھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وسئل نفع الله بعلومه ورضي عنه: هل يمكن الآن الاجتماع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في اليقظة والتلقي عنه؟ فأجاب بقوله: نعم، يمكن ذلک، فقد صرح بأن ذلک من كرامات الأولياء الغزالي، والبارزي، والتاج السبكي، والعفيف اليافعي من الشافعية، والقرطبي، وإبن أبي جمرة من المالكية، وقد حكى عن بعض الأولياء أنه حضر مجلس فقيه فروى ذلک الفقيه حديثاً، فقال له الولي: هذا الحديث باطل، قال: ومن أين لک هذا؟ قال: هذا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واقف على رأسک يقول: "إني لم أقل هذا الحديث" وكشف للفقيه فرآه". (الفتاوى الحديثية، مطلب: يمكن الاجتماع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الآن يقظةً، ص: ۳۹۱، قديمي)

"وقال: بعد نقل أحاديث وآثار مانصه: فحصل من مجموع هذا الكلام النقول والأحاديث أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حي بجسده وروحه، وأنه يتصرف ويسير حيث شاء في أقطار الأرض وفي الملكوت، وهو بهيئته التي كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شيء، وأنه مغيب عن الأبصار كما غيبت الملائكه مع كونهم أحياءً بأجسادهم، فإذا أراد الله تعالى رفع الحجاب عمن أراد إكرامه برؤيته، رآه على هيئته التي هو عليه الصلوة والسلام عليها، لامانع من ذلک، ولا داعي إلى التخصيص برؤية المثال. وذهب رحمه الله تعالىٰ إلى نحو هذا في سائر الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، فقال: إنهم أحياء رُدّت إليهم أرواحهم بعد ماقبضوا، وأذن لهم في الخروج من قبورهم، والتصرف في الملكوت العلوي والسفلي." (روح المعاني، (الأحزاب: ۴۰): ۳۶/۲۲، ۳۷، دار إحياء التراث العربي)

میت کا مدت دراز کے بعد سامنے آکر ملاقات کرنا

سوال[۳۲۳]: ایک مرحوم بزرگ اپنے مرنے کے پانچ سو برس بعد زندہ انسانوں کی طرح ایک شخص کو ملے اور ایک خط کا جواب لکھ کر سنایا۔ کیا ایسا واقعہ پیش آسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ پاک کی طرف سے کسی کو اگر اس کی اجازت مل جائے تو قدرتِ حق سے یہ چیز خارج نہیں، لیکن اس قسم کے واقعات مثالی طور پر قرآن پاک اور احادیث شریف میں مذکور نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا بطور معجزہ کے مردوں کو زندہ فرمانا قرآن پاک (۱) اور حدیث شریف میں مذکور ہے (۲)، پانچ سو سال کے بعد کسی بزرگ کا زندہ ہو کر یہاں رونما ہونا جس طرح قدرت خداوندی سے خارج نہیں (۳) اسی طرح اس کا شرعی ثبوت بہم پہونچانا کہ یہ وہی بزرگ ہیں، یہ بھی کچھ آسان کام نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

انبیاء واولیاء کا قبروں سے نکلنا

سوال[۳۲۴]: انبیاء واولیاء وشہداء کا قبروں سے نکلنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال الله تعالىٰ في عيسىٰ عليه السلام: ﴿وأحي الموتى بإذن الله﴾. (آل عمران: ۴۹)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و إذ تخلق من الطين كهيئة الطير بإذني، فتنفخ فيها، فتكون طيراً بإذني، و تبرىء الأكمه و الأبرص بإذني، و إذ تخرج الموتى بإذني﴾ (المائدة: ۱۱۰)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قال: قد أحيا –عليه السلام– أربعة أنفس: عازر، و ابن العجوز، وابنة العاشر، وسام بن نوح. فأما عازر فكان صديقاً له، فأرسلت أخته إلى عيسى أن أخاك عازر مات، و كان بينه و بين عازر مسيرة ثلاثة أيام، فأتاه هو و أصحابه، فوجدوه قد مات منذ ثلاثة أيام، فقال لأخته: انطلقي بنا إلى قبره، فانطلقت معهم إلى قبره، فدعا الله تعالىٰ عيسى، فقام عازر و دكه يقطر، فخرج من قبره و بقي زماناً و ولد له اهـ". (روح المعاني: ۳/۱۶۹، تفسير سورة آل عمران آيت: ۴۹، داراحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يحيي و يميت وهو على كل شيء قدير﴾ (سورة الحديد: ۲)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیامت کے روز سب کا نکلنا شرعاً ثابت ہے(۱) اور قیامت سے پہلے اس جسم کے ساتھ نکلنا دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں، البتہ حیات برزخی علی قدر مراتب ثابت ہے(۲): ﴿ولا تحسبن الذين قتلوا فی سبیل الله أمواتاً بل أحياء﴾ الآية (۳) وغيرها من الأيات والروايات ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم۔

انتقال کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا

سوال[۳۲۵]: ہندو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے سادھو بابا اور مہا پرش لوگ اپنی سادھنا کے زور سے اپنے جسم کو منتقل کر کے اپنی اصل صورت میں دنیا طے کرسکتا ہے، یہاں کے چند مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہمارے اولیاء اور انبیاء بھی اپنے جسموں کو منتقل کر کے جہاں چاہے جاسکتے ہیں، خاص کر ہمارے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتقال کے بعد بھی آپ کی روح پاک دنیا کی تمام جگہ سیر کرسکتی ہے، کیا ایسا ہوسکتا ہے؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والموتى يبعثهم الله ثم إليه يرجعون﴾. (الأنعام: ۳۶)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وأن الله يبعث من في القبور﴾. (الحج: ۷)

(۲) "ثم قال ابن القيم: ولا يحكم على قول من هذه الأقوال بعينه بالصحة ولا غيره بالبطلان، بل الصحيح أن الأرواح متفاوتة في مستقرها في البرزخ أعظم تفاوت، ولاتعارض بين الأدلة، فإن كلاً منها وارد على فريق من الناس بحسب درجاتهم في السعادة أو الشقاوة. فمنها أرواح في أعلى عليين في الملأ الأعلى، وهم الأنبياء، وهم متفاوتون في منازلهم كما رآهم النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم ليلة الإسراء. ومنها أرواح في حواصل طير خضرٍ تسرح في الجنة حيث شاءت، وهي أرواح بعض الشهداء لا جميعهم ......الخ." (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۷، دار المعرفة)

(وكذا في كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة أين مستقر الأرواح مابين الموت إلى يوم القيامة؟، ص: ۱۵۰، فاروقيه پشاور)

(۳) (آل عمران: ۱۶۹)

الجواب حامداً و مصلياً :

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ونصرت ہو جائے تو انتقال کے بعد بھی روح دنیا میں آ سکتی ہے(۱) محض اپنی خواہش سے بغیر خدائے پاک کی اجازت ونصرت کے نہیں آ سکتی، زندہ رہتے ہوئے مختلف مقامات میں کسی کا چلا جانا عملیات سے بھی ہو سکتا ہے اور مجاہدہ سے بھی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۸/ ۷/ ۹۵ھ۔

خواب میں میت کی طرف سے کسی بات کا علم

سوال[۳۲۶] : خواب کے ذریعہ مرحومین کی طرف سے کوئی بات معلوم ہو جائے تو کیا ہم یقین کر سکتے ہیں کہ یہ بات ان کے دل کی ہے جو کہ اللہ نے ہمیں اس خواب کے ذریعہ سے معلوم کرائی ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

(خواب) حجت قطعیہ نہیں ہے، بعض دفعہ یقینی بات معلوم ہوتی ہے، بعض دفعہ نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۴/۱/۹۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وانه يحى الموتى و أنه على كل شيء قدير﴾ (الحج: ٦)

اگر یہ روح کسی ولی اللہ کی ہے تو یہ کرامت ہے اور کرامات اولیاء اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں حق ہے کما صرّح في الفتاوى الحديثية حيث قال:

"الحق الذى عليه أهل السنة والجماعة من الفقهاء والأصوليين والمحدثيين و كثيرون من غيرهم .... أن ظهور الكرامة على الأولياء و هم القائمون بحقوق الله و حقوق عباده بجمعهم بين العلم والعمل وسلامتهم من الهفوات والزلل جائزة عقلاً كما هو واضح؛ لأنها من جملة الممكنات، و لا يمتنع وقوع الشيء لقبح عقلى ؛ لأنه لا حكم للعقل". (الفتاوى الحديثية، مطلب فى الكلام على كرامات الأولياء على أكمل وجه، ص: ٣٩٥، قديمى)

(٢) "حامل ماتت و قد أتى على حملها تسعة أشهر، و كان الولد يتحرك فى بطنها، فدفنت، ولم يشق بطنها، ثم رؤيت فى المنام أنها تقول: و لدت، لا ينبش القبر؛ لأن الظاهر أنها لو ولدت كان الولد ميتاً". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٩٥، بيان أن النقل من بلد إلى بلد مكروه، رشيديه) .... =

جہاں کی مٹی ہو وہیں دفن ہوتا ہے

سوال[۳۲۷]: اکثر سنا ہے کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں قرار پکڑتا ہے اور لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے، اس وقت فرشتے اس کی ناف میں مٹی رکھتے ہیں، وہ جہاں کی مٹی ہوتی ہے وہاں ہی وہ شخص دفن ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟ ریاض الحق کلیانوی

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ روایت جمع الفوائد: ۲/ ۱۳۹، میں درج ہے، مگر اس میں ناف کی تصریح نہیں (۱)۔ فقط۔

محمود گنگوہی، ۲۳/۳/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ربیع الاول/۵۳ھ۔

= (وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الثامن في مسائل متفرقة من الجنائز، ص: ۶۰۸، سهيل اكيڈمی)

(۱) "(أبو الدرداء) مر بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نحفر قبراً، فقال: "ما تصنعون"؟ فقلنا: نحفر قبراً لهذا الأسود، فقال: "جاء ت به منيته إلى تربته"، قال أبو أسامة: تدرون يا أهل الكوفة لِمَ حدثتكم بهذا الحديث؟ لأن أبا بكر وعمر خلقا من تربة رسول الله صلى الله عليه وسلم، (للأوسط بلين) (ابن عمر) أن حبشياً دفن بالمدينة، فقال صلى الله عليه وسلم: "دفن بالطينة التي خلق منها" (للكبير بضعف). (جمع الفوائد: ۱/۳۶۸، رقم الحديث؛ ۲۶۲۵، ۲۶۲۶، كتاب الجنائز، تشييع الجنائز وحملها ودفنها، إدارة القرآن، كراچی)

"فذلك قوله تعالىٰ: ﴿منها خلقناكم و فيها نعيدكم﴾ (طٰه: ۵۵) أخرجه الترمذي الحكيم أبو عبد الله في نوادر الأصول".

"و ذكر عن علقمة عن عبد الله قال: إن النطفة إذا إستقرت في الرحم أخذها الملك بكفه، فقال: أي رب! أمخلقة أو غير مخلقة؟ فإن قال: غير مخلقة، لم تكن نَسَمةً، و قذفتها الأرحام دماً، و إن قال: مخلقة، قال: أي رب! أذكر أم أنثىٰ؟ أشقي أم سعيد؟ ما الأجل؟ و ما الأثر؟ و ما الرزق، و بأي أرض تموت؟ فيقول: إذهب إلى أم الكتاب، فإنك ستجد هذه النطفة فيها، فيقال للنطفة: من ربك؟ فتقول: الله، فيقال: من رازقك؟ فتقول: الله، فتخلق، فتعيش في أجلها و تأكل رزقها، تطأ أثرها، فإذا جاء أجلها=

منکر نکیر کے ساتھ کیا شیطان بھی قبر میں جاتا ہے؟

سوال[۳۲۸] : میت کو قبر میں رکھ کر جب مٹی دیکر فارغ ہوتے ہیں تو قبر میں پہلے شیطان داخل ہوتا ہے یا منکر نکیر یا دونوں بیک وقت پہونچتے ہیں اور پھر پہلے کون اپنا سوال میت سے کرتا ہے؟ یا نکیرین سوال حق پوچھتے ہیں اور شیطان اپنا پھندافٹ کرنا چاہتا ہے یعنی میت فرشتوں کو صحیح جواب نہ دے سکے؟ اور شیطان بالغ کی قبر میں جاتا ہے یا نابالغ کی بھی، مرد کی قبر میں جاتا ہے یا عورت کی بھی؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اجی ہاں شیطان قبر میں کہاں جاتا ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قبر میں بھی جاتا ہے۔ شریعت کے مطابق حکم صادر فرمایا جائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شیطان کا میت کی قبر میں جا کر نکیرین کے سوال کے وقت اپنا پھندا ڈالنا کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ میت پر اس قسم کا اثر نہیں ڈالتا کہ میت جواب نہ دے سکے، اس کی کوشش کا وقت ختم ہو گیا، لائسنس بیکار ہو گیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۹ھ۔

= ماتت فدفنت في ذلك المكان. فالأثر: هو التراب الذي يؤخذ، فيعجن به ماؤه". (التذكرة في أحوال الموتى و أمور الأخرة، باب ما جاء أن كل عبد يذر عليه عن تراب حفرته، ص: ۹۵، ۹۶، مكتبة أسامة الاسلامية بالأزهر)

(وكذا في شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب دفن العبر في الأرض التي خلق منها، ص: ۱۰۶، دار المعرفة بيروت)

(۱) مختلف آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان قبر میں داخل ہو کر کچھ اثر ڈال سکتا ہے:

"عن سفيان الثوري قال: إذا سئل الميت: من ربك؟ تزيّا له الشيطان في صورة، فيشير إلى نفسه: إني أنا ربك.

قال الحكيم: و يؤيده من الأخبار قوله عليه السلام عند دفن الميت: "اللهم أجره من الشيطان" ...... و لو لم يكن للشيطان هناك سبيل، ما دعا صلى الله تعالىٰ عليه و سلم بذلك". (شرح الصدور، ص: ۱۴۱، باب فتنة القبر و سوال الملكين، دار المعرفة بيروت)............ =

منکر نکیر سے پیشتر مردہ کے پاس ''رومات'' فرشتہ کا آنا

سوال[۳۲۹]: ''صبح کا ستارہ'' کا مصنف لکھتا ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابن سلام! منکر نکیر سے پیشتر مردہ کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے کہ اس کا منہ سورج کی طرح چمکتا ہے، نام اس کا رومات ہے''۔ص:۲۵۔کیا یہ صحیح ہے کہ منکر نکیر سے پہلے رومات(۱) نام کا ایک فرشتہ آتا ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، رومان فرشتہ کا منکر نکیر سے پہلے مقابر میں آنا فتاویٰ حدیثیہ،ص:۸، میں بحوالہ قرطبی وغزالی منقول ہے (۲)۔بہشتی زیور،ص:۵۱ میں ''صبح کا ستارہ'' کتاب کے دیکھنے کی ترغیب دی ہے،مگر یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی روایتیں بہت پکی نہیں ہیں (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۸/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند،۱۹/۴/۹۲ھ۔

= ''و أخرج الحكيم عن عمرو بن مرة قال: كانوا يستحبون إذا وضع الميت في اللحد أن يقولوا: أللهم أعذه من الشيطان الرجيم.

و أخرج ابن أبي شيبة في المصنف عن خيثمة: قال: كانوا يستحبون إذا دفنوا الميت أن يقولوا: بسم الله، وفي سبيل الله، و على ملة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم ، أللهم أجره من عذاب القبر و من عذاب النار ومن شر الشيطان الرجيم ". (شرح الصدور، ص:١١٠، باب ما يقال عند الدفن والتلقين ، دار المعرفة بيروت)

(۱) ''رومات'' سائل نے لکھا ہے،لیکن بظاہر اس فرشتہ کا نام ''رومان'' ہے۔

(۲) ''ومن ثم ذكر القرطبي و الغزالي عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال :يارسول الله! ماأول مايلقى الميت إذا دخل قبره؟ قال :'' ياابن مسعود! ما سألني عنه إلا أنت، فأول مايأتيه ملك اسمه رومان ،يجوس خلال المقابر، فيقول: ياعبدالله! اكتب عملك فيقول: مامعي دواة ولا قرطاس، فيقول: هيهات كفنك قرطاسك، ومدادك ريقك، وقلمك إصبعك، فيقطع له قطعة من كفنه، ثم يجعل العبد يكتب، وإن كان غير كاتب في الدنيا، فيذكر حسناته وسيأته كيوم واحد''. الحديث بطوله''.(الفتاوىٰ =

منکر ونکیر دونوں سوال کرتے ہیں یا ان میں سے ایک؟

سوال[۳۳]: مرنے کے بعد مردہ سے دوفرشتے سوال کرتے ہیں یا یکے بعد دیگرے سوال کرتے ہیں؟ اور جولوگ آگ میں جل جاتے ہیں یا کسی درندے کی خوراک بن جاتے ہیں تو ان سے یہ فرشتے کہاں سوال کرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی تفصیل نہیں دیکھی، کسی روایت میں ہے کہ ایک فرشتہ سوال کرتا ہے(۱) کسی میں ہے دونوں سوال کرتے ہیں(۲)۔ اگر درندے نے کھالیا تو اس کے پیٹ میں ہی میت سے سوال ہوگا، غرض جہاں اس کا مستقر ہوگا وہیں سوال ہوگا۔ کذا فی الطحطاوی، ص:۳۲۸(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۲۳/۱۲/۹۵ھ۔

= الحديثية ،مطلب السؤال بالعربية لكل أحد،وقيل بالسريانية، ص: ۲۱، ۲۲،قديمي)

(۳)(بہشتی زیور، حصہ دہم، بعض کتابوں کے نام جن کے دیکھنے سے نفع ہوتا ہے، ص:۷۰۴، دار الاشاعت)

(۱) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم : "إن هذه الأمة تبتلى فى قبورها، و إن المؤمن إذا وضع فى قبره أتاه ملك فسأله ما كنت تعبد اهـ". (شرح الصدور ، ص: ۱۲۱، باب فتنة القبر و سوال الملكين)

(۲) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم : " إذا وضع المؤمن فى قبره أتاه ملكان فانتهراه اهـ"۔ (شرح الصدور ، ص:۱۲۳، باب فتنة القبر و سوال الملكين ، بيروت)

"قال القرطبى: جاء فى رواية سوال ملكين، و فى أخرى: سوال ملك واحد، و لا تعارض، بل بالنسبة إلى الأشخاص فرب شخص يأتيه اثنان معاً ...... وآخر يأتيه ملك واحد، فيكون أخف عليه وأقل فى المراجعة". (شرح الصدور ، ص:۱۴۴، فصل فيه فوائد ، دار المعرفة ، بيروت)

(۳) "والأشهر أنه حين يدفن، و قيل: فى بيته تنبطق عليه الأرض كالقبر، و لا بد منه و لوفى بطن سبع أو قعر بحر". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، ص:۶۱۶، فصل فى حملها و دفنها، قديمى)

"السوال فيما يستقر فيه الميت حتى لو أكله سبع فالسؤال فى بطنه، فإن جعل فى تابوت أياماً لنقله إلى مكان آخر لا يسأل مالم يدفن". (شرح الصدور ، ص:۱۴۷، فصل فيه فوائد، دار المعرفة بيروت)

کیا قبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے؟

سوال[۳۳۱]: یہ کہ "من ربك؟ و ما دينك و ما نبيك"؟ کے بعد میت کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: "و ما تقول فی هذا الرجل"؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجسم قبر میں تشریف لاتے ہیں؟ "هذا الرجل" سے کیا مراد ہے؟ ایک شاعر کہتا ہے

کون آتا ہے لاش پر میری سر سے چادر ہٹائی جاتی ہے

کیا اسم اشارہ اور مشار الیہ غائب کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس عبارت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

شراح حدیث نے لکھا ہے اس کی قبر سے روضۂ اقدس تک کے حجابات اٹھا کر اشارہ کیا جاتا ہے(۱) لہذا "هذا" کا اشارہ غائب کے لئے نہیں ہوا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ معہودِ ذہنی کی طرف اشارہ ہوتا ہے(۲) اور مردہ خود بخود جانتا ہے (کہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق سوال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

---

(۱) "(فيقولان : ما كنت تقول فی هذا الرجل) قيل: يكشف للميت حتى يرى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم. و هی بشرى، عظيمة للمؤمن إن صح ذلک". (تحفة الأحوذی :۱۸۲/۵، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، بيروت)

"(فيقولان) له : (ما كنت تقول فی هذا الرجل لمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم) والإشارة فی قوله: "هذا" للحاضر، قيل: يكشف للميت حتى يرى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم و هی بشرى عظيمة للمؤمن إن صح ذلک". (إرشاد الساری :۴۷۶/۳، کتاب الجنائز ، باب ما جاء فی عذاب القبر ، بيروت)

(۲) "(فی هذا الرجل): أی فی شأنه، واللام للعهد الذهنی، و فی الإشارة إيماء إلى تنزيل الحاضر المعنوی منزلة الصوری مبالغةً". (مرقاة المفاتيح : ۳۴/۱، باب إثبات عذاب القبر، الفصل الأول، رشيديه)

بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا

سوال[۳۳۲] : جو مسلمان بچے انتقال کر جاتے ہیں ان سے قبر میں حساب کتاب ہوتا ہے یا نہیں؟ یا ان سے سوالات کئے جاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۲۰/ ۸/ ۸۷ھ۔

نابالغ سے سوال منکر ونکیر

سوال[۳۳۳] : ومسلمان بچے انتقال کر جاتے ہیں ان سے قبروں میں حساب وکتاب ہوتا ہے یا نہیں؟

---

(۱)"وقد قال النسفی فی "بحر الكلام": الأنبياء وأطفال المؤمنين ليس عليهم حساب، ولا عذاب القبر، ولا سوال منكر ونكير". (شرح الصدور ، باب من لا يسأل فى القبر ،ص : ۱۵۲ ،دار المعرفة)

"قال النسفى فى بحر الكلام : الأنبياء وأطفال المؤمنين ليس عليهم حساب ، ولا عذاب القبر ،ولا سوال منكر ونكير، وقال النووى فى الروضة من زوائده: وفى شرح المهذب: إنما هو فى حق الميت المكلف، أما الصبى ونحوه فلا يلقن، قال الزركشى فى الخادم: هذا تابع فيه ابن الصلاح فإنه قال: لا أصل لتلقينه يعنى لأنه لا يفتن فى قبره ، وقال فى موضع آخر فى الخادم: ما قاله ابن الصلاح، والنووى مبنى على أنه لا يسأل فى قبره انتهى. وقد تابعهما على ذلك ابن الرفعة فى الكفاية، والسبكى فى شرح المنهاج، وسئل الحافظ ابن حجر عن الأطفال هل يسألون ؟ فأجاب بأن الذى يظهر اختصاص السؤال بمن يكون مكلفاً." (الحاوى للفتاوى، الاحتفال بالأطفال : ۲/ ۲۱۲،دار الفكر)

"واستثنى من عموم سؤال القبر الأنبياء عليهم الصلاة والسلام والأطفال والشهداء." (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى ،ص : ۱۰۰ ، قديمى)

الجواب حامداًومصلیاً:

چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

رمضان میں جمعہ کے روز مرنے والے سے سوال نہیں

سوال[۳۳۴]: اگر رمضان شریف میں جمعہ کے دن انتقال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاء اللہ تعالیٰ اس سے قبر میں سوال نہیں ہوگا، یہی توقع ہے بلکہ اس سے زائد ہے (۲)۔فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

جمعہ اور رمضان میں مرنے والے کی فضیلت

سوال[۳۳۵]: ترمذی شریف کی حدیث ہے: "ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة

---

(۱) "والأصح أن الأنبياء لايسألون ولا أطفال المؤمنين." (الدر المختار، باب صلاة الجنائز: ۱۹۲/۲، سعيد)

"والأصح أن الأنبياء عليهم السلام لايسألون، وكذا أطفال المؤمنين." (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ۵۶۱، قديمى)

"وقال النسفى فى بحر الكلام: أطفال المؤمنين ليس عليهم عذاب القبر، ولا سؤال منكر ونكير." (النبراس، ص: ۲۰۶، امداديه، ملتان)

(۲) "عن عبدالله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنهما: "مامن مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر". (جامع الترمذى: كتاب الجنائز، باب ماجاء فيمن مات يوم الجمعة: ۲۰۵/۱، سعيد)

وفى ردالمحتار: "ثم ذكر أن من لايسأل ثمانيةٌ: الشهيد (إلى قوله) والميت يوم الجمعة أو ليلتها". (باب صلوة الجنازة، مطلب ثمانية لايسألون فى قبورهم: ۱۹۲/۲ سعيد)

(وكذا فى كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة العاشرة: الأسباب المنجية من عذاب القبر، ص: ۱۰۴–۱۰۶، مكتبه فاروقيه پشاور)

الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر"(۱)۔

اس حدیث کے متعلق جس قدر تحقیقات ہوں تحریر فرمائی جائیں، کیا مسلمان خواہ کسی قسم کا ہو اور ہر قسم کے معاصی میں مبتلا ہو اور اس کی وفات جمعہ یا جمعرات کو ہو جائے تو اس پر عذاب قبر بالکل نہ ہوگا، یا صرف انہیں دنوں تک عذاب نہ ہوگا؟ نیز لوگوں میں مشہور ہے کہ رمضان المبارک میں بھی جس کا انتقال ہو جائے اس کو بھی عذاب قبر نہ ہوگا، مجھے تو اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا، اگر جناب اس کے اوپر روشنی ڈالیں تو بہتر ہوگا۔

الجواب حامداً و مصلياً :

ترمذی شریف کی روایت کے متعلق خود امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ:"هذا حديث غريب و ليس إسناده بمتصل"(۲) اور جمع الفوائد میں ہے:(أنس رضى الله تعالىٰ عنه) رفعه: "من مات يوم الجمعة وقى عذاب القبر"(۳)۔

العرف الشذی میں لکھا ہے:" ما صح الحديث في فضل موت يوم الجمعة، و لو صح بالفرض لكان الفضل من عدم السؤال لمن مات يوم الجمعة، لا من مات قبله و أخر دفنه إلى يوم الجمعة اهـ" (٤)۔

---

(۱)(جامع الترمذی : ۱/۲۰۵، أبواب الجنائز ، باب ماجاء فيمن يموت يوم الجمعة ، سعيد)

"و أخرج أحمد والترمذی و حسنه ، و ابن أبی الدنيا والبيهقی عن ابن عمرو رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة، إلا وقاه الله فتنة القبر". (شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور ، باب من لا يسئل فی القبر، ص: ۱۵۰، دارالمعرفة بيروت)

و فيه أيضاً : "أخرج أبو نعيم في "الحلية" عن جابر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة، أجير من عذاب القبر". الحديث. (شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور ، باب من لا يسئل فی القبر، ص: ۱۵۱، دارالمعرفة بيروت)

(۲) (جامع الترمذی ، أبواب الجنائز ، باب ما جاء فيمن يموت يوم الجمعة : ۱/۲۰۵، سعيد)

(۳) (جمع الفوائد: ۱/۲۷۰، رقم الحديث: ۱۹۳۱، كتاب الصلوٰة، وقت الجمعة ونداء ها وخطبتها وما يتعلق بذلك، قبيل صلوٰة المسافر وجمع الصلوٰة، إدارة القرآن ، كراچی)

(۴) (العرف الشذی علی هامش الترمذی: ۱/۲۰۶، باب ما جاء من يموت يوم الجمعة، سعيد)

یہاں تک تو من حیث القوۃ والضعف اس روایت کے متعلق کلام ہے، اس کے مطلب کے متعلق علماء کے دونوں قول ہیں: "فقیل: هذا اليوم والليلة فقط، ثم يعذب ليلة السبت، و قيل: لا بل خلص فخلص، نعم يحاسب فيجازى بعد الحشر اهـ". کوکب (۱)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں:

"فتنة القبر: أى عذابه و سؤاله، و هو يحتمل الإطلاق والتقييد، والأول هو الأولىٰ بالنسبة إلى فضل المولىٰ" (۲)۔

پھر علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں:

" هذه الأحاديث: أى التى تدل على نفى سؤال القبر لا تعارض أحاديث السؤال السابقة: أى لا تعارضها، بل تخصها و تبين من لا يسئل فى قبره، و لا يفتن فيه ممن يجرى عليه السؤال، و يقاسى تلك الأهوال، و هذا كله ليس فيه مدخل القياس و لا مجال للنظر فيه، و إنما فيه التسليم والانقياد لقول الصادق المصدوق۔ قال الحكيم الترمذى: و من مات يوم الجمعة فقد انكشف له الغطاء عما له عند الله تعالىٰ؛ لأن يوم الجمعة لا تسجر فيه جهنم، و تغلق أبوابها، و لا يعمل سلطان النار فيه ما يعمل فى سائر الأيام، فإذا قبض الله عبداً من عبيده فوافق قبضه يوم الجمعة، كان ذلك دليلاً لسعادته و حسن مآبه، و أنه لا يقبض فى هذا اليوم إلا من كتب له السعادة عنده، فلذلك يقيه فتنة القبر؛ لأن سببها إنما هو تميز المنافق من المؤمن. قلت: و من تتمة ذلك أن من مات يوم الجمعة فله أجر شهيد، فكان على قاعدة الشهداء فى عدم السؤال، كما أخرجه أبو نعيم فى الحلية عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب القبر؟ و جاء يوم القيامة و عليه طابع الشهداء"۔

"و أخرج حميد فى ترغيبه عن إياس بن بكير أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد، و وقى فتنة القبر". وأخرج من طريق ابن جريج

---

(۱) (الكوكب الدرى: ۳۲۵/۲، باب ما جاء فى عذاب القبر، مكتبه يحيويه سهارنپور)

(۲) (مرقاة المفاتيح: ۴۶۰/۳، كتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الثالث، رشيديه)

عن عطاء قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"ما من مسلم أو مسلمة يموت في يوم الجمعة أو ليلة الجمعة، إلا وُقي عذاب القبر، و فتنة القبر، و لقي الله و لا حساب عليه، و جاء يوم القيامة و معه شهود يشهدون له أو طابع". و هذا الحديث لطيف صرح فيه بنفي الفتنة والعذاب معاً اهـ"(۱).

یوم جمعہ یا لیلۃ جمعہ میں مرنے والے کے لئے درجۂ شہادت حاصل ہونا درمختار (۲) اشباہ (۳) اوجز المسالک (۴) وغیرہ کتب میں مذکور ہے، اگر کوئی شخص بحالتِ ابتلائے معصیت مرے لیکن کسی ایسے سبب سے مرے جس پر وعدہ ثواب اور اجر شہادت حاصل ہوتا ہو تو وہ بھی شہید ہوگا، پھر اگر کوئی بحالتِ معصیت نہ مرے تو وہ کیسے اجر شہادت سے محروم رہے گا؟

"من غرق في قطع الطريق، فهو شهيد و عليه إثم معصيته، و كل من مات بسبب معصية فليس بشهيد. و إن مات في معصية بسبب من أسباب الشهادة، فله أجر شهادته و عليه إثم معصيته، و كذلك لو قاتل على فرس مغصوب أو كان قوم في معصية فوقع عليهم البيت، فلهم الشهادة و عليهم إثم المعصية اهـ". شامی (۵).

---

(۱) (مرقاة المفاتيح :۳/۴۶۱، كتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الثالث، رشيديه)

(۲) "قوله : والميت ليلة الجمعة، أخرج حميد بن زنجويه في فضائل الأعمال عن مرسل إياس بن بكير. أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد". (رد المحتار: ۲/۲۵۲، باب الشهيد، مطلب في تعداد الشهدآء، سعيد)

(۳) "اشباہ" میں جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والے کے لئے درجہ شہادت حاصل ہونے کی تصریح تو نہیں، البتہ اس دن مرنے والے کے لئے "امان" کی تصریح ہے۔

"و من مات فيه أو في ليلته أمن من فتنة القبر و عذابه، و لا تسجر فيه جهنم". (الأشباه والنظائر، ص: ۴۴۱، القول في أحكام يوم الجمعة، دار الفكر، دمشق)

(۴) (أوجز المسالك: ۲/۴۹۰، الشهادة سبع سوى القتل، وأنواع الشهادة، مكتبه يحيويه سهارنپور)

(۵) (رد المحتار: ۲/۳۵۳، باب الشهيد، مطلب المعصية هل تنافي الشهادة، سعيد)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ’’جب رمضان شریف داخل ہوتا ہے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں الخ‘‘(۱) اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص رمضان شریف میں مرتا ہے وہ بھی عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳۰/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

جو شخص ہر روز سورہ ملک پڑھے اس سے قبر میں سوال نہ ہوگا

سوال[۳۳۶]: حامد روزانہ شب میں سورہ ملک پڑھتا ہے تو کیا قبر میں منکر نکیر سوال نہیں کریں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص ہر روز سورۃ ملک پڑھتا ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ سوال قبر سے محفوظ رہے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح ص: ۱۷۳، كتاب الصوم، الفصل الأول، قديمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصيام، باب فضل شهر رمضان: ۱/۳۴۶، قديمی)

(وصحيح البخاری، كتاب الصوم، باب هل يقال رمضان اهـ: ۱/۲۵۵، قديمی)

(۲) وقال الترمذی: "حدثنا محمد بن عبد الملک بن أبی الشوارب، حدثنا يحی بن مالک النكري، عن أبيه عن أبی الجوزاء عن ابن عباس – رضی الله تعالیٰ عنهما – قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله تعالیٰ عليه و سلم خباء ه على قبر، و هو لا يحسب أنه قبر، فإذا قبر إنسان يقرأ سورة الملک حتى ختمها، فأتى النبي صلى الله تعالیٰ عليه و سلم فقال: يا رسول الله! ضربت خبائی على قبر و أنا لا أحسب أنه قبر، فإذا إنسان يقرأ سورة الملک: تبارک حتى ختمها، فقال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه و سلم: "هي المانعة، هي المنجية تنجيه من عذاب القبر".

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أنه قال لرجل: ألا أتحفک بحديث تفرح به؟ قال: بلىٰ، قال: اقرأ ﴿تبارک الذی بيده الملک﴾ و علّمها أهلک و جميع ولدک و صبيان بيتک و جيرانک، فإنها المنجية والمجادلة تجادل أو تخاصم يوم القيامة عند ربها لقارئها، و تطلب له أن =

رمضان میں مرنے والے سے سوالِ قبر

سوال[٣٣٧]: رمضان میں فوت ہونے والے سے سوال نکیرین اور عذاب قبر اٹھالیا جاتا ہے اور پھر قیامت تک عذاب قبر نہیں ہوتا، کیا اس بارے میں کوئی حدیث مرفوع ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اس کی تصریح کسی حدیث میں دیکھنا محفوظ نہیں (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ٩/١٠/٨٥ھ۔

= ينجيه من عذاب النار، و ينجو بها صاحبها من عذاب القبر، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "لوددت أنها في قلب كل إنسان من أمتي". (تفسير ابن كثير، الملك: ٤/٥٠٨، مكتبه دار الفيحاء)

(كذا في روح المعاني، الملك: ٢٩/ ٢، ٣، دار إحياء التراث العربي)

(و كذا في كتاب الروح، الأسباب المنجية من عذاب القبر، ص: ١٠٥، فاروقيه پشاور)

"وأخرج جويبر في "تفسيره" عن عاصم بن أبي النجود، عن زر بن حبيش عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: "من قرأ سورة الملك كل ليلة، عصم من فتنة القبر. ومن واظب على قوله تعالىٰ: (إني اٰمنت بربكم فاسمعون) سهل الله عليه سوال منكر و نكير".

"وأخرج عن كعب، قال: إنا لنجدها في التوراة: من قرأ سورة الملك كل ليلة، عصم من فتنة القبر. وروي من طريق سوار بن مصعب، و هو ضعيف جداً عن أبي اسحاق، عن البراء يرفعه: "من قرأ "الم السجدة، و تبارك الملك"، قبل التوم، نجا من عذاب القبر، و وقي فتاني القبر". (شرح الصدور، باب من لا يسأل في القبر، ص: ١٤٩، ١٥٠، دار المعرفة)

(١) البتہ حدیث میں یہ ہے کہ "جو شخص ایک دن بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے روزہ رکھے اور اسی حالت میں اس کا خاتمہ ہو جائے تو وہ جنتی ہے":

"أخرج أحمد عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال لا إله إلا الله إبتغاء وجه الله، ختم له بها، دخل الجنة، ومن صام يوماً ابتغاء وجه الله، ختم له به، دخل الجنة ...... الخ". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب أحسن الأوقات للموت، ص: ٣٠٦، دار المعرفة بيروت)

(وأخرجه الإمام أحمد في مسنده: ٦/١ ٥٤، رقم الحديث: ٢٢٨١٣، داراحياء التراث، بيروت)

جمعہ کے دن مرنے والے سے قبر میں سوال

سوال[۳۳۸] : اگر کسی کا انتقال جمعہ کے دن ہو جائے تو اس سے قبر میں سوال وجواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاء اللہ تعالیٰ اس سے قبر میں سوال نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۵/۴/۱۳۹۵ھ۔

ہفتہ میں دو روز نامۂ اعمال کی پیشی

سوال[۳۳۹] : یہ جو مشہور ہے کہ ہر جمعہ اور ہر دوشنبہ کی صبح کو حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے تمام امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اس کی کیا اصلیت ہے اور یہ کہاں تک صحیح ہے؟ خواجہ عامر حسن عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیر اور جمعرات کو تمام امت کے اعمال اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور آباء وامہات پر پیش کئے جاتے ہیں۔ حکیم ترمذی نے نوادر میں اس کو روایت کیا ہے،

---

(۱) "عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: " من مات یوم الجمعة أو لیلة الجمعة، وُقی فتنة القبر." (مسند الإمام أحمد ، أحادیث عبداللہ بن عمرو، رقم الحدیث: ۶۶۰۸، ۲/۳۶۹، دار إحیاء التراث، بیروت)

"عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنهما: "ما من مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة الجمعه، إلا وقاه اللہ فتنة القبر". (جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فیمن مات یوم الجمعة: ۱/۲۰۵، سعید)

(وکذا فی کتاب الروح لابن قیم الجوزیة، المسألة العاشرة: الأسباب المنجیة من عذاب القبر، ص: ۱۰۴، ۱۰۶، مکتبه فاروقیة، پشاور)

(وکذا فی شرح الصدور للسیوطی رحمه اللہ تعالیٰ، باب ماینجی من عذاب القبر، ص: ۱۸۲، دار الفکر)

هكذا في شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/ ۶۸ھ۔

اعمالِ امت کی پیشی

سوال[۳۴۰] :"عرض أعمال الأمة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الخميس" کی روایت نہیں ملتی۔مشکوۃ ومرقاۃ وغیرہ میں"باب الشحناء" میں ایک دوسری روایت تو ہے،اَور بھی کہیں اب تک نہیں ملی۔ ایک اعزازی خریدار۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس، فأُحبّ أن يعرض عملي وأنا صائم". (رواه الترمذي الخ. (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب التطوع) (۲)۔لیکن اس میں عرضِ اعمال کے ساتھ "على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" کی تصریح نہیں بلکہ سکوت ہے۔

احقر کا خیال ہے کہ یہ عرض علی اللہ تعالی ہے جیسا کہ "فأُحبّ أن يعرض عملي وأنا صائم" سے معلوم ہوتا ہے۔اسی باب کی فصل ثالث میں یہ بھی ہے کہ "يغفر الله فيهما كل مسلم

---

(۱)"وأخرج الحكيم الترمذي في "نوادره"من حديث عبدالغفور بن عبدالعزيز عن أبيه ،عن جده،قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس على الله ،وتعرض على الأنبياء عليهم الصلاة والسلام وعلى الآباء والأمهات يوم الجمعة، فيفرحون بحسناتهم،وتزداد وجوههم بياضاً وإشراقاً، فاتقوا الله ولاتؤذوا أمواتكم". (شرح الصدور ،باب عرض أعمال الأحياء على الموتى، ص: ۲۵۸، دارالمعرفة)

(وكذا في التذكرة للقرطبي،باب ماجاء في تلاقي الأرواح في السماء، ص: ۶۳ ،أساسة الاسلامية)

(۲) (مشكوة المصابيح،كتاب الصوم ،باب صيام التطوع: ۱/۱۷۹، ۱۸۰ ،قديمي)

(جامع الترمذي،أبواب الصوم ،باب ماجاء في صوم يوم الإثنين والخميس: ۱/۱۵۷ ،سعيد)

إلا ذاهاجرين يقول: دعهما حتى يصلحا"۔رواه احمد وابن ماجة"(۱)اس سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے"العرف الشذی" میں" علی الله" کی تصریح بھی ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

عذاب قبر سے حفاظت کا عمل

سوال[۱۳۴۱]: کوئی ایسا عمل تحریر فرمائیں جس سے قبر میں عذاب نہ ہو۔

---

(۱)" أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يصوم يوم الإثنين والخميس، فقيل : يارسول الله! إنك تصوم يوم الإثنين والخميس،فقال:"إن يوم الإثنين والخميس يغفر الله فيهمالكل مسلم إلا ذاهاجرين، يقول: دعهماحتى يصطلحا". رواه أحمد وابن ماجه".(مشكوة المصابيح،كتاب الصوم، باب صيام التطوع،الفصل الثالث: ۱/۱۸۰،قديمى)

(وابن ماجه، أبواب الصوم،باب صيام يوم الإثنين والخميس، ص: ۱۲۴،قديمى)

(۲) "وأتى النسائى بالروايات الكثيرة فى صيامه عليه الصلاةوالسلام ،وأما وجه صوم يوم الإثنين ففى رواية عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما ،بسند قوى أنه عليه الصلاةوالسلام ولد يوم الإثنين، وارتحل إلى دارالبقاء يوم الإثنين، ودخل المدينة: أى قبا يوم الاثنين، ولأن يوم الإثنين والخميس ترفع الأعمال إلى الله تعالى".(العرف الشذى على هامش الترمذى،باب ماجاء فى صوم يوم الإثنين والخميس: ۱/۱۵۶،سعيد)

بعض روایات میں "عرض الأعمال على الأنبياء يوم الجمعة" وارد ہوا ہے اور جہاں تک یوم الخمیس کا تعلق ہے تو اس سے "عرض على الله" ہی مراد ہے،جیسا کہ "شرح الصدور" میں ہے:"وأخرج الحكيم الترمذى فى "نوادره "من حديث عبد الغفور بن عبد العزيز عن أبيه عن جده قال :قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس على الله،وتعرض على الأنبياء والآباء والأمهات يوم الجمعة ،فيفرحون بحسناتهم ،وتزدادوجوههم بياضاً وإشراقاً، فاتقواالله ولاتؤذوا أمواتكم". (شرح الصدور،باب عرض أعمال الأحياء على الموتى ، ص: ۲۵۸،دارالمعرفة) ۰

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناپاکی سے بچنا، ہمیشہ پاک رہنا(۱) قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کرنا(۲) سنت کا پورا اتباع کرنا(۳)، سونے سے پہلے سورہ الملک پابندی سے پڑھنا(۴) ہر نماز میں درود شریف کے بعد عذاب قبر سے

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال : "إن عذاب القبر من ثلاثة: من الغيبة والنميمة والبول، فإياكم وذلك" . (شرح الصدور ،باب عذاب القبر ،ص : ۱۶۳ ،دارالمعرفة)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال : مر النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم علی قبرين، فقال: "إنهما ليعذبان، وما يعذبان من كبير" ثم قال: "أماأحدهما، فكان يسعی بالنميمة، وأماأحدهما فكان لايستتر من بوله."(صحيح البخاری ،كتاب الجنائز ،باب عذاب القبر من الغيبة والبول : ۱/۱۸۴ ،قديمی)

(۲، ۳)" عن عبد الرحمن بن سمرة رضی الله عنه ،قال : خرج علينا رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ذات يوم فقال : "إنی رأيت البارحة عجباً،رأيت رجلاً من أمتی،جاء ه ملک الموت ليقبض روحه ،فجاء ه بره لوالديه فرده عنه ، ورأيت رجلاً من أمتی ، سلط عليه عذاب القبر، فجاء ه وضوء ه فاستنقذه من ذلک ،ورأيت رجلاً من أمتی ،قد احتوشته الشياطين ،فجاء ذكر الله ،فخلصه من بينهم، ورأيت رجلاً من أمتی،قد احتوشته ملائكة العذاب ،فجاء ته صلاته ،فاستنقذته من أيديهم،ورأيت رجلاً من أمتی، يلهث عطشاً،كلما ورد حوضاً منع منه، فجاء ه صيامه فسقاه وأرواه،ورأيت رجلاً من أمتی ،والنبيون قعود حلقاً حلقاً،كلما دنالِحَلقة طردوه، فجاء اغتساله من الجنابة، فأخذ بيده ،وأقعده إلی جنبه، ورأيت رجلاًمن أمتی بين يديه ظلمة ،وخلفه ظلمة ،وعن يمينه ظلمة،وعن يساره ظلمة ،ومن فوقه ظلمة ،ومن تحته ظلمة ،فهومتحير فيها،فجاء ه حجه وعمرته ،فاستخرجاه من الظلمة، وأدخلاه النور، ......الخ"(شرح الصدور ،باب ماينجی من عذاب القبر ، ص: ۱۸۲ ،۱۸۳ ،دارالمعرفة)

(وكذا فی كتاب الروح ،المسألة العاشرة: الأسباب المنجية من عذاب القبر، ص: ۱۰۷ ،۱۰۸ ،مكتبه فاروقيه پشاور)

(۴)" عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال : ضرب بعض أصحاب النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم خباء ه علی قبروهو لايحسب أنه قبر، فإذاقبر إنسان يقرأ سورة الملک حتی ختمها،فأتی النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، فقال: يارسول الله ، ضربت خبائی علی قبر وأنا لاأحسب أنه قبر، فإذافيه إنسان يقرأ =

پناہ مانگنے کی دعاء پڑھنا جس میں "أعوذبك من عذاب القبر" بھی ہے(۱)، چغل خوری سے پرہیز کرنا (۲)، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے اہتمام کی برکت سے عذاب قبر سے حفاظت رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۲۶ھ۔

میت کو قبر میں عصر کا وقت محسوس ہوتا ہے

سوال[۳۴۲]: ۱...... جب مسلمان میت کو دفن کر دیتے ہیں تو سنا ہے کہ میت کے لئے وہ عصر کا وقت ہوتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۲...... غیر مسلم میت سے حساب کا وقت کون سا ہوتا ہے؟ کیا اس کو بھی عصر کا وقت معلوم ہوگا اور اس غیر مسلم کے لئے قبر کس جگہ ثابت ہوگی؟ کیا غیر مسلم سے حساب و کتاب ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... میت کو قبر میں رکھنے اور دفن کرنے کے بعد فرشتے آ کر اس کی روح اس میں داخل کر کے اس کو بٹھا دیتے ہیں، مردہ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صبح سویا تھا، اب غروب کے وقت بیدار ہوا ہے اور کہتا ہے کہ چھوڑ دو، میں نماز تو پڑھ لوں (۳) (نماز کا خیال مسلمان ہی کو ہوگا)۔

= سورة الملک حتی ختمها، فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "هی المانعة، هی المنجیة تنجیه من عذاب القبر". (جامع الترمذی، أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورة الملک: ۱۱۷/۲، سعید)

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال : کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یدعو: "اللهم إنی أعوذبک من عذاب القبر، ومن عذاب النار، ومن فتنة المحیا والممات، ومن فتنة المسیح الدجال." (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر: ۱/ ۱۸۴، قدیمی)

(۲) (راجع، ص: ۶۳۵، رقم الحاشیة: ۱)

(۳) "وأخرج ابن ماجه، وابن أبی الدنیا، وابن أبی عاصم فی السنة عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالیٰ عنهما. قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "إذا دخل المیت قبره، مثّلت له الشمس عند =

۲......حدیث میں اس وقت کی تفصیل نہیں دیکھی، بظاہر تو غیر مسلم کو بھی یہی وقت محسوس ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ جس وقت بھی میت کو دفن کیا جائے حساب غروب ہی کے وقت ہی ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت ایسا محسوس ہوگا جیسا غروب کے قریب کا وقت ہوتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۵/۲۶ھ۔

عذاب قبر سے استثناء

سوال [۳۴۳]: فقہاء رحمہم اللہ نے ۸/ آدمی ایسے بتلائے ہیں جن سے حساب وعذابِ قبر قیامت تک نہیں ہوتا، کہاں تک درست ہے اور بقیہ چھ حضرات کون سے ایسے ہیں جو مستثنیٰ ہو سکتے ہیں حساب وعذاب سے، جیسا کہ مظاہر حق جلد دوم میں شہداء کے اقسام تحریر ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ردالمحتار: ۱/۸۹۱، میں شہید، مرابط، مطعون، زمانہ طاعون میں صبر کر کے بلا طاعون مرنے والا، صدیق،

= غروبها، فيجلس يمسح عينيه ويقول : دعوني أصلي". (شرح الصدور، باب فتنة القبر وسؤال الملكين، ص : ۱۲۳، دار المعرفة)

"فيقال له : اجلس، فيجلس قد مثلت له الشمس، وقد أخذت الغروب، فيقال له :هذا الرجل الذي كان فيكم ماتقول فيه، وماذا تشهد به عليه؟ فيقول : دعوني حتى أصلي، فيقولون : إنك ستصلي، أخبرنا عما نسألك عنه". (كتاب الروح، المسألة السادسة : هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السؤال أم لا؟ ، ص: ۷۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

"عن أبي سفيان رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال :" إذادخل الميت القبر، مثلت الشمس عند غروبها، فيجلس يمسح عينين، ويقول: دعوني أصلّي" . (سنن ابن ماجه، باب ذكر القبر والبلى، ص: ۳۱۶، قديمى)

(وكذافي التذكرة للقرطبي، باب ماينجي المؤمن من أهوال القبر وفتنة القبر، ص: ۱۷۲، مكتبة أسامة الإسلامية)

اطفال کو بھی انہیں میں شمار کیا ہے جن کا حسابِ قبر نہیں ہوگا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ۳/ ذی قعدہ/ ۶۱ھ۔

رمضان میں میت کو عذاب قبر نہ ہونا

سوال[۳۴۴]: ۱......جس مسلمان کا انتقال رمضان کے اندر ہو جائے خواہ وہ کسی مقصد میں ہو اس کا کیا حکم ہے؟

۲......جن لوگوں کو قبروں میں عذاب ہوتا ہے کیا رمضان میں بند ہو جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ان شاء اللہ اس کے ساتھ سہولت کا معاملہ کیا جائے گا(۲)۔

۲......امید تو یہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۹ھ۔

---

(۱) "ثم ذكر أن من لا يسأل ثمانية: الشهيد، والمرابط، والمطعون، والميت في زمن الطاعون بغيره إذا كان صابراً محتسباً، والصديق، والأطفال، والميت يوم الجمعة أو ليلتها، والقارىء كل ليلة تبارك الملك وبعضهم ضم إليها السجدة، والقارىء في مرض موته: "قل هو الله أحد، اهـ. و أشار الشارح إلى أنه يزاد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام؛ لأنهم أولى من الصديقين". (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب ثمانية لا يسألون في قبورهم: ۱۹۲/۲، سعيد)

(و كذا في كتاب الروح، المسألة العاشرة: الأسباب المنجيةمن عذاب القبر، ص: ۱۰۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

(و كذا في شرح الصدور، باب من لا يسأل في القبر، ص: ۱۴۸، دار المعرفة)

(۲) "ان عذاب القبر حق سواء كان مؤمناً أم كافراً، أم مطيعاً أم فاسقاً، و لكن إذا كان كافراً فعذابه يدوم في القبر إلى يوم القيامة. و يرفع العذاب يوم الجمعة و شهر رمضان بحرمة النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم؛ لأنه ما دام في الأحياء لا يعذبهم الله تعالىٰ بحرمته، فكذلك في القبر يرفع عنهم العذاب يوم =

رمضان اور جمعہ وغیرہ میں عذابِ قبر

سوال[۳۴۵]: جن لوگوں سے سوالِ قبر نہیں جیسے شبِ جمعہ اور رمضان میں مرنے والا تو یہ سوال تا قیامت نہیں یا محض اسی روز؟ اور اس بشارت میں کفار اور مشرکین بھی داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سوالِ منکر ونکیر سب سے ہوتا ہے البتہ یومِ جمعہ اور رمضان المبارک میں عذابِ قبر نہیں ہوتا، نہ مومن کو ہوتا ہے نہ کافر کو:

"فی الأشباه: ویأمن المیت فیه من عذاب القبر، ومن مات فیه أو فی لیلته، أمن من فتنة القبر وعذابه، قال الحموی تحته: أقول: قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، وسوال منکر نکیر، وضغطة القبر حق، سواء کان مؤمناً أو کافراً، مطیعاً أوفاسقاً، لکن إذاکان کافراًفعذابه یدوم إلی یوم القیامة، ویرفع العذاب عنهم یوم الجمعة وشهررمضان بحرمة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؛ لأنهم ماداموافی الأحیاء لایعذبهم الله فی الدنیا بحرمة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فکذلك فی القبر یرفع عنهم العذاب یوم الجمعة وکل رمضان بحرمته، فیعذب اللحم متصلاًبالروح، والروح متصلاً بالجسم، فتتألم الروح مع الجسد وإن کان خارجاً منه۔

ثم المؤمن علی وجهین: إن کان مطیعاً لایکون له عذاب ویکون له ضغطة، فیجد هول ذلك وخوفه، وإن کان عاصیاًیکون له عذاب القبر وضغطة القبر، لکن ینقطع عنه عذاب القبر یوم الجمعة، ولیلة الجمعة ثم لایعودالعذاب إلی یوم القیامة، وإن مات یوم الجمعة أولیلة الجمعة

= الجمعة، وکل رمضان بحرمته". (شرح الملا علی القاری علی الفقه الأکبر، ص: ۱۰۱، بحث عذاب القبر، قدیمی)

"قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبرحق، وسوال منکر و نکیر، و ضغطة القبرحق، لکن إن کان کافراً، فعذابه یدوم إلی یوم القیامة، و یرفع عنه یوم الجمعة و شهر رمضان". (رد المحتار: ۱۶۵/۲، سعید)

يكون له العذاب ساعةً واحدةً، وضغطة القبر، ثم ينقطع عنه العذاب كذا فى المعتقدات للشيخ أبى المعين النسفى اهـ". شرح حموى ص٥٦٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۵۴/۱/۴۔

صحیح: عبد اللطیف، ۸/ محرم الحرام/ ۵۴ھ۔

---

(۱) الأشباہ والنظائر کی عبارت کا اردو ترجمہ:

الاشباہ میں ہے: ''اور مامون رہتا ہے مردہ اس میں (یوم جمعہ میں) عذاب قبر سے اور وہ شخص جس کی اس یوم جمعہ میں وفات ہوئی یا اس کی رات میں قبر کے عذاب وفتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔ حموی نے اس کے تحت فرمایا ہے: میں کہتا ہوں کہ اہل سنت والجماعت نے فرمایا ہے کہ عذاب قبر حق ہے اور منکر نکیر کا سوال اور قبر کا دبوچنا حق ہے، خواہ (میت) مؤمن ہو یا کافر، فرماں بردار ہو یا نافرمان، لیکن اگر کافر ہوتو اس کا عذاب دائمی ہوتا ہے اور یوم جمعہ اور شہر رمضان میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت کی بناء پر عذاب ان سے اٹھالیا جاتا ہے اس لیے کہ جب تک وہ زندہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت کی وجہ سے دنیا میں عذاب نہیں فرمایا۔ پس اسی طرح قبر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت کی بناء پر یوم جمعہ اور رمضان میں ان سے عذاب اٹھالیا جائے گا۔ گوشت کو روح کے ساتھ متصل کر کے اور جسم کو روح کے ساتھ متصل کر کے عذاب دیا جائے گا، تاکہ جسم کے ساتھ روح کو بھی تکلیف ہو اگرچہ روح جسم سے خارج ہوگئی۔

پھر مومن دو قسم کے ہوتے ہیں: اگر وہ فرماں بردار ہے تو اس کو عذاب تو نہ ہوگا، البتہ قبر کا دبوچنا ہوگا وہ اس کا خوف وہول محسوس کرے گا اور اگر وہ نافرمان ہے تو عذاب قبر بھی ہوگا اور قبر کا دبوچنا بھی، لیکن یوم جمعہ اور لیلۂ جمعہ میں عذاب قبر ختم ہوجائے گا پھر قیامت تک عذاب نہیں ہوگا اور اگر وہ یوم جمعہ یا لیلۂ جمعہ میں فوت ہوا تو عذاب اور قبر کا دبوچنا ایک ساعت کے لئے ہوگا، پھر عذاب ختم ہوجائے گا۔ (کذا فی المعتقدات للشیخ ابی المعین النسفی رحمہ اللہ تعالیٰ اھ۔

(الأشباه والنظائر مع شرحه للحموى، الفن الثالث: الجمع والفرق، القول فى أحكام الجمعة: ٣/٢٠٠، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية) .... =

نافرمان پر عذاب برزخ میں ہوتا ہے یا قیامت میں؟

سوال[۳۴۶]: ایمان دار کے فرائض وواجبات چیزوں کو چھوڑنے سے یا پوری طریقے سے عمل نہ کرنے سے ایسے ایماندار کے انتقال کے بعد اس کو عذاب عالم برزخ میں ہوگا یا قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد؟

الجواب حامداً و مصلياً:

سلسلہ برزخ سے ہی شروع ہوجاتا ہے(۱) حساب وکتاب کے بعد بھی ہوتا ہے (۲) اللهم احفظنا منه۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۵/۸۷ھ۔

= "قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، وسوال منكر ونكير وضغطة القبر حق، لكن إن كان كافراً فعذابه يدوم إلى يوم القيامة، ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان، فيعذب اللحم متصلاً بالروح والروح متصلاً بالجسم، فيتألم الروح مع الجسد وإن كان خارجاً عنه. والمؤمن المطيع لايعذب بل له ضغطة يجد هول ذلك وخوفه. والعاصي يعذبه ويضغط، لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها، ثم لايعود، وإن مات يومها أوليلتها، يكون العذاب ساعةً واحدةً وضغطة القبر ثم يقطع، كذافي المعتقدات للشيخ أبي المعين النسفي الحنفي من حاشية الحنفي ملخصاً". (رد المحتار، باب الجمعة، مطلب: ماختص به يوم المجعة: ۲/۱۶۵، سعيد)

(وكذافي شرح الفقه الأكبر للملاعلي القاري، ص: ۱۰۱، قديمي)

(۱) "وأما البرزخ فأول دار الجزاء، فظهر فيها من ذلك ما يليق بتلك الدار، و تقتضي الحكمة إظهاره، فإذا كان يوم القيامة الكبرى و في أهل الطاعة و أهل المعصية ما يستحقونه من نعيم الأبدان والأرواح و عذابهما، فعذاب البرزخ و نعيمه أول عذاب الآخرة و نعيمها، و هو مشتق منه، و واصل إلى أهل البرزخ هناك، كما دل عليه القرآن والسنة الصحيحة الصريحة في غير موضع دلالة صريحة، كقوله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "فيفتح له باب إلى الجنة فيأتيه من رَوحها و نعيمها" و في الفاجر: "فيفتح له باب إلى النار فيأتيه من حرها وسمومها". (كتاب الروح، المسألة السابعة: كون القبر حفرةً من حفر النار أو =

کیا عذاب قبر فاسق کو بھی ہوگا؟

سوال[۳۴۷]: ”وعن حذيفة رضى الله تعالىٰ عنه قال: إنما النفاق كان علىٰ عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم، فأما اليوم فإنما هو الكفر أو الإيمان“۔ (مشکوۃ شریف، ص:۱۸)(۱)۔

روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر میں افرادِ انسانی کی تقسیم تین حصوں میں کی جاسکتی ہے: اگر الوہیت اور رسالتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والا ہو تو مسلمان ہے اور اگر سب کا انکار کرتا ہو، خدا کی صفات میں دوسروں کو شریک کرتا ہو تو وہ کافر ہے اور اگر ظاہراً مذکورہ چیزوں پر ایمان رکھتا ہو، زبانی دعویٰ کرتا ہو لیکن باطنی طور پر ان کا منکر ہو تو وہ منافق ہے۔

= روضةً من رياض الجنة، ص: ۹۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

”عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه و سلم مر بقبرين، قال: ”إنهما ليعذبان، وما يعذبان فى كبير، أما أحدهما فكان لا يستتر من البول، وأما الأخر فكان يمشى بالنميمة“الحديث. (الصحيح للبخاى : ۳۵/۱، باب ما جاء فى غسل البول، قديمى)

”عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أن يهوديةً دخلت عليها فذكرت عذاب القبر، فقالت: أعاذك الله تعالىٰ من عذاب القبر، فسألت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم عن عذاب القبر فقال: ”نعم، عذاب القبر حق“. (مشكوة المصابيح ، ص:۲۵، باب إثبات عذاب القبر، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و أما من خفت موازينه فأمه هاوية، و ما أدرٰك ماهية ، نار حامية﴾. (سورة القارعة ۸، ۹، ۱۰، ۱۱)

”قال صلى الله تعالىٰ عليه و سلم : ”إن المفلس من أمتى من يأتى يوم القيامة بصلوة و صيام و زكوة يأتى قد شتم هذا و قذف هذا، و أكل مال هذا، و سفك دم هذا، و ضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته، وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه أخذ من خطايا هم فطرحت عليه، ثم يطرح فى النار“.(شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۹، لأبى منصور الماتريدى، قطر)

(۱) (مشكوة المصابيح ، كتاب الإيمان ، باب الكبائر و علامات النفاق: ۱۸/۱، قديمى)

"عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم قال: "یأتیہ ملکان فیجلسانہ، فیقولان لہ: من ربک؟ فیقول: ربی اللّٰہ، فیقولان لہ: ما دینک؟ فیقول: دینی الإسلام، فیقولان: ما ھذا الذی بعث فیکم؟ فیقول: ھو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم، فیقولان لہ: ما یدریک؟ فیقول: قرأت کتاب اللّٰہ فآمنت بہ و صدقت، فذلك قولہ: ﴿یثبت اللّٰہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت﴾ الخ (مشکوۃ شریف، ص:۲۷) (۱)۔

روایت سے معلوم ہوا کہ مسلمان بندہ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب ٹھیک ٹھیک دیدے گا لیکن کافر منافق جواب نہیں دے سکیں گے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ مسلمان دو قسم کے ہیں: فاسق و فاجر، متقی و پرہیزگار۔ عذاب قبر کے متعلق جو بھی روایت ہے اس میں مطلق مسلمان کا لفظ ہے اور اس کا جواب ہے، کہیں بھی اس کی توضیح نہیں ہے کہ فاسق مسلمان کا جواب کیا ہوگا؟ اگر فاسق مسلمان کا جواب بھی وہی ہے جو روایت میں مذکور ہے تو اس کا انجام اچھا ہونا چاہئے، قبر وسیع اور جنت کا ایک ٹکڑا ہونا چاہئے، لیکن روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق مسلمان عذاب قبر میں گرفتار ہوتا ہے، خود حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ ان کی موت پر عرشِ باری ہل گیا تھا، ان کے جنازے کی نماز میں ستر ہزار فرشتے شریک تھے، لیکن ان پر قبر تنگ ہوگئی تھی، فراخیٔ قبر کے لئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اصحابِ نبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دعاء واستغفار کی۔ (مشکوۃ شریف، ص:۲۶) (۲)۔

"و فی روایۃ عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم قال: " (یثبت اللّٰہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت)"، نزلت فی عذاب القبر، یقال لہ: من ربك؟ فیقول: ربی اللّٰہ و نبیی محمد ". متفق علیہ". (مشکوۃ شریف، ص: ۲٤) (۳)۔

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۲۵، قدیمی)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم: "ھذا الذی تحرک لہ العرش، و فتحت لہ أبواب السماء، وشھدہ سبعون ألفاً من الملائکۃ، لقد ضُمّ ضمۃً، ثم فرج عنہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب إثبات عذاب القبر، ص:۲۶، قدیمی)

(۳) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب إثبات عذاب القبر، ص:۲۴، قدیمی)

مذکورہ روایت کے ذریعہ معلوم ہوا کہ مسلمان کو قولِ ثابت کے ذریعہ ثابت قدم بھی رکھا جائے گا، یہاں بھی کوئی وضاحت اس کی نہیں کہ صرف متقی کو ثابت قدم رکھا جائے گا یا فاسق و متقی دونوں کو؟ فاسق مسلمان کا جواب جب یہ ہوگا تو انجام اچھا ہونا چاہئے، حاصلِ کلام یہ کہ فاسق مسلمان کا نکیرین کے سوال پر جواب کیا ہوگا؟ اگر "ربی الله، ونبی محمد، و دینی الإسلام" ہوگا تو فاسق کا انجام قبر میں اچھا ہونا چاہئے اور اگر جواب یہ نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں سوال عقیدہ سے متعلق ہوگا۔ لہذا فاسق کو عذابِ قبر میں گرفتار نہیں ہونا چاہئے۔

الجواب حامداً و مصلياً :

"عذاب القبر حق سواء كا مؤمناً أو كافراً، أو مطيعاً أو فاسقاً"۔ (شرح فقه اكبر ، ص:۱۳۳)(۱)۔

مؤمن خواہ مطیع ہو یا فاسق ہو، نکیرین کے سوال کے جواب میں اقرارِ توحید و رسالت و دین کرے گا(۲) پھر جن اعمال پر عذابِ قبر تجویز ہے جیسے نمیمہ اور عدمِ اجتناب عن البول وغیرہ ان کی وجہ سے اس پر عذاب بھی ہوگا(۳) پھر صدقہ جاریہ یا ولدِ صالح کی دعا یا علم نافع کی وجہ سے(۴) یا کسی کی شفاعت(۵)

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري ، ضغطة القبر و عذابه حق، ص: ۱۰۱، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "إذا أقبر الميت، أتاه ملكان أسودان أزرقان، يقال لأحدهما: المنكر، و للآخر: النكير، فيقولان: ما كنت تقول في هذا الرجل؟ فيقول: هو عبد الله و رسوله، أشهد أن لا إله إلا الله و أن محمداً عبده و رسوله، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول هذا". (مشكوة المصابيح ، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر ، ص: ۲۵، قديمي)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم على قبرين فقال: "إنهما ليعذبان، و ما يعذبان من كبير". ثم قال: "أما أحدهما، فكان يسعى بالنميمة، و أما أحدهما فكان لا يستتر من بوله". (صحيح البخاري ، كتاب الجنائز ، باب عذاب القبر من الغيبة والبول: ۱/۱۸۴، قديمي)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له". (رواه مسلم) (مشكوة المصابيح ، كتاب العلم، الفصل الأول ، ص: ۳۲، قديمي)

(۵) "النوع السادس : الشفاعة في تخفيف العذاب عمن يستحقه ، كشفاعته في عمه أبي طالب أن =

وثواب رسانی سے (۱) یا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا عذب کم یا ختم ہوجائے گا (۲) اور کافر پر کفر کی وجہ سے جو عذاب ہوگا وہ دائمی ہوگا:

”و لكن إذاكان كافراً، فعذابه يدوم في القبر إلىٰ يوم القيامة، و إن كان عاصياً، يكون له عذاب القبر و يرتفع عنه العذاب يوم الجمعة الخ“. (شرح فقه اكبر ، ص:۱۲۳) (۳) -

اگر مؤمن مطیع ہے تو اس کو عذاب قبر نہیں ہوگا صرف ضغطہ ہوگا:

”المؤمن مطيعاً لا يكون له عذاب القبر، و يكون له ضغطة، فيجد هول ذلك“- (شرح فقه اكبر ، ص:۱۲۳) (٤)-

یہ فائدہ ہر مسلمان مطیع وفاسق کو ہوگا کہ وہ عذابِ دائمی سے محفوظ ہوجائے گا، پھر مؤمن پر انعامات فوراً ہی شروع ہوجائیں گے اور عاصی کو کچھ دیر لگے گی۔

یہ بات صحیح ہے کہ قبر میں سوال اعمال سے نہیں ہوگا لیکن اعمالِ سیئہ یکسر معدوم نہیں کردیئے جائیں گے بلکہ ان کی سزا روایات میں صراحۃً موجود ہے (۵)، عقیدہ صحیح ہونے کے باوجود معاصی کی وجہ سے مطیع و عاصی

= يخفف عنه عذابه“. (شرح العقيدة الطحاوية، ص:۲۳۳، قديمى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين جآء وا من بعدهم، يقولون ربنا اغفر لنا و لإخواننا الذين سبقونا بالإيمان﴾ (الحشر: ۱۰) فأثنى الله سبحانه عليهم باستغفارهم للمؤمنين قبلهم، فدل على انتفاعهم باستغفار الأحياء“. (كتاب الروح ، المسألة السادسة عشرة: ۱۵۵، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يعذب من يشآء و يغفر لمن يشآء، و الله على كل شيء قدير﴾ (المائدة : ۴۰)

(۳) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري ، ص: ۱۰۱، ۱۰۲، قديمى)

(۴) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۲، قديمى)

(۵) (راجع ،ص: ۶۴۳، رقم الحاشية : ۲)

میں فرق ہوگا۔ کتاب الروح، مرقاۃ (۱)، شرح الصدور (۲) وغیرہ سے یہی تفصیل ظاہر ہوتی ہے اور اس سے روایات میں تعارض بھی نہیں رہتا۔

تنبیہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی ان کے جنازے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شریک نہیں تھے، آپ نے جو واقعہ نقل کیا ہے وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جیسا کہ مشکوۃ شریف، ص:۲۶ میں ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "(عن البراء بن عازب رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: يأتيه ملكان .... ويفسح له فيها مد بصره........... ...... وقيل في التوفيق بين هذا وبين قوله: سبعون ذراعاً في سبعين .... أن يكون بحسب اختلاف أحوال الأشخاص في الأعمال والدرجات". (مرقاة المفاتيح: ۱/ ۳۵۰، ۳۵۲، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۱۳۱، رشيديه)

(۲) " أخرج إبن أبي الدنيا عن محمد اليتمي قال: كان يقال: ضمّة القبر، إنما أصلها أنها أمهم، ومنها خلقوا، فغابوا عنها الغيبة الطويلة، فلمّا ردّ إليها أولا دها ضمتهم ضم الوالدة غاب عنها ولدها، ثم قدم عليها، فمن كان لله مطيعاً ضمّته برأفة ورفق، ومن كان عاصياً ضمّته بعنف، سخطاً منها عليه لربها". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، ص: ۱۱۵، باب ضمة القبر لكل أحدٍ، رقم الحديث؛ ۲۴، دارالمعرفة، بيروت)

(۳) (مشكوة المصابيح، باب إثبات عذاب القبر: ۲۶، قديمي)

ما یتعلق بالجزآء والعقوبة

(سزاوجزا کا بیان)

نفخ صور کتنی مرتبہ ہے؟

سوال[۳۴۸]: ایک سوال کے جواب میں تفسیر ابن کثیر، ص:۶۳ سے آپ نقل فرماتے ہیں کہ ”نفخ صور تین مرتبہ ہوگا“ (انتہی)(۱) حالانکہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ موضح القرآن میں آیت: ﴿فصعق من فی السموات و من فی الأرض﴾ کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ”نفخ صور ایک بار ہے سارے عالم کے فنا کا، دوسرا ہے زندہ ہونے کا، تیسرا ہے بیہوشی کا بعد حشر کے، چوتھا خبردار ہونے کا۔ اس کے بعد اللہ کے سامنے ہوجائیں گے“ (انتہیٰ)(۲) مکرر نظر ثانی فرما کر تصحیح فرمادیجئے، میری سمجھ ناقص میں یہ آتا ہے کہ ”فصعق“ کے معنیٰ بے ہوشی کے لئے ہیں، اگر مرنے کے ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں ”پس بمیرد هر که در آسمانها“۔ فتح الرحمن) تو چار کا عدد پورا نہیں ہوتا، آپ یہ بھی ارشاد فرمادیں کہ تفسیر ابن کثیر میں تین مرتبہ لکھا ہے تو اول کب ہوگا، دوم کب، سوم کب؟ اس کو بھی نقل فرمادیجئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

تفسیر ابن کثیر:۳/۳۷۷ سورہ نمل: ﴿یوم ینفخ فی الصور، ففزع من فی السموات﴾ الاية کے ذیل میں نفخ صور کی آیات کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

”و قوله : (یوم ینفخ فی الصور) فهذه نفخة الفزع، ثم بعد ذلك نفخة الصعق و هو الموت، ثم بعد ذلك نفخة القيام لرب العالمين و هو النشور من القبور بجميع الخلائق اهـ“(۳).

---

(۱) (تفسیر ابن کثیر، (یٰسین: ۵۱) : ۷۵۸/۳، مکتبه دارالفیحاء، بیروت)

(۲) (تفسیر موضح القرآن (الزمر:۶۸): ص: ۷۷۱، تاج کمپنی قرآن منزل لاهور)

(۳) (تفسیر ابن کثیر، (النمل : ۸۷): ۵۰۲/۳، مکتبه دار الفیحاء)

سورہ یٰسین کے ذیل میں ہے: ﴿و نفخ فی الصور﴾ هذه هی نفخة الثالثة و هی نفخة البعث والنشور للقيام من الأجداث والقبور اهـ": ٤/٦٣(١)۔

سورۂ زمر کے ذیل میں ہے:

﴿ونفخ فی الصور﴾ هذه النفخة هی الثانية، و هی نفخة الصعق، و هی اللتی يموت بها الأحياء من أهل السموات والأرض إلا من شاء الله (إلی قوله) يحيیٰ، أول من يحيیٰ إسرافيل، ويأمره أن ينفخ فی الصور أخریٰ، و هی النفخة الثالثة نفخة البعث"(٢)۔ نفخۂ رابعہ کا اس تفسیر میں کہیں بھی ذکر نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تفسیر کبیر: ۴/۱۹۱ میں سورہ زمر " فزع" اور " صعق" کے متعلق دو قول نقل کئے ہیں: ایک قول پر نفخ صور صرف دو مرتبہ ثابت ہوتا ہے، ایک قول پر تین مرتبہ:

" واختلفوا فی الصعقة، منهم من قال: إنها غير الموت بدليل قوله تعالیٰ فی موسیٰ عليه السلام: ﴿وخر موسیٰ صعقاً﴾ مع أنه لم يمت، فهذا هو النفخ الذی يورث الفزع الشديد، وعلی هذا التقدير فالمراد من نفخة الصعقة و من نفخ الفزع واحد، وهو المذكور فی سورة النمل فی قوله: ﴿و يوم ينفخ فی الصور، ففزع من فی السموات و من فی الأرض﴾ و علی هذا القول فنفخ الصور ليس إلا مرتين. والقول الثانی أن الصعقة عبارة عن الموت، والقائلون بهذا القول قالوا: إنهم يموتون من الفزع و شدة الصوت، وعلی هذا التقدير فالنفخة تحصل ثلاث مرات: أولها نفخة الفزع و هی المذكور فی سورة النمل، والثانية نفخة الصعق، والثالثة نفخة القيام، وهما مذكورتان فی هذه السورة اهـ" (٣)۔

سورہ نمل اور سورہ یٰسین میں دو مرتبہ سے زیادہ کا ذکر امام رازی نے بھی نہیں کیا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی

---

(١) (تفسير ابن كثير، (يٰس : ٥١): ٣/٧٥٨، مكتبه دار الفيحاء)

(٢) (تفسير ابن كثير، (الزمر :٦٨) :٤/٨٢، مكتبه دار الفيحاء)

(٣)(التفسير الكبير، (الزمر : ٧٠): ٢٧/١٨، مكتب الإعلام الإسلامی)

رحمہ اللہ تعالیٰ نے تذکرۃ المعاد، ص: ١٠(١) میں ایک قول کی بنا پر دو مرتبہ اور ایک قول کی بنا پر تین مرتبہ نفخ تحریر فرمایا ہے، چوتھی مرتبہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے أشعة اللمعات، ص: ٤/٢٩، میں صرف دو مرتبہ ذکر کیا ہے (٢)، اسی طرح امام غزالی نے احیاء العلوم: ٤/٤٣٥، میں (٣)، شیخ عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر: ٢/١٥١ (٤) اور مختصر تذکرہ قرطبی، ص: ٢٠ (٥) میں دو ہی مرتبہ کا ذکر کیا ہے۔ یہاں موضح القرآن بغیر حاشیہ کے ہے۔ خود موضح القرآن میں بھی چار مرتبہ کا ذکر نہیں (٦)۔ تفسیر ابن جریر ٢٤/١٩، میں حدیثِ مرفوع ہے: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ينفخ في الصور ثلاث نفخات: الأولىٰ: نفخة الفزع، والثانية: نفخة الصعق، والثالثة: نفخة القيام لرب العالمين "اهـ (١٣)۔ اکلیل حاشیہ مدارک ٦/١١٧، میں چار مرتبہ نفخہ صور کے متعلق لکھا ہے: "ولم ينقله الثقات". پانچ مرتبہ کا قول بھی لکھ کر تردید کی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(١) (تذكرة المعاد، باب دوم در احوالِ روز بعث و نشور كه پنجاه هزار ساله باشد تا دخولِ جنت و نار: ١٠، ١١، مطبع نول كشپور)

(٢) (أشعة اللمعات، باب النفخ في الصور: ٤/٣٦١، مكتبه نوريه رضويه سكهر)

(٣) "والراجفة هي النفخة الأولى، والرادفة هي النفخة الثانية". (إحياء العلوم، كتاب ذكر الموت و ما بعده، صفة أرض المحشر و أهله: ٤/٦٠٧، حقانيه پشاور)

(٤) "و ينفخ إسرافيل في الصور مرتين: الأولى: نفخة الصعق، والثانية: نفخة الإحياء، تسمى إحداهما الراجفة، والأخرى الرادفة". (اليواقيت والجواهر، المبحث السادس والستّون في وجوب اعتقاد أن الله تعالىٰ يعيدنا كما بدأنا أول مرة ...... الخ: ٢/١٥١، عباس بن عبد السلام مصر)

(٥) (التذكرة للقرطبي، باب ذكر النفخ الثاني للبعث في الصور، ص: ٢٠٠، ٢٠١، أسامة الإسلامية)

(٦) موضح القرآن کے حاشیہ میں چوتھی مرتبہ نفخ کا ذکر بھی موجود ہے دیکھئے: (تفسير موضح القرآن ص: ٧١٧ (سورة الزمر: ٦٨) تاج كمپنی لاهور)

(٧) (تفسير ابن جرير الطبري، (الزمر: ٦٨): ٢٤/٢٠، دار المعرفة)

کیا چودہویں صدی کے بعد قیامت ہے؟

سوال [۳۴۹]: ۱۳۷۳ھ کی پوری صدی ہونے کے بعد ۱۴۰۰ھ لکھا جائے گا یا نہیں؟ اور پندرہویں صدی بھی تحریر میں آئے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب ۱۳۷۳ھ نہیں بلکہ ۱۳۹۳ھ ہے، جب سات سال میں ۱۴۰۰ھ ہو جائے تو ۱۴۰۰ھ لکھا جائے گا، یہاں تک کہ ۱۵۰۰ھ تک پہونچنے پر ۱۵۰۰ھ لکھا جائے گا، قیامت آنے کی جو علامت بتائی گئی ہیں ان میں سے ابھی باقی ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پندرہویں صدی بھی پوری ہو جائے گی، صحیح علم اللہ کو ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۳ھ۔

زندوں کے رونے سے میت کو اذیت

سوال [۳۵۵]: مرنے والوں کو رونے سے کیا کیا اذیتیں ہوتی ہیں؟

وحید الدین عبد الغنی، شہر فتح پور، ۲۱/ ربیع الأول/ ۶۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حدیث میں یہ ہے کہ اہل میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے نے نوحہ کی وصیت کی ہو یا نوحہ کرنے سے رضامند ہو یا اپنے گھر والوں کا حال معلوم تھا کہ وہ نوحہ

---

(۱) جاننا چاہیئے کہ علاماتِ قیامت کی دو قسمیں ہیں: علاماتِ صغریٰ اور علاماتِ کبریٰ، علامہ قرطبی نے ان علامات کو ذکر کیا ہے:

"قال العلماء رحمهم الله تعالیٰ: والحكمة فى تقديم الأشراط ودلالة الناس عليها تنبيه الناس من رقدتهم وحثهم على الاحتياط لأنفسهم بالتوبة والإنابة، وتلك الأشراط علامة لانتهاء الدنيا وانقضائها، فمنها خروج الدجال ونزول عیسیٰ، وقتله الدجال. ومنها خروج يأجوج ومأجوج ودابة الأرض. ومنها طلوع الشمس من مغربها هذه هى الآيات العظام على ما يأتى بيانه، وأما ما يتقدم من هذه قبض العلم وغلبة الجهل، واستيلاء أهله ...... وكثرة الحرج فإنها أسباب حادثة الخ". (التذكرة فى أحوال الموتى وأمور الآخرة، ص: ۷۰۹ ط: مكتبه أسامه الإسلاميه مصر)

کریں گے اور پھر ان کو منع نہیں کیا وغیرہ۔ غرض اس طرح علماء نے اس کا مطلب بیان کیا ہے، قلب کا غمگین ہونا اور آنکھ سے آنسو جاری ہونا شرعاً ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے (۱) اس سے میت کو بھی عذاب نہیں ہوتا۔

"إن الميت يعذب ببكاء الحي، فاختلف العلماء في ذلك على مذاهب: أحدها أنه على ظاهره مطلقاً، وهو رأى عمر بن الخطاب وابنه رضى الله تعالىٰ عنهما. الثاني: لامطلقا. الثالث: أن الباء للحال: أى أنه يعذب حال بكائهم عليه، والتعذيب بماله من ذنب لابسبب البكاء. الرابع: أنه خاص بالكافر، والقولان عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها. الخامس: أنه خاص بمن كان النوح من سنته وطريقته، وعليه البخارى. السادس: أنه فيمن أوصىٰ به كماقال القائل:

إذا مت فانعيني بما أنا أهله وشقّى علىّ الجيب ياابنة معبد

السابع: أنه فيمن لم يوصِ بتركه، فتكون الوصية بذلك واجبةً إذا علم أن من شأن أهله أن يفعلوا ذلك. الثامن: أن التعذيب بالصفات التي يبكون بها عليه، وهي مذمومة شرعاً كما كان أهل الجاهلية يقولون: يا مرمل النسوان! يا ميتّم الأولاد! يا مخرب الدور. التاسع: أن المراد بالتعذيب توبيخ الملائكة له بما يندبه به أهله لحديث الترمذى والحاكم وابن ماجه مرفوعاً: "مامن ميت يموت فتقوم نادبته تقول: واجبلاه! واسنداه! أو شبه ذٰلك من القول،

---

(۱) "عن جابر بن عبدالله رضى الله تعالىٰ عنهما قال: أخذ النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيد عبدالرحمن بن عوف، فانطلق به إلى ابنه إبراهيم، فوجده يجود بنفسه، فأخذه النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فوضعه فى حجره فبكى، فقال له عبدالرحمن: أتبكى أولم تكن نهيت عن البكاء؟ قال: "لا، ولكن نهيت عن صوتين أحمقين فاجرين، صوت عند مصيبة، وخمش وجوه، وشق جيوب، ورنة الشيطان". (جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ماجاء فى الرخصة فى البكاء على الميت: ۱/۱۹۶، سعيد)

"قال ميرك: ظن سعد أن جميع أنواع البكاء حرام وأنه عليه الصلوة والسلام نسى، فأعلمه عليه الصلاة والسلام أن مجرد البكاء ودمع العين ليس بحرام ولامكروه، بل هو رحمة وفضيلة، وإنما المحرم النوح والندب وشق الجيوب وضرب الخدود." (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت: ۴/۲۰۵، رشيديه)

إلاوُكّل به ملكان يلهزانه أهكذا كنت". العاشر: أن المراد به تألم الميت بما يقع من أهله لحديث الطبراني وابن أبي شيبة عن صفية بنت مخرمة أنها ذكرت عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولداً لها مات، ثم بكت، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيغلب أحدكم أن يصاحب صويحبه في الدنيا معروفاً، فإذا مات استرجع، فوالذي نفس محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيده! إن أحدكم ليبكي فيستعبر إليه صويحبه فيا عباد الله! لاتعذبوا موتاكم". وهذاالقول عليه ابن جرير رحمه الله تعالىٰ واختاره جماعة من الأئمة آخرهم ابن تيمية رحمه الله تعالى الخ". شرح الصدور، ص: ۱۲٤(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح عبداللطیف۔

---

(۱) (شرح الصدور ،باب تأذی المیت با لنیاحة علیه، ص: ۲۹۰/۲۹۱،دار المعرفة)

(وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب الجنائز،فصل: إن الميت لايعذب ببكاء أهله عليه: ۱/۳۰۲،قديمي)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الجنائز ،باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : يعذّب الميت ببعض بكاء أهله عليه إذا كان النوح من سنته: ۱۹۸/۳،قديمي)

عربی عبارات کا ترجمہ: مردہ کو اس کے زندہ (گھر والوں کے) رونے دھونے سے عذاب ہوتا ہے، اس میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے چند مذاہب ہیں: ۱: یہ مطلقاً ظاہر پر مبنی ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی رائے ہے۔۲: مطلقا ظاہر پر مبنی نہیں۔۳: یہ کہ باء حال کے لئے ہے معنی ہوں گے کہ گھر والوں کے رونے کے وقت اس کو عذاب ہوتا ہے تو عذاب گناہ کی وجہ سے ہے نہ کہ بکا کی وجہ سے۔۴: یہ خاص ہے کافر کے ساتھ، یہ دونوں قول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہیں۔۵: یہ اس شخص کے لیے خاص ہے جس کی رونے کی عادت ہو، امام بخاری کا یہی مذہب ہے۔۶: یہ اس شخص کے لیے ہے جس نے رونے کی وصیت کی ہو، شعر: جب میں مرجاؤں میری خوبیوں کی وجہ سے مجھ پر رونا، معبد کی بیٹی میرے لئے گریبان چاک کرنا۔۷: یہ اس آدمی کے لئے ہے جس نے نہ رونے کی وصیت نہ کی ہو، لہٰذا نہ رونے کی وصیت کرنا واجب ہے جبکہ اسے پتہ ہو کہ گھر والے روویں گے۔۸: یہ کہ عذاب ان صفات کو بیان کرنے کی وجہ سے واجب ہے جو شریعت میں مذموم ہوں جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ کہتے تھے: اے عورتوں کو بیوہ کرنے والے، اے بچوں کو یتیم کرنے والے، اے =

معصوم کو سکرات کی تکلیف

سوال [۳۵۱]: بچوں کو جو سکرات کی تکلیف ہوتی ہے کس وجہ سے؟ حالانکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ کس وجہ سے حالانکہ وہ بھی معصوم ہیں؟ عوام میں یہ مشہور ہے کہ جس کو سکرات کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے وہ بہت گنہگار ہوتا ہے اور جس کی روح آسانی سے نکل جاتی ہے اس کے ذمہ گناہ نہیں ہوتے، مگر یہ خیال کلیۃً صحیح نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں پہلے موت کی آسانی پر بہت رشک کیا کرتی تھی، لیکن جب سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شدت تکلیف کو دیکھا پھر رشک نہیں کیا:

"عن عائشة رضی الله تعالىٰ عنها قالت: ما أغبط أحداً بهون موت بعد الذی رأيت من شدة موت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". رواه الترمذی والنسائی اهـ". مشكوة شريف، ص: ۱۳۶ (۱)۔

= گھروں کو ویران کرنے والے۔ ۹: عذاب سے مراد گھر والوں کے رونے کی وجہ سے ملائکہ کا زجر و توبیخ کرنا ہے۔ ترمذی، حاکم اور ابن ماجہ کی مرفوعاً حدیث کی وجہ سے کہ "کوئی آدمی نہیں مرتا کہ اس پر رونے والی کھڑی ہو کر کہتی ہے "واجبلاه واسنداه" یا اس جیسے اور الفاظ، مگر دو فرشتے اس پر مقرر ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں لعنت ملامت کرتے ہوئے کیا تو ایسا ہی تھا جیسے تجھے یہ بیان کر رہی ہے"۔ ۱۰: اس سے مراد گھر والوں کے رونے سے میت کا تکلیف پانا ہے۔

طبرانی اور ابن ابی شیبہ کی صفیہ بنت مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث کی وجہ سے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنے بیٹے کا ذکر کیا جس کا انتقال ہو گیا تھا، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کیا تم میں کوئی اس بات سے عاجز ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ دنیا میں اچھے طریقے سے زندگی گزارے اور جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس پر "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! بے شک تم سے کوئی جب روتا ہے اور اپنے ساتھی (کی موت) پر آنسو بہاتا ہے (تو اس میت کو تکلیف ہوتی ہے) خدا کے بندو! اپنے مُردوں کو تکلیف مت پہنچایا کرو"۔ اس قول کو ابن جریر کے ساتھ ائمہ میں سے ایک بڑی جماعت نے بھی اختیار کیا ہے جن میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض: ۱۳۶/۱، قديمی) =

"عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت: ما رأیت أحداً الوجع علیه أشد من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم"۔ متفق علیه"(۱)۔

"وعنها قالت: مات النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم بین حاقنتي و ذاقنتی، فلا أکره شدة الموت لأحد أبداً بعد النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم". رواه البخاری"۔ (مشکوة شریف، باب عیادة المریض، ص:۱۳٤(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر مسلم کو سکرات کے وقت سے ہی عذاب ہونے کی دلیل

سوال[۳۵۲]: غیر اقوام کو بحالتِ سکرات سے ہی عذاب شروع ہونے کے متعلق حدیث شریف میں دلیل ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث شریف مرفوع میں ہے جس کو مشکوۃ شریف، ص:۱۳۹، پر نقل کیا ہے:"إن الکافر إذا حضر، بُشّر بعذاب اللّٰہ و عقوبته، فلیس شیء أکره إلیه مما أمامه، فکره لقاء اللّٰہ و کره اللّٰہ لقاءه". متفق علیه" (۳) یہ مستقل عذاب ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

= (وجامع الترمذی: ۱/۱۹۲، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی التشدید عند الموت، سعید)

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب الجنائز، باب عیادة المریض و ثواب المرض: ۱/۱۳۴، قدیمی)

(وصحیح البخاری: ۲/۸۴۳، کتاب المرضی، باب شدة المرض، قدیمی)

(وسنن ابن ماجه، ص:۱۱۷، أبواب ما جاء فی الجنائز، باب فی النهی عن کسر عظام المیت، میر محمد)

(۲) (مشکوة المصابیح، کتاب الجنائز، باب عیادة المریض و ثواب المرض: ۱/۱۳۴، قدیمی)

(وسنن نسائی: ۱/۲۵۹، کتاب الجنائز، باب شدة الموت، قدیمی)

(۳) (مشکوة المصابیح، باب تمنی الموت و ذکره: ۱/۱۳۹، قدیمی)

(و صحیح البخاری، باب من أحب لقاء اللہ أحب اللہ لقاءه: ۲/۹۶۳ قدیمی)............... =

فواحش کی وجہ سے عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا؟

سوال[٣٥٣]: آج کل ایسا ہو رہا ہے کہ باپ اپنی بیٹی سے زنا کر رہا ہے اور بھائی اپنی بہن سے زنا کر رہا ہے اور سوتیلا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ زنا کر رہا ہے، ایسی صورت میں خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو سخت سے سخت سزا اس دنیا میں کیوں نہیں دیتا تا کہ دوسرے لوگ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سزا کے لئے اصالۃً دارِ آخرت کو تجویز فرمایا گیا ہے دنیا عمل کے لئے ہے (١)، البتہ عملِ بد کے کچھ اثرات دنیا میں بھی مرتب ہوتے ہیں، کبھی اعمال صالحہ کی برکت سے وہ اثرات کم بھی ہو جاتے ہیں اور جہاں بھی یہ جاری ہے وہاں اس کے اثرات بھی ہیں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی ہے کہ "اس امت پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ ہو جو اس کو ہلاک کر ڈالے اور یہ دعاء قبول ہوئی ہے" (٢)، ہلاک ہونے سے پہلے پہلے توبہ کا بھی موقع ہے (٣) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ باپ اگر بدعمل ہو تو اس کی اس سے کوئی صالح اولاد پیدا ہو جائے جو کہ دین کی خدمت کرے، ہلاک ہونے کے بعد یہ توقع ختم ہو جائے گی، اس کی بھی مہلت دی جاتی ہے۔

= "ان الكافر إذا بشر بعذاب الله و سخطه، كره لقاء الله و كره الله لقاءه". (الصحيح لمسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه الخ: ٣٤٣/٢، قديمى)

(١) "الدنيا مزرعة الآخرة". (اتحاف السادة المتقين: ٥٣٩/٨، بيروت)

(وكشف الخفاء للعجلوني: ٤٩٥/١، دار التراث)

(٢) "عن خباب بن الأرتّ .... قال (رسول الله صلى الله عليه وسلم) ......"و إني سألت الله فيها ثلاثاً، فأعطاني اثنتين و منعني واحدةً: سألته أن لا يهلك أمتي بسنة فأعطانيها، وسألته أن لا يسلط عليهم عدواً من غيرهم فأعطانيها، و سألته أن لا يذيق بعضهم بأس بعض فمنعنيها". رواه الترمذي والنسائي". (مشكوة المصابيح، باب فضائل سيدالمرسلين صلوات الله و سلامه عليه: ٥١٣/٢، قديمى)

(٣) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم: "إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر". رواه الترمذي وابن ماجه".(مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ٢٠٤/١، قديمى)

تنبیہ : بغیر ثبوتِ شرعی کے کسی کو زانی کہنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے، قرآن پاک نے ایسے شخص کی سزا اَسّی ۸۰/کوڑے مقرر کی ہے اور ہمیشہ کے لئے اس کی گواہی کو مردود قرار دیدیا ہے(۱) اس لئے ہرگز ایسی بات نہ کہی جائے، جس طرح زنا کرنا جرم ہے، کسی کو زانی کہنا بھی حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۸ھ۔

مساجد کو شہید کرنے پر سزا فوراً کیوں نہیں دی جاتی ؟

سوال[۳۵۴] : غیر قوم کو اللہ تعالیٰ ولی اللہ کی درگاہوں کو شہید کرنے پر فوراً سزا دیتا ہے، لیکن اس کے گھروں کو یعنی مساجد کو شہید کرنے پر ان لوگوں کو فوراً سزا کیوں نہیں دیتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

قرآن شریف و حدیث شریف سے کہاں ثابت ہے کہ ولی اللہ کی درگاہ کو شہید کرنے پر فوراً سزا دیتا ہے، ۱۹۴۷ء سے اب تک مشرقی پنجاب میں کتنے اولیاء کی درگاہیں شہید کردی گئیں، اور بھی جگہ جگہ ایسا ہوا ہے مگر فوراً سزا نہیں دی گئی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور جہاں فوراً سزا دی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، مساجد کے شہید کرنے پر فوراً سزا نہیں دی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۳۰ھ۔

سب سے پہلے کس کا حساب ہوگا ؟

سوال[۳۵۵] : میدان حشر میں حساب پہلے کس کا ہوگا؟ آیا انسان کا یا جنات کا؟ پھر ان میں سے کون سے انسان کا پہلے حساب ہوگا یا کون سے جنات کا؟ آیا نبیوں میں سے کس نبی کا ہوگا؟ اولیاء یا عالموں یا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والذين يرمون المحصنٰت، ثم لم يأتوا بأربعة شهدآء، فاجلدوهم ثمانين جلدةً، و لا تقبلوا لهم شهادة أبداً، وأولٰئک هم الفاسقون﴾. (النور : ۴)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن ربک فعال لما يريد﴾ (هود : ۱۰۷)

وقال اللہ تعالیٰ : ﴿سنستدرجهم من حيث لا يعلمون، و أملى لهم إن كيدى متين﴾. (سورة الأعراف : ۱۸۲، ۱۸۳)

شہیدوں کا یا مجرموں کا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ کسی کتاب میں دیکھنا یاد نہیں، اس پر نہ مدارِ نجات ہے، نہ کسی مسئلہ فقہیہ عملیہ کا ترتب ہے، اس لئے اس کی تفتیش کی ضرورت نہیں سمجھی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۹۵ھ۔

رمضان میں مرنے والے سے حساب

سوال [۳۵۶] : اگر کوئی شخص رمضان شریف میں مرجائے تو اس سے حساب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو پورا حساب ہوگا بعد رمضان یا بعد رمضان کچھ تخفیف کے ساتھ ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

امید ہے کہ بالکل حساب نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۵ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين اٰمنوا لا تسئلوا عن أشياء إن تبد لكم تسؤكم﴾ (المائدة: ۱۰۱)

"المعنى لا تسئلوا عن أشياء عفا الله عنها و لم يكلف بها". (التفسيرات الأحمديه، ص: ۳۸۰)

"عن المغيرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات، و منعاً وهات و وأد البنات، و كره لكم قيل و قال و كثرة السؤال وإضاعة المال". (صحيح البخاری، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر: ۲/ ۸۸۴، قديمی)

(۲) "عن ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه و سلم : "من وافق موته عند انقضاء رمضان دخل الجنة".

"عن حذيفة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه و سلم : "من قال: لا إله إلا الله ابتغاء وجه الله ختم له بها، دخل الجنة، ومن صام يوماً ابتغاء وجه الله ختم له ربه، دخل الجنة". (شرح الصدور للعلامة السيوطی، ص: ۳۰۶، باب أحسن أوقات للموت، دار المعرفة بيروت)

"قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، و سوال منكر و نكير و ضغطة القبر حق، لكن إن =

حشر میں والد کے نام سے پکارا جائے گا یا والدہ کے؟

سوال[۳۵۷]: کیا قبر یا حشر میں میت کو باپ کے نام سے پکارا جائے گا؟ سنن ابوداؤد شریف میں ایک حدیث ہے جو حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’اپنے نام اچھے رکھو کیونکہ حشر میں اپنے باپ داداؤں کے نام سے پکارے جاؤ گے‘‘ (۱)۔ حدیث وقرآن پاک سے ثبوت دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حشر میں ماں کی طرف منسوب کر کے پکارے جانے کے متعلق کوئی قوی حدیث میری نظر سے نہیں گزری، البتہ بذل المجہود شرح ابوداؤد: ۵/ ۲۶۷، میں نقل کیا ہے:

’’قد جاء فی بعض الروایات أنه یدعی الناس یوم القیامة بأسماء أمهاتهم فقیل: الحکمة فیه ستر حال أولاد الزنا لئلا یفتضحوا، وقیل: ذالك لرعایة حال عیسیٰ بن مریم علیه الصلاة والسلام، وقیل: غیر ذلك، فإن ثبت هذه الروایة حمل الآباء علی تغلیب کما فی الأبوین، أو یحمل أنهم یدعون تارةً بالآباء وأخری بالأمهات، أو البعض بالآباء والبعض بالأمهات‘‘ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/۸۹ھ۔

= کان کافراً فعذابه یدوم إلی یوم القیامة، و یرفع عنه یوم الجمعة و شهر رمضان‘‘. (رد المحتار: ۱۶۵/۲، سعید)

(وکذا فی شرح الملا علی القاري علی الفقه الأکبر، ص: ۱۰۱، بحث عذاب القبر، قدیمی)

(۱) ’’عن أبی الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه، قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ’’إنکم تدعون یوم القیامة بأسمائکم وأسماء آبائکم، فأحسنوا أسماء کم‘‘. (أبوداؤد، أول کتاب الأدب، باب فی تغییر الأسماء: ۳۲۸/۲، حقانیه، ملتان)

(۲) (بذل المجهود، کتاب الأدب، باب فی تغییر الاسماء: ۲۶۷/۵، معهد الخلیل)

’’در بعضے روایات آمدہ کہ روزِ قیامت مردم را بنامِ مادران خوانند، وگفتہ اند کہ حکمت درین آن ست کہ تا اولادِ زنا شرمندہ ورسوانشوند، وبجہتِ رعایتِ حالِ عیسی ابن مریم علیہما السلام پدرندارد‘‘. (اشعة اللمعات، کتاب الآداب، =

کیا سب شاعر دوزخ میں جائیں گے؟

سوال[۳۵۸] : دوران گفتگو ایک صاحب نے کہا کہ اکثر شاعر جو غلط گوئی کرتے ہیں دوزخ میں جائیں گے، اس پر حکیم شکیل صاحب نے برجستہ فرمایا کہ اگر اکثر شاعر دوزخ میں جائیں گے تو حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دوزخ میں جائیں گے کیونکہ وہ بھی شاعر تھے، علمائے دین کی اس میں کیا رائے ہے اور اس شخص پر کفر عائد ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شعر تو کلام موزون ہے، صحیح ہو تو صحیح ہے، غلط ہو تو غلط ہے(۱) محض وزن کی وجہ سے اس پر جنت، دوزخ

= باب الأسامی : ۴/۵۰، مکتبہ نوریہ سکھر)

"وأن الناس يدعون يوم القيامة بأمهاتهم، وأن الحكمة فى الدعاء بهن دون الآباء رعاية حق عيسى عليه الصلاة والسلام، وشرف الحسن والحسين، ولا يفضح أولاد الزنا، وليت شعرى أيهما أبدع أصحة تفسيره أم بهاحكمة انتهى، وهو مروى عن محمد بن كعب". (روح المعانى، (الاسراء: ۷۱): ۱۵/۱۲۱، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(و كذا فى الجامع أحكام القرآن للقرطبى، (الإسراء: ۷۱): ۱۰/۱۹۳، دار الكتب العلمية)

(۱) "عن عائشة رضى الله تعالى عنها قالت: ذكر عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الشعر، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هو كلام فحسنه حسن، وقبيحه قبيح". رواه الدار قطنى". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، قديمى)

"والغرض أنه صلى الله عليه وسلم استحسن شعر أمية واستزاد من إنشاده لما فيه من الإقرار بوحدانية الله تعالى والبعث، وهذا يؤيد قول من قال من أرباب الحال: انظر إلى ما قال، ولا تنظر إلى من قال ....وفيه استحباب إنشاد الشعر المحمود المشتمل على الحكمة". (المرقاة، المصدر المتقدم: ۸/۵۴۰، رشيديه)

"وقال فى تبيين المحارم: و اعلم أن ما كان حراماً من الشعر ما فيه فحش، أو هجو مسلم، أو كذب على الله تعالىٰ، أو رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو على الصحابة أو تزكية النفس أو الكذب، أو التفاخر المذموم، أو القدح فى الأنساب، و كذا ما فيه وصف أمرد أو امرأة بعينها إذا كانا حيين". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل فى اللبس: ۶/۳۵۰، سعيد)

"وفى النوازل: قراءة شعر الأديب إذا كان فيه ذكر الفسق والخمر والغلام يكره والاعتماد فى الغلام على ما ذكرنا فى المرأة كذا فى المحيط. قيل: إن معنى الكراهة فى الشعر أن يشتغل الإنسان =

کا حکم مرتب نہیں ہوتا۔ جو شخص عقائد حقہ کے خلاف بات کہے، دین کا اور اہل دین کا مذاق اڑائے، زمین وآسمان کے قلابے ملائے وہ مجرم ہے(۱) اور شعر بکثرت ایسے ہی ہوتے ہیں۔

جو لوگ دین کی تعلیم اور اخلاق کی ہدایات اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ اور اللہ پاک کی حمد کو اشعار میں پیش کرے وہ مجرم نہیں (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم ایسے ہی تھے)(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آجکل کے شعراء پر قیاس کرنا غلط ہے۔ حکیم شکیل احمد صاحب کے سامنے یہ تفصیل پیش کردی جائے، امید کہ وہ اپنی بات سے رجوع کر کے توبہ واستغفار کریں گے اور فتویٰ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۰ھ۔

کیا کلمہ پڑھ کر مرنے والے کو بداعمالی کی سزا ہے؟

سوال[۳۵۹]: جس آدمی کا خاتمہ ایمان پر ہو یعنی کلمہ پڑھ کر مرگیا ہو، آیا اس کو اس کی بداعمالی کی سزا

= بـه، فيشغله ذلک عن قرأة القرآن والذكر، أما إذا لم يكن كذالک، فلابأس به إذا كان من قصده أن يستعين به على علم التفسير والحديث، كذا في الظهيرية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي والأمر بالمعروف: ۵/۳۵۱، ۳۵۲، رشيديه)

"ولو كان في الشعر حكم أو قصة لا يكره وكذا لو كان فيه ذكر امرأة غير معينة، وكذا لو كانت معينة وهي ميتة، ولو كانت حيةً يكره". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۲۴۶، رشيديه)

(۱) "في شرح مسلم: قالوا: المراد منه أن يكون الشعر غالباً عليه متولياً بحيث يشغله عن القرآن أو غيره من العلوم الشرعية، وذكر الله تعالى، وهو مذموم من أيّ شعر كان ......وقال السيوطي: قيل: خاص بشعر هجي به النبي ﷺ لرواية شعر أهجيت به، قلت: الظاهر الإطلاق وهو يدخل فيه دخولاً أوّلياً، ولعل وجه تخصيصه بالذكر تنبيهاً على أنه أقبح أنواعه، أو شعراً بأن الشعر مذموم؛ لأنه قد يؤدي إلى ذلک ....فإن هذا النوع من الشعر وما يلحق به من هجو مسلم أو افتراء مذموم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الأول: ۸/۵۴۶، مكتبه حقانية پشاور)

(۲) "والغرض أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم استحسن شعر أمية، واستزاد من إنشاده، لما فيه من الإقرار بوحدانية الله تعالىٰ والبعث، وهذ يؤيد قول من قال من أرباب الحال: أنظر إلى ماقال ولا تنظر إلى من قال .... وفيه استحباب إنشاد الشعر المحصور المشتمل على الحكمة". (المرقاة المصدر المتقدم)

ملے گی؟ یا بلا سزا اور بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہو جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

بد اعمالی کی سزا کا وہ بھی مستحق ہے، حق تعالیٰ فضل فرمادے تو بے حساب جنت میں داخل کردے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۴ھ۔

نافرمانوں کا حشر

سوال[۳۶۰]: جولوگ شریعت پر مطلقاً عمل نہیں کرتے ان کا کیا حشر ہوگا؟ بخشش ہوگی یا نہیں جب کہ روز بروز اس کی نافرمانی کرنے سے اس کا قلب سیاہ ہوتا جاتا ہے تو ایمان کیا باقی رہتا ہوگا؟ نیز جو لوگ علی الاعلان کبائر میں مبتلا ہوں اور دین کی باتوں کا مذاق بھی اڑاتے ہوں تو ان کا کیا حال ہوگا اور کبائر میں کھلے عام مبتلا ہوں مگر ان کو اس پر ندامت بھی ہو تو انکا کیا حال ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

سخت سزا کے مستحق ہونے کے باوجود حق تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرمادے تو کوئی مانع نہیں: ﴿یغفر لمن یشآء ویعذب من یشآء﴾ (۲) اور جس کو ندامت ہو جائے جو کہ توبہ کی اصل ہے تو یہ بھی سبب

---

(۱) "و یجوز العقاب علی الصغیرة سواء اجتنب مرتکبها الکبیرة أم لا لدخولها تحت قوله تعالیٰ: ﴿ویغفر ما دون ذلک لم یشآء﴾ ...... والعفو عن الکبیرة الخ". (شرح العقائد النسفی، ص: ۸۶، ۸۷، المطبع الیوسفی)

(وکذا فی شرح الفقه الأکبر لملا علی القاری، ص: ۱۲۸، قدیمی)

"(وعذابه): أی إیلامه (حق کائن للکفار کلهم أجمعین، و لبعض المسلمین): أی عصاة المسلمین ...... الخ" (شرح فقه الأکبر ص: ۱۰۱، قدیمی)

قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله لا یغفر أن یشرک به، و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء﴾ (سورة النساء: ۴۸، ۱۱۶)

(۲) (المائدة : ۱۸)

و قال تعالیٰ: ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادک، وإن تغفر لهم فإنک أنت العزیز الحکیم﴾ (المائدة: ۱۱۸)

مغفرت ہے(۱)﴿إنی لغفارٌ لمن تاب﴾ (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گناہ سے توبہ کافی ہے، تو سزا کیوں دی جاتی ہے؟

سوال[۳۶۱]: کیا توبہ کرنے سے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اگر بخش دیئے جاتے ہیں تو زمانہ سابقہ میں یعنی صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں کو سزائیں کیوں دی جاتی تھیں، کیا وہ لوگ توبہ نہیں کر سکتے تھے اور اگر توبہ کر سکتے تھے اور بہت سے لوگوں نے توبہ کیں بھی تو ان کو رجم کیوں کرتے تھے؟ ''تبلیغ دین'' مترجم مولانا عاشق الٰہی صاحب نے لکھا ہے کہ جو شخص گناہ کرے اور اس کی شہرت بھی کرتا رہے تو حدیث میں آیا ہے کہ یہ گناہ کبھی معاف نہ ہوگا، ایسے گناہ کسی صورت سے بھی معاف ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

توبہ جب اپنی شرط کے مطابق ہوگی تو قبول ہوگی اور گناہ بخش دیئے جائیں گے(۳) جن گناہوں پر

---

(۱) "وفی شرح السنة: روی عنه موقوفاً، قال: "الندم توبة، والتائب من الذنب كمن لا ذنب له".
(مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۲۰۶/۱، قديمی)

(۲)(طه: ۸۲)

البتہ دین کی باتوں کا مذاق اڑانے کے متعلق فقہاء کرام نے کفر کی صراحت کی ہے، لہٰذا اگر اس طرح مذاق اڑا کر بغیر توبہ واستغفار کے فوت ہوا تو بخشش بظاہر محل کلام ہے:

"والاستهزاء بشئی من الشرائع كفر، (قوله: كفر) أشار إلى فائدة تقييده فی الهداية بأن لايترک الختان إستخفافاً بالدين". (ردالمحتار علی الدر المختار: كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۴۷۴/۵، سعيد)

"ثم كون التوبة سبباً لغفران جميع الذنوب وعدم المواخذة بها مما لاخلاف فيه بين الأئمة، وليس شئ يكون سبباً لغفران جميع الذنوب إلا التوبة، كما قال الله تعالیٰ: ﴿قل يا عبادی الذين اسرفوا علی أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً" هذا مختص بمن تاب من الكفر، فإن الله لايغفر أن يشرک به﴾. (شرح الفقه الأكبر، بحث التوبة، ص: ۱۵۷، قديمی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن يعمل سوءً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾. (النساء: ۱۱۰) =

دنیوی سزا (حد) اور اخروی عذاب ہر دو کا شریعت نے ترتب بتایا ہے، محض توبہ کرنے سے دنیوی سزا (حد) مرتفع نہیں ہوتی ہے۔ کذا فی فتح القدیر (۱)۔

تبلیغ دین میں یہ حدیث شریف کا مضمون ہے۔ گناہ کی شہرت ایک مستقل گناہ ہے اور بڑا گناہ ہے اس سے بھی توبہ ضروری ہے (۲) جب اس سے بھی سچی توبہ کرے گا تو انشاء اللہ معافی ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

ریاکار کی سزا

سوال [۳۶۲]: عبادات میں ریاکاری کو جو شرک اصغر حدیثوں میں فرمایا ہے تو کیا اس شرک اصغر کا

= "توضيحه أن ماذكره الإمام الغزالي من أن التوبة إذا استجمعت شرائطها فهي مقبولة لا محالة". (شرح فقه الاكبر، ص: ۱٦۰، بحث التوبة، قديمي)

(۱) "فأخبر أن جزاء فعلهم عقوبة دنيوية وعقوبة أخروية، إلا من تاب فإنها حينئذ تسقط عنه العقوبة الأخروية. وبالإجماع للإجماع على أن التوبة لاتسقط الحد في الدنيا." (فتح القدير، كتاب الحدود: ۲۱۱/۵، مصطفى البابي الحلبي)

"وأجمعوا أنها لا تسقط الحد في الدنيا". (الدرالمختار، كتاب الحدود: ۴/۴، سعيد)

قال الله تعالى: ﴿ذلك لهم خزي في الدنيا، ولهم في الأخرة عذاب عظيم﴾". (المائده: ۲۴)

"فقد جمع الله تعالى بين عذاب الدنيا والأخرة عليهم، وأسقط عذاب الأخرة بالتوبة، فإن الاستثناء عائد إليه للإجماع على أن التوبة لاتسقط الحد في الدنيا". (البحر الرائق، كتاب الحدود: ۴/۵، رشيديه)

(۲) "چوتھا سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو اس کے صغیرہ ہونے کی بنا پر لوگوں میں ظاہر اور شائع کرتا پھرتا ہے، حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تمام گنہگار بخش دیئے جائیں گے مگر گناہوں کا اعلان وافشاء کرنے والے لوگ نہ بخشے جائیں گے۔" (تبلیغ دین، پہلی اصل توبہ کا بیان، ص: ۲۰۲، مکتبہ تھانوی)

مرتکب بھی مخلد فی النار ہوگا، یا چندمدت جہنم میں رہ کر خلاصی ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اصالۃً تو عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے لیکن کسی قدر اس میں ریا کی آمیزش بھی ہوجاتی ہے تو اس سے خلود فی النار نہیں ہوگا (۱)؟ مگر عبادات کی نگرانی بے حد ضروری ہے کہ ریا سے بالکل پاک صاف ہوں اور اس کے لئے استغفار و دعاء بھی لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قاتل ومقتول ہر دو کے لئے جہنم کی وعید کب ہے؟

سوال [۳۶۳]: اگر کوئی شخص ناحق کسی کو دباوے حتی کہ اس کو جان سے مارنے کے لئے تیار ہوجائے تو مقتول جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟ مقتول کن حالات میں جہنمی ہوگا؟ اور قاتل کن حالات میں؟ اور کہاں صبر جائز ہوگا اور کہاں سختی؟

---

(۱) ریا گناہ ہے اور گناہ کی وجہ سے خلود فی النار کا عذاب ہونا اہل سنت والجماعۃ کا مسلک نہیں ہے، البتہ جس عمل میں ریاکاری کی امیزش کی ہو تو اس پر ثواب نہیں ملے گا۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿و يغفر ما دون ذلك لمن يشآء﴾. (سورة النساء: ۴۸، ۱۱۶)

"و لا نقول: إن المؤمن المذنب يخلد فيها و إن كان فاسقاً: أى بارتكاب الكبائر جميعها بعد أن يخرج من الدنيا مؤمناً". (شرح الملا على القارى على الفقه الأكبر، ص: ۷۷، قديمى)

"والرياء إذا وقع فى عمل من الأعمال، فإنه يبطل أجره" قال اللہ تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تبطلوا صدقاتكم بالمن والأذى كالذى ينفق ماله رئاء الناس﴾ (البقرة: ۲۶۴) و قال عليه السلام: "لا يقبل اللہ تعالیٰ عملاً فيه مقدار ذرة من الرياء". (شرح الفقه الأكبر لأبى منصور الماتريدى، ص: ۱۴۳، مبحث حكم الريا)

(وكذا فى شرح الملا على القارى على الفقه الأكبر، ص: ۷۸، قديمى)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و من يعمل سوءً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر اللہ، يجد اللہ غفوراً رحيماً﴾ (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿أفلا يتوبون إلى اللہ و يستغفرونه واللہ غفور رحيم﴾. (سورة المائدة: ۷۴)

الجواب حامداًومصلیاً:

حمیتِ جاہلیت کی وجہ سے جب دو شخص قتال کریں اور ہر ایک دوسرے کو قتل کرنے کا عزم رکھتا ہو تو قاتل ومقتول دونوں کے لئے جہنم کی وعید ہے (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ١٥/١٠/٩٥ھ۔

مرتکب قتل عمد کی مغفرت وخودکشی

سوال [٣٦٤]: ١.....قتل عمد کے مرتکب کی مغفرت ممکن ہے کہ نہیں، اگر ہے تو بعد العذاب یا قبل العذاب؟ کوئی ایسی شکل ہے کہ عذاب سے کلیۃً بری ہوجائے، اولیائے مقتول کی معافی سے یا مقتول کے ایصال ثواب وغیرہ کرنے سے؟ جو شکل ہو تحریر فرماویں۔

٢.....خودکشی کے متعلق کیا حکم ہے، اس میں بھی کوئی شکل ہے کہ عذاب سے بچ جائے، جرم کے بعد توبہ کرنے سے امید مغفرت ہے مگر یہاں تو اس کا موقع ہی نہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

١.....ہر مرتکب کبیرہ کی مغفرت ممکن ہے اگر شرائط متحقق ہوں (٢)، یا تو قتل عمد کا قصاص دے ورنہ اولیاء سے صلح کرے، معافی چاہے (٣) مقتول کو ایصال ثواب کرے جس قدر بھی ممکن ہو، مقتول کے ساتھ

---

(١) "عن أبی بکرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إذا التقی المسلمان بسیفیهما فالقاتل والمقتول فی النار" قلت: هذا القاتل فما بال المقتول؟ قال: "إنه کان حریصاً علی قتل صاحبه". (متفق علیه). (مشکوة المصابیح: باب قتل أهل الردة والسعاة بالفساد: ص، ٣٠٧، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب المعاصی من أمر الجاهلیة ولا یکفر صاحبها اهـ: ١/٩، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الفتن وأشراط الساعة: ٢/٣٨٩، قدیمی)

(٢) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله لایغفر أن یشرک به، ویغفر مادون ذلک لمن یشاء﴾. (النساء: ٤٨، ١١٦)

"وتوضیحه ما ذکره الإمام الغزالی من أن التوبة إذا استجمعت شرائطها، فهی مقبوله لامحالة". (شرح الفقه الأکبر، بحث التوبة، ص: ١٦٠، قدیمی)

(٣) "وموجب ذلک المأثم والقود، إلا أن یعفو الأولیاء أو یصالحوا، ولا کفارة فیه عندنا". (الفتاویٰ =

خیر خواہی کرے اور اس کو نفع پہنچائے، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب حق کو راضی کر کے اس قاتل کی سزا کو بالکل ہی معاف فرمادیں (۱)، ورنہ تخفیف تو ضرور ہی ہو جائے گی اور پھر بقیہ سزا کے بعد چھٹکارا ہو جائے گا۔ غرض یہ کہ اگر ایمان پر خاتمہ ہوا ہے تو اس کے لئے کسی کبیرہ کی وجہ سے عذاب دائمی نہ ہوگا بلکہ انجام کار دخول جنت میسر ہوگا۔ حنفیہ کا مذہب یہی ہے (۲)۔

۲.....خودکشی حرام اور کبیرہ گناہ ہے (۳)، اللہ پاک قادر ہے کہ بغیر توبہ بھی معاف فرمادے (۴) اگر چہ قانون یہی ہے کہ بغیر توبہ کے کبائر کی معافی نہیں ہوتی (۵) اگر اس کے حسنات غالب ہوں نیز باقیات صالحات چھوڑ گیا ہو تب بھی عذاب سے بچ جانے کی توقع ہے (٦) ورنہ ایمان پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے انجام کار

= العالمكيرية، كتاب الجنايات: ٦/ ٢، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الجنايات: ٦/ ٥٢٩، سعيد)

(١) قال ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "والذى عليه الجمهور من سلف الأمة –رحمهم الله تعالىٰ اجمعين– وخلفها أن القاتل له توبة فيمابينه وبين الله تعالىٰ عزوجل، فإن تاب وأناب، وخشع وخضع، وعمل عملاً صالحاً، بدّل الله (تبارك وتعالىٰ) سيئاته حسنات، وعوض المقتول من ظلامته، وأرضاه عن ظلامته".

(تفسير ابن كثير، (النساء: ٩٣): ١/ ٧١٤، مكتبة دارالفيحاء)

(٢) "وأهل الكبائر من المؤمنين لايخلدون فى النار وإن ماتوا من غير توبة". (شرح العقائد، ص: ٨٨، المطبع اليوسفى)

(و كذا فى النبراس ص: ٢٤١، امداديه ملتان)

(٣) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تردى من جبل فقتل نفسه، فهو فى نار جهنم يتردى فيها خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن تحسى سماً فقتل نفسه، فسمه فى يده يتحساه فى نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن قتل نفسه بحديدة، فحديدته فى يده يتوجأبها فى بطنه فى نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً". متفق عليه." (مشكوة المصابيح، كتاب القصاص، الفصل الأول، ص: ٢٩٩، قديمى)

(٤) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لايغفر أن يشرك به، ويغفر مادون ذلك لمن يشاء﴾. (النساء: ٤٨، ١١٦)

(٥) "وقسم يغفر بالتوبة وبدونها تحت المشية وهو الكبائر من حق الله تعالى". (مرقاة المفاتيح، باب الكبائر وعلامات النفاق: ١/ ٢١٨، رشيديه)

(٦) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذامات =

رہائی یقینی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف ۱۹/ صفر ۵۸ھ

خودکشی

سوال[۳۶۵]: اگر کوئی خودکشی کو حرام سمجھتے ہوئے خودکشی کر ڈالے تو اس کو کیسا گناہ ہوگا؟ اور عنداللہ اس کی بخشش کی امید ہے؟ عبدالرحمٰن پیش امام محلہ بیوپاریان قصبہ رمل ضلع متھرا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خودکشی حرام ہے(۲) لیکن جب کوئی اس کو حرام سمجھ کر کرتا ہے اور عقاب کا خوف بھی اس کو ہے تو انشاء اللہ مغفرت کی امید ہے ﴿و یغفرو ما دون ذلك لمن یشآء﴾ الایة(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/صفر/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/صفر/۵۳ھ۔

خودکشی کا گناہ

سوال[۳۶۶]: خودکشی کرنے والے کا کیا حکم ہے اور آخرت میں اس کا کیا عذاب ہے؟

= الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله.“(مشكوة المصابيح ،كتاب العلم،الفصل الأول، ص: ۳۲ قديمى)

(۱)(راجع ،ص: ۶۶۶، رقم الحاشية ۱)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”مرتکب قتل عمد مغفرت اور خودکشی“)

(۳) (النساء: ۴۸، ۱۱۶)

”و ما كان من السيئات دون الشرك والكفر و لم يتب عنها صاحبها حتى مات مؤمناً، فإنه في مشيئة الله تعالىٰ، إن شاء عذبه بالنار، و إن شاء عفا عنه، و لم يعذبه بالنار أصلاً“.(الفقه الأكبر ، ص: ۶، قديمى)

”و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء، من الصغائر و الكبائر مع التوبة أو بدونها خلافاً للمعتزلة“.(شرح العقائد النسفية للتفتازانى ، ص: ۸۵، المطبع اليوسفى الفرنگى محلى)

(و كذا فى النبراس ، ص: ۲۳۳، امداديه ملتان)

الجواب حامداً و مصلياً :

خودکشی کبیرہ گناہ ہے، سخت عذاب کا موجب ہے(۱) مگر جس کا خاتمہ ایمان پر ہو اس کے لئے کبھی نہ کبھی نجات کی صورت ہو ہی جائے گی (۲) جس آلہ سے خودکشی کی ہے وہی آلہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اپنے کو مارتا ہوا اٹھایا جائے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۷ھ۔

خودکشی کی سزا

سوال[۳۶۷]: اگر کوئی شخص کسی بناء پر خودکشی کرلے (نعوذ باللہ) تو اس کو کفار کی طرح دائمی عذاب ہوگا یا کبھی نجات کی امید کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

اگر خاتمہ ایمان پر ہوا تو نجات کی امید ہے، دائمی عذاب کفار کے لئے ہے (۴)۔ فقط۔

---

(۱) "عن أبي هريرة – رضي الله تعالىٰ عنه– قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم : "من تردى من جبل فقتل نفسه، فهو في نار جهنم يتردى فيها خالداً مخلداً فيها أبداً ، و من تحسى سماً فقتل نفسه، فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً ، و من قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً". متفق عليه". (مشكوة المصابيح ، كتاب القصاص، الفصل الأول: ۲۹۹/۲، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان ، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه الخ : ۷۲/۱ ، قديمي)

(وجامع الترمذى ، أبواب الطب ، باب من قتل نفسه بسم أو غيره : ۲۴/۲، سعيد كراچى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و يغفر ما دون ذلك لمن يشآء﴾. الآية (سورة النساء: ۴۸، ۱۱۶)

(و أيضاً أنظر المسئلة الآتية تحت عنوان : "خودکشی کی سزا")

(۳)(راجع رقم الحاشية : ۱)

(۴) "وأهل الكبائر من المؤمنين لا يخلدون في النار وإن ماتوا من غير توبة لقوله تعالىٰ : ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾. (شرح العقائد النسفية للتفتازاني ، ص: ۸۸ ، المطبع ليوسفي)............ =

زہر ملی ہوئی تاڑی پینے سے کیا خودکشی کا گناہ ہوگا؟

سوال[۳۶۸]: زید کو کوئی نشہ پینے کی عادت ہے مثلاً تاڑی، ایک مرتبہ کسی نے اس تاڑی میں زہر ملا کر دیدیا، جس کو پی کر زید کا انتقال ہوگیا۔ تو اب خودکشی کا گناہ کس پر ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عادی معصیت کے باوجود صورت مسئولہ میں زید خودکشی کا گنہگار نہیں، لعدم قصوره وعدم علمه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۹ھ۔

شیطان کی مہلت اور حشر

سوال[۳۶۹]: کیا شیطان کو قیامت آنے تک مہلت دی گئی ہے؟ قیامت کے روز اس کا کیا حشر ہوگا؟ کیا وہ توبہ کرنے کے بعد بخشا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شیطان نے بہت چالاکی سے دعاء کی تھی: ﴿أنظرني إلى يوم يبعثون﴾ (۲) جس روز مردے قبر سے اٹھیں گے اس روز تک کے لئے مجھے مہلت دے دو (تاکہ موت سے بچا رہوں)، وہاں سے جواب میں فرمایا گیا:

= (وكذا في النبراس، ص: ۲۴۱، امداديه ملتان)

"و لا نقول: إنه يخلّد فيها، وإن كان فاسقاً بعد أن يخرج من الدنيا مؤمناً". (الفقه الأكبر، ص: ۶، قديمي)

"و أهل الكبائر من أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه و سلم في النار لا يخلدون إذا ماتوا و هم موحدون وإن لم يكونوا تائبين، بعد أن لقوا الله عارفين مؤمنين". (العقيدة الطحاوية، ص: ۱۱، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتزروازرة وزر اُخرى﴾. (سورة الزمر: ۷، پ: ۲۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿من عمل صالحات فلنفسه ومن أساء فعليها﴾. (حم السجدة: ۴۶، پ: ۲۴)

وقال الله تعالىٰ: ﴿لايكلف الله نفسا إلاوسعها﴾. (سورة البقرة: ۲۸۶، پ: ۳)

(۲) (سورة صٓ: ۷۹)

﴿إنك من المنظرين إلى يوم الوقت المعلوم﴾ (۱) جس دن نفخ صور ہوگا جس سے سب مرجائیں گے اس روز تک مہلت دیدی گئی (نفخ صور کے دن سب کی موت کے ساتھ تجھے بھی موت آئے گی، موت سے چھٹکارا نہ ملے گا) اس کو توبہ کی توفیق نہیں ہوگی، وہ لعنت کے ساتھ رہے گا (۲)، جہنم میں جائے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

اہل کتاب ضالین ومضلین دونوں مستحق عذاب ہیں

سوال [۳۷۰]: ۱......علمائے اہل کتاب یعنی یہود ونصاری وغیرہ جو قرآن پر ایمان نہیں لائے اور عوام کو بھی گمراہ کیا، اسی پر ان کا خاتمہ بھی ہوا، یہ تمام لوگ جہنمی ہیں یا صرف علماء ہی جہنم میں جائیں گے، عوام پر گناہ نہیں؟

۲......فرقہ شیعہ وقادیانی وغیرہ کے علماء نے جو لوگوں کو گمراہ کیا اس کا عذاب بھی صرف ان کے علماء پر ہی ہوگا یا عوام بھی شامل ہوں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲......جو گمراہ ہوئے ہیں ان کو بھی عذاب ہوگا اور جنہوں نے گمراہ کیا ہے ان کو بھی عذاب ہوگا، جن لوگوں کو گمراہ کیا گیا ہے وہ جب عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے تو بہت کچھ معذرت کریں گے کہ ہمیں دوسرے گمراہوں نے گمراہ کیا ہے، لیکن کوئی شنوائی نہ ہوگی، نیز گمراہ کرنے والوں کو ملامت کریں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا ہے، اگر تم گمراہ نہ کرتے تو ہم ایمان لے آتے، وہ جواب دیں گے ہم نے تم پر جبر نہیں کیا تھا تم اپنے اختیار سے کافر ہوئے، تب پھر وہ دعاء کریں گے کہ اے اللہ! انہیں دوہرا عذاب دے، انہوں نے ہمیں گمراہ کیا ہے۔ یہ سب قرآن شریف میں ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذیقعدہ/۵۶ھ۔

---

(۱) (سورة صٓ: ۸۰، ۸۱)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و إن عليك لعنتي إلى يوم الدين﴾ (سورة ص، رقم الاية: ۷۸)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لأملئن جهنم منك و ممن تبعك منهم أجمعين﴾ (سورة: ص، رقم الاية: ۸۵)

(۴) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يوم تقلب وجوههم في النار يقولون: يليتنا أطعنا الله و أطعنا الرسولا، وقالوا: ربنا إنا =

کافر غریب مصیبت زدہ کا انجام

سوال[۳۷۱]: دنیا میں غریب غیر مسلم بہت ہیں، یہاں پر بھی تکلیف میں ہیں اور عاقبت میں بھی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جہنم ہے اور غیر مسلم بعضے خوش حال اور مال دار ہیں، دنیا میں آرام سے ہیں اگر چہ عقبیٰ میں ایمان نہ ہونے سے جہنم ہے، اس کا کیا مطلب ہے غریب کو کہیں آرام نہیں ملا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں وہ غریب غیر مسلم بہت قابلِ حسرت ہے جو یہاں بھی غربت کی مصیبت میں ہے اور مرنے کے بعد بھی اپنے کفر کی وجہ سے جہنم میں رہے گا، لیکن یہاں ایمان قبول کرنا اور اعمال صالحہ کرنا اس کے لئے ممنوع نہیں ہے (۱) بلکہ ہدایت کا دروازہ اس کے لئے بھی کھلا ہوا ہے وہ اس دروازہ میں نہ آئے تو کسی کا کیا قصور

= أطعنا سادتنا و كبرآءنا فأضلونا السبيلا، ربنا آتهم ضعفين من العذاب والعنهم لعناً كبيراً﴾. (الأحزاب: ٦٦، ٦٨)

قال الله تعالىٰ: ﴿و لو ترى إذ الظالمون موقوفون عند ربهم يرجع بعضهم إلى بعض القول، يقول الذين استُضعِفوا للذين استكبروا: لو لا أنتم لكنا مؤمنين، قال الذين استكبروا للذين استضعفوا: أنحن صددناكم عن الهدى بعد إذ جاء كم، بل كنتم مجرمين، وقال الذين استضعفوا للذين استكبروا: بل مكر الليل والنهار إذ تأمروننا أن نكفر بالله ونجعل له أنداداً، وأسروا الندامة لما رأوا العذاب﴾. (سورة سبا: ٣١ – ٣٣)

وقال الله تعالىٰ: ﴿كلما دخلت أمة لعنت أختها حتى إذا ادّاركوا فيها جميعاً، قالت أخراٰهم لأولهم: ربنا هؤ لا أضلّونا فاٰتهم عذاباً ضعفاً من النار، قال: لكل ضعف ولكن لاتعلمون، وقالت أولهم لأخراٰهم: فما كان لكم علينا من فضل، فذقوا العذاب بما كنتم تكسبون﴾. الآية (الأعراف: ٣٨، ٣٩).

(١) "خلق الله تعالىٰ الخلق سليماً من الكفر والإيمان، ثم خاطبهم وأمر هم ونهاهم، فكفر من كفر بفعله وإنكاره وجحوده الحق بخذلان الله تعالىٰ إياه، وآمن من آمن بفعله وإقراره وتصديقه بتوفيق الله تعالىٰ إياه ونصرته له". (الفقه الأكبر، ص: ٥، قديمی)

ہے؟﴿أنلزمكموها وأنتم لها كارهون﴾ الآية (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

ولادتِ شریفہ سے خوش ہوکر باندی آزاد کرنے پر بھی کیا عذاب جہنم ہوگا؟

سوال[۳۷۲]: پیارے نبی کی پیدائش کے موقعہ پر آپ کے چچا ابولہب نے ایک لونڈی کو آزاد کیا تھا جس سے خداوند کریم بہت خوش ہوئے تو پھر جہنم کیوں ملی؟ اور ہر سال پیارے نبی کی ولادت کے دن و تاریخ کو اس کے عذاب میں کمی کردی جاتی ہے، کہاں تک سچ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

لونڈی کا آزاد کرنا کتب تواریخ میں موجود ہے (۲) اور عذاب میں کسی قدر تخفیف ایک خواب میں مروی ہے (۳)، ابولہب کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس کا جہنم میں جانا قرآن میں مذکور ہے:﴿سيصلى ناراً ذات لهب﴾ (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۵/۶۴ھ۔

---

(۱) (سورة هود: ۲۸)

(۲) "و فيه أن أبا لهب قال للعباس : إنه ليخفف عليّ في مثل يوم الإثنين، قالوا: لأنه لما بشّرته ثويبة بميلاد ابن أخيه محمد بن عبد الله أعتقها من ساعته ، فجوزي بذلك لذلک". (البداية والنهاية، حواضنه و مراضعه عليه الصلاة والسلام : ۱/۲۷۳، دار الفكر بيروت)

(۳) "قال عروة: و ثويبة مولاةٌ لأبي لهب، كان أبو لهب أعتقها ، فأرضعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، فلما مات أبو لهب أريه بعض أهل بشرّحيبة ، قال له: فماذا لقيت ؟ قال أبو لهب: لم ألق بعد كم غير أني سقيت في هذه بعتاقتي ثويبة". (صحيح البخاري ، كتاب النكاح، باب و أمها تكم اللآتي أرضعنكم اهـ" : ۲/۷۶۴، قديمی)

(۴) (سورة اللهب : ۳)

قیامت میں جانوروں سے حساب

سوال[۳۷۳]: اگر ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ والی بکری کو مارا ہوگا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو سینگ دے کر بدلہ دلوائیں گے۔ مقررین وواعظین اسے بیان کرتے ہیں تو کیا یہ مخلوق بھی حساب کی مکلّف ہوگی اور عذاب، ثواب کی مستحق ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صحیح ہے، ترمذی شریف میں بھی ہے(۱)، اس بدلہ کے متعلق حاشیہ میں لکھا ہے: "قالوا: هذا قصاص مقابلة لا قصاص تكليف، يؤخذ من الأطفال والمجانين والحيوانات كلها، كذافي الطيبي واللمعات "(۲)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۸/ ۱۳۹۵ھ۔

معذبین کی تعداد زیادہ کیوں ہے؟

سوال[۳۷۴]: بعض غیر قوم کے بعض افراد نے قانونِ خداوندی پر اعتراض کیا ہے کہ ابتدائی دنیا سے انتہائی دنیا تک جتنے لوگوں کو خداوند تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور پیدا کرے گا، اس کے متعلق قرآن وحدیث کی

---

(۱) "عن أبي هريرة –رضي الله تعالىٰ عنه– أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لتُؤدن الحقوق إلى أهلها حتى تقاد الشاة الجلحاء من الشاة القرناء." (جامع الترمذی، أبواب صفة القيامة، باب ماجاء في شأن الحساب والقصاص: ۲/ ۶۷، سعيد)

(والصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم: ۲/ ۳۲۰، قديمی)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول، ص: ۴۳۵، قديمی)

(۲) (الهامش على جامع الترمذی، أبواب صفة القيامة، باب ماجاء في شان الحساب والقصاص ص: ۲/ ۶۷، سعيد)

" وأما القصاص من القرناء للجلحاء، فليس هو من قصاص التكليف، إذلا تكليف عليها، بل هو قصاص مقابلة". (شرح النووی علی صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم ۲/ ۳۲۰، قديمی)

(و كذا في المرقاة، كتاب الآداب، باب الظلم: ۸/ ۸۵۲، رشيديه)

روشنی میں غیر اقوام کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے اور وہ تمام جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، آیا ہم لوگ خدا کے بندے نہیں کہ وہ جو شرک ہم نے کیا ہے وہ ستر ماں کی محبت رکھنے والا کیوں معاف نہیں کرتا اور چند مدت کے لئے سزا دے کر اس کے بعد جنت میں داخل کیوں نہیں کرتا؟ کیا اللہ کے یہاں یہ انصاف نہیں ہے؟ جس طرح مسلمان گناہ گاروں کو چند دن کے لئے دوزخ میں ڈالے گا، اس کے بعد جنت میں بھیج دے گا۔

یوں دیکھا جائے تو تمام مسلمانوں کی تعداد جو ابتدائی دنیا سے ہے اور انتہائی دنیا تک ہے، بہت قلیل ہے بنسبتِ غیر اقوام کے، کیا اللہ کو اپنے بندوں کو سزا دینا اور ان کو ہمیشہ تکلیف دینے سے مسرت حاصل ہوتی ہے، یہ کیوں اور اس کی وجہ کیا ہے؟ براہ راست جنت میں جانے والوں کی تعداد تو بہت قلیل ہوگی، اس کی وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ستر ماں کی محبت رکھنے والا ہے، ان سے محبت کے باوجود کم تعداد میں پیغمبروں کے ذریعہ اسلام کی ہدایت کیوں دی؟ وہ حقیقت میں ستر ماں کی محبت رکھنے والا ہوتا تو پیغمبروں کی نصائح کو جو ابتدائی دنیا سے لے کر انتہائی دنیا تک کے بندوں کے دلوں میں اتار کر اور شیطان کی طاقت کو روک کر تمام بندوں کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرماتا اور ان تمام لوگوں کو جنت کا مستحق بنا دیتا، ایسا نہیں کیا ہے، کیا خداوند تعالیٰ ستر ماں کی محبت نہیں رکھتا ہے، ہم لوگ غیر قوم کو اس سوال کا جواب کیسے دیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

غیر قوم کے لوگ جو اعتراض کرتے ہیں تو اس کے جواب کی ذمہ داری آپ نہ لیں جب تک آپ کے پاس قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ، عقائد کا علم با قاعدہ حاصل نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ڈاکٹری نہیں پڑھی اور وہ دوسرے مریض کو بتانے کے لئے دوا کی تحقیق کرے کہ فلاں مرض میں فلاں مریض کو کیا دوا دی جائے، دنیا میں مریض بے انتہا اور مرض بھی بے انتہا، ہر مرض کی دوا ہر مریض کے لئے ڈاکٹروں سے دریافت کرتا پھرے گا تو پریشان ہو جائے گا، پھر بغیر سمجھے مریضوں کو دوا بتائے گا، تو ہو سکتا ہے کہ اصل مرض کو بغیر سمجھے ہی دوا بتادے جس سے مریض کو نقصان پہونچ جائے اس کے لئے تو با قاعدہ ڈاکٹری کا پڑھنا اور علاج سیکھنا ضروری ہے۔

اصولی طور پر آپ خود اس بات کو سمجھ لیں کہ ایک شخص وہ ہے جو ایک حکومت کو تسلیم کرتا ہے، رعیت بن کر رہتا ہے، بغاوت نہیں کرتا ہے، کبھی کسی جرم کا بھی ارتکاب کرتا ہے حکومت اس کو سمجھاتی ہے، کبھی سزا بھی دیتی

ہے پھر چھوڑ دیتی ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو حکومت کو تسلیم نہیں کرتا ہے، رعایا نہیں بنتا ہے، حکومت کی بغاوت کرتا ہے، حکومت کو ختم کر کے اپنا قانون چلانا چاہتا ہے، ایسے شخص کو حکومت معاف نہیں کرتی بلکہ قتل کرا دیتی ہے، یا ہمیشہ کے لئے محبوس رکھتی ہے، اس پر رحم کر کے معاف کر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اسی مثال سے مسلم اور غیر مسلم کا فرق سمجھ لیا جائے کہ مسلم تو ایمان رکھتا ہے (حکومت کو تسلیم کرتا ہے) غیر مسلم ایمان نہیں رکھتا (حکومت کو تسلیم نہیں کرتا ہے) یہ آپ کے سمجھنے کے لئے ہے غیر قوموں کو آپ خود جواب نہ دیں بلکہ کہہ دیں کہ علماء سے دریافت کرو۔

اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کا راستہ دنیا میں بتلا دیا(۱)، اب انسان خود اپنے اختیار سے صحیح راستہ کو اختیار کرے غلط راستہ سے بچے، جیسے سورج کے ذریعہ سب جگہ روشنی پھیل گئی اب آدمی آنکھ کھول کر اس کی روشنی سے نفع اٹھائے، آنکھ بند کر کے نقصان اٹھائے گا تو خود ذمہ دار ہوگا، سورج کے ذمہ نہیں کہ زبردستی آنکھ کھلوائے، پھول اور کانٹے دونوں ہی موجود ہیں جس کا دل چاہے پھول حاصل کرنے کی کوشش کرے اور جس کا دل چاہے کانٹوں میں پھنسے، نفع دینے والی عمدہ غذا بھی دنیا میں موجود ہے نقصان دینے والا زہر بھی موجود ہے، انسان اپنے اختیار سے نفع دینے والی عمدہ غذا کو حاصل کرتا ہے زہر سے بچتا ہے، اسی طرح اعمال کا حال ہے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا ہے (۲)۔ اگر کوئی اندھا آدمی نامحرم کو نہ دیکھے تو کیا کمال ہے، آنکھ والا آدمی اگر اپنی نظر کو غلط جگہ سے بچائے تو قابل تعریف ہے، اسی طرح جنت اور دوزخ کے اعمال کو سمجھ لیجئے، یہ بھی آپ کو سمجھانے کے لئے ہے غیر قوموں کو جواب دینے کے لئے نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۳۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ألم نجعل له عينين ولساناً وشفتين، وهديناه النجدين﴾ (سورة البلد: ۸،۷)

(۲) "و إذا عرفت ذلک فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً، لا كسباً و لا خلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۲، دار النفائس بيروت)

(و كذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۲، قديمي)

سزا جزاء کا مقام

سوال[٣٧٥]: روزِ جزاء میں جب سزا وجزا دی جائے گی کس مقام پر ہوگی؟ مثلاً خانہ کعبہ ومدینہ وشام وغیرہ کہاں ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جزاو سزا تو جنت، دوزخ میں ہوگی اور حشر کا میدان ارض شام میں ہے، هکذا فی تفسیر ابن کثیر، سورۃالحشر: ٤/٢٣٢ (١) و مختصر تذکرۃالقرطبی ، ص: ٤٣ (٢)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢٤/٦/٦١ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ٢٤/٦/٦١ھ۔

جس بچہ کا عقیقہ نہیں ہوا کیا وہ شفاعت کرے گا؟

سوال[٣٧٦]: بغیر عقیقہ کے شیر خوار بچہ انتقال کر جائے تو قیامت کے روز ماں باپ کی شفاعت کرے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو والدین کو اس کی شفاعت حاصل کرنے کے لئے کوئی صورت ہے یا نہیں؟

---

(١) " عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: من شک فی أن أرض المحشر ههنا: یعنی الشام، فلیقرأ هذه الایة : ﴿هو الذی أخرج الذین کفروا من أهل الکتاب من دیارهم لأول الحشر﴾" قال لهم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "أخرُجوا" 'قالوا: إلی أین ؟ قال: " إلی أرض المحشر ". (تفسیر ابن کثیر ،(الحشر ٢): ٤/٤٢٥، مکتبه دار الفیحاء)

(٢) "وکان أول حشرٍ حشروا فی الدنیا إلی الشام ، قال: ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما : من شک أن الحشر فی الشام فلیقرأ هذه الآیة ، و ذلک أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال لهم : "أخرُجوا " قالوا : إلی أین ؟ قال: "إلی أرض المحشر". (التذکرة للقرطبی ، باب الحشر، و معناه: الجمع ، ص: ٢٢٥، أسامة الاسلامیة)

(وکذا فی روح المعانی ،(الحشر : ٢): ٢٨/ ٤٠، دار إحیاء التراث العربی)

الجواب حامداً و مصلیاً :

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ بچہ شفاعت نہیں کرے گا، کذا فی فیض الباری: ۴/۳۳۷،(۱) لیکن حنفیہ کے نزدیک عقیقہ واجب نہیں کہ اس کے ترک پر شفاعت سے محروم ہو(۲)، شفاعت سقط (ناتمام بچہ جس کا اسقاط ہوجائے) بھی کرے گا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ثم عند الترمذی حدیث: أن الغلام مرتهن بعقیقته، و أجود شروحه ما ذکره أحمد، حاصله أن الغلام إذا لم یعق عنه، فمات، لم یشفع لوالدیه". (فیض الباری، کتاب العقیقة: ۴/۳۳۷، خضر راه بکڈپو دیوبند)

(۲) "و قد ذکر فی غرر الأفکار أن العقیقة مباحة علی ما فی جامع المحبوبی، أو تطوع علی ما فی شرح الطحاوی". (رد المحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲٦، سعید)

"العقیقة عن غلام و عن جاریة ...... مباحة، لا سنة و لا واجبة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، باب فی تسمیة الأولاد ...... والعقیقة: ۵/۳٦۲، رشیدیه)

(۳) "عن علی رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن السقط لیراغم ربه إذا أدخل أبویه النار، فیقال: أیها السقط المراغم ربه! أدخل أبویک الجنة، فیجرّهما بسرره حتی یدخلهما الجنة". (سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی من أصیب بسقط، ص: ۱۱٦، میر محمد)

ما یتعلق بالجنة و نعیمها

(جنت اوراس کی نعمتوں کا بیان)

جنت پیدا ہوچکی یانہیں؟

سوال[۲۷۷] : ایسے شخص کے متعلق جس کا خیال یہ ہے کہ جنت پیدا نہیں کی گئی ہے، یوم آخرت میں پیدا کی جائے گی، پھر معراج کا واقعہ، پھر آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا جنت کے اندر آنا یہ کیسے صحیح ہوگا؟ اور وہ یہ کہتا ہے کہ جنت کے معنی باغ کے ہیں اور واقعہ معراج اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا آنا باغ میں ہوا، لہٰذا ایسے شخص کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس شخص کا یہ خیال صحیح نہیں، اس کو اپنے اس خیال کی اصلاح لازم ہے، اس لئے کہ یہ خیال اکثر معتزلہ کا ہے جو کہ جمہورِ اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک غلط ہے، شرح عقائد نسفی، ص:۸۰ میں ہے:

"والجنة حق والنار حق، و هما مخلوقتان موجودتان، و زعم أكثر المعتزلة أنهما إنما تخلقان يوم الجزاء اهـ". (۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/۳۰/۹۰ھ۔

---

(۱) (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۰، ۸۱ المطبع اليوسفي)

"جمهور المسلمين على أن الجنة و النار مخلوقتان الآن، خلافاً لأبي هاشم و القاضي عبد الجبار و من يجري مجراهما من المعتزلة حيث زعموا أنهما يخلقان يوم الجزاء". (شرح المقاصد، المقصد السادس في السمعيات ، فصل في المعاد : ۳۵۸/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

"أما قوله : إن الجنة و النار مخلوقتان ، فاتفق أهل السنة على أن الجنة و النار مخلوقتان موجودتان الآن، و لم يزل أهل السنة على ذلك، حتى نبغت نابغة من المعتزلة و القدرية ، فأنكرت ذلك وقالت: بل ينشئهما الله يوم القيامة" (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز : ص: ۴۲۰، قديمي) =

جنت، دوزخ اور حوض کوثر کہاں ہیں؟

سوال[۳۷۸]: جنت دوزخ حوض کوثر آسمان پر ہوں گے یا زمین پر ہوں گے؟ جب کہ جنت، دوزخ اب بھی موجود ہیں اور ساتھ ہی ساتھ جنت اور دوزخ میں اب بھی انسان ہیں، جیسا کہ مظاہر حق اور تفسیر موضح القرآن میں ہے، تو پھر جنت دوزخ کہاں ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جنت کے متعلق وارد ہے: ﴿و عرضها كعرض السماء والأرض﴾ (۱) اور دوسرے مقام پر ہے: ﴿عرضها السموات والأرض﴾ الاية (۲) پھر اس کے آسمان پر یا زمین پر ہونے کا سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے، کوثر کا جنت میں ہونا احادیث میں بصراحت موجود ہے (۳) جہنم کا قعر فی الحال ساتویں زمین کے

= " (والجنة والنار مخلوقتان اليوم): أى موجودتان الآن قبل يوم القيامة، لقوله تعالىٰ فى نعت الجنة: ﴿أعدت للمتقين﴾ و فى وصف النار: ﴿أعدت للكافرين﴾ وللحديث القدسى: (أعددتُ لعبادي الصالحين ما لا عين رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر)" و لحديث الإسراء: "أدخلت الجنة، و أريت النار" و هذه الصيغة موضوعة للمضي حقيقةً، فلا وجه للعدول عنها إلى المجاز إلا بصريح آية أو صحيح دلالة، و في المسألة خلاف للمعتزلة". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۹۸، قديمى)

(۱) (الحديد: ۲۱)

(۲) (آل عمران: ۱۳۳)

(۳) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بينا أنا أسير فى الجنة إذا أنا بنهر حافتاه قباب الدر المجوف، قلت: ما هذا يا جبرئيل؟ قال: هذا الكوثر الذى أعطاك ربك، فإذا طينه مسك إذفر". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۸۷، باب الحوض، قديمى)

"عن أنس رضى الله عنه قال: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ما الكوثر؟ قال: "ذاك نهر أعطانيه الله": يعنى فى الجنة أشد بياضاً من اللبن و أحلى من العسل اهـ". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۹۸، باب صفة الجنة و أهلها، قديمى)

نیچے ہے(١) کذا فی مجموعۃ الفتاویٰ:٢/٣٩٣(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢٤/٦/٦١ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ٢٤/٦/٦١ھ۔

کیا جنت اور دوزخ بھی فنا ہوں گی؟

سوال[٣٧٩]: آیت: ﴿کل شیء هالك إلا وجهه﴾ (٣) سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ اور حاملانِ عرش فرشتے بھی فنا ہوں گے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کے فنا ہونے کی کیا صورت ہوگی اور کتنے عرصہ تک ان پر عدم طاری رہے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اشکال صرف آیت سے ہے تو تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھئے، ان شاء اللہ تعالیٰ رفع ہوجائے گا، اس میں لکھا ہے: "(کل شیء) کل عمل لغیر وجه الله (هالك) مردود (إلا وجهه) إلا ما ابتغی به جهة، و کل ملك زائل إلا ملکه (له الحکم) القضاء بین خلقه (وإلیه ترجعون) بعد الموت فیجازیکم بأعمالکم اهـ" (٤)۔

اس تفسیر کو حافظ ابن کثیر نے بھی مجاہد اور ثوری سے نقل کیا ہے (٥) اگر اشکال کسی اور شیء سے مثلاً لفظ

---

(١) "ثم الأصح أنه فی السماء و یدل علیه قوله: ﴿عند سدرة المنتهیٰ عندها جنة المأویٰ﴾............ و أما النار فقیل: تحت الأرضین السبع". (شرح الملا علی القاری علی الفقه الأکبر، ص: ٩٨، قدیمی)

"والصحیح أنه علی السماء السابعة، و أما النار فالمشهور فی الشرع أنها تحت الأرضین".

(النبراس، ص: ٣٤٠، مبحث مقام الجنة والنار)

(٢) (مجموعة الفتاویٰ: ١/١٠٥، باب الجنة، سوال: ٣ سعید)

(٣) (القصص: ٨٨)

(٤) (تفسیر ابن عباس، (القصص: ٨٨)، ص: ٣٣١، انتشارات استقلال تهران)

(٥) "قال مجاهد والثوری فی قوله تعالیٰ: ﴿کل شیء هالک إلا وجهه﴾: أی إلا ما أرید به وجهه".

(تفسیر ابن کثیر، (سورة القصص: ٨٨): ٣/٥٣٥، مکتبه دار الفیحاء)

کے معنی لغوی یا اصطلاحی یا کسی تفسیر کی عبارت سے پیدا ہوا ہے تو اس کے معلوم ہونے پر جواب دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

حجر اسود جنت کا پتھر ہے

سوال[۳۸۰]: کیا حجر اسود جنت کا پتھر ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جی ہاں، حجر اسود جنت کا پتھر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

جنت میں دخولِ اوّلی کے لئے عمل

سوال[۳۸۱]: اگر کوئی شخص جنت میں دخول اولین کا مشتاق ہو تو کیا (اس کے لئے) کوئی عمل بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

احکام شرع کی پابندی کرے(۲) کلمہ طیبہ کا ورد رکھے(۳) دخول اوّلی کی دعاء کرتا رہے(۴) جن اعمال پر دخول نار کی وعید ہے ان سے پورا پرہیز کرے، جن اعمال پر دخول جنت کی بشارت ہے ان کا اہتمام کرتا رہے(۵) ان شاء اللہ تعالیٰ دخول اوّلی کا مستحق ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "نزل الحجر الأسود من الجنة و هو أشدّ بیاضاً من اللبن، فسوّدته خطایا بنی أدم". رواه أحمد والترمذی". (مشکوة المصابیح، کتاب المناسک، باب دخول مکة والطواف، الفصل الثانی، ص: ۲۲۷، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الحج، باب ما جاء فی فضل الحجر الأسود والرکن والمقام: ۱/ ۱۷۷، سعید)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: أتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم النعمان بن قوقل فقال: یا =

....

= رسول الله ! أرأيت إذا صليت المكتوبة، و حرمت الحرام و أحللت الحلال أ أدخل الجنة؟ فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "نعم". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب السؤال عن أركان الإسلام : ١/٣٢، قديمی كتب خانه)

قال النووی رحمه الله تعالیٰ: "قوله حرمت الحرام أنه أراد به أمرين: أن يعتقد حراماً و أن لا يفعله بخلاف تحليل الحلال، فإنه يكفی فيه مجرد اعتقاده حلالاً". (شرح النووی على الصحيح لمسلم ؛ المصدر السابق)

(٣) "عن عثمان رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "من مات و هو يعلم أنه لا إله إلا الله دخل الجنة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة: ١/٤١، قديمی)

"قال النووی رحمه الله تعالیٰ فی شرح الحديث المذكور : واعلم أن من مذهب أهل السنة و ما عليه أهل الحق من السلف والخلف أن من مات موحداً دخل الجنة قطعاً على كل حال، فإن كان سالماً من المعاصی كالصغير، والمجنون الذی اتصل جنونه بالبلوغ ، والتائب توبةً صحيحةً من الشرک أو غيره من المعاصی إذا لم يحدث معصيةً بعد توبة، والموفق الذی لم يبتل بمعصية أصلاً، فكل هذا الصنف يدخلون الجنة و لا يدخلون النار أصلاً .... وأمّامن كانت له معصية كبيرة و مات من غير توبة فهو فی مشية الله، فإن شاء عفا عنه و أدخله الجنة أولا وجعله كالقسم الأول، و إن شاء عذّبه بالقدر الذی يريده سبحانه ثم يدخله الجنة، فلا يخلد فی النار أحد مات على التوحيد و لو عمل من المعاصی ما عمل كما أنه لا يدخل الجنة أحد مات على الكفر و لو عمل من أعمال البر ما عمل .... و كذلک ما ورد فی حديث عبادة من مثل هذه، ودخوله من أیّ أبواب الجنة شاء يكون ذلک خصوصاً لمن قال ما ذكره رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و قرن بالشهادتين حقيقة الإيمان والتوحيد الذی ورد فی حديثه، فيكون له من الأجر ما يرجح على سّيئاته، و يوجب له المغفرة والرحمة، ودخول الجنة لأول وهلة إن شاء الله". (شرح النووی على الصحيح لمسلم : ١/٤١، ٤٢، قديمی)

(٤) "عن أبی هريرة -رضی الله تعالیٰ عنه- قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "ليس شیء أكرم على الله من الدعاء". (مشكوة المصابيح ، كتاب الدعوات ، ص: ١٩٤ ، الفصل الأول ، قديمی)

"عن سلمان رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "إن ربكم حيّی كريم ،=

دخول جنت اعمال صالحہ سے ہوگا یا فضل خداوندی سے؟ ایک مکالمہ

سوال[۳۸۲]: زیداور بکر دوطالب علم آپس میں بحث کرتے ہیں، ان میں کس کی دلیل قوی ہے؟

زید: اعمال صالحہ سے جنت ہرگز نہیں ملتی، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے، ورنہ نہیں (سننے والے کہتے ہیں کہ بس تو نیکی، بدی کا کوئی اعتبار نہیں)۔

بکر: اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم عام ہے، فضل تو کافر مشرک پر بھی کرسکتا ہے، مگر قرآن پاک میں تو صالحین وشہداء کرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافر ومشرک کو جہنمی فرمایا ہے، دیکھو آیت شریفہ سورہ توبہ رکوع:۹: ﴿وعد الله المؤمنين والمؤمنات جنّٰت تجري من تحتها الأنهار خٰلدين فيها، ومساكن طيبةً في جنّٰت عدن﴾ (۱)۔

دوسرے سورہ بیّنہ: ﴿إنّ الذين كفروا من أهل الكتاب والمشركين في نار جهنم خٰلدين فيهـا، أولٰئك هـم شر البرية. إن الذين اٰمنوا وعملوا الصالحات ، أولٰئك هم خير البرية. جزائهم عند ربهم جنّٰت عدن تجري من تحتها الأنهار خٰلدين فيها أبداً، رضي الله عنهم ورضوا عنه، ذٰلك لمن خشي ربه﴾(۲) پھر تیسرے: "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال:

= يستحيي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفراً". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، ص:۱۹۵، قديمي)

(۵) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "الجنة أقرب إلى أحدكم من شراك نعليه ، والنار مثل ذلك". (مشكوة المصابيح ، كتاب الدعوات ، باب الإستغفار والتوبة ، الفصل الأول ، ص:۲۰۷، قديمي)

قال على القاري رحمه الله تعالىٰ : "هذا لأن سبب دخول الجنة والنار مع الشخص وهو العمل الصالح والسّيء، و هو أقرب إليه من شراك نعله ، إذ هو مجاور له والعمل صفة قائمة به". (مرقاة المفاتيح :۵/۲۰۲، رشيديه)

(۱) (التوبة : ۷۲)

(۲) (البينة : ۶،۷،۸)

لا إله إلا الله محمد رسول الله، دخل الجنة"(١)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفس دخول جنت تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوگا (٢) (فضل کے مستحق باعتبار قانون خداوندی وہ لوگ ہیں جو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کریں اور معاصی سے مجتنب رہیں (٣) اور قانون سے بالاتر یہ امر بھی ہے کہ وہ بغیر اعمال صالحہ کے بھی جس مومن پر چاہیں اپنا لطف وفضل فرمادیں، نصوص واحادیث اس پر بھی شاہد ہیں (٤) اور قدرت اس امر کی بھی ہے کہ اگر چاہیں تو بے ایمان کو بھی بخش دیں، مگر چونکہ اس کے نہ بخشنے کا وعدہ فرماچکے ہیں اور وعدہ خلافی کرنے کی باری تعالیٰ کی عادت نہیں، اس لئے وہ ایسا کریں گے نہیں) (٥)۔ پھر جنت میں فرقِ درجات اعمال صالحہ کی حیثیت سے ہوگا، الکوکب الدری میں احادیث و

---

(١) (تاریخ أصبهان لأبی نعیم: ٢١٦/١، أروبا)

(٢) "عن أبی هریرة –رضی الله تعالیٰ عنه– عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: "لن ینجی أحداً منکم عمله" قال رجل: ولا إیاک یارسول الله؟ قال: "ولا إیای، إلا أن یتغمدنی الله منه برحمة، ولکن سدّدوا". (الصحیح لمسلم، کتاب صفة المنافقین وأحکامهم، باب لن یدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالیٰ: ٣٧٦/٢، قدیمی)

(٣) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات، کانت لهم جنات الفردوس نزلاً﴾. (الکهف: ١٠٧)

(٤) قال الله تعالیٰ: ﴿یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء﴾. (المائدة: ١٨)

وقال الله تعالیٰ: ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادک، وإن تغفر لهم فإنک أنت العزیز الحکیم﴾. (المائدة: ١١٨)

"عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "یخرج من النار من قال: لا إله إلا الله وفی قلبه وزن شعیر من خیر، ویخرج من النار من قال: لا إله إلا الله وفی قلبه وزن برة من خیر، ویخرج من النار من قال: لا إله إلا الله وفی قلبه وزن ذرة من خیر." (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب زیادة الإیمان ونقصانه: ١١/١، قدیمی)

(٥) " وهی أنه هل یجوز الخلف فی الوعید؟ فظاهر مافی المواقف والمقاصد أن الأشاعرة قائلون بجوازه؛ لأنه لایعد نقصاً بل جوداً وکرماً. و صرح التفتازانی وغیره بأن المحققین علی عدم جوازه، =

نصوص کی تائید سے اس کو ثابت کیا ہے(۱) لہذا نیکی بدی کو بیکار کہنا بھی جہالت ہے: ﴿فمن یعمل مثقال ذرّة خیراً یره، ومن یعمل مثقال ذرّة شراً یره﴾ (۲) اور محض اپنے اعمال صالحہ پر مغرور ہو کر فضلِ خداوندی سے مستغنی و بے نیاز ہونا بھی حماقت ہے: "إلا أن یتغمدنی الله بغفرانه" الحدیث (۳)۔ یہ دونوں طالب علم اگر سامنے موجود ہوں تو دلائل سے بسہولت سمجھایا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/شوال/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

حور جنت کی خاص صفت

سوال [۳۸۳]: جنت میں حور عین وغیرہ اوران کا حسن و جمال ولطافت بے انتہا ہوگی حتی کہ ان کی

= وصرح النسفی بأنه الصحیح لاستحالته علیه تعالیٰ، لقوله: ﴿و قد قدمت إلیکم بالوعید، ما یبدل القول لدیّ﴾. (سورة ق :۲۸، ۲۹). ﴿ولن یخلف الله وعده﴾. (سورة الحج: ۴۷) :أی وعیده، والأشبه ترجح جواز الخلف فی الوعید فی حق المسلمین خاصةً دون الکفار". (رد المحتار ،باب صفة الصلاة ،مطلب فی الدعاء المحرم: ۵۲۲/۱ ،سعید)

(۱) "قوله: (فإن منزلتک عند آخر آیة تقرأها): ولما کانت درجات الجنان کأعداد آیات القرآن کان القاری لتمام کلام الله السبحان راقیاً علی أقاصی الدرجات، وفضل الدرجات فیها بینها فی کل درجة کتفاوت مافی سائر الدرجات فیما بینها، فلا یتوهم تساوی القاری بالأنبیاء علیهم السلام وغیرهم الخ". (الکوکب الدری، أبواب فضائل القرآن ،باب من قرأ حرفاً من القرآن : ۳۰/۴،ادارة القرآن والعلوم الإسلامیه، کراچی)

(۲)(الزلزال: ۷،۸)

(۳)" قال:" ولا أنا، إلا أن یتغمدنی الله بمغفرة ورحمة". (صحیح البخاری، کتاب الرقاق ،باب القصد و المداومة علی العمل: ۹۵۷/۲ ،قدیمی)

(والصحیح لمسلم ،کتاب التوبة ،باب لن یدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالی : ۳۷۶/۲ ،قدیمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۶۴/۲ ،رقم الحدیث: ۷۵۳۳، دارإحیاء التراث العربی)

پنڈلیوں کا گودا ہڈی اور گوشت تک نظر آنا مرقوم ہے تو کیا اعضائے مخصوصہ بھی نظر آئیں گے یا مستور ہونگے؟ یہ کیسی لطافت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جس کی حور ہوگی وہ اگر چاہے گا کہ اس کا فلاں عضو بھی نظر آجائے تو اس کا وہ عضو بھی نظر آجائے گا، جیسے اپنی بیوی کے جس عضو کو دیکھنا چاہے تو اس کے لئے ممانعت نہیں: ﴿و فیها ما تشتهیه الأنفس و تلذ الأعین﴾ (۱) بے حیائی کا وہاں کوئی کام نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۵ھ۔

کیا جنت کی حوریں فنا ہوں گی؟

سوال [۳۸۴]: قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ''ہر شیء فنا ہو جائے گی سوائے باری تعالیٰ کے''، تو یہ بتلایئے کہ فرشتے کے اوپر فنا طاری ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ وہ بھی کل کے اندر داخل ہو رہے ہیں، جنت میں جو حوریں ہوں گی ان کا جسم ہوگا یا نہیں؟ اگر جسم ہوگا تو فنا ہوں گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

فرشتے بھی فنا ہو جائیں گے (۲) جنت میں حوروں کو وہاں کی شان کے لائق جسم ہوگا انسان کو بھی

---

(۱) (الزخرف : ۷۱)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ کل شیء هالک إلا وجهه ﴾ الآیة (سورة القصص: ۸۸)

"یخبر تعالیٰ أن جمیع أهل الأرض سیذهبون و یموتون أجمعون ، و کذلک أهل السموات إلا من شاء اللہ، و لا یبقی أحد سوی وجهه الکریم". (تفسیر ابن کثیر، (الرحمن: ۲۶): ۳۴۹/۴، مکتبه دار الفیحاء)

"و أخرج عن ابن مردویه أنه قال: لما نزلت: ﴿ کل نفس ذائقة الموت﴾ قیل: یارسول اللہ! فما بال الملائکة؟ فنزلت: ﴿کل شیء هالک إلا وجهه﴾ فبین فی هذه الآیة فناء الملائکة والثقلین من الجن والإنس و سائر عالم اللہ تعالیٰ و بریته من الطیر والوحوش والسباع والأنعام، و کل ذي روح أنه =

ملے گا (۱) پھر وہاں کوئی چیز فنا نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۵ھ۔

مردوں کو جنت میں حور وغلمان ملیں گے عورتوں کو جنت میں کیا ملے گا؟

سوال [۳۸۵]: عمل صالح کرنے سے مردوں کو جنت ملے گی، حور وغلمان ملیں گے مگر عورتوں کو کیا ملے گا؟ جب کہ خاوند بھی اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا کہ عورتوں کو ان کے خاوند بھی ملیں اور دوسرے بھی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عورتوں کو ان کے خاوند ملیں گے جو ان کے لئے انتہائی راحت کا ذریعہ ہوں گے، کسی اَور طرف ان کی نظر نہیں جائے گی بلکہ خیال بھی نہیں آئے گا۔

= هالک میت". (روح المعانی، (القصص :۸۸): ۲۰/۱۹۴، ۱۹۵، دار الفکر)

"و قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما : لما نزلت هذه الآية ، قالت الملائكة: هلک أهل الأرض ، فنزلت : ﴿كل شيء هالک إلا وجهه﴾ (القصص:۸۸)، فأيقنت الملائكة بالهلاک". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی، (الرحمن: ۲۶): ۱۰۸/۱۷ ، دارالكتب العلمية)

(۱) "عن عبد الله بن مسعود عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إن المرأة من نسآء أهل الجنة ليرى بياض ساقها من وراء سبعين حلةً حتى يرى مخّها، و ذلک يقول: (كأنهن الياقوت والمرجان)". (جامع الترمذی : ۸۰/۱، باب ما جاء فی صفة نسآء أهل الجنة ، سعید)

(۲) "أن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال: إن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "يدخل الله أهل الجنةِ الجنةَ، و يدخل أهل النارِ النارَ، ثم يقوم مؤذن بينهم فيقول: يا أهل الجنة! لاموت، و يا أهل النار! لا موت، كلٌ خالد فيما هو فيه". (الصحيح لمسلم : ۳۸۲/۲، باب جهنم أعاذنا الله تعالیٰ منها، قديمی)

"و لا تموت الحور العين أبداً: أی لا يطرأ عليهن عدم". (شرح الفقه الاكبر لأبی منصور الماتريدی ، ص: ۱۶۰)

مشکوۃ شریف اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

جنت کی چار نہریں

سوال [۳۸۴]: "مشارق الانوار" کے اردو ترجمہ میں یہ حدیث پاک پڑھی کہ وہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیحون جیحون، فرات اور نیل ہر ایک بہشت کی نہریں ہیں (۲)۔

(فائدہ) سیحون وجیحون ترکستان میں ہیں اور فرات عراق میں اور نیل مصر میں، ان نہروں کا پانی بہشت کی نہروں کے مشابہ ہے، یا کم ازکم ان نہروں کی امداد وہاں سے ہوتی ہے، خاکسار کے ذہن میں اشکال پیدا ہو رہا ہے کہ جب دریا جنت سے نکلتی ہیں اور جنت آسمان میں ہے، اور لاکھوں میل کا فاصلہ ہے تو اگر ہم کوئی مشین ایجاد کر کے اس کے مرکز پر پہنچنا چاہیں تو پہنچ جانا چاہئے، جیسے گنگا جمنا کے ہمالیہ کے علاقے میں ہم پہنچ سکتے ہیں، بہر حال اس کا ربط کیا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان نہروں کا سلسلہ تو بہت دراز ہے، ایک دوسری حدیث پر غور کر کے اس کا رابطہ جنت سے معلوم کرلیں: "عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "مابین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة، ومنبری علی حوضی"۔ متفق علیه"۔ مشکوۃ

---

(۱) "ثم ننصرف إلی منازلنا فیتلقانا أزواجنا، فیقلن: مرحباً و أهلاً لقد جئت وإن بک من الجمال أفضل مما رزقتنا علیه". (مشکوة المصابیح ، باب صفة الجنة وأهلها: ص: ۴۹۹، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب صفة الجنة ، باب ما جاء فی سوق الجنة: ۲/ ۸۱، سعید)

(۲) "عن أبی هریرة –رضی اللّٰه تعالیٰ عنه– قال : قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم : "سیحان وجیحان والفرات والنیل کلّ من أنهار الجنة ."(الصحیح لمسلم ،کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها: ۲/ ۳۸۰، قدیمی)

المصابیح، ص: ٦٨ (١)۔

اس کے لئے نہ راکٹ پراڑنے کی ضرورت پیش آئے گی، نہ کسی اَور سواری کی، اس کے بعد نہروں کا ربط خود بخود واضح ہوجائے گا اور مشقت کی زحمت سے بچ جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

کیا جنت میں بھی جماع ہوگا اور غلمان کا مطلب

سوال [۳۸۷]: بہشت میں بہشتی لوگ داخل ہونے کے بعد جو دنیا کی عورتیں ہوں گی وہ سولہ سال کی عمر والی بن جائیں گی اور بہشتی مرد سے ان کی شادی ہوگی اور حور وغلمان ان کی خدمت کے لئے ہوں گے، لیکن بہشت میں ان سے مجامعت ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ بہشت پاک جگہ ہے اور جماع کرنے سے آدمی ناپاک ہوجاتا ہے، تو ناپاک لوگوں کی جگہ بہشت کیسے ہوسکتی ہے؟ حور وغلمان دو لفظ ہیں، حور سے مراد بہشتی عورت ہے لیکن غلمان سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہاں مجامعت کرنے سے نہ منی خارج ہوگی، نہ غسل لازم ہوگا، نہ ناپاکی ہوگی (٢)۔ غلمان خدمت کے

---

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ٦٨/١، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب فضل مابين قبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ومنبره وفضل موضع منبره: ٤٤٦/١، قديمى)

(٢) "قال الطبراني: و حدثنا أحمد بن يحى الحلواني ...... عن أبى أمامة أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سئل: أتجامع أهل الجنة؟ قال: "دحاً دحاً، ولكن لامنى و لامنية" :أى : لاإنزال و لا موت".

"و عنه قال: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: هل ينكح أهل الجنة؟ قال: "أى والذى بعثنى بالحق! دحماً دحماً" و أشار بيده: "و لكن لامنى و لامنية".

"و عن سعيد بن جبير أن شهوته لتجرى فى جسده سبعين عاماً يجد اللذة، و لا يلحقهم بذلك جنابة، فيحتاجون إلى التطهير الخ". (حادى الأرواح إلى بلاد الأفراح لابن قيم الجوزية، الباب الخامس والخمسون فى ذكر نكاح أهل الجنة و وطئهم الخ، ص: ٢٨٠، ٢٨١، المكتبة المكية)

لئے ہوں گے، جماع کے لئے نہیں (۱) ''فتوحات مکیہ'' میں پوری تفصیل مذکور ہے، احادیث بھی اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۹۵ھ۔

کیا جنت میں اولاد ہوگی؟

سوال [۳۸۸]: جو شخص جنت میں جائیں گے اور ان کو حوریں ملیں گی، ان کی اولاد ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اولاد کی خواہش کریں گے تو ہو جائے گی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۶/ محرم/ ۵۷ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و يطوف عليهم ولدان مخلدون﴾ ...... أى يطوفون على أهل الجنة للخدمة ولدان من ولدان الجنة". (تفسير ابن كثير، (سورة الإنسان: ۱۹) : ۴/ ۵۸۱، مكتبه دار السلام)

﴿ويطوف عليهم﴾: أى للخدمة ﴿ولدان مخلدون﴾: أى دائمون على ماهم فيه من الطراوة والبهاء.......... و جاء فى حديث أخرجه ابن مردويه عن أنس مرفوعاً أنهم ألف خادم. و فى بعض الآثار: أضعاف ذلك". (روح المعانى، تفسير قوله تعالىٰ ﴿و يطوف عليهم ولدان مخلدون﴾: ۲۹/ ۱۶۱، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

(۲) "و قال قتادة: عن أبى أيوب، عن عبد الله بن عمرو، قال: ما من أهل الجنة من أحد إلا و يسعىٰ عليه ألف غلام على عمل ما عليه صاحبه". (تفسير الطبرى: ۲۹/ ۱۳۶، (الدهر: ۱۹)، دار المعرفة)

"و فى حديث أنس عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا أول الناس خروجاً إذا بعثوا". وفيه: "يطوف علىّ ألف خادم كأنهم لؤلؤ مكنون". (حادى الأرواح إلى بلاد الأفراح، الباب الثانى والخمسون فى ذكر خدمهم و غلمانهم، ص: ۲۵۶، المكتبة المكية)

(و كذا فى مرقاة المفاتيح، رقم الحديث: ۵۷۶۵، كتاب الفضائل، الفصل الثانى: ۱۰/ ۳۵-۳۷، رشيديه)

(ومشكوة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين، الفصل الثانى ص: ۵۱۴، قديمى)

(۳) "عن أبى سعيد الخدري رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المؤمن =

جس عورت نے متعدد شوہر کئے ہوں وہ کس کو ملے گی؟

سوال[٣٨٩] : زید یہ کہتا ہے کہ ہم نے سنا ہے کل قیامت میں جبکہ نیک زوجین جنت میں داخل ہوجائیں گی تو دنیا میں جس طرح خاوند اور عورت کا جوڑا تھا ایسے ہی وہاں وہ عورت خاوند کے لئے حوریں بن جائیں گی، نیز اگر اس نے دنیا میں تین یا چار نکاح کئے ہوں تو وہ عورت کس کس کے لئے حور بنے گی؟ یا اس صورت میں جبکہ خاوند نے بیوہ کے ساتھ نکاح کیا ہو تو اب یہ عورت کس کے لئے حور بنے گی؟ چونکہ اس نے ایک مرتبہ پہلے ہی نکاح کیا تھا، پہلے خاوند کے لئے یا ثانی کے لئے؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دنیا کی عورتیں حور نہیں بنیں گی، حوریں مستقل ہونگی اور یہ عورتیں مستقل ملیں گی، جس عورت نے دنیا میں متعدد شوہر کئے ہیں اس کے متعلق علماء کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ اخیر شوہر کو ملے گی، دوسرا یہ کہ اس کو اختیار دیا جائے گا جس کو وہ پسند کریگی اس کو ملے گی:

"اختلف الناس فی المرأة إذا کا ن لها زوجان فی الدنیا لأیهما تکون فی الآخرة؟ قال بعضهم: تکون لآخرهما، وقال بعضهم: تخیر، فتختار أیّهما شاء ت، وقدجاء فی الأثر ما یؤید قول کلا الفریقین: أما من قال: هی لآخر هما فقد ذهب إلی ماروی عن معاویة ابن أبی سفیان أنه خطب أم الدرداء، فأتت وقالت: سمعت أباالدرداء یحدث عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: المرأة لآخر زوجها فی الآخرة وقال(أی أبوالدرداء): إنی أردت

= إذا اشتهی الولد فی الجنة، کان حمله و وضعه و سنه فی ساعة کما یشتهی". قال : حدیث حسن غریب ، أخرجه ابن ماجة و قال: "فی ساعة واحدة فی الجنة".(التذکرة للقرطبی ، باب المؤمن إذا اشتهی الولد فی الجنة ...... الخ ، ص: ٥٦٢، ٥٦٣، أسامة الإسلامیة)

(وجامع الترمذی ، أبواب صفة الجنة ، باب ما جاء ما لأدنی أهل الجنة من الکرامة : ٨٤/٢، سعید)

(وسنن ابن ماجه ، أبواب الزهد ، باب صفة الجنة، ص: ٣٢٣، قدیمی)

(ومسند الإمام احمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ: ٣٨٠/٣، رقم الحدیث : ١٠٦٧٩ ، دار احیاء التراث العربی)

أن تكون زوجتي في الأخرة، فلاتتزوجي بعدي. وأما من قال بأنهاتخير، فذهب إلى ماروى عن أم حبيبة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنها سألت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: يارسول الله! المرأة منا ربما يكون لها زوجان، لأيهما تكون في الاٰخرة؟ قال:" تخير فتختار أحسنهما خلقاً معها" ثم قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"ذهب حسن الخلق بخيري الدنيا والاٰ خره الخ". بستان فقيه أبي الليث سمرقندى رحمه الله تعالىٰ، ص: ۱۵۱ (۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۷/ ۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف ۶/ رجب ۵۶ھ، الجواب صحیح، سعید احمد غفرلہ۔

جس نے کئی شوہر کئے وہ جنت میں کس کو ملی گی؟

سوال[۳۹۰]: مؤمن مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گی، مؤمنہ عورتوں کو کیا ملے گا؟ اگر خاوند ملیں گے تو دنیا والے یا کوئی دوسرے، اور جس کی دنیا میں کئی بیبیاں تھیں تو پھر سب ملیں گی یا ایک دو؟ اور اگر کسی عورت نے دنیا میں پانچ چھ شوہر کئے تو وہ کون سے شوہر کو ملے گی اور اپنی بیبیاں اپنے ہی شوہر کو ملیں گی یا دوسروں کو؟

الجواب حامداًومصلياً:

مؤمنہ عورتوں کو ان کے شوہر ملیں گے، اگر کسی نے دنیا میں شادی نہ کی ہو تو اس کو اختیار دیا جائے گا کہ جس آدمی کو وہ پسند کرے اس سے ہی اس کا نکاح ہو جائے، اگر وہ کسی کو پسند نہ کرے تو حورعین میں سے ایک مرد

---

(۱) (بستان فقيه أبي الليث السمرقندى رحمه الله تعالىٰ ،ص: ۲۴۸ ،باب إذاكان لها زوجان ، مطبع فاروقي دهلي)

(وكذا في أحكام النساء ، ص: ۴۱۱، الباب السابع بعد المائة في ذكررد المرأة إلى زوجها في الجنةإذالم تتزوج بعده ، وزارة الأوقاف والشؤن الاسلامية ،قطر)

(ومعجم الطبراني ، ص: ۳۶۸/۲۳ ، بيروت)

"المرأة تكون لآخر أزواجها في الدنيا ،وجاء : أنها تكون لأحسنهم خلقاً الخ". (البداية والنهاية، فصل في المرأة تتزوج في الدنيا بأزواج الخ: ۵۸۵/۱۰ ،ط دارالفكر)

پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نکاح کردے گا۔

اور جس نے دنیا میں کئی شوہر کئے تھے تو بعض کہتے ہیں کہ ان میں سے جس کو پسند کرلے اسی کو ملے گی اور بعض کہتے ہیں کہ اخیر والے شوہر کو ملے گی:

"فی الغرائب: ولوماتت قبل أن تتزوج، تخيّر أيضاً، إن رضيت بآدمی زوجت منه، وإن لم ترض فالله يخلق ذكراً من الحور العين فيزوجها منه، واختلف الناس فی المرأة التی يكون لهازوجان فی الدنيا لأيهماتكون فی الآخرة؟ قيل: تكون لأخيرهما، وقيل: تخير، فتختار أيهما شائت انتهیٰ". مجموعه فتاوی :۳/۱۰(۱)۔

اور جس مرد نے کئی عورتیں دنیا میں کی ہیں وہ سب اس کو ملیں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

شادی سے قبل مرجانے والوں کا نکاح کیسے ہوگا؟

سوال[۳۹۱]: مسلم بالغ لڑکیاں جن کی شادی نہ ہوسکی اور قضا کرگئیں، جنت میں ان کے واسطے کیا نکاح کا بندوبست ہوگا؟

الجواب حامداًومصلياً:

جو مسلم لڑکے بغیر شادی کے گزر گئے، ان کے ساتھ نکاح ہونا سہل ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۵ھ۔

---

(۱) (مجموعة الفتاوی، كتاب القرآن، باب الجنة: ۱/ ۱۰۴، سعيد)

(وكذا فی بستان فقيه أبی الليث السمرقندی، ص:۲۴۷ باب إذاكان لها زوجان ،مطبع ،فاروقی دهلی)

(وكذا فی أحكام النساء، الباب السابع بعد المائة فی ذكر رد المرأة إلی زوجها فی الجنة إذالم تتزوج بعده، ص: ۴۱۱ ، وزارة الأوقاف والشؤن الاسلامية ،قطر)

(والبدايه والنهاية ،فصل فی المرأة تتزوج فی الدنيابأزواج: ۱۰/۵۸۵ ، دارالفكر بيروت)

(۲) "وفی الغرائب: ولوماتت قبل أن تتزوج تخيّر أيضاً، إن رضيت بآدمی زوجت منه، وإن لم ترض فالله يخلق ذكراً من الحور العين، فيزوجها منه". (مجموعة الفتاوی ،باب الجنة : ۱/۱۰۴، سعيد)

شوہر دوزخی اور بیوی جنتی کیسے ملیں گے؟

سوال[۳۹۲]: جومسلمان کلمہ گواپنے بدعمل کے تحت دوزخ میں گیااوراس کی عورت نیک عمل کے تحت جنت میں گئی،اس کا شوہر جنت میں کیونکراور کیسے ملے گا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر سزا بھگت کر آجائے تو کیا اشکال ہے ، کیونکہ کوئی مسلمان ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں رہے گا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۲/ ۷/ ۹۵ھ۔

کیابے نمازی جنت میں جائے گا؟

سوال[۳۹۳]:بے نمازی کے لئے شریعت کیاحکم دیتی ہے؟ کیابے نمازی جنت میں جائے گا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرکوئی شخص نمازکوفرض ہی نہ سمجھےتو وہ مؤمن نہیں (۲)،اگرفرض تو کہتاہےمگرنمازنہیں پڑھتااوراس کو

---

(۱) "واعلم أن مذهب أهل السنة وما عليه أهل الحق من السلف والخلف أن من مات موحداً، دخل الجنة قطعاً على كل حال، فإن كا ن سالماً من المعاصى كا لصغير......... يدخلون الجنة ولا يدخلون النار أصلاً.........وأما من كانت له معصية كبيرة، ومات من غير توبة، فهوفى مشية الله تعالى، فإن شاء عفاعنه وأدخله الجنة، وجعله كالقسم الأول، وإن شاء عذبه بالقدر الذى يريده سبحانه، ثم يدخله الجنة، فلا يخلد فى النار أحد مات على التوحيد ولو عمل من المعاصى ماعمل الخ". (شرح النووى على الصحيح لمسلم ،كتاب الإيمان ،باب الدليل على أن من مات على التوحيددخل الجنة قطعاً: ۱/ ۴۱ ، قديمى)

(وكذا فى شرح الفقه الأكبر للملا على القارى رحمه الله تعالىٰ ، ص:۱۵۶ ، قديمى)

(و كذا فى النبراس شرح شرح العقائد، ص:۵۵۷ ، مكتبه حقانية پشاور)

(۲) " الصلوة فريضة محكمة لا يسع تركها، ويكفر جاحدها كذافى الخلاصة ".(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة ، ۱/ ۵۰ ،رشيديه)... =

عذاب کا خوف بھی نہیں، قضاء پڑھنے کا ارادہ بھی نہیں، اس کے ایمان کا باقی رہنا دشوار ہے(۱) اللہ پاک حفاظت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۱۴۰۶ھ۔

کفار کے کس عمر کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے؟

سوال[۳۹۴]: کفار کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے تو یہ بچے کس عمر تک کے شمار ہوں گے، شیر خوارگی تک یا بلوغ تک؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب تک احکام شرح کے مکلّف نہ ہوں بچے ہی کہلاتے ہیں، یہی اعتبار آخرت میں بھی ہوگا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "(ویکفر جاحدها) لثبوتها بدلیل قطعی. (وتارکها عمداً مجانةً): أی تکاسلاً فاسق".
(الدرالمختار، کتاب الصلوٰة: ۱/ ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی الکامل شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان إطلاق إسم الکفر علی من ترک الصلاة: ۱/ ۶۱، قدیمی)

(۱) "ویکفر......بترک الصلاة متعمداًغیرنا وِللقضاء، و غیر خائف من العقاب". (البحرالرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/ ۲۰۹، رشیدیه)

"وفی شرح السنة: اختلف فی تکفیرتارک الصلاة الفرض عمداً، قال عمررضی الله تعالیٰ عنه: لاحظ فی الإسلام لمن ترک الصلاة. وقال ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه: ترکها کفر. وقال عبدالله بن شقیق: کان أصحاب محمد علیه الصلاةوالسلام لا یرون شیئًامن الأعمال ترکه کفر غیرالصلاة." (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، الفصل الثانی: ۲/ ۲۷۲، رشیدیه)

(۲) (سئل رسول الله ﷺ عن ذراری المشرکین) .... أی أولادهم الذین لم یبلغوا الحلم اهـ". (إرشاد الساری: ۳/ ۴۸۶، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی أولاد المشرکین، دار الکتب العلمیة بیروت).. =

اولادِ مشرکین کا حکم

سوال[۳۹۵]: مشرک وکفار، یہود ونصاریٰ وبت پرست وغیرہ کی جو معصوم اولادیں مرجاتی ہیں، کیا وہ بھی جنت میں داخل ہوں گی؟ جیسا کہ ''مظاہر حق جلد سوم'' میں ہے کہ ہر معصوم بچہ حضرت ابراہیم کے پاس جنت میں جمع رہتے ہیں اور تفسیر موضح القرآن میں ہے کہ مشرکوں کے بچے جنت میں داخل تو ہوں گے مگر بطور خدام کے۔ اور کیا معصوم بچے اپنے والدین کو قیامت کے دن پہچانیں گے اور جن کے باپ سفر کی حالت میں مرے وہ بچے کس طرح پہچانے جائیں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ان کے متعلق تعارض دلائل کی وجہ سے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے توقف کیا ہے، بعض کے نزدیک بعض جنت میں جائیں گے بعض دوزخ میں، امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی ایسا ہی منقول ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے، دوسری روایت میں ہے کہ سب کو نجات ہو جائے گی (۱) کذا فی فیض الباری:۲/۲۹۲(۲)۔

والدین کو پہچاننے کی ضرورت شفاعت ونجات کے لئے ہوگی اور جب مشرکین وکفار کے لئے نجات ہی نہیں تو ان کو پہچاننے کی ضرورت بھی نہیں، حضرت آدم علیہ السلام کے پاس وہ ارواح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

= "والغلام كما قال عياض: يطلق على الصبي من حين يولد إلى أن يبلغ". (ردالمحتار: ۶/۱۵۳، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام الخ، فصل، سعيد)

(۱) راجع للتفصيل الحاوي على عشرة أقوالٍ: (فتح الباري لابن حجر رحمه الله تعالىٰ، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين :۳/۳۱۵، قديمي)

(۲) "واعلم أنهم اختلفوا في أولاد المشركين: فنقل عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ التوقف، و صرح النسفي في الكافي أن المراد بالتوقف في الحكم الكلي، فبعضهم ناج و بعضهم هالك، لابمعنى عدم العلم أوعدم الحكم بشيء وهو مذهب مالك صرح به أبوعمرو في التمهيد، وإليه ذهب الشافعي كما صرح به الحافظ، وعن أحمد روايتان". (فيض الباري، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين، ۲/۴۹۲، ۴۹۳، خضر راه بكڈپو ديوبند)

علیہ وسلم نے معراج میں دیکھی تھیں جو اس وقت تک دنیا میں نہیں آئیں تھیں کذا فی شرح البخاری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا غیر مسلم نیکی کر کے جنت میں جا سکتا ہے؟

سوال [۳۹۶]: ایک مسلمان جس کا نام ظہور خان ہے وہ یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذہب کے اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو وہ بھی جنتی ہے اور قرآن پاک کا حوالہ دیتا ہے۔ برائے مہربانی تحریر فرمادیں کہ اس کا جواب کیا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلياً :

جو شخص شرک وکفر کی حالت میں مرا ہو، اس کی نجات نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا: ﴿من يشرك بالله، فقد حرم الله عليه الجنة، ومأوٰه النار﴾ (۲) قرآن کریم میں صریح آیا ہے، اس کے متعلق موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۷/۲۷ھ۔

کیا مور جنت میں تھا؟

سوال [۳۹۷]: کیا مور جنت میں تھا؟ اب باہر دنیا میں نکال دیا گیا ہے، کیا یہ شریعت سے ثابت ہے؟

---

(۱) "و يحتمل أن يقال : إن النسم المرئية هى التى لم تدخل الأجساد بعد، و هى مخلوقة قبل الأجساد، ومستقرها عن يمين آدم وشماله، و قد أعلِم بما سيصيرون إليه، فلذلک کان يستبشر إذا نظر إلى من عن يمينه، ويحزن إذا نظر من عن يساره، بخلاف التى فى الأجساد فليست مرادة قطعاً، و بخلاف التى انتقلت من الأجساد إلى مستقرها من جنة أو نار فليست مرادة أيضاً فيما يظهر ". (فتح البارى ، كتاب الصلاة ، باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء ؟ ۱/۲۰۸، ۲۰۹، قديمى)

(۲) (المائدة : ۷۲)

قال الله تعالىٰ: ﴿ إن الله لا يغفر أن يشرک به، و يغفر ما دون ذلک لمن يشآء ﴾ (النساء : ۴۸، ۱۱۶)

الجواب حامداً و مصلیاً :

مور کے متعلق بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہ جنت میں تھا، پھر وہاں سے نکال دیا گیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیو بند ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

کیا کچھ جانور بھی جنت میں جائیں گے؟

سوال[۳۹۸] : اصحاب کہف کا کتا بھی جنت میں داخل ہوگا، بعض کتابوں میں تحریر ہے حالانکہ کتا اس قدر نجس قرار دیا گیا کہ فرشتے تک انبیاء کے گھروں میں داخل نہ ہوسکیں پھر یہ کتا جنت میں کس طرح داخل ہوگا؟۔ بعض کتابوں میں تحریر ہے کہ یہ کتے کی شکل میں نہ جائے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پھر کس شکل میں جنت میں داخل ہوگا؟ یا یہ بالکل غلط ہے کہ جنت میں داخل ہوگا۔ تفسیر موضح القرآن میں ہے کہ کتا بھی زندہ ہے، لاکھوں اچھوں میں ایک برا بھی آئے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا کتا جنت میں جائے گا، لیکن کوئی کیفیت تحریر نہیں کہ کس صورت میں جائے گا(۲)، جس خدا کو قدرت ہے کہ وہ مردے کو زندہ کرے بلکہ عدم سے وجود عطا فرمائے، وہ

---

(۱) ﴿فأزلهما الشيطان عنها فأخرجهما مما كانا فيه، و قلنا﴾ لآدم و حواء و طاؤس و حية و إبليس ﴿اهبطوا﴾ انزلوا إلى الأرض". (تفسير ابن عباس على هامش الدر المنثور : ۱/ ۱۸، بيروت)

(۲) "قيل: ليس في الجنة دواب سوى كلب أصحاب الكهف، و حمار بلعم". (تفسير الخازن، (الكهف: ۱۸): ۳/ ۲۰۵، حافظ كتب خانه)

(و كذا في التفسير المظهري، (الكهف:۱۸): ۶/ ۲۱، حافظ كتب خانه)

"فعن خالد بن معدان: ليس في الجنة من الدواب إلا كلب أصحاب الكهف و حمار بلعم، ورأيت في بعض الكتب أن ناقة صالح و كبش إسماعيل أيضاً في الجنة، و رأيت أيضاً أن سائر الحيوانات المستحسنة في الدنيا كالظباء والطواويس و ما ينتفع به المؤمن كالغنم تدخل الجنة على كيفية تليق =

اگر نجاست کو طہارت سے بدل دے تو کیا اشکال ہے؟

دنیا میں انسان قسم قسم کی نجاستوں کا مخزن ہے، مگر جنت میں اس کے ساتھ کوئی نجاست نہیں رہے گی، سب سے پاک وصاف کردیا جائے گا، اس کتے کے علاوہ اَور بھی بعض جانور ممکن ہے کہ جنت میں جائیں، چنانچہ سید احمد حموی نے شرح الاشباہ والنظائر، ص:۳۹۵، میں بحوالہ ''شرح شرعۃ الاسلام'' حضرت مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ دس جانور جنت میں جائیں گے: ناقہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ناقہ صالح علیہ السلام، عجل ابراہیم علیہ السلام، کبش اسماعیل علیہ السلام، بقرہ موسیٰ علیہ السلام، حوت یونس علیہ السلام، حمار عزیر علیہ السلام، نملہ سلیمان علیہ السلام، ہدہد بلقیس، کلب اہل الکہف۔ مشکوۃ الانوار میں لکھا ہے کہ ان سب کا بھی حشر ہوگا(۱)۔

جہاں حدیث میں لکھا ہے کہ جس گھر میں کتے ہوں اس میں فرشتے نازل نہیں ہوتے، وہاں حدیث میں شکار اور حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت بھی موجود ہے، كذا في المشكوة، باب ذكر الكلب (۲)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا کتا بھی شکار کے لئے تھا، اس کا نام

= بذلك المكان و تلك النشأة، وليس فيما ذكر خبر يعول عليه فيما أعلم". (روح المعاني (الكهف: ۱۸) ۹/۳۲۷، دار الفكر)

(۱) "قوله: "ليس من الحيوان من يدخل الجنة إلا خمسة" أي من الحيوان الذى لا نطق له، و إلا فالإنسان حيوان، قال في "شرح شرعة الإسلام": قال مقاتل رحمه الله تعالىٰ: عشرة من الحيوانات تدخل الجنة: ناقة محمد عليه الصلاة و السلام، و ناقة صالح عليه الصلوٰة والسلام، وعجل إبراهيم عليه الصلوٰة والسلام، و كبش إسماعيل عليه الصلوٰة والسلام و بقرة موسى عليه الصلوٰة والسلام، و حوت يونس عليه الصلوٰة والسلام، وحمار عزير عليه الصلوٰة والسلام، و نملة سليمان عليه الصلوٰة والسلام، و هدهد بلقيس، و كلب أهل الكهف، كلهم يحشرون، كذا في "مشكاة الأنوار". انتهى". (شرح الأشباه والنظائر، للحموى، الفن الثالث، فائدة: ۲۱۹۳، ۳/۲۳۹، إدارة القرآن)

(۲) "عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من اقتنى كلباً إلا كلب ماشية أو ضار، نقص من عمله كل يوم قيراطان". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب ذكر الكلب: ۲/۳۵۹، قديمى)

''قطمیر'' تھا، بعض نے ''حمران'' کہا ہے(۱)۔ ''لباب التاویل'' میں اس کے رنگ وغیرہ کی بھی تفصیل ہے، لیکن کوئی معتبر روایت نقل نہیں کی (۲) اس لئے ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بحث کو ترک کردیا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اصحاب کہف کا کتا جنت میں کیوں جائے گا؟

سوال[۳۹۹]: اصحاب کہف کا کتا جنت میں کیوں جائے گا؟ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اور مستند حدیث سے ثابت ہے کہ انسانی شکل پاکر جائے گا؟ اور حور وقصور سے متمتع ہوگا؟ اور اگر حدیث شریف میں ہے تو اس حدیث کی سند اور صحت اور کتاب کا حوالہ درکار ہے، محبت اور خدمت ورفاقت کا اگر یہ انعام ہے تو اسی طرح بے شمار جانوروں نے انبیاء وصلحاء کی محبت کی ہے، اس صورت میں بے شمار جانور بہشت میں جانے چاہئیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ وسلم کا گدھا ''یافور''، اونٹنی ''قصوی''، ''استوانہ حنانہ''، یہ بھی انسانی شکل میں جنت میں جانے چاہئیں۔

---

(۱) "و قد قيل : إنه (أى كلب أصحاب الكهف) كان كلب صيد لأحدهم ، و هو الأشبه ،......... كان اسم كبش إبراهيم عليه الصلوٰة والسلام "جرير"، واسم هدهد سليمان عليه الصلوٰة والسلام "عنقز"، و اسم كلب أصحاب الكهف "قطمير"...... و قد تقدم عن شعيب الجبائي أنه سماه "حمران". (تفسير ابن كثير(الكهف:۱۸): ۱۰۵/۳، مكتبه دار الفيحاء)

(۲) " و اختلف فى لونه فأخرج ابن أبي حاتم من طريق سفيان قال: قال لى رجل بالكوفة يقال له: عبيد، و كان لا يتهم بكذب: رأيت كلب أصحاب الكهف أحمر كأنه كساءٌ أنبجاني، وأخرج عن كثير النواء قال: كان الكلب أصفر ، وقيل :كان أنمر، وروي ذلك عن ابن عباس، و قيل غير ذلك". (روح المعانى ،(الكهف: ۱۸): ۲۲۵/۱۵، دارإحياء التراث العربى)

(۳) "و اختلفوا في لونه على أقوال لا حاصل لها، و لا طائل تحتها، و لا دليل عليها، ولا حاجة إليها، بل هى مما ينهى عنه، فإن مستندها رجم بالغيب". (تفسير ابن كثير، (الكهف:۱۸): ۱۰۵/۳، دارلفيحاء)

الجواب حامداً و مصلیاً :

شرح الاشباہ والنظائر ،ص:۳۹۹ میں چند جانوروں کا ذکر ہے کہ یہ جنت میں جائیں گے(۱)، ان کی خصوصیات کی وجہ فضلِ خداوندی ہے، وہ جس طرح چاہے کرے، علت تخریج کرکے ہر چیز کے متعلق قیاس کا یہ محل نہیں ہے،"استوانہ حنانہ" کے متعلق حدیث شریف میں جنت میں جانے کا تذکرہ صاف صاف ہے۔

اس کی تفصیل پوری سند کے ساتھ مسند دارمی میں موجود ہے (۲) دیگر کتب حدیث

---

(۱) "قوله :"ليس من الحيوان من يدخل الجنة إلا خمسة " أى من الحيوان الذى لا نطق له و إلا فالإنسان حيوان، قال في "شرح شرعة الإسلام ": قال مقاتل رحمه الله تعالىٰ : عشرة من الحيوانات تدخل الجنة: ناقة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و ناقة صالح عليه السلام ، وعجل إبراهيم عليه الصلاة والسلام ، و كبش إسماعيل عليه الصلاة والسلام، و بقرة موسى عليه الصلاة والسلام ، و حوت يونس عليه الصلاة والسلام، وحمار عزير عليه الصلاة والسلام ، و نملة سليمان عليه الصلاة والسلام، وهدهد بلقيس ، و كلب أهل الكهف، كلهم يحشرون ، كذا في مشكاة الأنوار " انتهى". (شرح الأشباه والنظائر، للحموى ، الفن الثالث ، فائدة : ۲۱۹۳، ۲۳۹/۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "أخبرنا محمد بن حميد ، ثنا تميم بن عبد المؤمن ، ثنا صالح بن حيان ، حدثني ابن بريدة عن أبيه قال: كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا خطب، قام فأطال القيام، فكان يشق عليه قيامه، فأتي بجذع نخلة فحفر له، وأقيم إلى جنبه قائماً للنبي -صلى الله تعالىٰ وسلم -فكان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا خطب فطال القيام عليه، استند إليه ، فاتكأ عليه،فبصر به رجل كان ورد المدينة، فرآه قائماً إلى جنب ذلك الجذع، فقال لمن يليه من الناس : لو أعلم أن محمداً يحمدني في شئي يرفق به، لصنعت له مجلساً يقوم عليه، فإن شاء جلس ما شاء، وإن شاء قام، فبلغ ذلك النبي – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– فقال :" ايتوني به" فأتوه به، فأمر أن يصنع له هذه المراقي الثلاث أو الأربع ، هى الآن في منبر المدينة، فوجد النبي – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم – في ذلك راحةً ، فلما فارق النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الجذع، و عمد إلى هذه التي صنعت له، جزع الجذع، فحنّ كما تحن الناقة حين فارقه النبي – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم – فزعم ابن بريدة عن =

میں بھی ہے (۱) باقی ان جانوروں کا انسانی شکل میں ہونا اور حور وقصور سے انسانوں کی طرح متمتع ہونا میرے علم میں نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أبيه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين سمع حنين الجذع رجع إليه، فوضع يده عليه، وقال: اختر أن أغرسک في المكان الذي كنت فيه فتكون كما كنت، وإن شئت أن أغرسک في الجنة فتشرب من أنهارها و عيونها، فيحسن نبتک و تثمر فيأكل أولياء الله من ثمرتک و نخلک فعلت. فزعم أنه سمع من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يقوله له : "نعم"، قد فعلت مرتين، فسئل النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال:" اختار أن أغرسه في الجنة".(رواه الدارمی في مقدمة سننه ، باب ما أكرم الله النبي بحنين المنبر: ۱/ ۲۹، ۳۰، قديمى)

(۱) (فتح الباری لابن حجر العسقلانی ، كتاب المناقب ، باب علامات النبوة فی الإسلام : ۶/ ۷۴۹، قديمى)

متفرقات الإیمان والعقائد

منکرات پرنکیر

سوال[۴۰۰]: جوعلماء اس زمانے میں بلڈنگ کھڑی کرنے میں لگے ہیں یا لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانے میں جس طرح سختی تھی اس زمانے میں کی جائے تو کیا وجہ ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوت کھائے بغیر مکان سے واپس آ گئے تھے کیونکہ داعی کے مکان میں تصویر تھی؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

کسی کی خاطر معصیت کا ارتکاب، مجلس معصیت میں شرکت، امور دین میں مداہنت درست نہیں (۱)، منکرات پرنکیر حسب موقع وحسب حیثیت لازم ہے (۲)، البتہ طریقہ نکیر وہ اختیار کیا جائے جس میں اصلاح مظنون ہو اور تذلیل وتحقیر کسی کی مقصود نہ ہو (۳)، فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۲/۲۲ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾. (المائدة : ۲)

"وعن علي – رضی اللہ تعالیٰ عنه – قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم :"لا طاعة فی معصية، إنما الطاعة فی المعروف". متفق عليه ".(مشكوة المصابيح ، كتاب الإمارة والقضاء : ۳۱۹/۲، قديمی)

(۲) " من رأى منكم منكراً فليغيره بيده ، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان".وقد قال بعض علمائنا : الأمر الأول للأمراء ،والثاني للعلماء ، والثالث لعامة المؤمنين..... وشرطهما (أى الأمر والنهى) أن لا يؤدى إلى الفتنة ، كما عُلم من الحديث ، و أن يظن قبوله، فإن ظن أنه لا يقبل، فيستحسن إظهار شعار الإسلام".(مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب ، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول : ۸۶۱/۸، ۸۶۲، رشيديه)

(۳) "و ينبغى للآمر والناهي أن يرفق ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب ".(مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب ، باب الأمر بالمعروف ، الفصل الأول: ۸۶۳/۸، رشيديه)

کیا ظالم کے لئے ہدایت ہے؟

سوال[۴۰۱]: قرآن شریف میں ہے:﴿إن الله لا یهدی القوم الظالمین﴾ (۱) اس میں مسلمان ظالم بھی شامل ہیں، تو ظالم مسلمان یا ظالم کافر کی ہدایت کے لئے دعاء مقبول ہوتی ہے یا نہیں؟ یہاں ہدایت کی نفی سے کیا مراد ہے؟ فقط عبدالحکیم خان مدرسہ فیض العلوم اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اصل ظالم مشرک ہے (۲) جس کے لئے "لایهدی" وارد ہے: ﴿إن الشرك لظلم عظیم﴾ (۳)۔ ہدایت کی نفی سے تکوینی نفی مراد ہے تشریعی مراد نہیں، لہذا ہر ظالم اور ہر کافر کے لئے دعائے ہدایت درست ہے، کسی کی موجودہ حالت کو دیکھ کر حتمی رائے قائم کرنا دشوار ہے کہ اس کا خاتمہ اسی حال پر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۳ھ۔

کیا نافرمان بھی بندہ ہے؟

سوال[۴۰۲]: میں نے ایک شخص سے یہ کہا تھا کہ جو شخص اللہ اور رسول کو نہیں مانتا وہ بندہ نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے اور سراج الدین یہ کہتا ہے کہ میں اس بات کو نہیں مانتا۔ سراج الدین گنگوہ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

خدا کے سب بندے ہیں، جو حکم مانتے ہیں وہ بھی، اور جو نہیں مانتے وہ بھی، البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ

---

(۱) (الأنعام : ۱۴۴)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ والله لا یهدی القوم الظالمین ﴾ (التوبة : ۱۹)

قال العلامة الآلوسی : " أرید بهم المشرکون، و بالظلم الشرک". (روح المعانی : ۶۸/۱۰، داراحیاء التراث العربی)

و قال تحت آیة آل عمران رقمها: ۸۶: "الظالمین": أی الکافرین الذین ظلموا أنفسهم". (روح المعانی : ۲۱۷/۳، دار احیاء التراث)

(۳) (لقمان : ۱۳)

جو حکم مانتے ہیں وہ فرمانبردار ہیں، جو حکم نہیں مانتے وہ نافرمان ہیں، بندہ ہونے سے کوئی نہیں نکلتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

توکلاً بد پرہیزی کرنا

سوال[۴۰۳]: زید کو پورا یقین ہے کہ کسی چیز میں یہ قدرت نہیں کہ نفع یا نقصان پہونچا سکے، کسی مرض کی حالت میں اس کا اطباء کے کہنے پر نقصان دہ چیزوں سے اپنے یقین کی وجہ سے پرہیز نہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی چیز میں یہ تو براہ راست قدرت نہیں کہ وہ نفع یا نقصان پہونچا سکے، کیوں کہ نافع اور ضار صرف ذات حق تعالیٰ ہے(۱)، لیکن یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ اللہ پاک نے اپنی مخلوقات میں تاثیرات رکھی ہیں، آگ، پانی، ہوا کی تاثیرات سب جانتے ہیں، سانپ، بچھو کے زہر کا بھی انکار نہیں کیا جاتا، کھانے پینے کے اثرات سب ہی جانتے ہیں، ریل کی پٹری پر گردن رکھنے کا نتیجہ بھی ظاہر ہے، دوا کی تاثیرات حدیث شریف سے ثابت ہے(۲) پرہیز کی تاکید آئی ہے(۳) لیکن ہر شی کی مخصوص تاثیر کا علم ہونا ہر ایک کے لئے لازم نہیں، اطباء

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإن یمسسک اللہ بضرّ فلا کاشف له إلا هو﴾(الانعام:۱۷)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿قل لا أملک لنفسی ضراً و لا نفعاً إلا ما شاء اللہ﴾(سورہ یونس: ۴۹)

(۲) "و عن زید بن أرقم رضی اللہ عنه قال: أمرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أن نتداوی من ذات الجنب بالقسط البحری و الزیت". (مشکوۃ المصابیح، ص:۳۸۸، کتاب الطب، سعید)

"عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن اللہ أنزل الداء والدواء، و جعل لکل داء دواء، فتداووا و لا تداووا بحرام". (مشکوۃ المصابیح المصدر السابق، قدیمی)

(۳) "عن أم المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: دخل علیّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و معه =

کا تجویز کردہ پرہیز بھی پختگی کے ساتھ ہوتا ہے، کبھی محض احتیاط اور اعلیٰ درجہ میں ہوتا ہے، اس لئے نہ ہر پرہیز کی پابندی کو شرعاً ضروری قرار دیا جاسکتا ہے، نہ ہر بد پرہیزی کی اجازت دی جاسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۱/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

انکار موت سے متعلق ایک مشہور شعر سے متعلق تحقیق

سوال[۴۰۴]:

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب　　　موت کیا ہے انھیں اجزاء کا پریشان ہونا

کیا مذکورہ شعر کمیونسٹ نظریہ کی تائید نہیں کرتا؟ اگر کرتا ہے تو پھر اس شعر کو ایک پڑھے لکھے مسلم کو یہ سمجھ کر پڑھنا کہ جو چیز مذکورہ شعر میں بیان کی گئی ہے عین حقیقت ہے۔

خلاصۂ کلام: کیا مذکورہ شعر مسلم عقیدہ میں ضرب کاری نہیں لگاتا ہے، اگر یہ شعر مسلم عقیدہ پر غلط اثر ڈالتا ہے، تو اس صورت میں صحیح کہنے والے مسلم کو کیا سزا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شعر میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ کوئی شرعی تحقیق نہیں، نہ شاعر نے اس کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ شریعت کا مکلّف ہے، پس اس کو حکم شرعی سمجھتے ہوئے بحث کرنا بے محل ہے، اس میں جو کچھ کہا گیا ہے نظریہ اسلام کے تحت نہیں بلکہ یہ تو ان لوگوں کا نظریہ ہے جو واجب الوجود کے لئے امہات الصفات تین جز میں مانتے ہیں: ایشور، وشنو، شیو، یعنی مرکب، محافظ، مخرب یا محلل، ان کے نزدیک نیستی سے ہستی نہیں ہوسکتی اور ہستی سے نیستی نہیں ہوسکتی، اسلام نے واجب الوجود کو خالق، معطیٔ وجود اور مغنی وجود تسلیم کیا ہے، وہ عدم محض سے منصۂ وجود پر جلوہ گر

= علیّ، و لنا دوال معلقة، فجعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يأكل و علي معه يأكل، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعليّ: "مه يا علي! فإنک ناقه". قالت: فجعلت لهم سلقاً و شعيراً، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "يا علي! من هذا، فأصب، فإنه أوفق لک". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۶۶، كتب الأطعمة، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

کرنا ہے اور موجود کو کتم عدم میں مستور و فنا کرنا ہے: ﴿خلق الموت والحیٰوۃ﴾. الایہ (۱) جو اہلِ اسلام میں اس شعر کو پڑھتے یا اس سے استدلال کرتے ہیں وہ شاعرانہ ندرت کے گرویدہ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۶/۶/۱۴۰۱ھ۔

روزِ محشر اموالِ کفار کا محاسبہ

سوال: کفار کے مال کا محاسبہ و مواخذہ روزِ محشر ہوگا تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

علماء نے لکھا ہے کہ کافر کی خصومت کا معاملہ اشد ہے، اس لئے کہ مسلم کی نیکیاں اس کو نہیں دی جائیں گی اور اس کا کفر مسلم پر نہیں ڈالا جائے گا (۲)، اللہ علیم ہے کہ کیا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۹۴ھ۔

مسلمان آپس کے اختلاف کے بعد بھی مسلمان ہیں

سوال [۴۰۶]: ہندوستان یا کسی بھی ملک میں کافی تعداد میں مسلمان آباد ہیں اور آپس میں بوجہ پارٹی بندی سب مختلف الخیال ہیں، جس کی وجہ سے آئے دن ان پر حملہ ہوتا رہتا ہے اور ان کی جان و مال،

---

(۱) (الملک: ۲)

(۲) "مسلم غصب من ذمی مالاً أو سرقة، فإنه یعاقب علیه یوم القیامة؛ لأنه أخذ مالاً معصوماً، والذمی لا یرجی منه العفو بخلاف المسلم، فکانت خصومة الذمی أشد، و عند الخصومة لا یعطی ثواب طاعة المسلم للکافر؛ لأنه لیس من أهل الثواب و لا وجه لأن یوضع علی المسلم و بال کفر الکافر فیبقی فی خصومته". (رد المحتار: ۲۹۴/۳، باب الاستیلاء، مطلب: خصومة الذمی أشد من خصومة المسلم، سعید)

"و ظلم الذمی أشد من المسلم". و فی ردالمحتار: "لأنه یشد الطلب علی ظالمه لیکون معه فی عذابه، و لا مانع من طرح سیئات غیر الکفر علی ظالمه، فیعذب بها بدله". (رد المحتار: ۴۰۲/۶، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۵۸/۳، کتاب الغصب، فصل فی براءة الغاصب والمدیون، رشیدیه)

عزت وعصمت سب غیر محفوظ ہیں، ایسی صورت میں وہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو اس کی کیا صورت ہے اور کس طرح ہے؟

الجواب حامداً مصلياً :

نفسانی اغراض اور ذاتی اقتدار کی بناء پر اختلاف اور پارٹی بندی سخت مذموم ہے(۱) اس کے نتائج نہایت خراب ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے، لیکن پھر بھی ان کو کافر نہیں کہا جائے گا، وہ مسلمان ہی ہیں (۲)، ان کو اپنی حرکتوں سے باز آنا اور توبہ کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا ہر دین حق ہے؟

سوال[۴۰۸] : زید فوجی افسر پیشتر کپتان نے تصویر کھینچنے کا آلہ کیمرہ رکھا ہے جس سے بہت سے لوگوں کا گھر اور اپنا فوٹو اور تصویروں سے بھر دیا ہے اور اپنے اختراعی ادلہ وساوس سے تصویروں کو مباح بتا کر

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ واعتصموا بحبل الله جميعاً و لا تفرقوا ﴾. (آل عمران :۱۰۳)

و قال تعالىٰ: ﴿ وأطيعوا الله و رسوله، و لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم، واصبروا﴾ (الأنفال :۴۶)

وقال تعالىٰ: ﴿ إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم ﴾ (الحجرات : ۱۰)

(۲) وقال تعالىٰ:﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا الخ ﴾ والآية تدل على أن البغي لا يزيل اسم الإيمان؛ لأنه سماهم مؤمنين مع وجود البغي". (المدارک ،(الحجرات : ۹): ۲/۵۸۴،قديمی)

"واستدل المؤلف أيضاً على أن المؤمن إذا ارتكب معصيةً لا يكفر بأن الله تعالى أبقى عليه اسم المؤمن فقال : ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا﴾ ثم قال: ﴿إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم﴾ واستدل أيضاً بقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إذا التقى المسلمان بسيفيهما". فسماهما مسلمين مع التوعد بالنار". (فتح الباری ، كتاب الإيمان ، باب: ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فسماهم المؤمنين﴾: ۱/۱۱۶، قديمی)

﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما﴾ فسماهم المؤمنين مع الاقتتال. و بهذا استدل البخاري و غيره على أنه لا يخرج عن الإيمان بالمعصية وإن عظمت". (تفسير ابن كثير ، (الحجرات ص: ۹) : ۴/۱۸۶، دار القلم)

مسلمانوں کو گمراہ بھی کرتا ہے اور نیز گراموفون باجہ اس کے یہاں موجود ہے جس سے عشقیہ غزلیں اور واہیات ابیات بمع اہل خانہ خود بھی سنتا ہے اور دوسروں کو بھی سماع کی ترغیب دیتا ہے۔

جوزکوۃ کے معاملے میں ابخل الناس ہو، ہزاروں روپے جو کہ اس کے بنک میں جمع ہیں ان کا سود بھی کھاتا ہے، اس کی بہو، بیٹیاں لیڈی فیشن کی قمیض پہنتی ہیں جس سے قد میں سے اوپر کا نصف صدر غیر مستور رہتا ہے اور یہ خود ظاہر ہے کہ امراء کے اثر سے غرباء جہلاء کا متاثر ہونا لازمی ہے الا ماشاء اللہ اور اس کے بیٹے و پوتے نصف سر مونڈاتے ہیں اور نیم رکھواتے ہیں اور ہیٹ پتلون وغیرہ لباس مشابہ نصاریٰ پہنتے ہیں، اور ایک زید کا بیٹا جس نے بی اے تعلیم انگلش کی ڈگری حاصل کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں اسلام پر بیسیوں نکتہ چینیاں کر سکتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہے کہ تمام مذاہب حق ہیں، صرف کوئی قریب کوئی بعید راہ سے خدا تک پہنچتے ہیں۔

زید اس فرزند کی قابلیت پر انتہائی نازاں ہے اور خود زید ساٹھ سال سے بھی زائد کا بوڑھا ہو کر اپنی سفید داڑھی ہر صبح جڑ سے مونڈتا ہے، ہفتہ عشرہ میں نمازیں صرف ایک دو ہی پڑھتا ہے مگر مسلمانوں کا رہنما بننا چاہتا ہے، اپنی پارٹی الگ بنانے کے واسطے مسلمانوں میں تشتت وافتراق پیدا کرتا ہے، امام مسجد سے اپنی حمد چاہتا ہے بغیر اس کے کوئی امام مسجد میں رہنے نہیں پاتا، اس لئے اس گستاخ کو ہر استاذ امام مسجد کی بد دعا ہی نصیب ہوتی ہے۔ وعدہ خلافی اور جھوٹی شہادتیں اور تکبر اس کا خاصہ ہے اور بے انصافی کا یہ عالم ہے کہ اپنی پہلی بیوی کو بے گناہ جس سے اس کا ایک پسر بھی ہے اپنے گھر سے نکال دیا، نہ خرچ دیا اور نہ طلاق، تیس سال کے بعد وہ بیچاری معلقہ اپنے والدین کے یہاں سے فوت ہوگئی۔ اور جو مبلغ شرک و بدعت کو مٹانے کی درخواست کرتے ہیں اس کا پہلا دشمن یہی ہوتا ہے، جب کسی مسئلہ کو حوالہ کتب فقہ سے دیا جائے تو فقہائے کرام کو جھوٹا کہتا ہے اور جب قرآن مجید اور حدیث شریف کا ترجمہ کر کے مطلب بتایا جائے تو اپنی ہی بات منواتا ہے۔ تو کیا شریعت مطہرہ میں زید سے ترک موالات مسلمانوں کو ضروری ہے یا نہیں؟

مستفتی: نذیر حسین راولپنڈی پنجاب۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ایسا شخص نہایت خطرناک ہے(۱) اہل اسلام کو اس سے دور رہنا لازم ہے(۲) ورنہ اس کے زہریلے

---

(۱) قوله رحمه الله : ''خطرناک ہے''۔ فأما قول السائل : ''تصویروں کو مباح بنا کر الخ'' فإن أخذ التصاوير حرام مرتكبه موعود بأشد العذاب بنص الحديث الشريف: "عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما إذ جاء ه رجل فقال : ياابن عباس ! إني رجل، إنما معيشتي من صنعة يدي، و إني أصنع هذه التصاوير . فقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: لا أحدثك إلا ما سمعت من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، سمعته يقول: "من صوّر صورةً، فإن الله معذبه حتى ينفخ فيه الروح، و ليس بنافخ فيها أبداً". الحديث .

"و عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"إن أشد الناس عذاباً يوم القيامة من قتل نبياً، أو قتله نبي،أو قتل أحد والديه، والمصورون ، و عالم لم ينتفع بعلمه". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس ، باب التصاوير ، الفصل الثالث : ص:۳۸۶، ۳۸۷، قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ:" قال أصحابنا وغيرهم من العلمآء : تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، و هو من الكبائر ؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث ، سواء صنعه في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو غير ذلك".(المرقاة شرح المشكوة ، كتاب اللباس ، باب التصاوير ، الفصل الأول : ۸/۲۶۶، رشيديه)

و أماقوله : ''میں اسلام پر بیسیوں نکتہ چینیاں الخ'' فمن جملة ألفاظ الكفر ، و من جملة إهانة الشرع ، و قد نص الفقهاء أيضاً بكفر هذا المرتكب ، و في شرح الفقه الأكبر للقاريّ : "و في التتمة : من أهان الشريعة أو المسائل التي لا بد منها ، كفر".(فصل في العلم والعلماء :ص: ۱۷۴، قديمي)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر و التقاطع الخ، ص: ۴۲۷، قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ تحته : "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلّته، ولا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ ، فيجوز فوق ذلك . وفي =

اثرات سے ایمان کا خطرہ ہے، دین اسلام کے علاوہ آج کوئی دین حق موجود نہیں، نجات صرف اسلام میں منحصر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿و من يبتغ غير الإسلام ديناً، فلن يقبل منه، وهو في الآخرة من الخاسرين﴾ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الثانی/۶۱ھ۔

جاہل بدعقیدہ کی اصلاح کا طریقہ

سوال [۴۰۸]: ایک شخص اعتقادِ باطلہ رکھتا ہے، مثلاً کسی کام کی ابتدا میں چونگڑیاں دیکھتا ہے کہ یہ وقت اچھا ہے یا برا، جس طریقہ پر کہ غیر مسلم دیکھتے ہیں، اور کنواں کھدواتے وقت ناریل کا غیروں کے پاس پھوڑنا اور اس پر اعتقاد رکھنا، اور جب تحقیق کی گئی تو جواب میں کہتا ہے کہ میں تو مانتا ہوں، چاہے تم مانو یا نہ مانو حتی کہ لڑکیوں کی رخصتی میں بھی خصوصی طور پر اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اب ایسے شخص سے تعلقات رکھنا اور اس کے یہاں کھانا پینا کیسا ہے؟ اور ایسا شخص جو اعتقادِ باطلہ رکھتا ہو تو اسے دین کے کسی کام میں بڑا بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

بدنصیبی ہے کہ نہ علم دین حاصل ہے، نہ اہل حق علماء کی صحبت میسر ہے، جس کی وجہ سے ایسی غلط چیزوں

= حاشية السيوطي على المؤطا: قال ابن عبدالبر: .... وأجمع العلمآء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته ما يفسد عليه دينَه، أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده، ورب صرم جميل خير من مخالطةٍ تؤذيه، ...... فإن هجرة أهل الأهوآء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح المشكوٰة، كتاب الأدب ماينهى من التهاجر والتقاطع الخ: ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رشيديه)

(۱) (آل عمران: ۸۵)

قال العلامة الآلوسي تحت الآية المذكورة: "والإسلام قيل: التوحيد والانقياد، وقيل: شريعة نبينا عليه السلام، بيّن تعالىٰ أن من تحرى بعد مبعثه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم غير شريعته، فهو غير مقبول منه". (روح المعاني: ۲۱۵/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

میں مبتلا ہے، ایسے آدمی پر فتویٰ لگا کر تعلق منقطع کر دینا عامۃً مفید نہیں ہوتا، بلکہ مضر ہوتا ہے کہ ضد قائم ہو جاتی ہے، پھر حق کے ماننے اور سننے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے، اس لئے نرمی اور شفقت سے اس کو سمجھایا جائے اور کسی تدبیر سے بھی اس کو تبلیغی جماعت میں بھیج دیا جائے، ماحول بدلنے سے انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔